معارفِ ترمذی

مع

ترمذی ثانی کی جدید اردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے

جلد سوم

پسند فرمودہ و تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند
سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 172 اسلام آباد
0333-5375336

نام کتاب : معارف ترمذی جلد سوم
مصنف: مفتی محمد طارق
کمپوزنگ: محمد آصف لطیف 0343-5261568
ناشر: مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد
تاریخ اشاعت: جون ۲۰۱۳ء

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

اسٹاکسٹ
مکتبہ فریدیہ ای سیون
اسلام آباد

اسلام آباد : مکتبہ فریدیہ، E-7 اسلام آباد
لاہور : اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور
: مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
: مکتبہ الحسن، اردو بازار لاہور
کراچی : ادارہ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی
: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
: مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی
: ادارۃ الانور، نیو ٹاؤن کراچی
ملتان : جامعہ حقانیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
فیصل آباد : مکتبہ العارفی، نزد جامعہ امدادیہ فیصل آباد
کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
تیمر گرہ : دینی کتب خانہ، تیمر گرہ

اپنے شہر کے ہر بڑے کتب خانے میں ہماری مطبوعات دستیاب ہیں

فہرست

معارف ترمذی جلد سوم

ابواب فضائل القرآن

ابواب القراءات

ابواب التفسیر

اجمالی فہرست

فہرست

معارف ترمذی جلد سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الدین۔

برادر عزیز ومکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی واستاذ حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں ''معارف ترمذی'' کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں۔ بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند مآخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح دلنشین انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دارانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور مآخذ، مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اوّل ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کمی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

عرض مؤلف

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

الحمد للہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں معارف ترمذی جلد سوم ہے، اس میں اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے جامع ترمذی جلد ثانی کے تین ابواب کی شرح پیش کی گئی ہے:

۱۔ ابواب فضائل القرآن

ان ابواب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی تلاوت، بعض مخصوص آیات اور سورتوں کے فضائل پر مشتمل احادیث ذکر کی ہیں، قرآن میں مشغول رہنے کے انوار وبرکات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت وتلاوت کی کیفیت، قرآن مجید بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ سے، قرآن مجید بھول جانے کا حکم، اور قرآن کو حفظ کرنے، سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت اور بہت کچھ، یہ وہ امور ہیں جو ان ابواب میں بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ ابواب القراءات

ان ابواب میں ایسی احادیث درج ہیں جن میں قرآن مجید کی چند قراءتیں، سبعہ احرف کا مطلب، قرآن مجید کتنے عرصے میں ختم کیا جائے اور ختم قرآن کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

لیکن ابواب کی شرح سے پہلے میں نے قرآن مجید کی قراءتوں سے متعلق چند ضروری باتیں ذکر کی ہیں تاکہ آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مختلف قراءتیں کس طرح وجود میں آئیں، سات قراء سے کون مراد ہیں، قرآن کے الفاظ پر نقطے کب لگائے گئے، زبر، زیر اور پیش کا آغاز کب ہوا، پارے، رکوع اور رموز اوقاف بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ ابواب التفسیر

ان ابواب میں قرآن مجید کی بعض آیات اور بعض سورتوں کے شان نزول، ان سے ثابت ہونے والے احکام، عبرتیں اور نصائح، تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور اسرائیلی روایات کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اور بہت ہی اہم مباحث، مستند تفاسیر کے حوالوں سے تحریر کی گئی ہیں۔

جلد سوم کی تصنیف وتالیف میں بھی اسی اسلوب اور انداز کو اختیار کیا گیا ہے جو معارف ترمذی کی پہلی دو جلدوں میں تھا البتہ اس جلد میں مزید دو چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے:

۱۔ ہر حدیث کی تخریج کی گئی ہے یعنی ہر حدیث کے بارے میں یہ نشاندہی کی گئی ہے کہ یہ حدیث، جامع ترمذی کے علاوہ کتب حدیث میں سے اور کس کس کتاب میں ذکر کی گئی ہے۔

۲۔ جس صحابی یا صحابیہ نے حضور ﷺ سے حدیث روایت کی ہے، ان کے حالات زندگی، دینی کارنامے، زہد وتقویٰ اور ان کی عبادات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اپنی وسعت اور بساط کی حد تک اس بات کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو، چنانچہ ہر بات کو مکمل احتیاط، غور وفکر اور تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس کے باوجود اگر کسی صاحب نظر کے سامنے اس کی کوئی بات غلط ثابت ہو تو از راہ کرم دلیل کے ساتھ اس غلطی کے بارے میں آگاہ کردیں، میں اس پر ان کا بہت احسان مند ہوں گا، اور آئندہ ان شاء اللہ اس غلطی کی اصلاح کردی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے اس ادنیٰ سی کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے، اس میں اخلاص پیدا فرمادے، ان احادیث پر مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس شرح کو میرے لئے، میرے والدین کے لئے، اور تمام اساتذہ کے لئے صدقہ جاریہ، عفوو درگذر، اپنی رضاء وخوشنودی اور مغفرت کا ذریعہ بنائے اور اپنے فضل وکرم سے دین کی مخلصانہ خدمت کے لئے مزید قبول فرمائے اور اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

طالب دعا

محمد طارق

استاذ حدیث ومفتی جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

ومدیر جامعہ مریم للبنات F-10/3،

سٹریٹ C-7، مکان نمبر 72، اسلام آباد

15 رجب 1434ھ

27 مئی 2013ء

0333-5375336

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قرآن کریم کے فضائل سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث پر مشتمل ابواب

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

یہ باب سورہ فاتحہ کی فضیلت پر مشتمل احادیث کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أُبَيُّ وَهُوَ يُصَلِّي، فَالْتَفَتَ أُبَيٌّ وَلَمْ يُجِبْهُ، وَصَلَّى أُبَيٌّ فَخَفَّفَ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكَ السَّلَامُ، مَا مَنَعَكَ يَا أُبَيُّ أَنْ تُجِيبَنِي إِذْ دَعَوْتُكَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: أَفَلَمْ تَجِدْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ {اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ} [الأنفال: 24] " قَالَ: بَلَى وَلَا أَعُودُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، قَالَ: أَتُحِبُّ أَنْ أُعَلِّمَكَ سُورَةً لَمْ يَنْزِلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا، وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُعْطِيتُهُ(۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) ابی بن کعب کے پاس گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا: اے ابی، وہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے چہرہ پھیر کر دیکھا لیکن آپ کو جواب نہیں دیا، (یعنی آپ کے پاس حاضر نہ ہوئے) پھر انہوں نے نماز پڑھی اور اسے مختصر کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: السلام علیک یا رسول اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک السلام، اے ابی جب میں نے تمہیں بلایا تھا تو کس چیز نے تمہیں جواب دینے سے روکا؟ عرض کیا یا رسول اللہ: میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا تم نے وہ حکم نہیں پایا یعنی پڑھا جسے میری طرف وحی کیا گیا: استجیبوا ـــــ الآیۃ (اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو، جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں) عرض کیا: جی ہاں یہ حکم میں نے پڑھا

(۱) سنن دارمی ۲/۴۴۶ کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب، مسند احمد ۲/۳۵۷، ۴۱۲

ہے، آئندہ ایسا نہیں کروں گا ان شاء اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت سکھاؤں کہ اس طرح کی سورت نہ تورات میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ ہی (بقیہ) قرآن میں؟ عرض کیا: جی ہاں (سکھادیجئے) یارسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز میں کس طرح یعنی کیا پڑھتے ہو؟ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے ام القرآن یعنی سورہ فاتحہ پڑھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس جیسی سورت نہ تورات میں اتاری گئی، نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ ہی (بقیہ) قرآن میں، یہی سبع مثانی (یعنی سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں) اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: فالتفت أبي: حضرت ابی نے مڑکر دیکھا۔ لم يجبه: آپ کو جواب نہیں دیا، یعنی حاضر خدمت نہ ہوئے۔ خفف: نماز کو مختصر کیا۔ استجيبوا: تم جواب دو، قبول کرو، مان لو۔ الذي أعطيته: وہ جو مجھے عطا کیا گیا۔

سورہ فاتحہ کی اہمیت وفضیلت

اس حدیث سے سورہ فاتحہ کی اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورت اس سے پہلے جتنی بھی آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور آسمانی صحیفے نازل ہوئے ہیں ان میں کسی کتاب میں اس جیسی سورت نہیں اتری، بلکہ بقیہ قرآن میں بھی اس جیسی اور کوئی سورت نہیں جو اس شرف کی حامل ہو جو سورہ فاتحہ کو حاصل ہے، اسی سے قرآن شروع ہوتا ہے، نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے، اور یہ سب سے پہلی سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی گو کہ سورہ اقرأ، مزمل اور سورہ مدثر کی چند آیات ضرور اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں مگر مکمل سورت سب سے پہلے فاتحہ ہی نازل ہوئی ہے۔(۱)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہونے والے نمازی کی نماز، فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

اس بات پر تو تمام حضرات کا اتفاق ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو بلائیں اور وہ نماز میں ہو تو اسے آپ کے بلانے پر حاضر ہو جانا چاہئے۔ لیکن دورانِ نماز اس حاضری سے اس کی نماز، فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے دو دو قول ہیں، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی، جبکہ حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر لازماً اسے حاضر ہو جانا چاہئے، جبکہ وہ بندہ نماز میں ہو، آیا اس حاضری سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حدیث خاموش ہے، اور عام دلائل کہ اس طرح نماز کو توڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کا

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۸۱/۸، قدیمی کراچی، معارف القرآن ۷۲/۱

تقاضا یہی ہے کہ یہاں بھی اس شخص کی نماز فاسد ہو جائے گی جو نماز توڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو، اگر چہ اسے نماز توڑنے کا کوئی گناہ نہیں ہوگا،(۱)

سورہ فاتحہ کو سبع مثانی وغیرہ کہنے کی وجوہ

سورہ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کے تین نام ذکر فرمائے ہیں: ام القرآن، سبع مثانی اور قرآن عظیم، اس سورت کے یہ نام کس وجہ سے رکھے گئے ہیں، ان وجوہ کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ام القرآن، سورہ فاتحہ کو ام القرآن دو وجہ سے کہا جاتا ہے:

- قرآن مجید کے تمام بنیادی مضامین یعنی توحید، رسالت اور بعث بعد الموت اجمالی طور پر اس سورت میں جمع ہیں۔
- ''اُم'' کے معنی اصل اور بنیاد کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ قرآن مجید کے قواعد وضوابط کی بنیاد ہے، اسی پر ایمان کے تمام احکام کا دارومدار ہوتا ہے۔

كيف تقرأ في الصلاة؟ قال: فقرأ أم القرآن

علامہ طیبی نے اس مقام پر حدیث کے ان الفاظ کے اعتبار سے ایک اشکال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہاں سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ سوال میں قراءت کی حالت اور کیفیت کا ذکر ہے، کہ تم نماز میں کیسی قراءت کرتے ہو، نفس قراءت کا سوال بظاہر مقصود نہیں، اور یہاں جواب میں نفس قراءت کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ سوال اس کے بارے میں نہیں تھا؟

جواب میں فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہاں جواب میں کچھ الفاظ مقدر ہوں، اصل عبارت اس طرح ہو: قرأ أم القرآن مرتلاً ومجوداً کہ حضرت ابی نے سورہ فاتحہ کو ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سوال کا منشا یہ ہو کہ تم اس سورت کی حالت اور کیفیت بتاؤ جو نماز میں پڑھی جاتی ہے، کہ کیا وہ جامع سورت ہے جو تمام قرآن کے مضامین پر مشتمل ہے؟ تو حضرت ابی نے بتایا کہ وہ ام القرآن یعنی سورہ فاتحہ نماز میں پڑھتے ہیں، جو قرآن کے بنیادی مضامین پر مشتمل ہے۔(۲)

حدیث کے سیاق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نفس قراءت کا سوال کرنا مقصد ہے گو کہ لفظ ''کیف'' کا استعمال کیا گیا ہے، اور اس سوال وجواب سے سورہ فاتحہ کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ام القرآن ہے جو قرآن مجید کے تمام اہم اور بنیادی مضامین کا خلاصہ ہے، قراءت کی کسی مخصوص حالت اور کیفیت کا سوال کرنا پیش نظر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أوجز المسالک ۲/۸۸ باب ما جاء فی القرآن، مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۵ کتاب فضائل القرآن، الفصل الاول۔

(۲) شرح الطیبی ۴/۲۵۱ کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی

۲۔ سورہ فاتحہ کو "سبع مثانی" بھی کہتے ہیں، اسے "سبع" تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی آیتیں سات ہیں، سات آیات ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں، البتہ فقہاء کرام کے درمیان ان کی تعیین میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک "صراط الذین أنعمت علیہم" ایک مستقل آیت ہے، اور بسم اللہ قرآن مجید کی تو آیت ہے لیکن سورہ فاتحہ کی آیت نہیں۔

شوافع کے نزدیک صراط الذین انعمت علیهم مستقل آیت نہیں بلکہ "صراط الذین" سے لے کر "ولا الضالین" تک ساتویں آیت ہے اور سورہ فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ ہے (۱)۔

"مثانی" جمع ہے "مثنی" کی، اس کے معنی ہیں: دو دو، سورہ فاتحہ کو مثانی کہنے کی مختلف وجہیں ذکر کی گئی ہیں:

- نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے،
- اس میں اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء بیان کی گئی ہے۔
- یہ سورت خاص طور پر اس امت کو استثنائی طریقے سے عطاء کی گئی ہے، اس سے پہلے کسی امت پر نازل نہیں ہوئی۔
- اس کا نزول دو مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ منورہ میں۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ وجوہ میں کوئی تعارض نہیں، ان تمام کی بنیاد پر اس سورت کو "مثانی" کہا جاتا ہے۔

۳۔ سورہ فاتحہ کو "قرآن عظیم" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ سورت مختصر ہونے کے باوجود قرآن مجید کے بنیادی مضامین اور امور پر مشتمل ہے، اس کی اہمیت اور وقعت کو واضح کرنے کے لئے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ (۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَآيَةِ الْكُرْسِيِّ

یہ باب سورہ بقرہ اور آیت الکرسی کی فضیلت سے متعلق ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ الْبَقَرَةُ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ (۳)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اور جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے، اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ، وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

---

(۱) عمدة القاری ۱۸/۸۱

(۲) الاتقان فی علوم القرآن ۱/۷۱ مرقاة المفاتیح ۵/۱۵ کتاب فضائل القرآن، الفصل الاول

(۳) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب استحباب سورة النافلة فی بیته و جوازها فی المسجد

وَفِيهَا آيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ آيِ الْقُرْآنِ، هِيَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ(۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک ہر چیز کے لئے ایک بلندی ہوتی ہے، اور قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے، اور اس میں ایک ایسی آیت بھی ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے، اور وہ آیت الکرسی ہے(۲)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ حم الْمُؤْمِنَ، إِلَى: {إِلَيْهِ الْمَصِيرُ} [غافر: 3] وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ حِينَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتَّى يُمْسِيَ، وَمَنْ قَرَأَهُمَا حِينَ يُمْسِي حُفِظَ بِهِمَا حَتَّى يُصْبِحَ(۳)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت سورہ حمٓ (سے) یعنی وہ جو سورہ مؤمن ہے "الیہ المصیر" تک اور آیت الکرسی پڑھے تو وہ ان کی برکت سے شام تک (ظاہری و باطنی آفات سے) محفوظ رہتا ہے اور جو شخص ان کو شام کے وقت پڑھے تو وہ ان کی برکت سے صبح تک محفوظ رہتا ہے۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ سَهْوَةٌ فِيهَا تَمْرٌ، فَكَانَتْ تَجِيءُ الغُولُ فَتَأْخُذُ مِنْهُ قَالَ: فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَاذْهَبْ فَإِذَا رَأَيْتَهَا فَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ أَجِيبِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَأَخَذَهَا فَحَلَفَتْ أَنْ لَا تَعُودَ فَأَرْسَلَهَا، فَجَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ؟ قَالَ: حَلَفَتْ أَنْ لَا تَعُودَ: فَقَالَ: كَذَبَتْ، وَهِيَ مُعَاوِدَةٌ لِلْكَذِبِ، قَالَ: فَأَخَذَهَا مَرَّةً أُخْرَى فَحَلَفَتْ أَنْ لَا تَعُودَ فَأَرْسَلَهَا، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ؟ قَالَ: حَلَفَتْ أَنْ لَا تَعُودَ. فَقَالَ: كَذَبَتْ وَهِيَ مُعَاوِدَةٌ لِلْكَذِبِ، فَأَخَذَهَا. فَقَالَ: مَا أَنَا بِتَارِكِكِ حَتَّى أَذْهَبَ بِكِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقَالَتْ: إِنِّي ذَاكِرَةٌ لَكَ شَيْئًا: آيَةَ الكُرْسِيِّ، اقْرَأْهَا فِي بَيْتِكَ فَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ وَلَا غَيْرُهُ، قَالَ: فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ؟ قَالَ: فَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَتْ، قَالَ: صَدَقَتْ وَهِيَ كَذُوبٌ(۴)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں ایک چھوٹا کمرہ تھا جس میں کچھ کھجوریں رکھی تھیں، ایک جنی آتی اور اس میں سے کھجوریں لے جاتی، چنانچہ اس کی انہوں نے (یعنی ابوایوب انصاری نے) رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: تم جاؤ اور جب تم اسے دیکھو تو اللہ کا نام لے کر اسے کہو کہ تم اللہ کے رسول کے حکم کی تعمیل

---

(۱) اخرجہ الحمیدی (۴۳۷/۲) حدیث: ۹۹۴

(۲) اخرجہ الحمیدی (۴۳۷/۲) حدیث: ۹۹۴

(۳) سنن دارمی ۴۴۹/۲، کتاب فضائل القرآن باب فضل اول سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی

(۴) مسند احمد ۴۲۳/۵

کرو، راوی کہتے ہیں کہ ابوایوب انصاری نے اسے پکڑ لیا تو وہ جنی قسم کھانے لگی کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گی، اس پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا، پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ ابوایوب انصاری نے عرض کیا: اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گی، حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا ہے وہ ضرور دوبارہ آئے گی، راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے دوبارہ اسے پکڑ لیا تو اس نے ایک بار پھر قسم کھائی کہ وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی، اس لئے انہوں نے اسے پھر چھوڑ دیا، پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ عرض کیا: اس نے قسم کھائی کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گی، پھر ابوایوب انصاری نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میں تجھے حضور ﷺ کے پاس ضرور لے جاؤں گا، اس پر وہ کہنے لگی کہ میں تمہیں ایک چیز یعنی آیت الکرسی بتاتی ہوں کہ تم اپنے گھر میں اسے پڑھ لیا کرو تو شیطان اور اس کے علاوہ اور کوئی چیز بھی آپ کے قریب نہیں آئے گی، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ راوی کہتے ہیں کہ ابو ایوب انصاری نے آپ ﷺ کو وہ تمام بات بتادی جو اس جنی نے ان سے کہی تھی، تب حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے بات تو سچ کہی ہے اگرچہ وہ خود بہت بڑی جھوٹی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا وَهُمْ ذُو عَدَدٍ فَاسْتَقْرَأَهُمْ، فَاسْتَقْرَأَ كُلَّ رَجُلٍ مِنْهُمْ مَا مَعَهُ مِنَ الْقُرْآنِ، فَأَتَى عَلَى رَجُلٍ مِنْ أَحْدَثِهِمْ سِنًّا، فَقَالَ: مَا مَعَكَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ: مَعِي كَذَا وَكَذَا وَسُورَةُ الْبَقَرَةِ قَالَ: أَمَعَكَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاذْهَبْ فَأَنْتَ أَمِيرُهُمْ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِهِمْ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا مَنَعَنِي أَنْ أَتَعَلَّمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ إِلَّا خَشْيَةَ أَلَّا أَقُومَ بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَءُوهُ وَأَقْرِئُوهُ، فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَهُ فَقَرَأَهُ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا يَفُوحُ بِرِيحِهِ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوكِيَ عَلَى مِسْكٍ(1)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور وہ چند گنتی کے لوگ ہی تھے، آپ نے ان سے قرآن پڑھنے کو کہا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک سے قرآن پڑھوایا جتنا کہ اس کے ساتھ تھا (یعنی جتنا کہ اسے یاد تھا) پھر آپ ﷺ ان میں سے ایک نوعمر کے پاس آئے اور پوچھا کہ اے فلاں تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے فلاں فلاں سورت اور سورہ بقرہ یاد ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا سورہ بقرہ تمہیں یاد ہے؟ عرض کیا: جی ہاں (یاد ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر جاؤ، تم ہی ان کے امیر ہو، چنانچہ ان کے اشراف میں سے ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم مجھے سورہ بقرہ کو سیکھنے یعنی یاد کرنے سے نہیں روکا مگر

(1) سنن ابن ماجة، المقدمة: باب فضل من تعلم القرآن وعلمه حديث: ۱۷

اس اندیشہ نے کہ میں اسے نماز تہجد میں نہ پڑھ سکوں گا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرآن سیکھو اور اسے پڑھو اس لئے کہ قرآن کی مثال اس شخص کے لئے کہ جس نے قرآن مجید سیکھا، اسے پڑھا اور رات کے قیام یعنی تہجد میں اس کی تلاوت کی، چمڑے کے اس تھیلے کی مانند ہے جو مشک سے بھرا ہوا ہو، اور جس کی خوشبو ہر جگہ پھیلی رہتی ہے، اور اس شخص کی مثال جس نے اس کو سیکھا (یعنی یاد کیا) پھر وہ سویا رہتا ہے (یعنی نماز تہجد میں نہیں پڑھتا، غافل رہتا ہے) جبکہ وہ اس کے دل میں محفوظ ہے، اس تھیلے کی طرح ہے جسے مشک سے بھر کر ڈوری سے باندھ دیا گیا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مقابر: مقبرۃ کی جمع ہے: قبرستان۔ سنام: (سین پر زبر) رفعت و بلندی، کوہان۔ ای: آیۃ کی جمع ہے، آیتیں۔ سھوۃ: (سین پر زبر اور یا ساکن) اس کے مختلف معنی ہیں، طاق جو دیوار میں محراب نما خانہ بنایا جاتا ہے اور اس میں چیزیں رکھی جاتی ہیں، گھر کے درمیان بنایا ہوا چبوترہ، چھوٹا کمرہ، الماری، یہاں حدیث میں ان میں سے کوئی معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے تاہم بعض حضرات نے "طاق" کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ غول: (غین پر پیش کے ساتھ) یہ لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں حدیث میں جن، جنی، بھوت مراد ہیں جو مختلف شکل وصورت میں ظاہر ہوتے ہیں،

اور اہل عرب کے ہاں "غول بیابانی" ان مخصوص جنات اور شیاطین کو کہا جاتا ہے، جو جنگلوں میں ہوتے ہیں اور مختلف شکلوں کے روپ میں آ کر گذرنے والوں کو گمراہ یا ہلاک کر دیتے ہیں، اس کی جمع غیلان ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں اہل عرب کے اس نظریے کی یوں تردید فرمائی کہ "لا غول و لا صفر" کہ غول بیابان کی کوئی اصل نہیں اور صفر میں کوئی نحوست نہیں۔ أجیبی: جنی سے خطاب ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی بات مان لو۔ معاودۃ للکذب: وہ جھوٹ بولنے کی عادی ہے۔ کذوب: (صیغہ مبالغہ) بہت زیادہ جھوٹ بولنے والی۔ بعث: (باء پر زبر اور عین کے سکون کے ساتھ) لشکر۔ ذو عدد: گنتی کے لوگ یعنی ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ استقرأ: قرآن پڑھوایا۔ مامعہ من القرآن: جو کچھ اس کے ساتھ قرآن ہے یعنی جتنا اسے یاد ہے۔ أحدثھم سناً: نوعمر، کم عمر والا۔ ان أتعلم البقرۃ: یہ کہ میں سورہ بقرہ سیکھوں یعنی اسے یاد کروں۔ خشیۃ ان لا اقوم بھا: اس اندیشہ سے کہ میں نماز تہجد میں اسے نہ پڑھ سکوں گا۔ جراب: (جیم کے نیچے زیر) چمڑے کا تھیلا جس میں زادِ راہ وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ محشو مسکا: مشک سے بھرا ہوا۔ یفوح ریحہ: اس کی خوشبو مہکتی ہے، پھیلتی رہتی ہے۔ یرقد: وہ سویا رہتا ہے یعنی غفلت کے ساتھ زندگی گذارتا رہتا ہے، اور نماز تہجد میں بھی اسے نہیں پڑھتا۔ أوکی: (صیغہ مجہول) اس تھیلے کو ڈوری سے باندھ دیا گیا۔ علی مسک: جو تھیلا کہ مشک سے بھرا ہوا ہو۔

سورہ بقرہ اور آیت الکرسی کی فضیلت

اس باب کی احادیث میں سورہ بقرہ اور آیت الکرسی کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے،

چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، معنی یہ ہیں کہ جس طرح قبرستان اللہ کے ذکر، تلاوت اور

عبادت سے خالی ہوتے ہیں، اس طرح اپنے گھروں کو نہ بناؤ، کہ تم بھی مردہ لوگوں کی طرح پڑے رہو، نہ ذکر کرو اور نہ تلاوت اور عبادت وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں ذکر واذکار، عبادات اور تلاوت قرآن کا معمول بنانا چاہئے تا کہ وہ قبرستان کے حکم میں نہ ہو جائے اور فرمایا کہ جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت کر لی جائے تو اس میں شیطان نہیں داخل ہو سکتا، تلاوت تو بہر حال باعث برکت ہے، یہاں سورہ بقرہ کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ یہ ایک طویل سورت ہے، اس میں اللہ جل جلالہ کے بہت سے اسماء ہیں، اور اس میں بے شمار احکام ہیں، چنانچہ کہا گیا ہے کہ اس سورہ میں ایک ہزار امر، ایک ہزار نہی، ایک ہزار حکم اور ایک ہی ہزار واقعات اور گذشتہ امتوں کے قصے ہیں۔(۱)

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی اور رفعت ہوتی ہے اور قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے، اور آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے، کیونکہ اس میں جامع انداز سے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح چوتھی حدیث میں ہے کہ جس گھر میں اسے پڑھ لیا جائے تو اس میں جنات اور شیاطین داخل نہیں ہوتے۔

باب کی آخری حدیث میں بھی سورہ بقرہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ جس صحابی کو یہ سورہ یاد تھی اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میر کارواں بنا دیا حالانکہ وہ نو عمر تھے، اور آپ نے فرمایا "قرآن سیکھو اور پڑھا کرو" ابو محمد جوینی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا فرض کفایہ ہے، اور نماز میں پڑھنے کے لئے بقدر ضرورت قراءت سیکھنا فرض عین ہے، اس میں مشغولیت نماز نفل پڑھنے سے بہتر ہے(۲)۔

"مشک سے بھرے ہوئے تھیلے" کی مثال اس طرح ہے کہ قرآن سیکھنے اور پڑھنے والے کا سینہ ایک تھیلے کی مانند ہے، اور اس میں قرآن کریم مشک کی طرح ہے، لہذا جب وہ قرآن پڑھتا ہے تو اس کی برکت گھر اور تمام سامعین تک پہونچتی ہے، اور جو شخص قرآن مجید سیکھ تو لے لیکن نہ وہ اسے پڑھے اور نہ ہی اس پر عمل کرے تو اس کی برکت کہیں بھی نہیں پہونچتی، یہ مشک کے اس تھیلے کی مانند ہے جس کا منہ ڈوری سے باندھ دیا گیا ہو، جس کی وجہ سے نہ تو مشک کی خوشبو پھیلتی ہے اور نہ اس سے کسی کو فائدہ پہونچتا ہے(۳)۔

آیت الکرسی اور سورہ مؤمن کی ابتدائی آیت کی برکت

باب کی تیسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الکرسی اور سورہ مؤمن کی ابتدائی آیت یعنی "حم تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ھو، الیہ المصیر"

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۶/۵ کتاب فضائل القرآن، الفصل الاول

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۴۲/۵ کتاب فضائل القرآن

(۳) تحفۃ الاحوذی ۱۸۴/۸، ۱۸۵

کی فضیلت بیان کی ہے کہ جو شخص انہیں صبح کو پڑھ لے تو وہ شام تک ظاہری اور باطنی آفات و بلیات سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور شام کو پڑھ لے تو وہ صبح تک محفوظ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

یہ باب سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ(۱)۔

حضرت ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے (قیام اللیل کی طرف سے) کافی ہو جاتی ہیں۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ، أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ، وَلَا يُقْرَآنِ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ۔ (۲)

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس میں سے دو آیتیں اتاریں، جن پر کہ سورہ بقرہ کو ختم کیا، اور جس گھر میں تین رات تک یہ دو آیتیں پڑھی جائیں تو شیطان اس کے قریب بھی نہیں ہوتا (چہ جائیکہ وہ اس میں داخل ہو)۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

''آیتین'' سے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں مراد ہیں یعنی امن الرسول سے سورت کے آخر تک،

پہلی حدیث میں ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص رات میں انہیں پڑھ لے گا تو یہ دونوں آیتیں اس کے لئے کافی ہو جائیں گی۔

کس چیز کے لئے کافی ہو جائیں گی؟ بعضوں نے کہا کہ نماز تہجد کی طرف سے کافی ہو جائیں گی، بعضوں نے کہا شیطان کے شر سے کفایت کریں گی، بعضوں کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت کے لئے کافی ہو جائیں گی اور بعضوں نے کہا ہر برائی سے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی باب:۱۲، حدیث:۴۰۰۸

(۲) سنن دارمی کتاب فضائل القرآن، فصل اول سورۃ البقرۃ

حفاظت کے لئے کافی ہو جائیں گی، لیکن ان تمام اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب جمع ہو سکتے ہیں یعنی یہ تمام مراد لئے جا سکتے ہیں (۱)۔

قرآن مجید کو لوح محفوظ میں کب لکھا گیا

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو لوح محفوظ میں اور دیگر تمام چیزوں کی تقدیریں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں، ''کتابت تقدیر'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیلی بحث معارف ترمذی جلد اوّل ابواب القدر، باب، ''کتابت تقدیر کے معنیٰ'' کے تحت گذر چکی ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ''دو ہزار سال'' کا ذکر ہے، جبکہ دوسری روایت میں ''پچاس ہزار سال'' کا ذکر ہے، تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے تین جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ اس سے کسی مخصوص حد کی تحدید مراد نہیں، بلکہ اس سے طویل مدت اور سابق ہونا مراد ہے، معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے قرآن مجید کو لوح محفوظ میں لکھ دیا اور ہر چیز کی تقدیر لکھ دی۔

۲۔ کتابت تقدیر کے اوقات مختلف ہیں، بعض چیزیں پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں اور بعض چیزوں کو آسمان و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے لکھا گیا ہے۔

۳۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں قرآن مجید کی کتابت اور ہر چیز کی تقدیر کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا اور ان کے سامنے قرآن مجید کی کتابت کو آسمان و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ظاہر فرمایا، اس لئے دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں سے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل فرمائیں اور ان پر اس سورت کو ختم فرمایا، اگر ان دو آیتوں کو کسی گھر میں تین راتوں تک پڑھا جائے تو شیطان اس کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتا، داخل ہونا تو دور کی بات ہے (۲)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ

یہ باب سورہ آل عمران کی فضیلت سے متعلق ہے

عَنْ نَوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَأْتِي الْقُرْآنُ وَأَهْلُهُ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ بِهِ فِي الدُّنْيَا تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ قَالَ نَوَّاسٌ: وَضَرَبَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَمْثَالٍ، مَا

---

(۱) فتح الباری ۹/۶۸ کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرۃ

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۱۹۲، مرقاۃ ۵/۴۴ کتاب فضائل القرآن، شرح الطیبی ۴/۲۵۳، حدیث: ۲۱۴۵

نَسِيتُهُنَّ بَعْدُ قَالَ: تَأْتِيَانِ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ وَبَيْنَهُمَا شَرْقٌ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ سَوْدَاوَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا ظُلَّةٌ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُجَادِلَانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا(۱)۔

حضرت نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) قرآن اور اہل قرآن جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے اس طرح آئیں گے کہ قرآن یا اہل قرآن کے آگے سورہ بقرہ اور آل عمران ہوگی، نواس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کی تین مثالیں بیان فرمائیں، میں اس کے بعد انہیں کبھی نہیں بھولا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دونوں (یعنی ان کا ثواب) اس طرح آئیں گی کہ گویا کہ وہ دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں، اور ان کے درمیان ایک روشنی ہے، یا اس طرح آئیں گی کہ گویا کہ وہ دو سیاہ بدلیاں ہیں، یا گویا کہ صف باندھے ہوئے پرندوں کے وہ دو سائبان ہیں، یہ دونوں سورتیں اپنے ساتھی کی طرف سے (اللہ تعالیٰ سے) بحث مباحثہ اور جھگڑا کریں گی (یعنی اس کے حق میں سفارش کریں گی)۔

وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، نَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فِي تَفْسِيرِ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ - قَالَ: مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ سَمَاءٍ وَلَا أَرْضٍ أَعْظَمَ مِنْ آيَةِ الْكُرْسِيِّ، قَالَ سُفْيَانُ: لِأَنَّ آيَةَ الْكُرْسِيِّ هُوَ كَلَامُ اللَّهِ، وَكَلَامُ اللَّهِ أَعْظَمُ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ(۲)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مجھے امام بخاری نے بتایا، حمیدی سے، کہ سفیان بن عیینہ، حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین میں آیت الکرسی سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی''۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت الکرسی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام آسمان وزمین کی پیدائش سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ تقدمه: (دال پر زبر کے ساتھ) سورہ بقرہ اور آل عمران کا اجر وثواب، بقیہ قرآن کے اجر وثواب سے آگے آگے ہوگا۔ غیایتان: غیایة کا تثنیہ ہے، ہر وہ چیز جس سے سایہ حاصل کیا جائے۔ جیسے بادل وغیرہ۔ شرق: (شین پر زبر اور راساکن) نور، روشنی، خلا، فرجہ، کشادگی۔ غمامتان: غمامة کا تثنیہ ہے: بادل، بدلی۔ ظلة: (ظاء پر پیش اور لام پر زبر وتشدید) سائبان۔ صواف: صافة کی جمع ہے: دونوں پر پھیلا کر اڑنے والے پرندے گویا انہوں نے صف باندھی ہوئی ہے۔ تجادلان: وہ دونوں سورتیں جھگڑا اور بحث مباحثہ کریں گی یعنی سفارش کریں گی۔

سورہ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت

اس حدیث میں ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ اور آل عمران پر عمل کرے گا، ان میں بتائے ہوئے احکام کے مطابق زندگی

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ حدیث: ۸۰۵/۲۵۳

(۲) صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب:۲، حدیث: ۲۲۸۴/۱۷

گذارے گا تو قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں آگے آگے ہوں گی یعنی ان کا اجر وثواب، بقیہ قرآن کے اجر وثواب سے آگے آگے ہوگا، اور یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے صاحب کے بارے میں خوب اصرار اور مبالغہ کے ساتھ شفاعت کریں گی،

نبی کریم ﷺ نے ان کی تین مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ قیامت کے دن وہ اس طرح آئیں گی، گویا وہ دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں خواہ وہ بادل کی صورت میں ہوں یا کسی اور شکل وصورت میں ہوں، اور ان دونوں کے درمیان ایک نور اور روشنی ہوگی اور بعض حضرات نے ''شرق'' کے دوسرے معنی یعنی خلا، فصل، فرجہ اور کشادگی کے معنی مراد لئے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان اسی طرح فاصلہ، فرجہ اور خلا ہوگا جس طرح دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سے فرق کیا جاتا ہے، تاکہ دو سورتوں کے درمیان امتیاز ہو جائے، لیکن اکثر حضرات نے پہلے معنی کو ہی اختیار کیا ہے۔

دوسری مثال بیان فرمائی کہ وہ دونوں سورتیں دو سیاہ بادلوں کی طرح قیامت کے دن رونما ہوں گی، اور ان پر سایہ کریں گی اس وقت جبکہ میدان حشر میں ہر بندہ سورج کی تپش اور حرارت سے پسینہ سے شرابور ہوگا، تخی کے اس وقت میں یہ سورتیں ان کے لئے سایہ کا کام دیں گی، اور سیاہ بادل کا سایہ چونکہ شدید گرمی میں نہایت آرام دہ اور سکون کا باعث ہوتا ہے اس لئے یہاں سیاہ بادل کا ذکر کیا گیا ہے،

دوسری اور پہلی مثال میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں سایہ بنسبت دوسری صورت کے کم ہوگا، اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے سر سے قریب ہوں گی جیسا کہ بادشاہوں کے سروں پر چھتری سے سایہ کیا جاتا ہے کہ اس طرح ان کے سروں پر سایہ بھی ہوگا اور روشنی بھی ہوگی۔

تیسری مثال یہ بیان فرمائی کہ قیامت کے دن وہ سورتیں اس طرح آئیں گی گویا کہ وہ ایک سائبان ہے جو صف بستہ پرندوں سے بنا ہو، اس سائبان سے وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو ان پر عمل پیرا ہوں گے (۱)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے ان احادیث میں یہ تاویل کی ہے کہ ان سورتوں کے آگے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کا اجر وثواب آگے آگے ہوگا، یہ معنیٰ اس لئے بیان کئے ہیں تاکہ عام لوگوں کا عقیدہ خراب نہ ہو کہ وہ سورتیں آگے کس طرح آئیں گے جبکہ ان کا جسم تو ہے نہیں،

اس لئے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں یہاں حقیقی معنیٰ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں، کہ اس جہاں میں اللہ تعالیٰ ان سورتوں کو ایک جسم اور شکل عطاء فرمادیں گے، اس لئے وہ آگے آگے ہوکر اللہ تعالیٰ سے اپنے پڑھنے اور عمل کرنے والے کے حق میں سفارش کریں گی (۲)۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۷، کتاب فضائل القرآن، تحفۃ الاحوذی ۸/۱۹۴

(۲) الکوکب الدری ۴/۱۲

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ سُورَةِ الْكَهْفِ

یہ باب سورہ کہف کی فضیلت سے متعلق ہے

عَنِ الْبَرَاءِ يَقُولُ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ إِذْ رَأَى دَابَّتَهُ تَرْكُضُ، فَنَظَرَ فَإِذَا مِثْلُ الْغَمَامَةِ أَوِ السَّحَابَةِ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تِلْكَ السَّكِينَةُ نَزَلَتْ مَعَ الْقُرْآنِ، أَوْ نَزَلَتْ عَلَى الْقُرْآنِ(۱)۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا، اچانک اس نے اپنی سواری یعنی اپنے گھوڑے کو کودتے ہوئے دیکھا، اس نے آسمان کی طرف دیکھا تو وہاں بادل کی مانند ایک چیز ہے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا قصہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: یہ سکینہ تھا جو قرآن کے ساتھ نازل ہوا، یا فرمایا: جو قرآن کے اوپر نازل ہوا۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ(۲)۔

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھے تو اسے دجال کے فتنہ سے محفوظ کر دیا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ترکض: وہ جانور یعنی گھوڑا کود رہا تھا، دوڑ رہا تھا۔ غمامة: بادل۔ سکینة: اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں: سکون اطمینان جس سے دل مطمئن ہو، رحمت، وقار، فرشتے، امام نووی فرماتے ہیں کہ سکینہ ایک مخلوق ہے جسمیں رحمت، وقار اور فرشتے شامل ہوتے ہیں۔ عصم: (صیغہ مجہول) اسے بچایا جائے گا، وہ محفوظ رہے گا۔ دجال: اس سے وہ مخصوص دجال بھی مراد ہو سکتا ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہو گا، اور اس سے ہر زمانے کے بڑے فتنے اور شر پسند لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

سورہ کہف کی فضیلت

اس باب کی احادیث میں سورہ کہف کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص اس سورت کی تلاوت کرے گا تو اس پر آسمان

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة حدیث: ۳۶۱۴، کتاب التفسیر باب: هو الذی أنزل السکینة حدیث: ۴۸۳۹

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب: فضل سورة الکهف، حدیث: ۲۵۷، ۸۰۹، سنن ابو داؤد کتاب الملاحم باب ذکر خروج الدجال

سے ایک سکینہ نازل ہوتا ہے، اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص سورت کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھے گا تو اسے دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا، یہ اس سورت کی خصوصیت اور فضیلت ہے خواہ سورت کی ابتداء سے پڑھے یا اس کی آخری آیات یا پوری سورت ہی پڑھے اور حفظ کرلے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی حدیث میں تین آیتوں کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جو شخص اس کی دس آیتیں یاد کرلے گا تو اسے دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا، بظاہر دونوں میں تعارض سا ہے؟

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ان میں تین طرح سے تطبیق دی گئی ہے:

۱۔ جو شخص دس آیتیں یاد کرے گا تو وہ دجال کے شر سے بچایا جائے گا اگر وہ اس کا زمانہ پالے اور اس سے ملے اور جو شخص تین آیتیں پڑھے گا تو وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے گا جس میں لوگ دجال سے ملے بغیر مبتلی ہوں گے۔

۲۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ممکن ہے کہ پہلے تو دس آیتوں کے یاد کرنے پر مذکورہ برکت کی بشارت دی گئی ہو پھر بعد میں اللہ نے محض اپنے فضل سے تین آیتوں کے پڑھنے پر ہی بشارت عطا فرمادی ہو، اس لئے پہلے آپ نے دس آیتوں کو یاد کرنے کا اور پھر تین آیتیں پڑھنے کا بیان فرمایا۔

۳۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ پہلے تین آیتوں کا اور پھر دس آیتوں کا ارشاد فرمایا لہذا جو دس پر عمل کرے گا تو وہ تین پر بھی عمل کرنے والا شمار ہوگا(۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ يٰسٓ

یہ باب سورہ یٰسین کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا، وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ، وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ(۲)۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے، اور قرآن کا دل سورہ یسین ہے، اور جو شخص سورہ یسین کو ایک مرتبہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا اجر لکھ دیتے ہیں۔

سورہ یسین کی فضیلت

بہت سی احادیث میں سورہ یسین کی فضیلت بیان کی گئی ہے، حدیث باب میں فرمایا کہ سورہ یسین قرآن مجید کا قلب اور

(۱) مرقاة المفاتیح ۲۵/۵، کتاب فضائل القرآن، تحفة الاحوذی ۱۹۷/۸، قدیمی کراچی

(۲) سنن دارمی ۴۵۶/۲ کتاب فضائل القرآن، باب فضل یسٓ

دل ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ اسے قرآن کا قلب اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید کے علوم و معارف کا خلاصہ، قیامت اور حشر و نشر کے مضامین کو خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، اور اس سے انسان ناجائز خواہشات اور حرام سے رکتا ہے، تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی درستگی پر موقوف ہوتی ہے اسی طرح ایمان کی صحت اور درستگی فکر آخرت پر موقوف ہے جسے سورہ یسین میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس لئے اسے ''قلب القرآن'' کہا جاتا ہے اور جو شخص اسے ایک مرتبہ پڑھ لے تو اسے دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے(۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ حم الدُّخَانِ

یہ باب سورہ حم دخان کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ حم الدُّخَانَ فِي لَيْلَةٍ أَصْبَحَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رات میں سورہ دخان پڑھتا ہے تو وہ اس طرح صبح کرتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ حم الدُّخَانَ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شب جمعہ میں سورہ دخان پڑھتا ہے، اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

سورہ دخان کی فضیلت

سوہ دخان کی یہ فضیلت ہے کہ جو شخص رات میں اور دوسری روایت کے مطابق جمعہ کی رات میں اسے پڑھ لے تو اس کے صغیرہ تمام گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں،

پہلی روایت میں صرف ''رات'' کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں ''شب جمعہ'' کی تخصیص ہے، اس لئے اکثر حضرات کے نزدیک جہاں صرف ''رات'' کا ذکر ہے، اس سے بھی ''شب جمعہ'' ہی مراد ہے، مطلق رات مراد نہیں، گویا یہ فضیلت اس صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب اس سورت کی تلاوت شب جمعہ میں ہی کی جائے، البتہ بعض حضرات کے نزدیک یہ فضیلت جمعہ کی رات کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ کسی بھی رات اسے پڑھنے سے یہ برکت اور فضیلت حاصل ہوجاتی ہے(۲)۔

---

(۱) معارف القرآن ۷/۲۲۲ سورہ یسین، تحفۃ الاحوذی ۸/۱۹۹

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۲۰۰

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ سُورَةِ الْمُلْكِ

یہ باب سورہ ملک کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الْمُلْكِ حَتَّى خَتَمَهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ الْمَانِعَةُ، هِيَ الْمُنْجِيَةُ، تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر نصب کرلیا، انہیں علم نہیں تھا کہ یہ قبر کی جگہ ہے، لیکن وہ قبر تھی جس میں ایک انسان سورہ ملک پڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کرلیا یعنی مکمل کرلیا، پھر وہ شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میں نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگا دیا اور مجھے علم نہیں تھا کہ وہ قبر کی جگہ ہے، لیکن اس قبر میں ایک انسان تھا جو سورہ ملک پڑھ رہا تھا یہاں تک کہ اس نے اسے مکمل کرلیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سورہ ملک عذاب قبر کو روکنے اور نجات دلانے والی ہے، اس آدمی کو عذاب قبر سے بچاتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ، وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کریم میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیتیں ہیں، اس نے ایک آدمی کی سفارش کی، یہاں تک کہ اس کی مغفرت کردی گئی، وہ سورہ ملک ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الم تَنْزِيلُ، وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ (۳)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورہ الم سجدہ اور سورہ ملک پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ ضرب خباءه: اس نے اپنا خیمہ نصب کردیا، لگا دیا۔ وهو لا يحسب: انہیں علم نہیں تھا، ان کا گمان نہیں تھا۔ مانعة: عذاب قبر یا گناہوں سے روکنے والی سورت، یہ اس کا ایک نام ہے، منجية: نجات کا باعث بننے والی سورت، یہ

---

(۱) الدر المنثور للسیوطی ۲۴۶/۶

(۲) سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ، باب فی عدد الآی حدیث: ۱۴۰۰

(۳) الادب المفرد للبخاری (ص: ۳۵۲، حدیث: ۱۲۱۱) سنن دارمی (۴۰۰/۲) کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ السجدۃ

اس سورت کا نام ہے، شفعت لرجل: اس نے ایک آدمی کی سفارش کی۔

سورہ ملک کے فضائل

مذکورہ احادیث میں سورہ ملک کے فضائل بیان کئے گئے ہیں چنانچہ:

۱۔ پہلی حدیث میں فرمایا کہ جو شخص پابندی کے ساتھ اس کی تلاوت کرے اور اس کے معنی اور مفہوم میں غور وفکر کرے تو آخرت میں یہ سورت عذاب قبر سے یا دنیا میں اسے گناہوں سے روکنے کا باعث بنے گی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اسے "مانعة" اور "منجیه" ارشاد فرمایا۔

۲۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تیس آیات پر ایک سورت مشتمل ہے یعنی سورہ ملک، قیامت کے دن ایک شخص کی سفارش کرے گی تو اس کی مغفرت کردی جائے گی، اس سے بھی اس کی تلاوت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے سورہ ملک اور سورہ الم تنزیل کی پابندی سے تلاوت کرتے تھے، لہذا رات کو سونے سے پہلے ان سورتوں کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

یہ ذہن میں رہے کہ ان فضائل سے سورہ ملک کا سورہ فاتحہ اور بقرہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ سب سے افضل سورت، سورہ فاتحہ اور پھر سورہ بقرہ ہے اور ایسا ہوسکتا ہے کہ باقی کسی سورت میں ایسی کوئی خصوصیت اور فضیلت پائی جائے جو ان دو سورتوں میں نہ ہو، اس کے باوجود اس سے ان کی افضلیت میں کوئی فرق نہیں آتا(۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِذَا زُلْزِلَتْ

یہ باب سورہ زلزال کی فضیلت سے متعلق ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ إِذَا زُلْزِلَتْ عُدِلَتْ لَهُ بِنِصْفِ الْقُرْآنِ، وَمَنْ قَرَأَ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ عُدِلَتْ لَهُ بِرُبُعِ الْقُرْآنِ، وَمَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ عُدِلَتْ لَهُ بِثُلُثِ الْقُرْآنِ(۲)۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے سورہ زلزال پڑھی اس کے لئے آدھا قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ہے، اور جس نے سورہ کافرون پڑھی اس کے لئے چوتھائی قرآن کے برابر ثواب ہے، اور جس نے سورہ اخلاص پڑھی اس کے لئے تہائی قرآن کے برابر ثواب ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِهِ: هَلْ تَزَوَّجْتَ يَا فُلَانُ؟ قَالَ: لَا

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۵/۲۳، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث حديث: ۲۱۷۶

(۲) الدر المنثور للسيوطی ۶/۳۷۹

وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَلَا عِنْدِي مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: ثُلُثُ الْقُرْآنِ، قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: رُبُعُ الْقُرْآنِ قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: رُبُعُ الْقُرْآنِ قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: رُبُعُ الْقُرْآنِ قَالَ: تَزَوَّجْ تَزَوَّجْ(۱)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے کسی صحابی سے پوچھا کہ اے فلاں کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ اس نے عرض کیا: بخدا شادی نہیں کی اے اللہ کے رسول، اور نہ ہی میرے پاس اتنا مال ہے کہ جس سے میں شادی کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سورہ اخلاص یاد نہیں؟ عرض کیا: کیوں نہیں، فرمایا: یہ تہائی قرآن ہوا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں سورہ نصر اور سورہ فتح یاد نہیں؟ عرض کیا: کیوں نہیں (یعنی یاد ہیں) آپ نے فرمایا: یہ چوتھائی قرآن ہے، پھر آپ نے پوچھا: کیا تمہیں سورہ کافرون یاد ہے؟ عرض کیا: کیوں نہیں (یعنی یہ بھی یاد ہے) پھر پوچھا کیا سورہ زلزال یاد ہے؟ عرض کیا: کیوں نہیں (یعنی یاد ہے) آپ نے فرمایا: یہ بھی چوتھائی قرآن ہے پھر آپ نے فرمایا: تم نکاح کر و تم شادی کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْإِخْلَاصِ وَفِي سُورَةِ إِذَا زُلْزِلَتْ

یہ باب سورہ اخلاص اور سورہ زلزال کی فضیلت سے متعلق ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْآنِ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْآنِ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورہ زلزال آدھے قرآن کے برابر ہے اور سورہ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے، اور سورہ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

سورہ زلزال کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں سورہ زلزال، کافرون اور سورہ اخلاص کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں سورہ زلزال کو نصف قرآن اور دوسری میں اسے چوتھائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اصل مقصد مبدأ اور معاد کو بیان کرنا ہے اور سورہ زلزال میں چونکہ معاد اور امور آخرت کو بڑے عمدہ اور مؤثر انداز سے ذکر کیا گیا ہے، اس

---

(۱) الترغیب للمنذری ۲/۲۵۸، حدیث: ۲۱۸۳

(۲) الترغیب للمنذری ۲/۳۵۷، حدیث: ۲۱۸۲

سے اسے آدھے قرآن کے برابر قرار دیا ہے، اور چوتھائی قرآن کے برابر اس طرح ہے کہ یوں کہا جائے کہ قرآن کریم چار امور پر مشتمل ہے، توحید، نبوت، احکام اور معاد یعنی امور آخرت، ان میں سے سورہ زلزال معاد کے مضامین پر مشتمل ہے اس لئے اسے چوتھائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے، اور سورہ کافرون میں توحید کا ذکر ہے کیونکہ شرک اور بت پرستی سے براءت ''توحید'' ہے، اس سے سورہ کافرون کو بھی چوتھائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے، اور سورہ اخلاص کے بارے میں تفصیل اگلے باب میں ہے (۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الإِخْلَاصِ

یہ باب سورہ اخلاص کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟ مَنْ قَرَأَ: اللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ (۲)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بھی عاجز ہے کہ وہ روزانہ رات کو تہائی قرآن پڑھا کرے؟ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) جس نے سورہ اخلاص پڑھی تو اس نے گویا ایک تہائی قرآن پڑھ لیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَقْبَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَجَبَتْ قُلْتُ: مَا وَجَبَتْ؟ قَالَ: الْجَنَّةُ (۳)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں (کسی مقام پر) نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو سورہ اخلاص پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: واجب ہوگئی، میں نے پوچھا: کیا چیز واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت (واجب ہوگئی)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَيْ مَرَّةٍ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوبُ خَمْسِينَ سَنَةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِ دَيْنٌ، وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ قَرَأَ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ مِائَةَ مَرَّةٍ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَهُ الرَّبُّ: يَا عَبْدِيَ ادْخُلْ عَلَى يَمِينِكَ الْجَنَّةَ (۴)۔

---

(۱) الکاشف عن سنن الحقائق ۲۵۸/۴، الفصل الثانی

(۲) سنن نسائی کتاب الافتتاح باب الفضل فی قراءۃ قل ہو اللہ أحد، سنن دارمی کتاب فضائل القرآن، باب فضل قل ہو اللہ أحد

(۳) سنن نسائی کتاب الافتتاح باب الفضل فی قراءۃ قل ہو اللہ أحد

(۴) الترغیب للمنذری ۴۳۹/۲، حدیث: ۲۳۵۸

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو اس کے پچاس سال کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے مگر یہ کہ اس پر قرض ہو (تو وہ معاف نہ ہوگا) اور اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کیا اور اپنی دائیں کروٹ پر لیٹا پھر اس نے سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی، جب قیامت کا دن ہوگا تو رب تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اے میرے بندے: اپنی دائیں طرف سے جنت میں داخل ہو جا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: احْشُدُوا فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ. قَالَ: فَحَشَدَ مَنْ حَشَدَ، ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثُمَّ دَخَلَ، فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ إِنِّي لَأُرَى هَذَا خَبَرٌ جَاءَهُ مِنَ السَّمَاءِ. ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي قُلْتُ سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، أَلَا وَإِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ(۱)۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سب جمع ہو جاؤ، میں تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، راوی کہتے ہیں کہ جو جمع ہو سکتے تھے جمع ہو گئے پھر نبی کریم ﷺ (حجرہ مبارکہ سے) نکلے، سورہ اخلاص پڑھی اور پھر واپس تشریف لے گئے، ہم میں بعض دوسروں سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پڑھوں گا، میرا خیال یہ ہے کہ آپ کا دوبارہ گھر میں داخل ہونا کسی ایسی خبر کی وجہ سے ہے جو آپ کے پاس آسمان سے آئی ہے، پھر دوبارہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، سن لو: سورہ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ(۲)۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورہ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءَ، فَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يَقْرَأُ لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ يَقْرَأُ بِهَا، افْتَتَحَ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا، ثُمَّ يَقْرَأُ بِسُورَةٍ أُخْرَى مَعَهَا، وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ. فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ، فَقَالُوا: إِنَّكَ تَقْرَأُ بِهَذِهِ السُّورَةِ، ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِسُورَةٍ أُخْرَى، فَإِمَّا أَنْ تَقْرَأَ بِهَا، وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِسُورَةٍ أُخْرَى، قَالَ: مَا أَنَا بِتَارِكِهَا، إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِهَا فَعَلْتُ، وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ. وَكَانُوا يَرَوْنَهُ أَفْضَلَهُمْ، وَكَرِهُوا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ. فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

---

(۱) صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها باب فضل قراءة قل هو الله أحد

(۲) سنن ابن ماجة کتاب الأدب باب ثواب القرآن حدیث: ۳۷۸۷

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ. فَقَالَ: يَا فُلَانُ، مَا يَمْنَعُكَ مِمَّا يَأْمُرُ بِهِ أَصْحَابُكَ، وَمَا يَحْمِلُكَ أَنْ تَقْرَأَ هَذِهِ السُّورَةَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أُحِبُّهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ حُبَّهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ(۱).

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص مسجد قباء میں ہم لوگوں کی امامت کرتے تھے، ان کی عادت تھی کہ جب بھی نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھنے لگتے تو پہلے سورہ اخلاص پڑھتے پھر اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھتے اور وہ ہر رکعت میں اسی طرح ہی کیا کرتے تھے، تو ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ کیا آپ پہلے سورہ اخلاص پڑھتے ہیں پھر یہ سوچتے ہیں کہ یہ سورہ تمہیں (قرأت کے لئے) کافی نہیں یہاں تک کہ آپ ایک اور سورت پڑھتے ہیں یا تو آپ سورہ اخلاص ہی پڑھ لیا کریں اور یا آپ اسے چھوڑ دیں اور دوسری کوئی سورت پڑھ لیا کریں، انہوں نے فرمایا: میں سورہ اخلاص کا پڑھنا ہرگز نہیں چھوڑوں گا، اگر تمہیں یہ بات پسند ہے کہ میں تمہاری امامت کروں تو ٹھیک ہے، اور اگر تمہیں ناپسند ہے تو میں تمہاری امامت چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ لوگ اس انصاری امام کو اپنے میں سب سے افضل سمجھتے تھے۔ اور وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے علاوہ اور کوئی ان کی امامت کرے، پھر جب نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ کو یہ سارا قصہ بتایا، آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کہ اے فلاں تمہیں اس تجویز پر عمل کرنے سے کیا چیز مانع ہے جس کا تمہارے دوست تمہیں کہتے ہیں؟ اور کیا چیز آپ کو اس پر آمادہ کرتی ہے کہ تم ہر رکعت میں سورہ اخلاص پڑھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ: میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سورت کی محبت یقیناً تمہیں جنت میں داخل کرے گی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ایعجز أحدکم: کیا تم میں سے کوئی عاجز ہو چکا ہے، تھک چکا ہے۔ صمد: بے نیاز ذات جو کسی شئ میں محتاج نہ ہو اور مخلوق، ہر چیز میں اس کی محتاج ہو۔ أقبلت مع رسول اللہ: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آیا، احشدوا: تم سب جمع ہو جاؤ۔ فحشد من حشد: چنانچہ جو جمع ہو سکتے تھے جمع ہو گئے۔ انی لأری هذا خبر جاءه من السماء: میرا خیال ہے کہ آپ علیہ السلام کا دوبارہ گھر میں داخل ہونا کسی ایسی خبر کی وجہ سے ہے جو آپ کے پاس آسمان سے آئی ہے۔ ثم لا تری أنها تجزیک: پھر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ سورہ تمہیں کافی نہیں ہے۔ مایحملک: کیا چیز آپ کو ابھارتی ہے، آمادہ کرتی ہے۔

سورہ اخلاص کے ''تہائی قرآن'' ہونے کا مطلب

مذکورہ احادیث میں سورہ اخلاص کی فضیلت میں مذکور ہے کہ یہ سورہ ''تہائی قرآن'' کے مساوی ہے، اس سے کیا مراد

(۱) صحیح بخاری کتاب الاذان، باب الجمع بین السورتین فی الرکعة

ہے؟ علماء کرام نے اس کی مختلف وجوہ لکھی ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس مفہوم کی احادیث کو اپنے ظاہر پر محمول کر کے یہ فرمایا ہے کہ سورہ اخلاص قرآن کریم کے معانی کے اعتبار سے تہائی قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم تین قسم کے مضامین پر مشتمل ہے: احکام، قصص واخبار اور توحید، سورہ اخلاص ان امور میں سے صرف تیسرے امر یعنی توحید پر مشتمل ہے، اس بناء پر اسے "تہائی قرآن" کہا گیا ہے(۱)۔

۲۔ ابوالعباس بن سریج فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تین امور کا ذکر ہے: احکام، وعدو عید اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، سورہ اخلاص ان میں سے تیسرے امر پر مشتمل ہے، اس لئے اس کو تہائی قرآن کے مساوی قرار دیا، علامہ ابن تیمیہ نے اس وجہ کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔

۳۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: قرآن مجید میں سب سے اہم تین چیزیں ہیں: اللہ کی معرفت، آخرت کی معرفت اور صراط مستقیم کی معرفت، یہ تین چیزیں سب سے اہم اور اصل ہیں ان کے علاوہ بقیہ چیزیں ان کے تابع ہیں، سورہ اخلاص ان میں سے ایک یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہے، اس لئے اسے تہائی قرآن کے مساوی قرار دیا گیا ہے(۲)۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس بارے میں جتنی بھی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں، سب جمع ہوسکتی ہیں۔

اور سورہ اخلاص کو "تہائی قرآن" کے مساوی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب تہائی قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہوتا ہے(۳)۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ سورہ اخلاص چونکہ مضامین قرآن میں سے صرف ایک قسم پر مشتمل ہے، اس لئے اگر کوئی اسے ایک مرتبہ پڑھے گا تو ایک تہائی کا ثواب اسے ملے گا، دوسری مرتبہ پڑھے گا تو اسی تہائی کا ثواب ملے گا، باقی دو مضامین کا ثواب، سورہ اخلاص کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتا، اس بنا پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تین مرتبہ سورہ اخلاص کے پڑھنے سے پورے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مل جائے گا، بلکہ جتنی بار وہ سورہ اخلاص پڑھے گا اسی کے بقدر اسی ایک تہائی کا ثواب بار بار اسے ملتا رہے گا(۴)۔

محی عنہ ذنوب خمسین سنة مطلب یہ ہے کہ جو شخص روزانہ دوسو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے ہاں اگر اس پر قرض ہو تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے، محض دعا یا کسی وظیفے سے اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا(۵)۔

---

(۱) فتح الباری ۷۴/۸ کتاب فضائل القرآن باب فضل قل ھو اللہ احد، تحفۃ الاحوذی ۲۰۸/۸
(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۱۰۴/۱۷-۱۲۲
(۳) فتح الباری ۷۵/۸
(۴) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۱۳۸/۱۷
(۵) تحفۃ الاحوذی ۲۱۲/۸

سونے سے پہلے سورہ اخلاص پڑھنے کی برکت

حضرت انس بن مالک کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص رات میں سونے سے پہلے سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لیا کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے کہ تم اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

''دائیں کروٹ پر لیٹنا'' سنت ہے، لہٰذا جو شخص سوتے وقت دائیں کروٹ پر لیٹے اور سورہ اخلاص پڑھے تو اس نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی، اور اس نے ایسی سورت پڑھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، اس لئے اسے مذکورہ سعادت کی خوشخبری دی گئی، نیز اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت کے وہ باغات اور محلات جو جنت کی دائیں جانب ہیں وہ ان باغات اور محلات سے افضل ہیں جو اس کی بائیں جانب میں ہیں (۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُعَوِّذَتَيْنِ

یہ باب معوذتین کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ آيَاتٍ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ} إِلَى آخِرِ السُّورَةِ، وَ{قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ} إِلَى آخِرِ السُّورَةِ(۲)۔

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کچھ ایسی آیتیں نازل کی ہیں کہ (باب تعوذ میں) ان کی مثل نہیں دیکھی گئی یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ(۳)۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنے کا حکم دیا۔

معوذتین کے فضائل

یہ تو ہر مؤمن کا عقیدہ ہے کہ دنیا و آخرت کا ہر نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو ایک ذرہ کا نفع یا نقصان نہیں پہونچا سکتا، لہٰذا دنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دے اور اپنے عمل سے اس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے، ان دونوں سورتوں میں سے پہلی

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۵۳، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۱۵۹

(۲) صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب فضل قراءۃ المعوذتین

(۳) سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب فی الاستغفار حدیث: ۱۵۲۳

یعنی سورہ فلق میں دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے، اور دوسری سورت یعنی سورہ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں، اس لئے ہر نماز کے بعد اور صبح وشام انہیں پڑھنے کا معمول رکھنا چاہئے، تاکہ یہ فضائل حاصل ہوسکیں (۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف ایک غلط بات کی نسبت

بعض لوگ کچھ روایات سے استدلال کرکے یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو قرآن مجید کا حصہ نہیں مانتے تھے، یہ ایک غلط بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی پوری امت کی طرح معوذتین کو قرآن مجید کا جزء مانتے تھے اور جن روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کو قرآن کا جزء نہیں مانتے تھے، وہ درست نہیں ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں، ان میں معوذتین شامل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو پھر ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیونکر روایت کردی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں کی حقیقت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کو قرآن مجید کا جزء تو مانتے ہوں، لیکن کسی وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہ لکھا ہو، اس واقعے کو روایت کرتے ہوئے کسی راوی کو وہم ہوا اور اس نے اسے اس طرح روایت کردیا کہ گویا وہ انہیں جزء قرآن ہی نہیں مانتے تھے، حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ معوذتین کو جزء قرآن ماننے کے باوجود انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا تھا، اور نہ لکھنے کی وجہیں بہت سی ہوسکتی ہیں۔

علامہ زاہد الکوثری نے فرمایا ہے کہ انہوں نے معوذتین کو اس لئے نہیں لکھا تھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا، کیونکہ یہ دو سورتیں ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی۔

بہرکیف اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں سورہ فاتحہ اور معوذتین تحریر نہ فرمائی ہوں تو اس کی بہت سی معقول وجہیں ہوسکتی ہیں، لہذا اس سے یہ سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ ان کو قرآن کریم کا جزء ہی نہیں مانتے تھے جبکہ ان سے تواتر کے ساتھ پورا قرآن کریم ثابت ہے (۲)۔

---

(۱) معارف القرآن ۸۴۷/۸

(۲) تفسیر قرطبی ۱۱۴/۱، مقالات الکوثری (ص: ۱۶) فتاوی عثمانی ۲۰۷/۱ کتاب التفسیر، معوذتین کے قرآن مجید کا حصہ ہونے سے متعلق۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْآنِ

یہ باب قاری قرآن کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ - قَالَ هِشَامٌ: وَهُوَ شَدِيدٌ عَلَيْهِ. قَالَ شُعْبَةُ: وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ - فَلَهُ أَجْرَانِ(۱)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس میں خوب ماہر ہے، یہ ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو لکھنے والے بزرگ اور نیک ہیں، اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے، ہشام کی روایت میں ہے: اور یہ اس پر سخت یعنی مشکل ہوتا ہے، شعبہ کی روایت میں ہے: و هو علیه شاق اور وہ اس پر دشوار ہوتا ہے، تو اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ، فَأَحَلَّ حَلَالَهُ، وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ(۲)۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن مجید پڑھا، اور اسے یاد کیا، پھر اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام جانا، اللہ تعالیٰ اسے (ابتداء میں ہی) جنت میں داخل کردے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس شخصوں کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ماہر: امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جسے قرآن مجید خوب اچھے طریقے سے یاد ہو، بغیر کسی اٹکن کے پوری روانی سے پڑھتا ہو، اور اس کے لئے قرآن پڑھنا کوئی مشکل اور دشوار نہ ہو۔ السفرة: (سین اور فا پر زبر کے ساتھ) سافر کی جمع ہے: لکھنے والے، نمائندے۔ کرام: کریم کی جمع ہے: اللہ کے ہاں محترم ومکرم اور بزرگ۔ بررة: بار کی جمع ہے: نیک، صالح۔ هو شديد عليه / و هو عليه شاق: وہ قرآن اس پر سخت یعنی مشکل سے پڑھتا ہے، روانی سے نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھتا ہے۔ استظهره: اس نے قرآن مجید کو یاد کیا۔ أحل: اس نے حلال جانا۔ حرم: اس نے حرام جانا۔ شفعه: (باب تفعیل سے) اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائیں گے۔

قرآن کو حفظ اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب سورة عبس، ابو داؤد، کتاب الصلاة باب فی ثواب قراءة القرآن

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه

۱۔ جو شخص ماہر قرآن ہو، اسے خوب قرآن یاد ہو، اور بغیر کسی دشواری اور اٹکن کے روانی سے پڑھتا ہے، قیامت کے دن اس کا حشر ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو انتہائی مقرب، بزرگ اور نیک ہیں، وہ بلند درجات میں ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جس شخص کو قرآن مجید اچھی طرح یاد نہ ہو، دشواری سے یاد کرتا ہو، اٹک اٹک کر تلاوت کرتا ہو، تو اسے دوگنا ثواب ہوگا ایک تلاوت کا اور دوسرا ثواب اس مشقت کا جو اسے قرآن پڑھنے میں ہوتی ہے، اس سے لوگوں کو تلاوت قرآن کی ترغیب دلانا مقصود ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اس کا ثواب "ماہر قرآن" سے زیادہ ہوگا، کیونکہ ماہر قرآن کو تو بہت زیادہ اجر و ثواب سے نوازا جائے گا، اور اسے یہ سعادت حاصل ہوگی کہ وہ مقرب فرشتوں کے ساتھ ہوگا، یہ شرف غیر ماہر کو حاصل نہ ہو گا، البتہ اٹک اٹک کر پڑھنے میں چونکہ مشقت اور مشکل ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے مشقت کے بقدر اجر اور ثواب ثابت ہے۔

۲۔ حافظ قرآن کو حفظ کی وجہ سے مکمل اجر و ثواب اور احادیث میں مذکور فضائل اس وقت حاصل ہوں گے جب وہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارے گا، ان پر عمل کرے گا، کیونکہ قرآن مجید کو محض طوطے کی طرح رٹ لینے سے مکمل فائدہ اور برکات حاصل نہیں ہوتیں جب تک کہ اس پر عمل نہ ہو، لہذا حفظِ قرآن کے ساتھ جب وہ اعمال صالحہ بھی کرنے والا ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے ابتداء میں ہی جنت میں داخل کر دیں گے اور اس کے رشتہ داروں میں ایسے دس افراد کے حق میں اس کی سفارش کو قبول کریں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی (۱)۔

مع السفرة ـــــ سافر کی جمع ہے، اس سے کون مراد ہے؟

شارحین حدیث کے اس میں درج ذیل اقوال ہیں:

۱۔ سفرۃ سے وہ مقرب فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابیں نقل کرتے ہیں یا کرام کاتبین یعنی انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں۔

۲۔ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ یہ حضرات بھی اللہ کے احکام لوگوں تک پہونچاتے ہیں۔

۳۔ اس سے وحی لکھنے والے صحابہ کرام مراد ہیں اور علماء امت بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ اور امت کے درمیان سفیر اور قاصد ہیں (۲)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْقُرْآنِ

یہ باب قرآن مجید کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنِ الْحَارِثِ، قَالَ: مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ يَخُوضُونَ فِي الْأَحَادِيثِ فَدَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ، فَقُلْتُ: يَا

(۱) تحفة الاحوذی ۲۱۸/۸، قدیمی کراچی

(۲) معارف القرآن ۶۷۵/۸، مرقاة المفاتیح ۹/۵ کتاب فضائل القرآن

أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، أَلَا تَرَى أَنَّ النَّاسَ قَدْ خَاضُوا فِي الأَحَادِيثِ، قَالَ: أَوَ قَدْ فَعَلُوهَا؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا إِنِّي قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَلَا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ. فَقُلْتُ: مَا المَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: كِتَابُ اللَّهِ، فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، وَهُوَ الفَصْلُ لَيْسَ بِالهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ المَتِينُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ المُسْتَقِيمُ، هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الأَهْوَاءُ، وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الأَلْسِنَةُ، وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ العُلَمَاءُ، وَلَا يَخْلَقُ عَلَى كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهِ الجِنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ حَتَّى قَالُوا: {إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ} [الجن: 2] مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، خُذْهَا إِلَيْكَ يَا أَعْوَرُ(۱)۔

حضرت حارث اعور کہتے ہیں کہ میں (ایک دن کوفہ کی) مسجد کے پاس سے گذرا تو دیکھا کہ لوگ بیکار و لایعنی گفتگو (یعنی قصے کہانیوں) میں مصروف ہیں، چنانچہ میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین: کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ لوگ (مسجد میں بیٹھ کر) فضول باتوں میں مشغول ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا کہ: جی ہاں، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ خبردار: عنقریب ایک فتنہ واقع ہوگا، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اس سے نجات پانے کا کیا راستہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی کتاب قرآن (پر عمل کیا جائے) جس میں تم سے پہلے لوگوں کے حالات بھی ہیں اور ان باتوں کی بھی خبر ہے جو تمہارے بعد پیش آئیں گی، اور اس قرآن میں وہ احکام بھی مذکور ہیں جو تمہارے درمیان (ضروری) ہیں (یعنی ایمان وکفر، طاعت ومعصیت، حلال وحرام اور تمام شرائع اسلام)، اور قرآن ہی حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے، مزاح اور لایعنی چیز نہیں، جس نے قرآن مجید محض تکبر کی وجہ سے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، اور جو شخص اس قرآن کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرے گا، اللہ اسے گمراہ کر دیں گے، یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہی حکمت والا ذکر اور بیان ہے، قرآن ہی بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے، یہ ایسی کتاب ہے جس کی اتباع کی وجہ سے نفسانی خواہشات حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں، اس کی زبان سے اور زبانیں مخلوط اور مکس نہیں ہوتیں، اور اہل علم اس سے سیر نہیں ہوتے، اور زیادہ پڑھنے اور دہرانے سے پرانا نہیں ہوتا، اور اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوسکتے، قرآن وہ کلام ہے جسے جنات نے جب سنا تو وہ بھی ٹھہر نہ سکے (یعنی کہہ اٹھے) یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ہم نے عجیب قرآن سنا جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، لہذا ہم اس پر ایمان لے آئے، جس شخص نے قرآن کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا (یا اس کی تصدیق کی جائے گی) اور جس نے اس پر عمل

---

(۱) سنن دارمی ۲/۴۳۵، کتاب فضائل القرآن باب فضل من يقرأ القرآن

کیا اسے ثواب دیا جائے گا، اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف کیا، اور جس نے (لوگوں کو) اس کی طرف بلایا اسے سیدھی راہ دکھادی گئی ہے، اے حارث اعور ان کلمات کو یعنی حدیث کو لے لو اور یاد کرلو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ اعور: کانی آنکھ والا۔ یخوضون فی الأحادیث: لوگ باتوں میں مشغول تھے۔ ما المخرج منها: اس فتنہ سے نکلنے کا کیا راستہ ہے۔ نبأما کان قبلکم: ان لوگوں کے حالات جو تم سے پہلے تھے، وحکم ما بینکم وہ احکام قرآن میں ہیں جو تمہارے درمیان ضروری ہیں یعنی ایمان وکفر، طاعت ومعصیت، حلال وحرام اور معاملات وغیرہ، یہ تمام تفصیل اس میں موجود ہے۔ هو الفصل: وہ حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ من جبار: تکبر وسرکشی کی وجہ سے۔ قصمه: اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کردیں گے، ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے۔ من ابتغی: جو تلاش کرے۔ حبل: رسی۔ المتین: مضبوط ومستحکم۔ الذکر: ایسی چیز جس سے اللہ تعالیٰ یاد آئیں یا جس سے لوگ وعظ ونصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ حکیم: حکمت والا۔ لاتزیغ به: قرآن کی اتباع کی وجہ سے حق سے مائل نہیں ہوتیں، کجروی اختیار نہیں کرتیں۔ الأهواء: هوی کی جمع ہے: نفسانی خواہشات۔ لاتلتبس: مخلوط نہیں ہوتیں، ملتی نہیں۔ الالسنة: لسان کی جمع ہے، زبانیں۔ لایشبع: سیر نہیں ہوتے۔ لایخلق: (یا پر زبر اور لام پر پیش) پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا۔ عن کثرة الرد: زیادہ پڑھنے اور دہرانے سے۔ لاتنقضی: ختم نہیں ہوتے۔ عجائبه: عجیبة کی جمع ہے: حیرت انگیز اشیاء، باعث تعجب امور۔ لم تنته الجن: جنات ٹھہر نہ سکے یعنی فوراً کہہ اٹھے۔ صدق: اس نے سچ کہا، یا اس کی تصدیق کی جائے گی۔

قرآن ایک کتاب ہدایت

مذکورہ حدیث میں قرآن مجید کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور یہ کہ قرآن ایک کتاب ہدایت ہے، اس میں گذشتہ امتوں کے حالات وواقعات، آئندہ پیش آنے والے امور یعنی علامات قیامت اور قیامت تک کے لوگوں کے لئے تمام امور اور معاملات کے احکام مذکور ہیں، حق وباطل کے درمیان فاصل ہے، اس کے ذریعہ انسان کو ہدایت ورہنمائی حاصل ہوتی ہے، اس کے معنی ومفہوم کا اہل علم احاطہ نہیں کرسکتے، زیادہ پڑھنے سے طبیعت میں ملال اور اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ مزید شوق وولولہ اور رغبت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ جنات نے جب قرآن سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔

قد خاضوا فی الاحادیث: وہ بے معنی، فضول اور لایعنی گفتگو میں مشغول تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں دنیاوی اور بے ہودہ باتیں کرنا درست نہیں۔

انها ستکون فتنة: اس فتنہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔　بعض حضرات کے نزدیک اس سے کوئی مخصوص فتنہ مراد نہیں بلکہ اس میں ہر زمانے کے فتنے مراد ہیں۔

۲۔　ابن الملک فرماتے ہیں کہ فتنہ سے وہ اختلاف اور نزاع مراد ہیں جو صحابہ کرام کے درمیان واقع ہوئے یا اس سے فتنہ

تاتار، یا دجال یا قربِ قیامت میں "جانور کا نکلنا" مراد ہے۔

وخبر ما بعدکم: اس سے علامات قیامت مراد ہیں۔

وحکم ما بینکم: تمہارے تمام امور اور معاملات کو بیان کرنے والی کتاب ہے، یعنی ایمان و کفر، نیکی اور برائی، حلال وحرام غرض یہ کہ ہر قسم کا حکم اور اس کا اچھا یا برا انجام بھی بیان کر دیا ہے۔

لیس بالھزل: یہ مزاح، ناول یا کوئی فسانہ نہیں بلکہ یہ ایک سنجیدہ اور حقیقت پر مبنی کتاب اور دستورِ حیات ہے۔

من ترکہ من جبار: جو شخص تکبر وغرور کی وجہ سے قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے ہلاک و برباد کر دے گا، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی کسی ایسی آیت پر تکبر وانکار کی وجہ سے عمل کرنا چھوڑ دے جس پر عمل کرنا واجب ہے، یا تکبر کی وجہ سے اس آیت کی تلاوت نہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، لیکن اگر ایک شخص کے دل میں قرآن کی عظمت وتقدس موجود ہے لیکن محض سستی یا کسی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کرتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں البتہ وہ تلاوت کے اجر سے محروم رہتا ہے۔

ھو الذی لا تزیغ بہ الأھواء: اس قرآن کی پیروی کی وجہ سے انسانی خواہشات حق سے باطل، ہدایت سے گمراہی کی طرف مائل نہیں ہوتیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی اتباع اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے، زندگی کے ہر شعبے میں اسی سے رہنمائی لیتا ہے تو ایسا انسان ضلالت وگمراہی سے محفوظ رہتا ہے، اللہ کی مدد وتوفیق سے وہ راہِ راست پر ہی رہتا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن مجید انسان کی ہدایت اور اصلاح کا باعث اس وقت بنتا ہے جب انسان طلبِ حق میں مخلص ہو کر مکمل یکسوئی کے ساتھ خالی ذہن ہو کر قرآن مجید کا سہارا لے اور اس سے حکم معلوم کرے۔ پہلے سے ایک موقف اور منشور تیار کر لیا جائے، اور پھر اس پر اسلامی لیبل لگانے کے لئے قرآن کی کسی آیت کو سیاق وسباق کا لحاظ کئے بغیر تلاش کر لیا جائے اور اپنے موقف پر اسے چسپاں کر لیا جائے تو ایسی صورت میں قرآن مجید کتاب ہدایت ہونے کے باوجود، ان کے لئے ہدایت کا سبب نہیں بنتا، جیسے خوارج، روافض اور اہل بدعت حضرات، کیونکہ قرآن مجید کی آیت سے ان کا مقصد ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنا نہیں ہوتا، صرف اپنی بات کی تائید کے لئے اسے پیش کرنا ہوتا ہے، وہ مقصد ان کے زعم کے مطابق پورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں بھی کتنی ہی ایسی جماعتیں، گروپ اور این جی اوز ہیں جو لوگوں کو صرف بیوقوف بنانے کے لئے قرآن کی کوئی آیت لکھ لیتے ہیں، اس سے ان کا ہدایت کا ارادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے دل میں قرآن کی کوئی عظمت اور تقدس ہوتا ہے، یہ طریقہ سراسر غلط ہے۔ اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

علامہ طیبی نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل بدعت اور گمراہ لوگ اس بات پر قادر نہیں ہو سکتے کہ وہ قرآن کی کسی آیت کے اصل معنی اور مفہوم کو اپنی منشاء کے مطابق تبدیل کر دیں اور اس میں کجی پیدا کر دیں، اس صورت میں "بہ" کا "باء" تعدیہ کے لئے ہوگا۔

ولا تلتبس بہ الأھواء: اس جملے کے دو مطلب ہیں:

۱۔ قرآن کریم کی تلاوت مؤمنین کی زبانوں پر دشوار اور مشکل نہیں ہوتی اگرچہ ان کی زبان عربی نہ بھی ہو، پھر بھی ان کی

زبان آسانی سے قرأت کر لیتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اس بلند مقام پر ہے کہ دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی فصیح و بلیغ عبارت اور زبان مقابلہ نہیں کر سکتی۔

و لا یشبع منه العلماء: مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علوم و معارف اتنے وسیع اور ہمہ گیر ہیں کہ بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے تمام علوم اور باریکیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا، اور نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ تحقیق ہی حرف آخر ہے بلکہ علماء کرام جب قرآنی علوم میں سے کسی مفہوم پر مطلع ہو جاتے ہیں تو ان کا شوق اور بڑھ جاتا ہے، اور ان کی جستجو اور خواہش ہوتی ہے کہ اس سے بھی زیادہ کوئی بات معلوم ہو جائے یوں اس طلب، خواہش اور تلاش و جستجو کی کوئی حد نہیں ہوتی، اس کے برخلاف جب کوئی شخص کھانے سے سیر ہو جاتا ہے تو اس کی طلب رک جاتی ہے، اور اسے مزید کی خواہش نہیں رہتی۔

و لا یخلق عن کثرۃ الرد: معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کو بار بار پڑھنے اور سننے کی وجہ سے اس کی حلاوت و لذت اور کیف و سرور میں کوئی فرق نہیں آتا، بلکہ جب بھی کوئی شخص قرآن کی تلاوت کرتا ہے یا اسے سنتا ہے تو ہر مرتبہ اسے پہلے کے مقابلے میں زیادہ حلاوت اور مٹھاس محسوس ہوتی ہے، اگرچہ وہ اس کے معنی و مفہوم کو نہ بھی سمجھے، تب بھی اسے ایمانی سرور ضرور حاصل ہوتا ہے (۱)۔

و لا تنقضی عجائبه: اس کے عجائب یعنی انوکھی اور حیرت و تعجب میں ڈال دینے والی چیزیں ختم نہیں ہوتیں، جیسے عطف تفسیری ہے کہ اس کی باریکیوں اور حکمتوں کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، نیز قرآن کے معنی و مفہوم کا احاطہ نہ کر سکنا، علماء کا اس کے علوم سے سیر نہ ہونا، اور کثرتِ تلاوت سے اس کا پرانا نہ ہونا یعنی اس کی لذت، سرور اور حلاوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ مزید اضافہ ہوتا ہے یہ سب قرآن کے عجائب ہیں۔

و من دعا الیه هدی الی صراط: لفظ "هدی" معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اگر اسے معروف پڑھیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: جو شخص لوگوں کو قرآن کی طرف بلاتا ہے تو قرآن انہیں سیدھی راہ بتا دیتا ہے، اور اگر اسے مجہول پڑھا جائے تو پھر معنی یہ ہوں گے کہ: جو شخص لوگوں کو قرآن کی طرف بلاتا ہے تو بلانے والے اور رہنمائی کرنے والے کو بھی ہدایت کی توفیق ہو جاتی ہے یعنی وہ ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے (۲)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ

یہ باب قرآن کی تعلیم کی فضیلت کے بیان میں ہے

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۲۰/۸، مرقاۃ المفاتیح ۳۶/۵، کتاب فضائل القرآن

(۲) الکاشف عن سنن الحقائق ۲۴۷/۴

الرَّحْمٰنِ: فَذَاكَ الَّذِي أَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هٰذَا، وَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ حَتّٰى بَلَغَ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوسُفَ(۱)۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔ اس حدیث کے راوی ابوعبدالرحمن کہتے ہیں کہ اس حدیث نے ہی مجھے اس جگہ بٹھایا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے سے لے کر حجاج بن یوسف کے زمانے تک قرآن کی تعلیم دی۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ، أَوْ أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ(۲)۔

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین یا فرمایا: افضل ترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ(۳)۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

قرآن سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والے کو سب سے بہتر شخص قرار دیا ہے، حدیث میں اگرچہ عمل کا ذکر صراحت سے نہیں ہے، لیکن اس میں عمل بھی داخل ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم محض "جہالت" ہے، عہد رسالت اور خیر القرون میں جو شخص قرآن سیکھتا اور سکھاتا تھا، وہ فقیہ اور قرآن وحدیث کے تمام علوم میں خوب ماہر بھی ہوتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں مذکور فضیلت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے کہ جو قرآن مجید کو سیکھنے، سکھانے کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتا ہو اور قرآن کے معنیٰ ومفہوم کو اچھی طرح سمجھتا ہو، معنیٰ ومفہوم کو جانے بغیر صرف قرآن کو سیکھنے اور سکھانے میں یہ فضیلت حاصل نہیں ہوتی، اگرچہ یہ عمل بھی اپنی جگہ باعث اجر وثواب ضرور ہے۔

حتی بلغ الحجاج بن یوسف، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور اور حجاج کے آخری دور کے درمیان تین ماہ کم ۷۲ سال کا فاصلہ ہے، اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور اور حجاج کے ابتدائی دور کے درمیان ۳۸ سال کا فاصلہ ہے، متعین طور

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب فی ثواب قراءة القرآن

(۲) حوالہ سابق

(۳) سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب خیارکم من تعلم القرآن وعلّمه

سے تو معلوم نہیں کہ کونسے سن سے کس سن تک پڑھایا، تاہم اتنی بات متیقن ہے کہ تیس چالیس تک ابو عبد الرحمن سلمی نے ضرور قرآن مجید پڑھایا ہے(۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْآنِ مَالَهُ مِنَ الأَجْرِ

جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے یہ باب اس کے لئے اجر کے بیان میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ الم حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ(۲)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کتاب اللہ یعنی قرآن میں سے ایک حرف پڑھا، اس کے لئے اس کی وجہ سے ایک نیکی ہے، اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، میں نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَجِيءُ القُرْآنُ يَوْمَ القِيَامَةِ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ حَلِّهِ، فَيُلْبَسُ تَاجَ الكَرَامَةِ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ زِدْهُ، فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الكَرَامَةِ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا رَبِّ ارْضَ عَنْهُ، فَيَرْضَى عَنْهُ، فَيُقَالُ لَهُ: اقْرَأْ وَارْقَ، وَيُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً(۳)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن صاحب قرآن آئے گا اور قرآن اپنے رب سے عرض کرے گا: اے میرے پروردگار: اسے زیور سے مزین فرما (یعنی اسے جوڑا پہنا دے) چنانچہ اسے کرامت کا تاج پہنایا جائے گا، پھر قرآن عرض کرے گا: اے میرے رب: اسے زیادہ دیجئے، چنانچہ اسے کرامت کا جوڑا بھی پہنا دیا جائے گا، پھر قرآن عرض کرے گا: یا اللہ: اس سے راضی ہو جا تو اللہ تعالی اس سے راضی ہو جائیں گے، پھر اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتے جاؤ اور (جنت کی سیڑھیوں پر) چڑھتے جاؤ اور ہر آیت کے بدلے ایک نیکی زیادہ کی جائے گی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔حله: (صیغہ امر) صاحب قرآن کو یا اللہ مزین کر دے یعنی لباس پہنا دے۔ تاج الكرامة: بزرگی کا تاج۔ حلّة: جوڑا، پوشاک، لباس۔ ارق: تو جنت کی سیڑھیوں پر چڑھتا جا۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۲۲۳، فتح الباری ۹/۹۴ کتاب فضائل القرآن، باب: خیر کم من تعلم القرآن وعلمه، مرقاة المفاتیح ۵/۵

(۲) الدر المنثور للسیوطی ۱/۲۲

(۳) مسند احمد ۲/۴۷۱

قرآن کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں

باب کی پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اسے قرآن کے ہر حرف کے بدلے کم از کم دس نیکیاں دی جاتی ہیں، اور حرف سے پورا لفظ اور کلمہ مراد نہیں بلکہ اس سے حروف ہجا والا حرف مراد ہے، جیسے الم میں الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے، اس سے اندازہ لگائیے کہ تلاوت قرآن کس قدر باعث اجر اور ثواب ہے (۱)۔

صاحب قرآن کی فضیلت

"صاحب قرآن" سے وہ شخص مراد ہے کہ جو قرآن کریم کی ہمیشہ تلاوت کرتا رہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو، وہ شخص مراد نہیں ہے جو تلاوت تو کرتا ہو مگر اس پر عمل نہ کرے، کیونکہ ایسا شخص جزاء اور انعام کا مستحق تو کیا ہوگا، الٹا قرآن کی لعنت میں گرفتار ہو گا، حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا تو قرآن اس پر لعنت کرتا ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ جس شخص نے قرآن پر عمل کیا، اس نے گویا ہمیشہ قرآن پڑھا اگرچہ حقیقت میں اس نے نہ پڑھا ہو اور جس شخص نے قرآن پر عمل نہیں کیا اس نے گویا قرآن پڑھا ہی نہیں اگرچہ حقیقت میں اس نے پڑھا ہو، حاصل یہ کہ قرآن کی محض تلاوت ہی کافی نہیں ہے بلکہ بنیادی چیز اس پر عمل کرنا ہے۔

اقرأ وارق پڑھتا جا اور جنت کے درجات پر چڑھتا جا، جتنی آیتیں تو پڑھے گا اتنے ہی درجات تک تیری رسائی ہوگی، ایک روایت میں منقول ہے کہ قرآن کریم کی جتنی آیتیں ہیں جنت کے اتنے ہی درجات ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین کے درمیان ہے، لہذا اگر کوئی شخص پورا قرآن پڑھے گا تو وہ جنت کے سب سے بلند اور اونچے درجہ پر پہونچے گا اور اسے عمدہ قسم کا لباس اور بزرگی کا تاج پہنایا جائے گا۔

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار اور کچھ ہیں، چھ ہزار سے زیادہ کتنی آیتیں ہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، چنانچہ اہل کوفہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چھتیس آیتیں ہیں (۲)۔

باب

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَذِنَ اللهُ لِعَبْدٍ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيهِمَا، وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلَى رَأْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِي صَلَاتِهِ، وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ إِلَى اللهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ قَالَ أَبُو النَّضْرِ:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۲۷/۸

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۳۱۷/۵ کتاب فضائل القرآن، شرح الطیبی ۲۴۱/۴، الکوکب الدری ۳۰/۴

يَعْنِي الْقُرْآنَ(۱)۔

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کسی چیز کو ان دو رکعتوں کی قراءت سے زیادہ غور سے نہیں سنتے جنہیں وہ پڑھتا ہے، اور اس کے سر پر یقیناً نیکی چھڑکی جاتی ہے جب تک وہ نماز میں مشغول رہتا ہے، اور بندوں میں سے کوئی، کسی چیز سے اللہ کا اتنا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا کہ اللہ کے پاس سے نکلی ہوئی چیز (یعنی قرآن کے پڑھنے) سے نزدیکی حاصل کرتا ہے۔ ابونضر راوی کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ، كَالْبَیْتِ الْخَرِبِ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا دل قرآن سے بالکل خالی ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُقَالُ يَعْنِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا(۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (جنت کے درجوں پر) چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا، تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ ما أذن: اللہ تعالیٰ غور سے نہیں سنتے، خصوصی توجہ نہیں فرماتے۔ لیذر: لام برائے تاکید ہے اور "ذر" سے مضارع مجہول ہے، نیکی بکھیری جاتی ہے، بکھیری جاتی ہے۔ ما دام فی صلاته: جب تک وہ نماز میں مشغول ہوتا ہے۔ ما تقرب: قرب اور نزدیکی حاصل نہیں کرتے۔ ما خرج منه: اس میں "منه" کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو احتمال ہیں: (۱) یہ ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ یوں ہوگا: جو کچھ اللہ تعالیٰ سے نکلا ہے، ظاہر ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر قرآن اتارا ہے۔ (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر بندے کی طرف لوٹے جو تلاوت کر رہا ہے، ترجمہ: جو کچھ بندے کی زبان سے نکل رہا ہے۔ فی جوفه: اس کے پیٹ میں یعنی اس کے دل میں۔ خرب: (خاء پر زبر اور راء کے نیچے زیر) ویران جگہ۔ رتل: تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔

(۱) مسند احمد ۲۶۸/۵

(۲) سنن دارمی کتاب فضائل القرآن باب فضل من قرأ القرآن

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل من القراءۃ۔

نماز میں قرآن پڑھنے کی فضیلت

باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مسلمان نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں، اور اسے خوب غور سے سنتے ہیں، اور جب تک وہ نماز میں مشغول رہتا ہے تو اس کے سر پر نیکیوں کی بارش برستی رہتی ہے، اس لئے نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، حفاظ کرام اس فضیلت کو بڑی آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ویران دل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں قرآن نہ ہو تو وہ بے آباد اور ویران گھر کی طرح ہے، جس طرح گھر کی رونق اور آبادی مکین اور رہنے والے سے ہوتی ہے، اسی طرح انسان کا معاملہ ہے، اگر انسان کا دل ایمان اور قرآن کے نور سے خالی ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، وہ ایک ویران گھر کی مانند ہے جیسا کہ تمام کفار کے دل ہیں، اور جو شخص اسلام کے زیور سے آراستہ ہو، قرآن مجید پڑھنا جانتا ہے، سمجھتا ہے، اور تلاوت بھی کرتا ہے تو اس کا باطن ایمان کے نور سے آباد ہے، لہذا جو شخص تھوڑا جانتا ہوگا، اس کا باطن ایمان کی دولت سے اسی کے بقدر تھوڑا آباد ہوگا، اور جو شخص بہت جانتا ہوگا تو اس کا باطن بھی اسی قدر زیادہ آباد ہوگا(۱)۔

باب

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي، فَلَمْ أَرَ ذَنْبًا أَعْظَمَ مِنْ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ آيَةٍ أُوتِيهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا(۲)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (معراج کی رات میں) میری امت کے اعمال کے اجر وثواب میرے سامنے پیش کئے گئے، یہاں تک کہ اس تنکے کا اجر بھی جس کو کسی آدمی نے مسجد سے نکالا تھا، پھر مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے، تو اس سے بڑا گناہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی (یعنی اسے اس نے یاد کرلیا) پھر اس کو اس نے بھلا دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔عرضت علي: (صیغہ مجہول) مجھ پر پیش کئے گئے۔ أجور أمتي: اصل عبارت یوں ہے: أجور

(۱) شرح الطیبی ۲۴۲/۴ کتاب فضائل القرآن

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من کنس المسجد

أعمال أمتي یعنی میری امت کے اعمال کے اجر وثواب۔ قذاة: (قاف پر زبر کے ساتھ) آنکھ یا پانی میں گرنے والا تنکا، ذرہ۔ أو تیھا رجل: وہ سورت یا آیت اس آدمی کو عطا کی گئی یعنی اللہ نے اسے حفظ کرا دیا، یہاں پر "حفظھا" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا کہ اس نے وہ آیت یا سورت کو یاد کر لیا تھا، اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اللہ نے اسے یہ عظیم نعمت عطا فرمائی تھی، لیکن اس نے اس کی ناقدری کی کہ اسے یاد نہ رکھا اور بھلا دیا۔

قرآن مجید بھول جانے کا حکم

اگر کوئی شخص قرآن مجید کو محض غفلت، لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے بھلا دے تو یہ گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ اس شریعت کا مدار قرآن مجید پر ہے، تو اس کا نسیان گویا شریعت کی عمارت میں رخنہ ڈالنا ہے، اس لئے یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر حدیث میں بڑی سخت وعید منقول ہے۔

قرآن مجید کے بھول جانے سے کیا مراد ہے؟

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ علماء احناف کے نزدیک "بھول جانے" سے مراد یہ ہے کہ نہ زبانی پڑھ سکے اور نہ دیکھ کر پڑھ سکے۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے قرآن مجید حفظ کیا پھر اسے بھول گیا کہ اب وہ زبانی نہیں پڑھ سکتا، اگرچہ دیکھ کر پڑھ سکتا ہے(۱)۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ معراج کی رات میں جہاں نبی کریم ﷺ کو اور بہت سے مناظر اور عذاب میں مبتلی لوگ دکھلائے گئے، ان میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ امت کے نیک اعمال کے اجر وثواب اور برے اعمال اور گناہ بھی آپ کے سامنے پیش کئے گئے، اگر کسی نے مسجد سے ایک تنکا بھی نکالا تھا تو اس نیکی کو بھی دکھایا گیا اور فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان نے پہلے حفظ کیا اور پھر اسے بھلا دیا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس آدمی نے مسجد سے تنکا نکالا، جو بظاہر ایک معمولی سی چیز ہے۔ لیکن اس نے یہ عمل چونکہ اللہ کے گھر کی تعظیم اور عظمت کی وجہ سے سرانجام دیا اس لئے اللہ کی نظر میں یہ عمل بھی عظیم ہو گیا، اور قرآن کے بھلا دینے کو گناہ کبیرہ میں شمار فرمایا کیونکہ اس شخص نے اللہ کے کلام کی ناقدری کی گویا اپنے عمل سے ایک عظیم چیز کو حقیر سمجھا، جبکہ مسجد سے تنکا اٹھانے والے نے اس گھر کی عظمت اور تقدس کی وجہ سے اسے بڑا سمجھا اور اسے مسجد سے باہر پھینک دیا تو اس کا یہ عمل مقبول ہو گیا اور اس نے ناحق شناسی کی تو اس کا یہ عمل سب سے بڑا گناہ قرار پایا(۲)۔

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۵/۷۲، ۸۱ کتاب فضائل القرآن باب أداب التلاوة

(۲) تحفة الاحوذی ۸/۲۳۴، قدیمی

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو حفظ کر کے بھلا دینا بہت بڑا گناہ ہے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کسی کو حافظ بنا دیں تو اس نعمت کی وہ قدر کرے، پابندی سے روزانہ تلاوت کرے تاکہ قرآن مجید اسے بھول نہ جائے، ورنہ وہ اس وعید میں داخل ہو جائے گا۔

بَابٌ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّهُ مَرَّ عَلَى قَارِءٍ يَقْرَأُ، ثُمَّ سَأَلَ فَاسْتَرْجَعَ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ (۱)۔

حضرت عمران بن حصین سے منقول ہے کہ وہ ایک قاری کے پاس سے گذرے، جو قرآن پڑھ رہا تھا، پھر اس نے ان سے کچھ مانگا (یعنی بھیک مانگی) تو عمران نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، پھر کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص قرآن پڑھے، اسے چاہیے کہ وہ قرآن کے واسطہ سے اللہ جل جلالہ سے مانگے، اس لئے کہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے، جو قرآن کریم کو پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گے۔

عَنْ صُهَيْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ (۲)۔

حضرت صہیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے قرآن پر ایمان نہیں لایا، جس نے قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ، كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ، كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: بلند آواز سے قرآن پڑھنے والا، اعلان کر کے صدقہ کرنے والے کی طرح ہے، اور آہستہ تلاوت کرنے والا، چھپا کر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔ استرجع: اس نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ من استحل: جو شخص حلال جانے، سمجھے۔ **محارم:** محرَم کی جمع ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ چیزیں، ناجائز کام۔ **الجاهر بالقرآن:** اونچی آواز سے قرآن پڑھنے والا۔ **الجاهر بالصدقة:** اعلان کر کے صدقہ کرنے والا۔

قرآن کو بھیک مانگنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے

باب کی پہلی حدیث میں ان لوگوں کے لئے درس عبرت ہے، جو قرآن مجید کو مال و دولت اور بھیک مانگنے کا ذریعہ بناتے

(۱) مسند احمد ۴/۴۳۲

(۲) الترغیب للمنذری ۱/۱۲۹

ہیں۔ کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانا جائز نہیں، حاجت روا اور مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، لہذا قرآن پڑھ کر صرف اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے۔

اس موقع پر دعا مانگنے کے دو طریقے ہیں:

۱۔ قرآن مجید کی تلاوت سے جب فارغ ہو جائے تو اس وقت دعائیں مانگے، مسنون دعائیں کرے، دنیا اور آخرت دونوں سے متعلق اپنے لئے اور تمام مؤمنین کے لئے دعائیں کرے۔

۲۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ دوران تلاوت جب آیت رحمت یا جنت کے ذکر پر مشتمل آیت آجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور جنت وغیرہ کا سوال کیا جائے، اور جب آیت عذاب یا جہنم کے ذکر پر مشتمل آیت آجائے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ مانگی جائے اور اپنے لئے دنیا و آخرت میں عافیت مانگی جائے(۱)۔

قرآن کی کامل اتباع کا حکم

من استحل محارمہ (جو کہ شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال جانے) اس کے دو مطلب ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چیزیں حرام قرار دی ہیں، اگر کوئی شخص انہیں حلال اور جائز سمجھے تو اس نے قرآن پر ایمان نہیں لایا، بلکہ وہ کافر ہے۔

۲۔ ایک شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال تو نہیں سمجھتا، حرام ہی جانتا ہے، لیکن کبھی اس ممنوع اور حرام چیز کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان تو ہے لیکن کامل نہیں، اگر ایمان کامل ہوتا تو پھر اس طرح کی غلطی نہ کرتا، گویا مسلمان کو اس بات کی تاکید کی جارہی ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گذارے، قرآن مجید کی کامل اتباع اور پیروی کرے کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے(۲)۔

قرآن بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ

باب کی تیسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مخفی طریقہ سے صدقہ دینا افضل ہوتا ہے، اسی طرح آہستہ آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا افضل ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ احادیث دونوں طرح کی منقول ہیں، بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلند آواز سے تلاوت کرنا افضل ہے جبکہ دیگر بعض سے آہستہ آواز سے قرآن پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹۸/۵، کتاب فضائل القرآن باب اختلاف القراءات

(۲) شرح الطیبی ۲۸۲/۴، مرقاۃ ۸۳/۵

دونوں قسم کی احادیث میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ آہستہ آواز سے قرآن پڑھنا اس شخص کے حق میں بہتر ہے جسے ریا کا اندیشہ ہو، اور بلند آواز سے قراءت کرنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جسے ریا میں مبتلی ہونے کا اندیشہ نہ ہو، بشرطیکہ بلند آواز سے قراءت کی وجہ سے کسی نمازی، سونے والے یا اور کسی کو تکلیف نہ پہونچے، اور اونچی آواز سے پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ اس میں دوسرے لوگوں کے لئے بہت سے فوائد ہیں مثلاً دوسرے لوگ سن سن کر سیکھ سکتے ہیں، قرآن سننے سے انہیں ثواب ہوگا، دوسروں کو عبادت کا شوق پیدا ہوگا، پڑھنے والے کا دل بیدار رہتا ہے، اس کی توجہ یکجا رہتی ہے، بہر کیف: اگر ان فوائد میں سے کوئی ایک فائدہ بھی پیش نظر ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن پڑھنا ہی افضل ہوگا(۱)۔

یہ ذہن میں رہے کہ نفلی صدقہ میں اخفاء افضل ہوتا ہے، فرض اور واجب صدقات میں بہتر یہ ہے کہ انہیں کھلم کھلا سب کے سامنے دیا جائے، تاکہ دوسروں کو بھی تنبیہ اور عبرت ہو جائے(۲)۔

بَاب

عَنْ أَبِي لُبَابَةَ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالزُّمَرَ(۳)۔

حضرت ابولبابہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہیں سوتے تھے یہاں تک کہ آپ سورہ اسراء اور سورہ زمر پڑھتے تھے۔

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ أَنْ يَرْقُدَ وَيَقُولُ: إِنَّ فِيهِنَّ آيَةً خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ(۴)۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سونے سے پہلے مسبحات پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے: ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

مسبحات اور دوسری سورتوں کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے سے پہلے دو معمولات کا ذکر ہے۔

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے سورہ اسراء اور سورہ زمر پڑھا کرتے تھے۔

---

(۱) شرح الطیبی ۲۸۲/۴، کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوۃ۔
(۲) الکوکب الدری ۳۲/۴
(۳) الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر باب ۳۰۳
(۴) سنن ابوداؤد کتاب الادب باب مایقول عند النوم

۲۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات کی تلاوت فرماتے تھے، "مسبحات" سے وہ سورتیں مراد ہیں جن کے شروع میں "سبحان" "سبح" (صیغہ ماضی) "یسبح" اور سبح (صیغہ امر) کے الفاظ ہیں، اور یہ سات سورتیں ہیں: سورہ اسراء، حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن اور سورہ اعلیٰ۔

"ان فیھن ایۃ خیر من الف ایۃ"

اس سے کونسی آیت مراد ہے؟ شارحین حدیث کے اس کے بارے میں چار قول ہیں:

۱۔ اس سے سورہ حشر کی آخری تین آیتیں: لو أنزلنا هذا القرآن الخ مراد ہیں، اس صورت میں "فیھن" سے "فی مجموعهن" مراد ہے کہ ان تمام سورتوں کے مجموعے میں ایک آیت ہے۔

۲۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے سورہ حدید کی آیت "هو الاول والاخر والظاهر ـــــ" مراد ہے۔

۳۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وہ آیت مراد ہے جو "تسبیح" کے مادے سے شروع کی گئی ہے چنانچہ سبحان الذی أسری، سبح لله ما فی السموات ـــــ یسبح لله ـــــ، یہ تمام آیتیں اس فضیلت کی حامل ہیں۔

۴۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں سے کسی ایک آیت کو متعین کرنا مشکل ہے، یہ بھی ایک مخفی آیت ہے، جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن کی ساعتِ مقبول پوشیدہ رکھی گئی ہے تاکہ ہر انسان ذرا محنت اور کوشش کر کے اسے تلاش کرے، اسی طرح ان سات سورتوں میں لاعلی التعیین ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے، اور مقصد یہاں بھی یہی ہے کہ اس آیت کو حاصل کرنے کے لئے ان تمام سورتوں کی تلاوت کی جائے، کسی ایک آیت کو متعین نہ کیا جائے (۱)۔

بَابٌ

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَقَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنْ مَاتَ فِي ذَٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيدًا، وَمَنْ قَالَهَا حِينَ يُمْسِي كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ (۲)۔

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کے وقت پڑھے: اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور پھر سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتے ہیں، جو اس کے لئے شام تک خیر و برکت اور مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر وہ شخص اس دن مر جائے تو شہادت کی موت پاتا ہے، اور جو شخص ان مذکورہ کلمات (یعنی اعوذ باللہ اور ان آیتوں) کو شام

(۱) شرح الطیبی ۲۵۶/۴، مرقاۃ ۵/۷/۴، کتاب فضائل القرآن، تحفۃ الاحوذی ۲۳۹/۸

(۲) سنن دارمی کتاب فضائل القرآن باب فضل حم الدخان

کے وقت پڑھے تو وہ بھی اسی مرتبے پر ہوگا (یعنی صبح تک اسے بھی مذکورہ فضیلت حاصل ہوگی)

سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کی برکت

اس حدیث سے "اعوذ باللہ ـــ الخ" اور سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کی (یعنی ھواللہ الذی ـــ) کی فضیلت اور برکت ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص انہیں صبح کے وقت پڑھے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے مقرر کردیئے جاتے ہیں، جو شام تک اس کے لئے خیر و برکت اور مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شام کو پڑھے تو صبح تک اتنے ہی فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، اکثر حضرات کے نزدیک ان آیتوں کی یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم موجود ہے(۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی قراءت کی کیفیت کا بیان ہے

عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَاتِهِ، فَقَالَتْ: مَا لَكُمْ وَصَلَاتَهُ؟ كَانَ يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى، ثُمَّ يُصَلِّي قَدْرَ مَا نَامَ، ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلَّى حَتَّى يُصْبِحَ۔ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ، فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا(۲)۔

حضرت یعلی بن مملک کہتے ہیں کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی نماز میں قراءت اور آپ ﷺ کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تمہاری آپ ﷺ کی نماز سے کیا نسبت؟ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ آپ نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر نماز پڑھی ہوتی اتنی ہی دیر سو جاتے، پھر جتنی دیر سوتے اتنی ہی دیر اٹھ کر نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر نماز پڑھی ہوتی، اتنی ہی دیر سو جاتے، یہاں تک کہ آپ کی صبح ہو جاتی، پھر حضرت ام سلمہ نے آپ ﷺ کی قراءت کی کیفیت بیان کی کہ وہ بہت واضح ہوتی اور ہر ہر حرف جدا ہوتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ وِتْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ كَانَ يُوتِرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ أَمْ مِنْ آخِرِهِ؟ فَقَالَتْ: كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَصْنَعُ، رُبَّمَا أَوْتَرَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَرُبَّمَا أَوْتَرَ مِنْ آخِرِهِ. قُلْتُ: الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الأَمْرِ سَعَةً، فَقُلْتُ: كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَتُهُ؟ أَكَانَ يُسِرُّ بِالقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ؟ قَالَتْ: كُلُّ ذَلِكَ كَانَ يَفْعَلُ، قَدْ كَانَ رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ. قَالَ: فَقُلْتُ: الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الأَمْرِ سَعَةً قَالَ: قُلْتُ: فَكَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِي الجَنَابَةِ؟ أَكَانَ يَغْتَسِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ، أَمْ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ؟ قَالَتْ: كُلُّ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۲۴۰

(۲) سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل من القراءۃ، سنن النسائی، کتاب الافتتاح باب تزیین القرآن بالصوت

ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ، فَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ، وَرُبَّمَا تَوَضَّأَ فَنَامَ. قُلْتُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً(۱)۔

حضرت عبداللہ بن ابی قیس جو بصری ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کے وتر کے متعلق پوچھا کہ آپ کس وقت پڑھا کرتے تھے، رات کے شروع میں یا آخر شب میں؟ انہوں نے فرمایا: دونوں وقتوں میں آپ پڑھا کرتے تھے، کبھی آپ رات کے اوّل حصے میں ہی وتر پڑھ لیتے اور کبھی آخر شب میں پڑھتے، میں نے کہا: الحمد للہ یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے دین میں وسعت رکھی ہے، پھر میں نے پوچھا: نبی کریم ﷺ کی قراءت کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ کیا آپ آہستہ قراءت کرتے تھے یا بلند آواز سے؟ انہوں نے فرمایا: دونوں طرح پڑھتے تھے، کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز سے، میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے امر شرع میں گنجائش پیدا کر دی ہے، پھر میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ حالتِ جنابت میں کیا کرتے، کیا سونے سے پہلے غسل کرتے یا غسل سے پہلے ہی سو جاتے؟ انہوں نے فرمایا: دونوں طرح سے کیا کرتے تھے، کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو کر کے سو جاتے، میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے دین میں وسعت رکھی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَعْرِضُ نَفْسَهُ بِالْمَوْقِفِ، فَقَالَ: أَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِي إِلَى قَوْمِهِ؟ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي(۲)۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ موسم حج میں میدان عرفات میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور فرماتے: کیا ایسا کوئی آدمی ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے چلے (تا کہ میں انہیں اپنے رب کا کلام سناؤں)، کیونکہ قریش نے مجھے اس بات سے منع کر دیا ہے کہ میں اپنے رب کا کلام (لوگوں تک) پہنچاؤں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **مالکم و صلاته:** تمہاری حضور ﷺ کی نماز کے ساتھ کیا نسبت۔ **مفسوۃ:** واضح، الگ الگ۔ **سعة:** (سین پر زبر کے ساتھ) گنجائش، وسعت۔ **أوتر:** نماز وتر پڑھی۔ **یعرض نفسه:** اپنے آپ کو پیش کرتے۔ **موقف:** موسم حج، وقوف عرفہ۔ **یحملنی الی قومه:** جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے چلے۔

نبی کریم ﷺ کی قراءت کیسی ہوتی

اس باب کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ نے وہ روایات ذکر کی ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ کی قراءت کی کیفیت کا بیان ہے، پہلی روایت میں حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی قراءت نہایت واضح ہوتی، ہر حرف الگ الگ ہوتا کہ اگر

(۱) سنن نسائی، کتاب قیام اللیل و تطوع النہار باب کیف القراءة باللیل

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب: من القرآن

کوئی شخص آپ کی قراءت کے حروف شمار کرنا چاہتا تو بڑی آسانی کے ساتھ شمار کرسکتا تھا، آپ علیہ السلام خوب ترتیل اور تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے، امت کو بھی یہی حکم ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر، اطمینان اور سکون سے، تجوید کے ساتھ تلاوت کیا کریں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں ترتیل اور تجوید کے ساتھ ایک سورت پڑھنا، بغیر ترتیل کے پورا قرآن پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے(۱)۔

ثم نعتت قراءته، فاذاهی تنعت

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس جملے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:

۱۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا کہ وہ نہایت واضح اور ترتیل کے ساتھ ہوتی کہ ہر حرف الگ الگ معلوم ہوتا۔

۲۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تلاوت کر کے بتایا کہ آپ علیہ السلام اس طرح تلاوت فرماتے تھے(۲)۔

باب کی دوسری حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے:

- نماز وتر رات کے ابتدائی حصہ میں بھی جائز ہے اور اگر بیدار ہونے کا ظن غالب ہو تو آخر شب میں بھی اس نماز کو پڑھا جا سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل منقول ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رات کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت فرماتے اور کبھی آہستہ آواز سے، اس لئے انسان کو اختیار ہے کہ رات کے نوافل میں بلند آواز قراءت کرے یا آہستہ آواز سے، آپ علیہ السلام سے دونوں طرح کا عمل ثابت ہے۔
- غسل فرض کبھی تو آپ سونے سے پہلے ہی کر لیتے اور کبھی سونے کے بعد کرتے، شریعت میں دونوں طرح کی گنجائش ہے۔

موسم حج میں دعوت وتبلیغ کا اہتمام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد طائف تشریف لے گئے، تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے، اور تاکہ قبیلہ ثقیف کے لوگ ہر موقع پر آپ کی مدد ونصرت کریں، انہوں نے نہ مانا، آپ کو ستایا، اور سخت قسم کی تکلیفیں آپ کو پہونچائیں، آپ علیہ السلام مکہ مکرمہ واپس آگئے، موسم حج میں آپ نے مختلف قبائل سے ملنا شروع کر دیا، تاکہ انہیں اللہ جل جلالہ کا کلام پہونچایا جائے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں قبیلہ قریش کے لوگ دعوت کا کام نہیں کرنے دیتے تھے، اس موقع پر آپ علیہ السلام قبیلہ کندہ، بنی کعب، بنی حذیفہ اور بنی عامر وغیرہ کے پاس تشریف لے گئے، ان سے فرمایا کہ میری بات مانو یا نہ مانو، تمہاری مرضی ہے،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴۱/۸

(۲) شرح الطیبی ۲۸۲/۴، کتاب فضائل القرآن

کوئی جبر نہیں البتہ تم میری یوں مدد کرو کہ اگر مجھے کوئی ایذاء پہونچانا چاہے تو میری تم مدد اور دفاع کرنا، سب نے معذرت کر دی، صرف قبیلہ ہمدان کے ایک آدمی نے آپ کی بات کو مانا لیکن بعد میں اس نے بھی یہ کہہ کر ایک طرح کی معذرت کر دی کہ میں آپ کی یہ بات اپنی قوم کے سامنے رکھوں گا، وہ مانتے ہیں یا نہیں، اگلے سال حج کے موقع پر آپ کو جواب دوں گا، یہ روداد ہجرت سے پہلے ان ایام کی ہے کہ جب کفار مکہ کی طرف سے آپ کو انتہائی سخت آزمائش کا سامنا تھا کہ اسلام کا نام لینا بہت بڑا جرم تھا، پھر اس کے بعد انصار کا وفد آیا، انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ قبائل عرب کو اسلام کی دعوت دیں، تو میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، نبی کریم ﷺ کے ساتھ منیٰ گئے، ہم وہاں پر عرب کی مجالس میں حاضر ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق نے ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ حضرت صدیق اکبرؓ علم نسب میں بہت ماہر تھے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں، صدیق اکبرؓ نے پوچھا کہ کونسا ربیعہ؟ انہوں نے کہا: ذہل سے، یوں ان سے بات چیت ہوئی، لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا، پھر ہم قبیلہ اوس اور خزرج کے پاس گئے، ان سے جب نبی کریم ﷺ نے کلام کیا تو ان سب نے مذہب اسلام کو قبول کر لیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، یہی وہ لوگ ہیں، جنہیں ''انصار'' کہا جاتا ہے(۱)۔

تیسری روایت کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو نہایت ٹھہر ٹھہر کر اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے، ہر حرف جدا جدا ہوتا، تا کہ سننے والوں کو اچھی طرح سمجھ آ جائے، وہ غور سے سنیں، اسے سمجھیں، اس میں غور وفکر کر کے اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں(۲)۔

بَابٌ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ(۳)۔

حضرت ابو سعیدؓ، رسول اکرم ﷺ سے حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں: جس شخص کو قرآن نے میری یاد اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا، میں اسے ان لوگوں سے بہتر چیز عطا کروں گا، جو میں مانگنے والوں کو دیا کرتا ہوں، اور اللہ جل جلالہ کے کلام کی دوسرے تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت ہے، جس طرح خود اللہ

---

(۱) فتح الباری ۲۷۸/۷، کتاب مناقب الانصار، باب وفود الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۴۳/۸
(۳) سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل کلام اللہ۔

جل جلالہ کو اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔

قرآن میں مشغول رہنے کے انوار و برکات

حدیث قدسی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص قرآن کو یاد کرنے، اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنے اور اس کی ہدایات اور احکام پر عمل کرنے میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ نہ تو مجھے یاد کرتا ہے اور نہ ہی مجھ سے کچھ مانگتا ہے، تو میں اسے مانگنے والوں سے کہیں زیادہ بہتر اسے عطا کرتا ہوں، کیونکہ وہ اپنی تمام خواہشات اور جذبات کو قربان کر کے سارا وقت ہی اس مشغولیت میں گذارتا ہے، اس عظیم جذبہ کی وجہ سے اسے اس قدر اجر دیا جائے گا۔

اور اللہ کا کلام چونکہ دیگر تمام کلاموں سے فائق اور برتر ہے، اس لئے اس میں جو مشغول ہوگا، اس کا اجر بھی اسی نسبت سے بہت ہی زیادہ ہوگا۔

حدیث کے آخری جملہ ''وفضل کلام اللہ۔۔۔'' کے بارے میں تین احتمال ہیں:

۱۔ یہ جملہ حدیث قدسی ہی کا تتمہ ہے یعنی اللہ جل جلالہ کا ہی ارشاد ہے، اس صورت میں گویا اس کلام میں التفات واقع ہوا ہے کہ پہلے ضمیر متکلم کے ساتھ کلام کا اسلوب چل رہا تھا، بعد میں اسم ظاہر کو ذکر کر دیا گیا، یہ بھی فصاحت و بلاغت کا ایک اہم اسلوب ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آخری جملہ اللہ جل جلالہ کا کلام نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، علماء فرماتے ہیں کہ یہی احتمال زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں کسی التفات کو ماننا لازم نہیں آتا(۱)۔

۳۔ امام بخاری سے منقول ہے کہ یہ جملہ نہ تو اللہ جل جلالہ کا کلام ہے، نہ ہی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے بلکہ یہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، گویا یہ جملہ مدرج ہے، مرفوع نہیں(۲)۔

---

(۱) شرح الطیبی ۲۴۲/۴، تحفۃ الاحوذی ۲۴۴/۸

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۳۴/۵، کتاب فضائل القرآن

أَبْوَابُ الْقِرَاءَاتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ سے قراءات سے متعلق منقول احادیث پر مشتمل ابواب

ان ابواب کی شرح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی قراءتوں سے متعلق کچھ ضروری باتیں تحریر کردی جائیں تا کہ ایک قاری کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ قراءتیں کس طرح وجود میں آئیں اور مشہور قراء کونسے ہیں۔

قرآن کریم کے سات حروف اور قراءتیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اس امت کو یہ سہولت عطا فرمائی ہے کہ اس کے الفاظ کو مختلف طریقوں اور قراءتوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی شخص سے کوئی لفظ ایک طریقے سے نہیں پڑھا جاتا تو وہ اسے دوسرے طریقے سے پڑھ سکتا ہے، چنانچہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

انَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، لہذا ان میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو، اس طریقہ سے پڑھ لو۔

اس میں "سات حروف" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں، محقق علماء کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، ان میں باہمی فرق اور اختلاف "سات نوعیتوں" پر مشتمل ہے، ان نوعیتوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اسماء کا اختلاف: جس میں افراد، تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث کا اختلاف داخل ہے مثلاً ایک قراءت میں تمت کلمۃ ربک ہے اور دوسری قراءت میں تمت کلمات ربک ہے۔

۲۔ افعال کا اختلاف: کہ کسی قراءت میں صیغہ ماضی ہے، کسی میں مضارع اور کسی میں امر ہے مثلاً ایک قراءت میں "رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ "ربنا بَعِّدْ بین اسفارنا" ہے۔

۳۔ وجوہ اعراب کا اختلاف: جس میں اعراب یا زیر، زبر اور پیش کا فرق پایا جاتا ہے، مثلاً "لا یضارَّ" کاتب کی جگہ "لا یضارُّ کاتب" اور "ذو العرش المجیدُ" کی جگہ "ذو العرش المجیدِ"۔

۴۔ الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قراءت میں "تجری من تحتها الانهر" ہے اور دوسری میں "تجری تحتها الانهر" ہے۔

۵۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً "وجاءت سکرۃ الموت بالحق" ہے اور دوسری قراءت میں "وجاءت سکرۃ الحق بالموت" ہے۔

۶۔ بدلیت کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً ننشزھا اور ننشرھا، نیز فتبینوا اور فتثبتوا، اور طلح اور طلع۔

۷۔ لہجوں کا اختلاف: جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، مد، قصر، ہمز، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلافات داخل ہیں یعنی اس میں لفظ تو نہیں بدلتا لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ بدل جاتا ہے، مثلاً لفظ موسیٰ کو ایک قراءت میں "مُوْسیٰ" کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

بہر حال اختلاف قراءت کی ان سات نوعیتوں کے تحت بہت سی قراءتیں نازل ہوئی تھیں، اور ان کے باہمی فرق سے معنیٰ میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہوتا تھا، صرف تلاوت کی سہولت کے لئے ان کی اجازت دی گئی تھی۔

شروع میں لوگ چونکہ قرآن کریم کے اسلوب سے پوری طرح عادی نہیں تھے، اس لئے ان سات اقسام کے دائرے میں بہت سی قراءتوں کی اجازت دے دی گئی تھی، لیکن نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ ہر سال رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے، جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس سال آپ نے دو مرتبہ دور فرمایا۔ اس دور کو "عرضہ اخیرہ" کہا جاتا ہے، اس موقع پر بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں، اور صرف وہ قراءتیں باقی رکھی گئیں، جو آج تک تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن کے معاملے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے اپنے عہد خلافت میں قرآن کریم کے سات نسخے تیار کرائے، اور ان سات نسخوں میں تمام قراءتوں کو اس طرح سے جمع فرمایا کہ قرآن کریم کی آیتوں پر نقطے اور زبر، زیر اور پیش نہیں لگائے تاکہ انہی مذکورہ قراءتوں میں سے جس قراءت کے مطابق چاہیں، پڑھ سکیں، یوں اکثر قراءتیں اس رسم الخط میں سما گئیں، اور جو قراءتیں اس رسم الخط میں نہ سما سکیں ان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ آپ نے یہ اختیار فرمایا کہ ایک نسخہ آپ نے ایک قراءت کے مطابق لکھا، اور دوسرا دوسری قراءت کے مطابق، امت نے ان نسخوں میں جمع شدہ قراءتوں کو یاد رکھنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ علم قراءت ایک مستقل علم بن گیا، اور سینکڑوں علماء، قراء اور حفاظ نے اس کی حفاظت میں اپنی عمریں خرچ کر دیں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم کے سات نسخے عالم اسلام کے مختلف خطوں کی طرف روانہ کئے تو ان کے ساتھ ایسے قاریوں کو بھی بھیجا تھا جو ان کی تلاوت سکھا سکیں، یہ قاری جب مختلف علاقوں میں پہونچے تو انہوں نے اپنی اپنی قراءت کے مطابق لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی، اور یہ مختلف قراءتیں لوگوں میں پھیل گئیں، اس موقع پر بعض حضرات نے ان مختلف قراءتوں کو یاد کرنے اور دوسروں کو سکھانے کے لئے ہی اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اور اس طرح "علم قراءات" کی بنیاد پڑ گئی، اور ہر خطے کے لوگ اس علم میں کمال حاصل کرنے کے لئے آئمہ قراءت سے رجوع کرنے لگے، کسی نے صرف ایک قراءت یاد کی، کسی نے دو، کسی نے سات اور کسی نے اس سے بھی زیادہ، اس سلسلے میں ایک اصولی ضابطہ پوری امت میں مسلم تھا، اور ہر جگہ اسی کے مطابق عمل ہوتا تھا، اور وہ یہ کہ صرف وہ "قراءت" قرآن ہونے کی حیثیت سے قبول کی جائیں گی، جس میں تین شرائط پائی جاتی ہوں:

۱۔ مصاحف عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔
۲۔ عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہو۔
۳۔ وہ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو، اور آئمہ قراءت میں مشہور ہو۔

جس قراءت میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو، اسے قرآن کا جزء نہیں سمجھا جاسکتا، اس طرح متواتر قراءتوں کی ایک بڑی تعداد نسلاً بعد نسل نقل ہوتی رہی، اور سہولت کے لئے ایسا بھی ہوا کہ ایک امام نے ایک یا چند قراءتوں کو اختیار کرکے انہی کی تعلیم دینی شروع کردی، پھر وہ قراءت اس امام کے نام سے ہی مشہور ہوگئی۔

پھر علماء نے ان قراءتوں کو جمع کرنے کے لئے کتابیں لکھنی شروع کیں، چنانچہ سب سے پہلے امام ابوعبید قاسم بن سلام، امام ابوحاتم سجستانی، قاضی اسماعیل اور امام جعفر طبری نے اس فن پر کتابیں مرتب کیں، جن میں بیس سے زیادہ قراءتیں جمع تھیں، پھر علامہ ابوبکر ابن مجاہد نے ایک کتاب لکھی جس میں صرف سات قاریوں کی قراءتیں جمع کی گئی تھیں، ان کی یہ تصنیف اس قدر مقبول ہوئی کہ ان سات قراء کی قراءتیں دوسرے قراء کے مقابلے میں بہت زیادہ مشہور ہوگئیں، بلکہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ صحیح اور متواتر قراءتیں صرف یہی ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ علامہ ابن مجاہد نے محض اتفاقاً ان سات قراءتوں کو جمع کردیا تھا، ان کا منشاء یہ ہرگز نہیں تھا کہ ان کے سوا دوسری قراءتیں غلط یا ناقابل قبول ہیں، علامہ ابن مجاہد کے اس عمل سے دوسری غلط فہمی یہ پیدا ہوئی کہ بعض لوگ ''سبعہ احرف'' کا مطلب یہ سمجھنے لگے کہ ان سے یہی سات قراءتیں مراد ہیں، جنہیں ابن مجاہد نے جمع کیا ہے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں، بلکہ یہ سات قراءتیں، صحیح قراءتوں کا محض ایک حصہ ہیں، ورنہ ہر وہ قراءت جو مذکورہ تین شرائط پر پوری اترتی ہو، صحیح، قابل قبول اور ان سات حروف میں داخل ہے، جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔

سات قراء

علامہ ابن مجاہد کے اس عمل سے جو سات قاری سب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ بن کثیر الداری، (متوفی ۱۲۰ھ) آپ نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن زبیر اور ابوایوب انصاری کی زیارت کی تھی، آپ کی قراءت مکہ مکرمہ میں زیادہ مشہور ہوئی، اور آپ کی قراءت کے راویوں میں بزی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں۔

۲۔ نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم (متوفی ۱۶۹ھ) آپ نے ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا تھا، جو براہ راست حضرت ابی بن کعب، عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہ کے شاگرد تھے، آپ کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی، اور آپ کے راویوں میں ابوموسیٰ قالون اور ابوسعید ورش زیادہ مشہور ہیں۔

۳۔ عبداللہ حصبی، جو ابن عامر کے نام سے معروف ہیں (متوفی ۱۱۸ھ) آپ نے صحابہ میں سے حضرت نعمان بن بشیر اور

حضرت واثلہ بن اسقع کی زیارت کی تھی اور قراءت کا فن حضرت مغیرہ بن شہاب مخزومی سے حاصل کیا تھا، جو حضرت عثمانؓ کے شاگرد تھے، آپ کی قراءت کا زیادہ رواج شام میں رہا، اور آپ کی قراءت کے راویوں میں ہشام اور ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔

۴۔ ابوعمرو بن زبان بن علاء (متوفی ۱۵۴ھ) آپ نے حضرت مجاہد، اور سعید بن جبیر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس اور ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے، آپ کی قراءت بصرہ میں زیادہ مشہور ہوئی، آپ کی قراءت کے راویوں میں ابوعمرو الدوری اور ابو شعیب سوسی زیادہ مشہور ہیں۔

۵۔ حمزہ بن حبیب الزیات، مولی عکرمہ بن ربیع التیمی (متوفی ۱۸۸ھ) آپ سلیمان اعمش کے شاگرد ہیں، وہ یحیی بن وثاب کے، وہ زر بن حبیش کے اور انہوں نے حضرت عثمان، حضرت علی، اور عبداللہ بن مسعودؓ سے استفادہ کیا تھا، آپ کے راویوں میں خلف بن ہشام اور خلاد بن خالد زیادہ مشہور ہیں۔

۶۔ عاصم بن ابی النجود الاسدی (متوفی ۱۲۷ھ) آپ زر بن حبیش کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعود، اور ابوعبدالرحمن سلمی کے واسطہ سے حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں، آپ کی قراءت کے راویوں میں شعبہ بن عیاش، اور حفظ بن سلیمان زیادہ مشہور ہیں، آج کل عموماً تلاوت انہیں حفص بن سلیمان کی روایت کے مطابق ہوتی ہے۔

۷۔ ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی نحوی (متوفی ۱۸۹ھ) ان کے راویوں میں ابوالحارث مروزی اور ابوعمر الدوری زیادہ مشہور ہیں، مؤخر الذکر تینوں حضرات کی قراءتیں زیادہ تر کوفہ میں رائج ہوئیں۔

لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے ان سات کے علاوہ اور بھی کئی قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں، چنانچہ جب بعد میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے لگی کہ صحیح قراءتیں ان سات ہی میں منحصر ہیں، تو متعدد علماء نے سات کے بجائے دس قراءتیں ایک قراءت میں جمع فرمائیں، اسی سے "قراءات عشرہ" کی اصطلاح مشہور ہوگئی، ان دس قراءتوں میں مندرجہ بالا سات قراء کے علاوہ ان تین حضرات کی قراءتیں بھی شامل کی گئیں:

۱۔ یعقوب بن اسحاق حضرمی (متوفی ۲۰۵ھ) آپ کی قراءت زیادہ تر بصرہ میں مشہور ہوئی۔

۲۔ خلف بن ہشام (متوفی ۲۰۵) جو حمزہ کی قراءت کے بھی راوی ہیں، آپ کی قراءت کوفہ میں زیادہ رائج تھی۔

۳۔ ابوجعفر یزید بن قعقاع (متوفی ۱۳۰ھ) ان کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی۔

اس کے علاوہ بعض حضرات نے چودہ قاریوں کی قراءتیں جمع کیں، اور مذکورہ دس حضرات پر مندرجہ ذیل قراء کی قراءتوں کا اضافہ کیا:

۱۔ حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) جن کی قراءت کا مرکز بصرہ تھا۔

۲۔ محمد بن عبدالرحمن بن محیصن (متوفی ۱۲۳ھ) جن کا مرکز مکہ مکرمہ میں تھا۔

۳۔ یحیی بن مبارک یزیدی (متوفی ۲۰۲ھ) جو بصرہ کے باشندے تھے۔

۴۔ ابوالفرج شنبوذی (متوفی ۳۸۸ھ) جو بغداد کے باشندے تھے۔

بعض حضرات نے چودہ قاریوں میں حضرت شنبوذی کے بجائے حضرت سلیمان اعمش کا نام شمار کیا ہے، ان میں سے پہلی دس قراءتیں صحیح قول کے مطابق متواتر ہیں، اور ان کے علاوہ شاذ ہیں(۱)۔

تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے اسباب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کارنامے کے بعد امت کا اس پر اجماع ہوگیا کہ قرآن کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں، چنانچہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقے کے مطابق لکھے گئے، صحابہ وتابعین نے مصاحف عثمانی کی نقول تیار کرکے قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

لیکن ابھی تک قرآن کریم کے نسخے چونکہ نقطوں، زیر، زبر، اور پیش سے خالی تھے، اس لئے غیر عرب یعنی اہل عجم کو تلاوتِ قرآن میں دشواری ہوتی تھی، جب اسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کرسکیں، اس مقصد کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے، جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

نقطے لگانے کا رواج

شروع میں عربوں کے ہاں نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا، انہیں نقطوں کے بغیر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، خاص طور سے قرآن کریم کے معاملے میں کسی اشتباہ کا امکان اس لئے نہیں تھا کہ اس کی حفاظت کا مدار کتابت پر نہیں بلکہ حافظوں پر تھا، اور حضرت عثمان نے جو نسخے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے، ان کے ساتھ قاری بھی بھیجے گئے تھے، جو اسے پڑھنا سکھا سکیں۔

اس میں روایات مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے لگائے؟

بعض روایات میں ہے کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے حضرت ابوالاسود دؤلی نے سرانجام دیا، بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی ہدایت پر کیا تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیانؓ نے ان سے یہ کام کرایا، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری، یحیی بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی کے ذریعہ انجام دیا۔

زبر، زیر اور پیش لگانے کا آغاز

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات یعنی زبر، زیر اور پیش نہیں تھے، بعض کے نزدیک یہ کام بھی ابوالاسود

(۱) اس پوری بحث کے لئے دیکھیے: معارف القرآن ۱/۳۰۔۳۵، علوم القرآن (ص: ۲۰۲۔۲۰۶)

دؤلی نے انجام دیا، جبکہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی سے کرایا۔

احزاب یا منزلیں

صحابہ اور تابعین کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی، جسے "حزب" یا "منزل" کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا۔

اجزاء یا پارے

قرآن کریم کے جو تیس پارے ہیں، یہ تقسیم بھی معنیٰ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھنے کے لئے آسانی کے خیال سے قرآن کریم کو تیس برابر حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانہ کی ہے، لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے۔

رکوع

رکوع کی ایک علامت قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھی ہوئی ہے، اس علامت کی تعیین قرآن مجید کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام ختم ہو تو وہاں رکوع کی علامت حاشیہ پر لگادی گئی ہے۔

رموزِ اوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارے لکھدیئے گئے، جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو "رموز اوقاف" کہتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی دان انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کرسکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، ان میں سے اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمہ اللہ نے وضع فرمائے،

ان رموز کی تفصیل یہ ہے:

ج: یہ "وقف جائز" کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز: یہ بھی وقف جائز کی ایک علامت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص: یہ وقف مرخص کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہو گیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے۔

م: یہ "وقف لازم" کا مخفف ہے، معنی یہ ہیں کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنیٰ میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے "وقف واجب" بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے فقہی واجب مراد نہیں، جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے۔

لا: یہ "لا تقف" کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نہ ٹھہرو، لیکن اس کا منشاء یہ نہیں کہ یہاں وقف کرنا جائز نہیں، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں، جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے شروع کرنا اچھا نہیں۔

یہ رموز تو یقیناً علامہ سجاوندی کے وضع کئے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رموز قرآن کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:

مع: یہ معانقہ کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جا سکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں، مثلاً: ذلک مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل۔ کزرع أخرج شطأه، اس میں اگر التوراۃ پر وقف کر لیا تو الانجیل پر وقف درست نہیں، اور اگر الانجیل پر وقف کرنا ہے تو التوراۃ پر وقف درست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے، اس کا ایک نام "مقابلہ" ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشاندہی امام ابوالفضل رازی نے فرمائی ہے۔

سکتہ: یہ "سکتہ" کی علامت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ رکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنیٰ میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ: اس جگہ "سکتہ" سے قدرے زیادہ دیر تک رکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق: یہ "قیل علیه الوقف" کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے، اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف: یہ لفظ "قف" ہے، اس کے معنیٰ ہیں: ٹھہر جاؤ، یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلی: یہ "الوصل اولیٰ" کا مخفف ہے، جس کے معنیٰ ہیں کہ ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

صل: یہ قد یوصل کا مخفف ہے یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔
وقف النبی ﷺ: یہ ان مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں نبی کریم ﷺ کا تلاوت کے وقت، وقف کرنا کسی روایت سے ثابت ہے (۱)۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقْرَأُ: {الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} [الفاتحة:2]، ثُمَّ يَقِفُ، {الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} [الفاتحة:1]، ثُمَّ يَقِفُ، وَكَانَ يَقْرَؤُهَا: (مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ)(۲)

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ قرآن کریم پڑھتے ہوئے ہر آیت پر وقف کرتے تھے، یعنی اس طرح پڑھتے: "الحمد للہ رب العالمین" پھر ٹھہر جاتے، پھر پڑھتے "الرحمن الرحیم" پھر رک جاتے، پھر پڑھتے "مالک یوم الدین" (اور پھر ٹھہر جاتے)۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ - وَأُرَاهُ قَالَ - وَعُثْمَانَ كَانُوا يَقْرَءُونَ {مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ}(۳)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ، ابوبکر، عمر (راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت انس نے) عثمان (کا نام بھی لیا) یہ سب حضرات "مالک یوم الدین" (میم کے بعد الف کے ساتھ) پڑھا کرتے تھے۔
یقطع قراءته: نبی کریم ﷺ تلاوت قرآن میں ہر آیت پر وقف کرتے تھے۔

آیت پر وقف کرنے کا حکم

جمہور علماء کے نزدیک ان آیتوں کو ملا کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے جو لفظی اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے سے مربوط اور متعلق ہوں، امام جزری نے اسے "وقف مستحب" قرار دیا ہے، قرآن مجید کے نسخوں میں آج کل جو مختلف جگہوں پر وقف لازم یا واجب وغیرہ لکھا ہوتا ہے، اس سے شرعی وجوب مراد نہیں ہے جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی ہے، ان اوقاف کا حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ ہر آیت کی ابتداء اور انتہاء یہ توقیفی ہے یعنی اس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے ہے،

اور نبی کریم ﷺ ہر آیت پر وقف اس لئے فرمایا کرتے تھے تاکہ سننے والوں کو ہر آیت کی ابتداء اور اس کی انتہاء معلوم ہو جائے، اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی کریم ﷺ سے ہر آیت پر وقف کرنا منقول ہے

(۱) معارف القرآن ۱/۴۴۔۴۸، علوم القرآن (ص:۱۹۳)
(۲) سنن ابو داؤد کتاب الحروف والقرآن، باب:۱
(۳) الدر المنثور للسیوطی ۱/۳۸

اسی طرح ان آیتوں کو ملا کر پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے(۱)۔

مالک یوم الدین میں دو قراءتیں

لفظ "مالک" میں دو قراءتیں ہیں:

۱۔ امام عاصم، کسائی اور یعقوب کی قراءت میں لفظ "مالک" الف کے ساتھ ہے۔

۲۔ باقی قراء کی قراءت میں "ملک" ہے یعنی میم پر زبر اور لام کے نیچے زیر کے ساتھ، دونوں ہی قراءتیں صحیح ہیں(۲)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ: (أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ)(۳)۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت اس طرح پڑھی "ان النفس بالنفس والعین (پیش کے ساتھ) بالعین"۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ: (هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبَّكَ)(۴)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھا "ھل تستطیع ربک" (تاء کے ساتھ) یعنی کیا تو اپنے رب سے مانگنے کی طاقت رکھتا ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَؤُهَا (إِنَّهُ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ)(۵)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کو یوں پڑھتے "انہ عمل غیر صالح" یعنی اس نے غیر صالح کام کیا (اس میں لفظ عمل، فعل ماضی کا صیغہ ہے)۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ: {قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا} [الكهف: 76] مُثَقَّلَةً

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "قد بلغت من لدنی عذرا" میں "لدنی" کو مثقلا یعنی نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ: {فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ} [الكهف: 86](۶)۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اس طرح پڑھی "فی عین حمئۃ"۔

---

(۱) العرف الشذی علی جامع الترمذی ۲۰/۲، مرقاۃ المفاتیح ۸۴/۵، کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوۃ

(۲) الکوکب الدری ۳۷/۳، تحفۃ الاحوذی ۲۴۶/۸

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب: ۱

(۴) الدر المنثور للسیوطی ۶۰۹/۲

(۵) مسند احمد ۲۹۴/۶

(۶) سنن ابو داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب: ۱

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ ظَهَرَتِ الرُّومُ عَلَى فَارِسَ، فَأَعْجَبَ ذَلِكَ الْمُؤْمِنِينَ، فَنَزَلَتْ {الم غُلِبَتِ الرُّومُ} [الروم: 2]- إِلَى قَوْلِهِ - {يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ} [الروم: 4] قَالَ: فَفَرِحَ الْمُؤْمِنُونَ بِظُهُورِ الرُّومِ عَلَى فَارِسَ(۱)۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ جب غزوہ بدر کے دن (پتہ چلا کہ) اہل روم، فارس والوں پر غالب آ گئے ہیں تو اہل ایمان کو یہ بات بہت پسند آئی، چنانچہ "الم غلبت الروم" سے "یفرح المؤمنون" تک آیات نازل ہوئیں، راوی کہتے ہیں کہ پھر مسلمان اہل روم کے فارس والوں پر غالب آنے سے خوش ہو گئے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَرَأَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ} [الروم: 54] فَقَالَ: (مِنْ ضُعْفٍ)(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے پڑھا: "خلقکم من ضعف" (ضاد پر زبر کے ساتھ) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من ضعف" (ضاد پر پیش کے ساتھ) پڑھو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ: {فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ} [القمر: 15] (۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ آیت اس طرح پڑھتے تھے "فھل من مدکر" (دال کے ساتھ)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ: {فَرُوحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ} [الواقعة: 89] (۴)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت یوں پڑھی: "فروح و ریحان و جنة نعیم" (یعنی لفظ روح کی راء پر پیش کے ساتھ پڑھا)

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَدِمْنَا الشَّامَ فَأَتَانَا أَبُو الدَّرْدَاءِ، فَقَالَ: أَفِيكُمْ أَحَدٌ يَقْرَأُ عَلَيَّ قِرَاءَةَ عَبْدِ اللهِ؟ قَالَ: فَأَشَارُوا إِلَيَّ، فَقُلْتُ: نَعَمْ أَنَا، قَالَ: كَيْفَ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقْرَأُ هَذِهِ الآيَةَ {وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى} [الليل: 1]؟ قَالَ: قُلْتُ: سَمِعْتُهُ يَقْرَؤُهَا: {وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى} [الليل: 1] وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى، فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: وَأَنَا وَاللهِ هَكَذَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَؤُهَا، وَهَؤُلَاءِ يُرِيدُونَنِي أَنْ أَقْرَأَهَا {وَمَا خَلَقَ} [الليل: 3] فَلَا أُتَابِعُهُمْ(۵)۔

---

(۱) الدر المنثور للسیوطی ۵/۲۹۰
(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب: ۱
(۳) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ عز وجل ولقد ارسلنا نوحا۔
(۴) سنن ابو داؤد، کتاب الحروف والقراءات، حدیث: ۳۹۹۱
(۵) اخرجه الحمیدی ۱/۱۹۴

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ شام آئے تو ابوالدرداء ہمارے پاس تشریف لائے تو پوچھا گیا تم میں سے کوئی عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت سے قرآن پڑھ سکتا ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو میں نے عرض کیا: جی ہاں میں پڑھ سکتا ہوں، انہوں نے فرمایا: تم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ آیت "واللیل اذا یغشی" کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے "واللیل اذا یغشی والذکر والأنثی"، (یہ سن کر) ابوالدرداء نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں نے نبی کریم ﷺ کو بھی اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں "وما خلق الذکر والانثی" پڑھوں لیکن میں ان کی پیروی نہیں کروں گا (یعنی ان کی بات نہیں مانوں گا)

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: أَقْرَأَنِي رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي أَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اس طرح پڑھائی: انی انا الرزاق ذوالقوۃ المتین۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ: {وَتَرَى النَّاسَ سَكَارَى وَمَا هُمْ بِسَكَارَى} [الحج:2] (۲)۔

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اس طرح پڑھی "وتری الناس سکاری وما ھم بسکاری"، یعنی سین پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ۔

چند قراءتوں کا بیان

مذکورہ احادیث میں چند قراءتوں کا ذکر ہے۔ جن کی تشریح بالترتیب درج ذیل ہے:

۱۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۵ میں ہے: ان النفس بالنفس والعین بالعین، امام کسائی کے طریق میں لفظ "عین" پر پیش ہے، اور اس کا عطف "ان النفس" کے محل پر ہے، جبکہ مشہور قراءت زبر کی ہے یعنی لفظ عین، لفظ نفس کی طرح منصوب ہے۔

۲۔ سورہ مائدہ آیت نمبر ۱۱۲ میں ہے: "ھل تستطیع ربک"، یعنی خطاب کا صیغہ ہے، شروع میں تا ہے اور ربک کی باء پر زبر ہے یہ امام کسائی کی قراءت ہے، اور مشہور قراءت میں "ھل یستطیع ربک" ہے، یعنی غائب کا صیغہ ہے اور لفظ "ربک" کی باء پر پیش ہے۔

۳۔ سورہ ھود (آیت نمبر ۴۶) میں ہے "انه عمل غیر صالح"، اس میں امام کسائی اور یعقوب کے نزدیک لفظ "عمل"

---

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب الحروف والقراءات باب: ۱

(۲) الدرالمنثور ۶۱۹/۴

فعل ماضی کا صیغہ ہے یعنی عین پر زبر اور میم کے نیچے زیر کے ساتھ، اور لفظ "غیر" پر زبر ہے۔ اور باقی تمام قراء کے نزدیک لفظ "عمل" اسم ہے، یعنی عین اور میم پر زبر اور لام پر تنوین ہے اور لفظ غیر پر زبر ہے۔

۴۔ سورہ کہف (آیت نمبر ۷۶) میں ہے: قد بلغت من لدنی عذرا، اس میں لفظ "لدنی" میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت میں نون پر تشدید ہے، یہی مشہور قراءت ہے، اور امام نافع کی قراءت میں نون کی تخفیف کے ساتھ ہے، اس میں تشدید نہیں ہے۔

۵۔ سورہ کہف (آیت نمبر ۸۶) میں ہے: "فی عین حمئة" اس میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں ہی مشہور ہیں ایک حمئة ہے یعنی حاء پر زبر، میم کے نیچے زیر اور ہمزے پر زبر کے ساتھ، اور دوسری قراءت "حامیه" ہے یعنی حا اور میم کے درمیان الف کے ساتھ، معنیٰ دونوں قراءتوں میں ایک ہی ہے یعنی، کیچڑ، سڑی ہوئی کالی مٹی۔

۶۔ سورہ روم میں ہے: الم غلبت الروم ــــــ سیغلبوا۔ "فی بضع سنین" اس میں "غلبت" میں دو قراءتیں ہیں، ایک قراءت میں غین پر پیش اور لام کے نیچے زیر ہے اور یہی مشہور قراءت ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل فارس، رومیوں پر غالب آگئے اور رومی مغلوب ہو گئے اور دوسری قراءت میں یہ صیغہ معروف ہے یعنی غین اور لام دونوں پر زبر ہے،

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ لفظ "غلبت" اگر معروف پڑھا جائے تو پھر بعد میں لفظ سیغلبون کو صیغہ مجہول پڑھا جائے گا، معنیٰ یہ ہیں کہ رومی لوگ شام پر غالب آگئے ہیں، لیکن عنقریب یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے، چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد کچھ سالوں میں رومیوں کے بہت سے علاقے مسلمانوں نے فتح کر لئے تھے۔

۷۔ سورہ روم (آیت نمبر ۵۴) میں ہے: "خلقکم من ضعف"، اس میں لفظ ضعف کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے، ضاد پر زبر اور پیش کے ساتھ، نسفی فرماتے ہیں کہ امام عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ضاد پر زبر ہے اور باقی حضرات کے ہاں ضاد پر پیش ہے، یہی راجح قراءت ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لفظ ضعف، کو زبر کے ساتھ پڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیش کے ساتھ پڑھایا۔

بغوی فرماتے ہیں کہ لفظ "ضعف" پیش کے ساتھ قریش کی لغت ہے اور زبر کے ساتھ لغتِ تمیم ہے۔

۸۔ سورہ قمر (آیت نمبر: ۳۲) میں ہے: "فهل من مدکر"، اس میں لفظ "مدکر" میں دو قراءتیں ہیں، قراءتِ حفص میں دال کے ساتھ ہے، دوسری قراءت ذال کے ساتھ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے "فهل من مذکر" ذال کے ساتھ پڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فهل من مدکر" (دال کے ساتھ)۔

"مدکر" اصل میں مذتکر ہے، تاء افتعال کو دال سے بدل دیا، پھر اس کی وجہ سے ذال کو دال سے بدل کر ادغام کر دیا تو مدکر ہو گیا۔

۹۔ سورہ واقعہ (آیت نمبر: ۸۹) میں ہے: "فروح و ریحان و جنت نعیم"، اس میں لفظ "روح" میں دو قراءتیں

ہیں، مشہور قراءت را پر زبر کی ہے، اور دوسری قراءت را پر پیش کی ہے۔

بغوی فرماتے ہیں کہ امام یعقوب نے را پر پیش کے ساتھ اور باقی قراء نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے، حسن فرماتے ہیں کہ پیش کی صورت میں ان کے معنی روح کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کی روح گل ریحان میں جائیگی، قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی رحمت کے ہیں، اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ لفظ روح را پر زبر کے ساتھ آرام وراحت کے معنی میں ہے، حضرت سعید بن جبیر کے نزدیک اس کے معنی فرحت وخوشی اور امام ضحاک کے نزدیک اس کے معنی مغفرت ورحمت کے ہیں۔

۱۰۔　حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداء دونوں حضرات سورہ اللیل میں "والذکر والأنثی" پڑھتے تھے ان کو اس قراءت کے نسخ کا علم نہیں ہوا، حالانکہ صحیح قراءت "وماخلق الذکر والأنثی" ہے(۱)۔

۱۱۔　حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں سورۃ الذاریات کی یہ آیت: "انی انا الرزاق ذو القوۃ المتین" ہے۔ یعنی لفظ "انا" کے ساتھ، جبکہ متواتر قراءت میں لفظ "ھو" ہے یعنی "ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین"۔

۱۲۔　سورہ الحج (آیت نمبر: ۲) میں ہے "و تری الناس سکری و ماھم بسکری"، اس میں لفظ سکری میں متواتر قراءت سین پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ ہے، اور حمزہ اور کسائی کی قراءت میں سین پر زبر اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے، جیسے لفظ عطشیٰ ہے(۲)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بِئْسَمَا لِأَحَدِهِمْ، أَوْ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَقُولَ: نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ هُوَ نُسِّيَ، فَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ مِنْ عُقُلِهِ(۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان میں سے یا فرمایا: تم میں سے کسی کے لئے کس قدر یہ بری بات ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا بلکہ اسے تو بھلا دیا گیا لہٰذا تم قرآن مجید کو (پابندی سے) یاد کرتے رہا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے: قرآن مجید لوگوں کے دلوں سے نہایت جلد نکل جاتا ہے بنسبت چوپایہ کے جو اپنی باندھنے کی رسی سے بھاگتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اٰیۃ کیت و کیت: فلاں فلاں آیت، نسی: (باب تفعیل سے ماضی مجہول) بھلا دیا گیا، استذکروا: تم پابندی سے قرآن یاد کیا کرو، استقامت کے ساتھ تلاوت کرتے رہا کرو، أشد تفصیا: نہایت جلد چھوٹنے والا، نعم: (نون اور عین پر زبر کے ساتھ) چوپائے یعنی اونٹ، گائے اور بکری، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث میں لفظ "نعم"

---

(۱)　فتح الباری ۹۱۷/۸، کتاب التفسیر باب وماخلق الذکر والأنثی۔

(۲)　ان تمام قراءت کی تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ الاحوذی ۲۶۸/۸۔۲۶۱

(۳)　صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نسیان القرآن

سے اونٹ مراد ہے، عقل: (عین اور قاف پر پیش) عقال کی جمع ہے: وہ رسی جس سے اونٹ وغیرہ کو باندھا جاتا ہے۔

قرآن بھولنے کی نسبت اپنی طرف نہ کی جائے

اس روایت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ یوں نہیں کہنا چاہئے کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں بلکہ یوں کہے کہ مجھے وہ آیت بھلادی گئی ہے، کیونکہ نسیت کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قرآن مجید کو غیر اہم سمجھ کر فراموش کیا ہے، اس کے دل میں گویا قرآن مجید کی عظمت اور اہمیت نہیں، مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے غفلت اور لا پرواہی کے اسباب اختیار نہ کئے جائیں کہ جس کے نتیجے میں انسان کو قرآن مجید بھولنے کی نسبت اپنی طرف کرنی پڑے (۱)۔

بَابُ مَا جَاءَ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: لَقِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلَ، فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيِّينَ: مِنْهُمُ الْعَجُوزُ، وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ، وَالْغُلَامُ، وَالْجَارِيَةُ، وَالرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ (۲).

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: اے جبرائیل مجھے ایک ان پڑھ قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں، عمر رسیدہ بھی ہیں، بچے اور بچیاں بھی ہیں، اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، جبرائیل نے کہا: اے محمد (ﷺ) بے شک قرآن مجید کو سات حرفوں پر اتارا گیا ہے۔

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، أَخْبَرَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: مَرَرْتُ بِهِشَامِ بْنِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَمَعْتُ قِرَاءَتَهُ، فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ، فَنَظَرْتُهُ حَتَّى سَلَّمَ، فَلَمَّا سَلَّمَ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ، فَقُلْتُ: مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَؤُهَا؟ فَقَالَ: أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: قُلْتُ لَهُ: كَذَبْتَ وَاللهِ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ

---

(۱) شرح مسلم للنوی ۱/۲۶۷، کتاب فضائل القرآن باب الامر بتعهد القرآن، فتح الباری ۹/۱۰۵، کتاب فضائل القرآن، باب نسیان القرآن

(۲) مسند احمد ۵/۱۳۲

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُوَ أَقْرَأَنِي هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي تَقْرَؤُهَا. فَانْطَلَقْتُ أَقُودُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا، وَأَنْتَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ، اقْرَأْ يَا هِشَامُ، فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰكَذَا أُنْزِلَتْ. ثُمَّ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰكَذَا أُنْزِلَتْ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ[1]۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمن بن عبدالقاری کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں عہد نبوی میں ہشام بن حکیم بن حزام کے پاس سے گذرا جبکہ وہ سورہ فرقان پڑھ رہے تھے، میں نے ان کی قراءت خوب غور سے سنی تو وہ یہ سورت کئی ایسے حرفوں یعنی قراءتوں میں پڑھ رہے تھے، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائی تھیں، قریب تھا کہ میں نماز کے دوران ہی ان پر حملہ کردوں (یعنی لڑ پڑوں) لیکن میں نے ان کا انتظار کیا تاکہ وہ سلام پھیر لیں، پھر جب انہوں نے سلام پھیر لیا تو میں نے ان کی چادر ان کے گلے میں ڈال دی (تاکہ وہ مجھ سے بھاگ نہ جائیں) اور میں نے ان سے کہا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی جسے میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ کہنے لگے: مجھے یہ سورت نبی کریم ﷺ نے پڑھائی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، اللہ کی قسم آپ ﷺ نے مجھے بھی یہ سورت پڑھائی ہے، (لیکن وہ اس طرح نہیں جس طرح تم پڑھ رہے ہو)۔

چنانچہ میں انہیں کھینچتا ہوا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میں نے انہیں سورہ فرقان ایسے حروف یعنی ایسی قراءتوں میں پڑھتے ہوئے سنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائیں، حالانکہ سورہ فرقان آپ ہی نے مجھے پڑھائی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر اسے چھوڑ دو اور پھر فرمایا: اے ہشام: تم پڑھو، انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان سے سنی تھی، ان کی قراءت سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان ہی حروف یعنی قراءتوں پر قرآن نازل کیا گیا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم پڑھو، میں نے سورہ فرقان کو اسی قراءت میں پڑھا جو نبی کریم ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی، اس پر بھی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسی طرح نازل کی گئی ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ قرآن سات حروف یعنی سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے، لہذا تم اس قراءت میں پڑھ لیا کرو جو ان میں سے (تم پر) آسان ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أمة أميين: ان پڑھ قوم جو نہ تو لکھنا جانتی ہے اور نہ پڑھ سکتی ہے۔ أساوره: میں اس پر حملہ آور ہو جاؤں، لڑ پڑوں۔ فنظرته: تو میں نے اس کی انتظار کی۔ لببته: میں نے چادر اس کی گردن یا گریبان میں ڈال دی۔ أقوده: میں اسے کھینچ کر لے گیا۔ أرسله: اسے تم چھوڑ دو۔ ماتيسر منه: جو قراءت آسان ہو۔

سبعہ احرف سے کیا مراد ہے؟

"سبعہ احرف" سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر وتشریح میں علماء کا بڑا اختلاف ہے، ابن حبان نے فرمایا کہ اس میں علماء کے ۳۵ اقوال ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "سبعہ احرف" سے سات مشہور قاریوں کی قراءتیں مراد ہیں۔

لیکن یہ خیال درست نہیں، کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں، ان سات مشہور قاریوں کی قراءتوں میں منحصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی متواتر قراءتیں ثابت ہیں۔

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک لفظ "سبعہ" سے بطور محاورے کے کثرت مراد ہے، جس طرح کہ عربی زبان میں سبعین کے لفظ سے کثرت مراد ہوتی ہے، اس قول کے اعتبار سے گویا "سبعہ احرف" میں تمام قراءتیں داخل ہوں گی، خواہ وہ مشہور ہوں یا نہ ہوں۔

لیکن یہ قول بھی درست نہیں کیونکہ عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل امین نے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ اضافہ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ سات حروف تک پہونچ گئے۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "سبعۃ" یہاں کثرت کے لئے نہیں بلکہ اس سے ایک معین عدد مراد ہے (۱)۔

۳۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ "احرف" سے مراد یہ ہے کہ معنی کو مترادف لفظ سے ادا کیا جائے، علامہ ابن عبدالبر نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول تو صرف قریش کی زبان پر ہوا تھا، لیکن ابتداء اسلام میں دوسرے قبائل کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں، اور یہ مترادف الفاظ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرماتے تھے، جیسے تَعَالَ کی جگہ ھَلُمَّ اور أقبل کی جگہ اُدن، پھر جب قرآن کی زبان سے دوسرے قبائل رفتہ رفتہ مانوس ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اپنے آخری دور قرآن (یعنی عرضہ اخیرہ) میں یہ اجازت ختم کردی اور صرف وہی طریقہ باقی رکھا گیا، جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔

اس قول کے مطابق "سبعة احرف" والی حدیث ابتداء زمانہ سے متعلق ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور

---

(۱) فتح الباری ۹/۳۲-۳۷، کتاب فضائل القرآن، باب بیان أنزل القرآن علی سبعة أحرف

میں یہ اجازت ختم کر دی گئی تھی، قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وسعت کے ساتھ نازل ہوا ہے کہ ایک مخصوص زمانے تک اس کو سات حروف پر پڑھا جا سکے گا، اور سات حروف سے یہ مراد نہیں کہ ہر کلمہ میں سات مرادفات کی اجازت ہے، بلکہ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ کسی لفظ کے معنی کے لئے جتنے مترادفات استعمال کئے جا سکتے ہیں ان کی تعداد سات ہے، اور یہ مرادفات بھی خود حضور اکرم ﷺ متعین فرمایا کرتے تھے، لوگوں کی مرضی پر اس کا دارومدار نہیں تھا(۱)۔

اس قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر "سبعہ احرف" کا اختلاف حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ختم ہو چکا تھا تو پھر بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو اختلاف رونما ہوا، جس کی وجہ سے انہوں نے مصاحف تیار کر کے دوسری زبانوں کو ان مصاحف سے ختم کر دیا تھا، اس کی کیا توجیہ ہوگی؟(۲)

۴۔ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں نے "سبعہ احرف" سے قبائل عرب کی سات زبانیں مراد لی ہیں، پھر ان قبائل کی تعیین میں دو قول مشہور ہیں:

۞ ۱۔قریش۔ ۲۔ہذیل۔ ۳۔تمیم رباب۔ ۴۔ازد۔ ۵۔ربیعہ۔ ۶۔ہوازن۔ ۷۔اور سعد بن بکر مراد ہیں۔

اس قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عرب کی لغات تو سات سے زیادہ ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ عرب کی لغات اگرچہ سات سے زیادہ تھیں لیکن ان میں فصیح صرف سات ہی تھیں، پھر سات لغات میں نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کلمہ سات لغات میں مختلف انداز سے پڑھا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ متفرق طور پر تمام قرآن میں سات لغات ہیں(۳)۔

اس قول پر ایک اور اشکال یہ ہوتا ہے کہ "سات حروف" سے اگر سات قبائل عرب کی لغات مراد ہوں تو اس پر حدیث باب سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام بن حکیم کے درمیان قرآن کریم کی تلاوت میں اختلاف ہوا، حالانکہ یہ دونوں حضرات قریشی تھے، اگر سات حروف سے مراد سات مختلف قبائل کی لغات ہوتیں تو حضرت عمر اور حضرت ہشام میں پھر اختلاف کیسے ہو گیا جبکہ وہ دونوں قریشی تھے؟

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو حضور اکرم ﷺ نے لغتِ قریش کے علاوہ کسی دوسری لغت میں قرآن پڑھایا ہو(۴)۔

اس قول پر ایک مضبوط اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر سات حروف حضرت عثمان کے زمانہ میں ختم کر دیئے گئے اور صرف ایک حرف کو باقی رکھا گیا تو موجودہ مشہور قراءتوں کا اختلاف کیونکر پیدا ہوا، کیونکہ حدیث کے ذخیرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کے

---

(۱) مشکل الآثار للطحاوی ۱۸۶/۴، فتح الباری ۳۲/۹۔

(۲) کشف الباری (ص:۵۳) کتاب فضائل القرآن

(۳) فتح الباری ۳۳/۹، ۳۴، کتاب فضائل القرآن

(۴) روح المعانی، بیان المراد بالأحرف السبعة ۲۰/۱

متعلق صرف ایک قسم کے اختلاف "سبعہ احرف" کا ذکر ہے، اس کے علاوہ دوسرے کسی اختلاف کا ذکر نہیں ملتا، اور مذکورہ قول ماننے کی صورت میں قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلاف ماننا پڑیں گے ایک اختلاف سبعہ احرف اور دوسرا اختلاف قراءات، اس اشکال کا جواب کوئی تسلی بخش نہیں دیا گیا(۱)۔

۵۔ بعض حضرات کے نزدیک "سبعہ احرف" سے سات قسم کے معانی، احکام اور امور مراد ہیں، پھر ان سات احکام کی تعیین میں تین قول ہیں:

- ۱۔امر ۲۔نہی ۳۔قصص ۴۔امثال ۵۔وعید ۶۔وعد ۷۔موعظت ونصیحت۔
- ۱۔عقائد ۲۔احکام ۳۔اخلاق ۴۔قصص ۵۔امثال ۶۔وعد ۷۔وعید
- ۱۔امر ۲۔نہی ۳۔حلال ۴۔حرام ۵۔محکم ۶۔متشابہ ۷۔امثال

لیکن اس قول پر بھی اعتراض کئے گئے ہیں(۲)۔

۶۔ "احرف سبعہ" کے بارے میں محققین علماء نے جس قول کو اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں مراد ہیں، قراءتیں اگر چہ سات سے زائد ہیں لیکن ان قراءتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات قسموں میں منحصر ہیں، اس قول کو امام مالک، ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر باقلانی، علامہ جزری اور مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں علماء کا تھوڑا بہت اختلاف ہے، بہر حال امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ نے اس کی جو تشریح بیان فرمائی ہے، اس کی تفصیل ابواب القراءات کے شروع میں "قرآن کریم کے سات حروف اور قراءتیں" کے عنوان تحت تحریر کی جا چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اس قول کے مطابق "سبعہ احرف" ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی منسوخ ہوئے ہیں، بلکہ قرآن مجید کی تلاوت میں جو مختلف قراءتیں مشہور ہیں، وہ "سبعہ احرف" کا مصداق ہیں۔

لیکن اس قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر "سبعہ احرف" کا اختلاف اب بھی باقی ہے، اور ختم نہیں ہوا تو پھر وہ کونسا اختلاف تھا جس کو ختم کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کو جمع کر کے ایک مصحف تیار کیا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ایسا مصحف یعنی قرآنی نسخہ تیار کیا جس میں ان تمام احرف کے مطابق پڑھنے کی گنجائش موجود تھی، چنانچہ اس میں نقطے اور حرکات نہیں لگائیں تا کہ ہر حرف کے مطابق پڑھا جا سکے، اور ایک حرف پر تلاوت کرنے والا دوسرے حرف کے قاری کو غلط نہ کہہ سکے، اس مصحف کو تیار کرنے سے پہلے ہر شخص کے پاس جس حرف کے مطابق

(۱) کشف الباری، کتاب فضائل القرآن (ص:۵۷) علوم القرآن (ص/۱۲۱، ۱۲۲)

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۵۱، کتاب العلم

جو قرآن کا نسخہ تھا، اسی کے مطابق وہ تلاوت کرتا، اور اسی کو وہ درست سمجھتا تھا، اور بسا اوقات دوسرے حرف پر تلاوت کرنے والے کو غلط قرار دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے لڑائی اور فساد تک نوبت آجاتی تھی، ایسے ہی موقع پر حضرت عثمان غنیؓ نے سرکاری سطح پر ایک مصحف تیار کرایا، جس میں رسم الخط ایسا اختیار فرمایا جس میں ساتوں حروف سما جائیں، تا کہ آپس کا یہ اختلاف ختم ہو جائے(۱)۔

بَابٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ نَفَّسَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا قَعَدَ قَوْمٌ فِي مَسْجِدٍ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَمَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ(۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی دنیاوی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزِ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی ایک مصیبت دور کریں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی (دنیا میں) پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائیں گے، اور جو شخص کسی تنگدست پر آسانی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانی پیدا کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اور جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلا جس میں وہ علم حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں، اور کوئی قوم ایسی نہیں جو مسجد میں بیٹھ کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہو اور آپس میں مل جل کر اسے پڑھتے ہو اور ایک دوسرے کو سمجھاتے ہوں مگر یہ کہ ان پر سکینہ و اطمینان نازل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، اور جس شخص کو اس کا عمل (مقام سعادت کے درجے سے) مؤخر کر دے تو اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نفس: (فاء پر تشدید کے ساتھ) زائل کرے، دور کرے، ہٹائے۔ کربة: (کاف پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) غم، رنج، پریشانی۔ یسر: آسانی پیدا کرے۔ معسر: تنگدست۔ یتدارسون: جو ایک دوسرے کو سمجھاتے، سنتے

(۱) فتح الباری ۳۵/۹، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف، علوم القرآن (ص: ۱۴۱، ۱۴۲)

(۲) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المعونة للمسلم

اور سناتے ہیں، مل جل کر پڑھتے ہیں یعنی مذاکرہ اور تکرار کرتے ہیں۔ سکینۃ: اس کے مختلف معنیٰ بیان کئے گئے ہیں: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے "رحمت" مراد ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے شرح صدر، طمانیت اور وقار مراد ہے، اور اسی معنیٰ کو اختیار کیا گیا ہے۔ حفتھم: ان کو گھیر لیتے ہیں۔ أبطأ: مؤخر کردے، پیچھے کردے۔ لم یسرع بہ نسبہ: اس کو اس کا نسب آگے نہیں کرتا۔

لوگوں کی مدد وخدمت کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے رہن سہن سے متعلق سات امور ارشاد فرمائے ہیں، جن پر عمل کرنے سے انسانی برادری کے درمیان محبت ومروت، انسانی ہمدردی ورواداری، مدد ونصرت اور حسن سلوک کی فضا قائم ہوجاتی ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج مسلمان اسلامی تعلیمات سے آئے دن قریب ہونے کے بجائے، دور ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے امن وسکون اور عافیت کی فضا ختم ہوتی جارہی ہے، ان امور کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جو شخص کسی غمزدہ کو غم سے نکالے، پریشان حال اور مصیبت میں مبتلی آدمی کو مصیبت سے نکالنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی سختیوں کو دور کریں گے۔

۲۔ جو شخص کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا، لوگوں کے سامنے اسے بیان کرکے اسے ذلیل ورسوا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں گے، ایسے ہی اگر کسی سے کوئی گناہ ہوگیا ہو تو اسے اس پر لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کیا جائے، ممکن ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی ہو یا آئندہ معافی مانگ لے، اس لئے اسے کوئی طعنہ نہ دیا جائے، ہاں اگر کسی کو گناہ میں مشغول پائے تو اگر وہ اتنی طاقت کا مالک ہے کہ اسے طاقت وقوت کے ذریعہ وہ روک سکتا ہے تو روکے، نہیں تو حکمت کے ساتھ اسے الگ کرکے زبان سے سمجھائے، یہ بھی نہ کرسکے تو کم از کم دل میں اس گناہ کو برا سمجھے کہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

۳۔ جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، مثلاً قرض کی ادائیگی میں مہلت دے دے یا سرے سے اسے معاف ہی کردے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائیں گے۔

۴۔ اور فرمایا کہ جو شخص انسانی خدمت میں مشغول رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد ونصرت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ کسی انسان کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے، اس سے خدمت خلق کی کس قدر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

۵۔ علم دین کو حاصل کرنے کی بہت فضیلت ہے، جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر اپنے وطن اور گھر کے آرام راحت کو قربان کرکے دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرتا ہے، اس راستے کی مشکلات اور ہر قسم کی قربانی کو برداشت کرکے رات دن علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردیتے ہیں، اسے ایسے اعمال کی توفیق عطا فرماتے ہیں جن سے

اللہ جل شانہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، جو جنت تک لے جانے کا باعث ہوتے ہیں۔

۶۔ اسی طرح جو لوگ مساجد و مدارس میں علم دین حاصل کرنے میں منہمک رہتے ہیں، پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، درس قرآن اور وعظ و نصیحت کرتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ کی رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان پر اللہ کی خصوصی رحمت، آرام وسکون اور دل جمعی نازل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان کے دل دنیا کے عیش وعشرت، آرام وراحت اور غیر اللہ کے خوف سے پاک اور صاف ہوجاتے ہیں، ایسے میں ان کی تمام تر توجہ دنیا کی بجائے آخرت کی طرف ہوتی ہے۔

۷۔ آخرت میں انسان کو صرف اپنے نیک اعمال کام آئیں گے، نیک اعمال غالب رہے تو عزت وسرخروئی ہوگی اور اگر خدانخواستہ گناہ کا پلڑا بھاری ہوگیا تو پھر ایسی ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہوگی، دنیا کا حسب ونسب وہاں کام نہیں آئے گا، حدیث کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ جس شخص کو اس کے اعمال نے مؤخر کردیا تو محض اس کا نسب اسے آگے نہیں کرسکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز "تقوی" ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا: "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"(۱)۔ اللہ کے ہاں سب سے محترم ومکرم وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوی والا ہے، اس تقوی سے انسان بہت اونچا مقام حاصل کر لیتا ہے، چنانچہ تاریخ اسلام میں بیسیوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ موالی نے جب علم وفقہ اور تقوی میں اعلی مقام حاصل کیا تو اللہ تعالی نے پورے عرب اور تمام مسلمانوں کا انہیں رہبر وراہنما بنادیا، کیونکہ اللہ جل جلالہ کے ہاں حسب ونسب کا کوئی اعتبار نہیں، وہاں تو صرف حسن نیت اور نیک اعمال کو دیکھا جاتا ہے(۲)۔

باب

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ فِي کَمْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ: اخْتِمْهُ فِي شَهْرٍ. قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: اخْتِمْهُ فِي عِشْرِينَ قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: اخْتِمْهُ فِي خَمْسَةَ عَشَرَ. قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: اخْتِمْهُ فِي عَشْرٍ. قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: اخْتِمْهُ فِي خَمْسٍ. قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: فَمَا رَخَّصَ لِي(۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کرلیا کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک ماہ میں، میں نے عرض کیا: میں اس سے کم مدت میں بھی پڑھ سکتا ہوں، تو آپ نے

(۱) سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱/۴۱۵، ۴۱۶، کتاب العلم، تحفۃ الاحوذی ۸/۲۶۷

(۳) سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب ختم القرآن

فرمایا: بیس دن میں پڑھ لیا کرو، پھر میں نے عرض کیا: میں اس سے بھی کم مدت میں پڑھ سکتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: پھر پندرہ دنوں میں پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا: میں اس سے بھی کم مدت میں پڑھ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا: تو پھر دس دن میں پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا: میں اس سے بھی کم مدت میں پڑھنے کی استطاعت رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر پانچ دن میں پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا: میں اس سے بھی کم مدت میں پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس سے کم مدت میں پڑھنے کی مجھے اجازت نہیں دی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: اقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي أَرْبَعِينَ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ قرآن مجید کو چالیس دن میں ختم کیا کرو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ(۲).

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ: کونسا عمل اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی قرآن مجید ختم کر کے دوبارہ شروع کر دے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ(۳).

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص قرآن مجید کو نہیں سمجھ سکا جو قرآن مجید کو تین دن سے کم میں پڑھ لے۔

ختم قرآن کتنے عرصے میں کیا جائے

قرآن مجید کتنی مدت میں ختم کرنا چاہئے، اس میں حضرات علماء کرام کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل اور ابو عبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہیں کرنا چاہئے۔

ان کا استدلال اس باب کی آخری روایت سے ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا تو اس نے قرآن نہیں سمجھا(۴)۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ثواب کی نفی نہیں، بلکہ سمجھنے کی نفی مراد ہے کہ اس قلیل مدت میں وہ آدمی قرآن کے ظاہری معنی بھی نہیں سمجھ سکتا، چہ جائے کہ اس کے علوم و معارف اور باریک نکات تک اس کی رسائی ہو، اس مقصد کے لئے تو

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب تحزیب القرآن

(۲) حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم ۲/۲۶۰

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب تحزیب القرآن۔

(۴) فتح الباری ۹/۱۱۹، کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرأ القرآن

پوری عمر بھی ناکافی ہے، گو کہ معنی کو سمجھے بغیر تلاوت کرنے سے بھی اسے ثواب مل جائے گا(۱)۔

۲۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس میں شریعت کی طرف سے وقت کی کوئی تحدید اور تعیین نہیں ہے۔

اس کا مدار تلاوت کرنے والے کی ہمت، قوت، اس کے نشاط اور تازگی پر ہے، اگر کوئی آدمی تین دن سے کم میں تازگی کے ساتھ ختم قرآن کر سکتا ہے اور وہ حروف کی ادائیگی میں تجوید کے اصول کی رعایت کے ساتھ تلاوت جاری رکھ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اسلاف میں کئی حضرات ایسے گذرے ہیں جو دن رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے، صوفی ابن الکاتب کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ چار ختم دن میں اور چار ہی ختم رات میں گویا دن رات میں وہ آٹھ ختم کیا کرتے تھے، اس لئے اہل علم کے نزدیک تین دن سے کم میں ختم کرنے کی ممانعت سے حرمت مراد نہیں ہے، یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے کہ جب تین دن سے کم میں اس انداز سے ختم کیا جائے کہ نہ تو قراءت میں شوق وولولہ اور تازگی ہو اور نہ ہی تجوید کے اصولوں کی رعایت رکھی گئی ہو۔

حضرت عثمان غنیؓ، تمیم داری، سعید بن جبیر اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حضرات ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے، اور بہت سے حضرات دو راتوں میں ختم قرآن کرتے تھے(۲)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو آدمی سال میں دو مرتبہ قرآن مجید ختم کرے تو وہ قرآن مجید کا حق ادا کرنے والا ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے سال میں حضرت جبرائیل سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا تھا(۳)۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے فرمایا: اقرأہ فی سبع ولا تزد علی ذلک یعنی سات دن میں ختم قرآن کیا کریں،

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اکثر صحابہ کا معمول سات دن میں ختم قرآن کا تھا، قرآن کریم کے سات احزاب ہیں، ان سات احزاب کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک جملے "فمی بشوق" میں اس طرح منقول ہے کہ فاء سے "فاتحہ" میم سے "مائدہ" یاء سے "یونس" باء سے "بنی اسرائیل" شین سے "شعراء" واؤ سے "والصافات" اور قاف سے "سورہ ق" اور آخر قرآن کی طرف اشارہ ہے، قرآن کریم کو اس طرح سات احزاب میں تقسیم کر کے ایک حزب کو روزانہ پڑھا جائے تو ہفتہ میں قرآن کا ختم مکمل ہو جایا کرے گا(۴)۔

---

(۱) شرح الطیبی ۲۸۱/۴، کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوۃ۔

(۲) فتح الباری ۱۱۹/۹، تحفۃ الاحوذی ۲۷۱/۸

(۳) الابواب والتراجم ۶۳/۲

(۴) مرقاۃ المفاتیح ۸۲/۵، کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوۃ

ختم قرآن کا مسنون طریقہ

باب کی تیسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ختم قرآن کا مسنون طریقہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب انسان تلاوت میں قرآن مجید کا ختم کرے تو سنت یہ ہے کہ شروع سے قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز کردے اور کم از کم سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی پانچ آیتیں تلاوت کرے، تاکہ اس جذبے کا اظہار ہو جائے کہ میں تلاوت قرآن سے اکتایا نہیں، میرا دل ایک ختم کے بعد گویا دوسرے ختم کے لئے پہلے سے زیادہ جذبات سے لبریز ہے۔

اس بات کو بیان کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے "الحال المرتحل" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، الحال کے معنی ہیں: وہ مسافر جو کسی جگہ پڑاؤ ڈالے اور "مرتحل" کے معنی ہیں کہ وہ مسافر دوبارہ سفر شروع کردے، گویا نبی کریم ﷺ نے ختم کرنے والے آدمی کو اس مسافر کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہر کر دوبارہ اپنی منزل کی طرف سفر شروع کردے اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے جب ختم قرآن کریں تو وہ دوبارہ قرآن مجید کی تلاوت کا آغاز کردیں اور کم از کم سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی پانچ آیتیں تلاوت کردیں۔

اور بعض حضرات نے "الحال المرتحل" سے وہ "غازی مجاہد" مراد لیا ہے جو ایک غزوے سے لوٹ کر دوسرے غزوے میں چلا جائے، ایک مہم سے واپس ہو کر دوسری مہم پر روانہ ہو جائے لیکن یہاں پر "الحال المرتحل" کے پہلے معنی ہی مراد ہیں (۱)۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۷۳/۸، الکوکب الدری ۵۲/۴

أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی تفسیر سے متعلق منقول احادیث پر مشتمل ابواب

تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لفظ ''تفسیر'' دراصل ''فسر'' سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں: کھولنا، اور علم تفسیر میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے، اس لئے اسے ''تفسیر'' کہا جاتا ہے۔

علامہ زرکشی نے علم تفسیر کی تعریف یوں کی ہے:

عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ فَهْمُ كِتَابِ اللهِ المنَزَّلِ على نَبِيِّهِ محمد ﷺ وَبَيَانُ مَعَانِيهِ وَاسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهِ وَحِكَمِهِ(۱)۔

علم تفسیر وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کا فہم حاصل ہو، اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جاسکے۔

علامہ آلوسی نے اس علم کی ان الفاظ سے تعریف بیان کی:

عِلْمٌ يَبْحَثُ فِيهِ عَنْ كَيْفِيَّةِ النطقِ بِالفاظِ القرآنِ وَ مَدْلُولَاتِهَا وَأَحْكَامِهَا الأَفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيبِيَّةِ وَمَعَانِيهَا التي تحمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيبِ وَتَتِمَّاتٌ لذالك كمعرفةِ النسخ، وسببِ النزول، وقصةٍ تُوَضِّحُ مَا أُبْهِمَ فِي القرآنِ(۲)۔

علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت، ان کے مفہوم، ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے، جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں، نیز ان معانی کے تتمے سے بحث ہوتی ہے جیسے ناسخ و منسوخ، شانِ نزول اور قرآن کریم کے مبہم قصوں کی وضاحت۔

اس تعریف کی روشنی میں علم تفسیر مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے:

۱۔ ''الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت'' یعنی ان الفاظ کو کن کن طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے، بعد میں اس کے لئے مستقل علم ''علم قراءت'' وجود میں آگیا۔

۲۔ ''الفاظ قرآنی کے مفہوم'' یعنی ان کے لغوی معنی، اس کے لئے ''علم لغت'' سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے۔

۳۔ ''الفاظ کے انفرادی احکام'' یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ اس کا مادہ یعنی حروف اصلی کیا ہیں، یہ لفظ اپنی اصلی

---

(۱) البرهان فی علوم القرآن للزرکشی ۱۳/۱

(۲) روح المعانی ۴/۱، مکتبہ امدادیہ ملتان، الاتقان فی علوم القرآن ۲۲۱/۲

حالت میں ہے یا اس میں کسی صرفی قاعدے کے مطابق کوئی تعلیل ہوئی ہے، اس کا وزن کیا ہے اور اس وزن کے معانی اور خواص کیا ہیں، ان باتوں کو جاننے کے لئے "علم صرف" کی ضرورت پڑتی ہے۔

۴۔ "الفاظ کے ترکیبی احکام" یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر کیا معنی دے رہا ہے، اس کی نحوی ترکیب کیا ہے، اس پر موجودہ حرکات کس وجہ سے آئی ہیں، اور کن معانی پر دلالت کر رہی ہیں، اس کام کے لئے علم نحو اور علم معانی سے مدد لی جاتی ہے۔

۵۔ "ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی" یعنی پوری آیت اپنے سیاق وسباق میں کیا معنی دے رہی ہے، اس مقصد کے لئے آیت کے مضامین کے لحاظ سے مختلف علوم سے مدد لی جاتی ہے، چنانچہ مذکورہ علوم کے علاوہ بعض اوقات علم ادب اور علم بلاغت سے کام لیا جاتا ہے، بعض اوقات علم حدیث سے اور بعض دفعہ علم اصول فقہ سے۔

۶۔ "معانی کے تتمے" یعنی قرآنی آیات کا پس منظر اور جو باتیں قرآن کریم میں واضح نہیں ہے، یعنی مجمل ہے تو اس کی تفصیل، اس غرض کے لئے زیادہ تر علم حدیث سے کام لیا جاتا ہے (۱)۔

تفسیر اور تاویل میں فرق

متقدمین کے نزدیک تفسیر اور تاویل میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ امام ابوعبیدہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دونوں لفظ مرادف ہیں، لیکن بعد کے علماء نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، اور پھر ان میں فرق بتانے میں مختلف آراء ذکر کی ہیں، مثلاً چند اقوال یہ ہیں:

۱۔ لفظ کی ظاہری مراد بیان کرنے کا نام "تفسیر" ہے، اور "تاویل" معنی کی وضاحت کا نام ہے (۲)۔

۲۔ تفسیر کا تعلق نقل اور روایت سے ہے، اور تاویل کا تعلق عقل اور روایت سے ہے (۳)۔

۳۔ تفسیر اس لفظ کی تشریح کا نام ہے جس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال نہ ہو اور تاویل کہتے ہیں کہ لفظ میں جو مختلف معانی کا احتمال ہے دلائل کے ذریعہ کسی ایک معنی کو اختیار کرنا۔

۴۔ "تفسیر" یقین کے ساتھ تشریح کرنے کو کہا جاتا ہے، اور "تاویل" تردد کے ساتھ تشریح کرنے کو۔

۵۔ "تفسیر" الفاظ کا مفہوم بیان کر دینے کا نام ہے اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے سبق اور نتائج کی توضیح وتشریح کا (۴)۔

---

(۱) علوم القرآن (ص: ۳۲۴)

(۲) فتح الباری ۱۳/۶۴۳، کتاب التوحید، باب نمبر: ۵۵

(۳) روح المعانی ۱/۵، امدادیہ ملتان الاتقان فی علوم القرآن ۲/۲۲۲

(۴) علوم القرآن (ص: ۳۲۶) الاتقان ۲/۲۲۱

اسرائیلی روایات کا حکم

اسرائیلی روایات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہونچی ہیں، پہلے زمانے کے مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہونچتی تھیں، ان میں بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں، اس لئے ان کی حقیقت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے،

ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف باسلام ہوئے، اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے سابقہ مذہب کی کتابوں میں بھی پڑے تھے، چنانچہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے، جو انہوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں، یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے جو بڑے محقق مفسرین میں سے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ روایات جن کی سچائی قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ۔

۲۔ وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں معاذ اللہ مرتد ہوگئے تھے، اس بات کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے، ارشاد ہے کہ ”وما كفر سليمان ولكن الشياطين كفروا“ (اور سلیمان کافر نہیں ہوئے، بلکہ شیاطین نے کفر کیا) اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ معاذ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی سے زنا کیا یا اسے مختلف تدبیروں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کرلیا، یہ بھی کھلا جھوٹ ہے، اور اس قسم کی روایتوں کو غلط سمجھنا لازم ہے۔

۳۔ وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسا کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن کثیرؒ نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انہیں نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس نقل سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہیں (۱)۔

---

(۱) (تفسیر ابن کثیر ۹/۱ فی المقدمة، مکتبة القرآن والسنة پشاور)، معارف القرآن ۵۲/۱، علوم القرآن (ص:۳۴۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ

یہ باب اس شخص (کی وعید) کے بارے میں ہے جو اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بغیر علم کے (یعنی بغیر شرعی دلیل کے) قرآن کریم کی تفسیر کی تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث بیان نہ کرو مگر یہ کہ تمہیں یقین ہو کہ یہ میرا ہی ارشاد ہے، اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، اور جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی رائے سے (کسی شرعی دلیل کے بغیر) کوئی بات کہے تو اسے بھی اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔

عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ (۳)۔

حضرت جندب بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اور اتفاق سے وہ درست تھی تب بھی اس نے غلطی کی۔

عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: لَوْ كُنْتُ قَرَأْتُ قِرَاءَةَ ابْنِ مَسْعُودٍ، لَمْ أَحْتَجْ إِلَى أَنْ أَسْأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ كَثِيرٍ مِنَ الْقُرْآنِ مِمَّا سَأَلْتُ۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پڑھتا تو مجھے ابن عباسؓ سے قرآن کی تفسیر سے متعلق وہ باتیں پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی جو میں نے ان سے پوچھیں۔

---

(۱) سنن دارمی، کتاب، باب اتقاء الحدیث عن النبی ﷺ والتثبت فیہ۔

(۲) مسند احمد ۲۳۳/۱

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم

تفسیر بالرای کا حکم

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ محض اپنی رائے کے بل بوتے پر قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں جبکہ شرعی اصول اور ضوابط کو نظر انداز کیا جائے، اگر اتفاق سے اس کی یہ تشریح صحیح بھی ہو تب بھی اس نے غلطی کی، کیونکہ اس نے راستہ غلط اختیار کیا، لیکن ان احادیث کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ قرآن کریم کے معاملے میں تدبر، غور وفکر اور عقل ورائے کو بالکل استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قرآن مجید میں کئی مقام پر تدبر اور اجتہاد کے ذریعہ جدید مسائل کے استنباط کی ترغیب دی گئی ہے، ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خاص طور پر یہ دعا دی: اللهم فقهه فى الدين و علمه التاويل. (اے اللہ: ابن عباسؓ کو دین میں سمجھ عطا فرما اور اسے قرآن کی تاویل سکھادے) اس ''تاویل'' سے غور وفکر اور عقل ورائے کا، استعمال ہی مراد ہے'' ۔جبکہ وہ اصول شریعت کے مطابق ہو، اگر اس ''تاویل'' سے صرف سنی ہوئی تفسیر ہی مراد ہوتی تو پھر اس خصوصی دعا کے کیا معنیٰ، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر وتشریح میں علی الاطلاق عقل ورائے کا استعمال ممنوع نہیں، بلکہ قرآن کریم کی تفسیر کے لئے جو اصول تمام علماء کے نزدیک اجماعی طور پر مسلم اور طے شدہ ہیں، ان کو نظر انداز کر کے جو تفسیر محض رائے کی بنیاد پر کی جائے گی، وہ ناجائز ہوگی۔

اصول تفسیر کو نظر انداز کر کے تفسیر کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً:

۱۔ جو شخص تفسیر قرآن کے بارے میں گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا وہ محض اپنی رائے کی بنیاد پر تفسیر شروع کر دے۔

۲۔ کسی آیت کی کوئی تفسیر صراحت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ وتابعین سے ثابت ہو اور وہ اسے نظر انداز کر کے محض اپنی عقل سے کوئی معنیٰ بیان کرنے لگے۔

۳۔ جن آیات میں صحابہ وتابعین سے کوئی صریح تفسیر منقول نہیں ان میں لغت اور زبان وادب کے اصولوں کو پامال کر کے کوئی تشریح بیان کرے۔

۴۔ قرآن وسنت سے براہِ راست اجتہاد کے ذریعہ مسائل واحکام کا استنباط شروع کر دے حالانکہ وہ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا۔

۵۔ قرآن کریم کی متشابہ آیات (جن کے بارے میں قرآن نے خود کہا ہے کہ ان کی سو فیصد صحیح مراد سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا) ان کی اپنی طرف سے یقین اور جزم کے ساتھ تفسیر بیان کرے اور اس پر وہ اصرار بھی کرتا ہو۔

۶۔ اپنی رائے سے قرآن کریم کی ایسی تفسیر بیان کرے جو اسلام کے دیگر مسلمہ اصول، عقائد اور احکام کے خلاف ہو۔

۷۔ تفسیر کے معاملے میں جہاں عقل وفکر کا استعمال جائز ہے، وہاں کسی قطعی دلیل کے بغیر اپنی ذاتی رائے کو یقینی طور پر درست اور دوسرے مجتہدین کی آراء کو یقینی طور سے باطل قرار دے۔

یہ تمام صورتیں اس "تفسیر بالرای" کی ہیں، جن سے اس باب کی احادیث سے منع کیا گیا ہے (۱)۔

البتہ تفسیر کے اصولوں اور اسلام کے اجماعی طور پر طے شدہ ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے اگر تفسیر میں کسی ایسی رائے کا اظہار کیا جائے جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو تو وہ ان احادیث کی وعید میں داخل نہیں لیکن اس قسم کا اظہار رائے بھی وہی شخص کر سکتا ہے جو تقویٰ وطہارت کے ساتھ قرآن وسنت کا وسیع علم رکھتا ہو اور اسلامی علوم میں خوب مہارت رکھتا ہو۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی وہ شخص اہلیت رکھتا ہے جو پندرہ علوم میں کامل مہارت اور گہری نظر رکھتا ہو، ان علوم کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ علم لغت ۲۔ نحو ۳۔ صرف ۴۔ اشتقاق ۵۔ علم معانی ۶۔ بیان ۷۔ بدیع ۸۔ قراءات ۹۔ اصول فقہ ۱۰۔ اصول دین ۱۱۔ اسباب نزول ۱۲۔ قصص ۱۳۔ ناسخ ومنسوخ ۱۴۔ فقہ ۱۵۔ علم احادیث ۱۶۔ علم موہبت (یہ وہ علم ہے جو اللہ اس انسان کو عطا فرماتے ہیں جو علم کے مطابق عمل کرتا ہو، یعنی کامل متقی اور پرہیزگار ہو)۔

"لم أحتج الی أن أسأل ابن عباس"

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد کا قول اس بات کو ثابت کرنے کے لئے نقل کیا ہے کہ حضرات تابعین وغیرہ سے جو بھی تفسیر منقول ہے تو وہ ان کی محض ذاتی رائے ہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے صحابہ اساتذہ سے اسے سنا اور پوچھا ہوتا ہے، حضرت مجاہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس سال نبی کریم ﷺ نے اس دنیا سے پردہ پوشی فرمائی ہے اس سال حضرت جبرائیل کے ساتھ دو مرتبہ قرآن مجید کا دور فرمایا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت، آخری قراءت ہے، اس میں ناسخ کو بعد میں اور منسوخ کو پہلے لکھا ہوا ہے، اس میں بغیر پوچھے بھی یہ پتہ چل جاتا ہے کہ کونسی قراءت ناسخ ہے اور کونسی منسوخ، اسی طرح قرآن مجید کے بعض کلمات ابن مسعودؓ کی قراءت میں ایسے منقول ہیں جن سے تفسیر کا مفہوم آسانی سے سمجھ آجاتا ہے، مثلاً قسم کے کفارے کے طور پر تین دن مسلسل روزے رکھنے کے بارے میں ہے: فعدة من أیام أخر متتابعات، اس میں متتابعات کا لفظ منقول ہے، اور چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں ہے: "السارق والسارقة فاقطعوا ایمانهما" حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میرے سامنے چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت نہیں تھی اس لئے میں ابن عباسؓ سے پوچھتا تھا، چنانچہ فضل بن میمون فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد فرمایا کرتے کہ میں نے ابن عباسؓ کے سامنے تین بار قرآن مجید پڑھا، ہر آیت پر میں ٹھہر کر ان سے پوچھتا کہ یہ آیت کس موقع پر اور کونسے واقعے میں نازل ہوئی، اس کی کیا کیفیت تھی، اس سے معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن کے معاملے میں محض اپنی رائے کو ہی نہ لیا جائے بلکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے منقول تفسیری فوائد کو سامنے رکھنا چاہئے (۲)۔

---

(۱) علوم القرآن (ص: ۳۵۶) الاتقان فی علوم القرآن (۲/۱۸۰)

(۲) الکوکب الدری ۴/۵۷

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک افسوسناک پہلو

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذکورہ علوم میں کامل مہارت رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم میں مناسبت نہ ہو تو انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہونچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی زبان پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی سی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شدھ بدھ رکھنے والے لوگ جنہیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض تو صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

یہ باب سورہ فاتحہ کی تفسیر سے متعلق ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ فَهِيَ خِدَاجٌ، غَيْرُ تَمَامٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، إِنِّي أَحْيَانًا أَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ. قَالَ: يَا ابْنَ الْفَارِسِيِّ، فَاقْرَأْهَا فِي نَفْسِكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. يَقُومُ الْعَبْدُ فَيَقُولُ: {الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} فَيَقُولُ اللّٰهُ: حَمِدَنِي عَبْدِي. فَيَقُولُ {الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} فَيَقُولُ اللّٰهُ: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي. فَيَقُولُ {مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ} فَيَقُولُ: مَجَّدَنِي عَبْدِي وَهَذَا لِي، وَبَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} وَآخِرُ السُّورَةِ لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. يَقُولُ: {اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ} (۲)۔

---

(۱) معارف القرآن ۱/۵۳

(۲) الموطأ للامام مالک، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ خلف الامام فیما لا یجہر فیہ بالقراءۃ۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے نماز پڑھی لیکن اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، وہ نماز ناقص اور نامکمل ہے، راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے ابوہریرہؓ کبھی میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں (تو کیا کروں؟)، فرمایا: اے فارس کے بیٹے: دل میں پڑھ لیا کرو، کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو حدیث قدسی بیان کرتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے نماز یعنی (سورہ فاتحہ) کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا ہے، اس کا نصف میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کے لئے ہے، اور میرے بندے کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے مانگا، چنانچہ جب بندہ پڑھتا ہے: الحمدللہ رب العالمین تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد بیان کی، جب وہ کہتا ہے: "الرحمن الرحیم" تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری ثناء بیان کی، جب کہتا ہے "مالک یوم الدین" تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری تعظیم کی اور یہ خالصتاً میرے لئے ہی ہے، اور "ایاک نعبد وایاک نستعین" میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے، اور بقیہ سورت میرے بندے کے لئے ہے، اور میرے بندے کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ مانگے، بندہ کہتا ہے: "اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین"۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ: هٰذَا عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ وَجِئْتُ بِغَيْرِ أَمَانٍ وَلَا كِتَابٍ، فَلَمَّا دُفِعْتُ إِلَيْهِ أَخَذَ بِيَدِي، وَقَدْ كَانَ قَالَ قَبْلَ ذٰلِكَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَجْعَلَ اللهُ يَدَهُ فِي يَدِي، قَالَ: فَقَامَ فَلَقِيَتْهُ امْرَأَةٌ وَصَبِيٌّ مَعَهَا، فَقَالَا: إِنَّ لَنَا إِلَيْكَ حَاجَةً. فَقَامَ مَعَهُمَا حَتَّى قَضَى حَاجَتَهُمَا، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي حَتَّى أَتَى بِي دَارَهُ، فَأَلْقَتْ لَهُ الْوَلِيدَةُ وِسَادَةً فَجَلَسَ عَلَيْهَا، وَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا يُفِرُّكَ أَنْ تَقُولَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ إِلٰهٍ سِوَى اللهِ؟. قَالَ: قُلْتُ: لَا. قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا تَفِرُّ أَنْ تَقُولَ اللهُ أَكْبَرُ، وَتَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنَ اللهِ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَإِنَّ الْيَهُودَ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ، وَإِنَّ النَّصَارَى ضُلَّالٌ قَالَ: قُلْتُ: فَإِنِّي حَنِيفٌ مُسْلِمٌ، قَالَ: فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ تَبَسَّطَ فَرَحًا، قَالَ: ثُمَّ أَمَرَ بِي فَأُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ جَعَلْتُ أَغْشَاهُ آتِيهِ طَرَفَيِ النَّهَارِ، قَالَ: فَبَيْنَا أَنَا عِنْدَهُ عَشِيَّةً إِذْ جَاءَهُ قَوْمٌ فِي ثِيَابٍ مِنَ الصُّوفِ مِنْ هٰذِهِ النِّمَارِ، قَالَ: فَصَلَّى وَقَامَ فَحَثَّ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ قَالَ: وَلَوْ صَاعٌ وَلَوْ بِنِصْفِ صَاعٍ وَلَوْ قَبْضَةٌ وَلَوْ بِبَعْضِ قَبْضَةٍ يَقِي أَحَدُكُمْ وَجْهَهُ حَرَّ جَهَنَّمَ أَوِ النَّارِ وَلَوْ بِتَمْرَةٍ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَاقِي اللهِ وَقَائِلٌ لَهُ مَا أَقُولُ لَكُمْ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَبَصَرًا؟ فَيَقُولُ: بَلَى، فَيَقُولُ: أَلَمْ أَجْعَلْ لَكَ مَالًا وَوَلَدًا؟ فَيَقُولُ: بَلَى، فَيَقُولُ، أَيْنَ مَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ؟ فَيَنْظُرُ قُدَّامَهُ وَبَعْدَهُ، وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ لَا يَجِدُ شَيْئًا يَقِي بِهِ وَجْهَهُ حَرَّ جَهَنَّمَ، لِيَقِ أَحَدُكُمْ وَجْهَهُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ، فَإِنِّي لَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الْفَاقَةَ، فَإِنَّ اللهَ نَاصِرُكُمْ وَمُعْطِيكُمْ حَتَّى تَسِيرَ الظَّعِينَةُ فِيمَا بَيْنَ يَثْرِبَ

وَالحِيرَةِ أَوْ أَكْثَرَ، مَا يَخَافُ عَلَى مَطِيَّتِهَا السَّرَقَ قَالَ: فَجَعَلْتُ أَقُولُ فِي نَفْسِي: فَأَيْنَ لُصُوصُ طَيِّءٍ (١)۔

حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ عدی بن حاتم ہے، اور میں آپ کے پاس کسی امان اور تحریر کے بغیر ہی آ گیا تھا، جب مجھے آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور آپ ﷺ پہلے ہی صحابہ کو یہ بتا چکے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عدی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدیں گے، عدی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ مجھے لے کر کھڑے ہوئے تو ایک عورت آپ کے پاس آئی اور اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، ان دونوں نے کہا: ہمیں آپ سے کچھ کام ہے، نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی ضرورت کو پورا کر دیا پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنے گھر لے گئے، ایک بچی یا باندی نے آپ ﷺ کے لئے ایک بچھونا بچھا دیا، جس پر آپ بیٹھ گئے، اور میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی،

پھر فرمایا: تمہیں اس بات سے کیا چیز بھگاتی یعنی روکتی ہے کہ تو لا الہ الا اللہ کہے، کیا تم اللہ کے علاوہ کوئی معبود جانتے ہو، کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: نہیں، پھر کچھ دیر آپ باتیں کرتے رہے، پھر فرمایا: تم اللہ اکبر کہنے سے اس لئے راہ فرار اختیار کرتے ہو کہ تم اس سے بڑی کوئی چیز جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہودیوں پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہیں، عدی بن حاتم کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میں دین اسلام کی طرف مائل ہو کر آیا ہوں، کہتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے کھل اٹھا، پھر آپ نے میرے بارے میں حکم دیا تو مجھے ایک انصاری کے پاس ٹھہرایا گیا، تو میں صبح وشام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، کہتے ہیں کہ ایک دن میں شام کے وقت آپ کے پاس تھا کہ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جنہوں نے اون کے دھاری دار کپڑے پہنے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے، آپ نے ان کے لئے (صحابہ کرام کو) صدقہ دینے کی ترغیب دی اور فرمایا: اگرچہ ایک صاع ہو یا نصف صاع ہو یا ایک مٹھی ہو یا اس سے بھی کم ہو، تم میں سے ہر ایک (کو چاہیے کہ) اپنے چہرے کو جہنم کی آگ کی گرمی یا اس کی آگ سے بچانے کی کوشش کرے خواہ وہ ایک کھجور سے ہو یا کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی ہو، کیونکہ تم میں سے ہر ایک نے اللہ سے ملاقات کرنی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک سے یہی کہے گا (یعنی پوچھے گا) جو میں تمہیں بتا رہا ہوں، کیا میں نے تیرے لئے کان اور آنکھیں نہیں بنائیں؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تمہیں مال اور اولاد نہیں دی؟ وہ کہے گا: ہاں کیوں نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: وہ اعمال کہاں ہیں جو تم نے اپنے لئے آگے (آخرت کے لئے) بھیجے تھے؟

---

(١) مسند احمد ٣٧٨/٤

پھر وہ اپنے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں دیکھے گا، لیکن اپنے چہرے کو آگ کی گرمی سے بچانے کے لئے کوئی چیز نہیں پائے گا، تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے چہرے کو جہنم کی آگ سے بچائے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ دے کر ہی ہو، اور اگر وہ یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کے ذریعہ (جہنم کی آگ سے بچائے)، اس لئے کہ میں تم لوگوں پر فاقے سے نہیں ڈرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور تمہیں دینے والا ہے، یہاں تک کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) اکیلی عورت یثرب یعنی مدینہ منورہ اور حیرہ کے درمیان مسافت کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ سفر کرے گی (اور) اس کی سواری پر چوری کا اندیشہ نہیں ہوگا (یعنی اس وقت اسلام کی بالادستی ہوگی کہ اکیلے سفر سے بھی عورت نہیں گھبرائے گی) عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس وقت قبیلہ طی کے چور کہاں ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ام القرآن: سورہ فاتحہ کیونکہ "ام" کے معنی اصل اور بنیاد کے ہیں جیسا کہ مکہ مکرمہ کو "ام القریٰ" کہا جاتا ہے۔ **خداج:** ناقص، ناتمام، نامکمل۔ **مجدنی:** میری بزرگی بیان کی۔ **لما دفعت الیہ:** (صیغہ مجہول) جب مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا۔ **وسادۃ:** بچھونا۔ **مایفرک:** (یہ باب افعال سے ہے) کیا چیز آپ کو بھگاتی ہے یعنی تجھے روکتی ہے۔ **ضلال:** (ضاد پر پیش کے ساتھ) ضال کی جمع ہے: گمراہ۔ **تبسط فرحا:** آپ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ **جعلت أغشاہ:** میں حضور ﷺ کے پاس آتا۔ **نمار:** (نون کے نیچے زیر کے ساتھ) نمرۃ کی جمع ہے: دھاری دار چادر۔ **قبضۃ:** (قاف پر پیش کے ساتھ، اور زبر بھی پڑھ سکتے ہیں) مٹھی بھر۔ **ولو بشق تمرۃ:** اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ دے کر ہی ہو۔ **قائل لہ:** اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک سے کہے گا یعنی پوچھے گا، اس میں لہ کی ضمیر احد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ **یقی بہ:** جس کے ذریعہ وہ بچائے۔ **لیق احدکم:** چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک بچائے۔ **ظعینۃ:** عورت، کجاوہ میں بیٹھے ہوئی عورت۔ **مطیۃ:** سواری۔ **لصوص:** لص (لام کے نیچے زیر کے ساتھ) کی جمع ہے: چور

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

اس باب کی پہلی حدیث میں نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ مذکور ہے، نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی کیا حیثیت ہے، فرض ہے یا واجب، اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے،

آئمہ ثلاثہ یعنی امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ اسے فرض اور نماز کا رکن قرار دیتے ہیں، اگر کوئی شخص نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے، البتہ قرآن مجید کی مطلق قراءت نماز میں فرض ہے، سورہ فاتحہ اور ضم السورہ یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت یا آیت کو ملانا یہ دونوں نماز میں واجب ہیں۔

آئمہ ثلاثہ کا بنیادی استدلال حضرت عبادہ بن صامت کی اس روایت سے ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" کہ اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

احناف کے دلائل:

❁ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ"، (جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس امام کی قراءت، مقتدی کے لئے بھی سمجھی جائے گی) اس حدیث پر اگرچہ بعض علماء نے کلام کیا ہے، لیکن چونکہ یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے، جن میں سے بعض طریق بالکل صحیح ہیں، اس لئے اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

❁ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" اس میں محض قرآن کی قراءت کو نماز میں فرض قرار دیا ہے، کسی خاص سورت کی تعیین اور تخصیص نہیں کی گئی،

❁ اس باب کی پہلی حدیث سے بھی حنفیہ نے استدلال کیا ہے، اس میں "خداج" کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں "ناقص"، تو دیکھیے کہ اس حدیث میں سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کو نا تمام اور ناقص کہا گیا ہے، لیکن اصل نماز کی نفی نہیں کی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ادا تو ہو جاتی ہے، لیکن ناقص طریقے سے ادا ہوتی ہے(۱)۔

احناف نے آئمہ ثلاثہ کی دلیل کے درج ذیل جواب دیئے ہیں:

۱۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "لا صلاۃ" میں "لا" سے نفی کمال مراد ہے، ذات کی نفی مراد نہیں، معنی یہ ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نفس نماز تو ادا ہو جاتی ہے، لیکن کامل طریقے سے ادا نہیں ہوتی بلکہ ناقص ادا ہوتی ہے،

۲۔ یہ خبر واحد ہے، اس کے ذریعہ کتاب اللہ کی آیت فاقرءوا..... پر زیادتی نہیں کی جاسکتی، لہذا نفس قراءت تو نماز میں، فرض ہے، اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

۳۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لا صلاۃ" میں یہ "لا" نفی کمال کے لئے نہیں بلکہ ذات کی نفی کے لئے ہی ہے، اور اس سے نفس قراءت کی نفی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص نہ تو سورہ فاتحہ پڑھے اور نہ ہی اس کے ساتھ اور کوئی سورت یا آیتیں پڑھے تو اس کی سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی، اگر صرف سورہ فاتحہ پڑھ لی یا اس کے بغیر اور کوئی سورت یا چند آیات قراءت کے طور پر پڑھ لی ہیں تو ایسی صورت میں اس کی نماز تو ہو جائے گی کہ اس نے قراءت کا فرض ادا کر لیا ہے، لیکن اس نماز میں نقص رہے گا کہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

اس جواب کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں "فصاعداً" یا "فما زاد" کے الفاظ بھی منقول ہیں، اب اس حدیث کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "جو شخص سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ اور کوئی سورت یا چند آیات نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی" اس سے معلوم ہوا کہ نماز درست نہ ہونے کا حکم اس وقت ہوگا جب بالکل قراءت ہی نہ کرے یعنی نہ سورہ فاتحہ پڑھے

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲/۵۴۷ (حقانیہ پشاور)

اور نہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت یا چند آیات پڑھے، یہ مفہوم حنفیہ کے مسلک کے بالکل موافق ہے۔

مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں

جب کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اس مسئلے میں بھی فقہاء کرام کا اختلاف ہے،

امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں بلند آواز سے قراءت ہوتی ہے، ان میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی اور صلاۃ سریہ میں اجازت ہے، یہی مسلک امام مالک اور امام احمد کا بھی ہے اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً قراءت جائز نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی ہے، البتہ امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جن نمازوں میں بلند آواز سے قراءت ہوتی ہے ان میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے، اور جن نمازوں میں بلند آواز سے قراءت نہیں ہوتی ان میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب یا جائز ہے، اسی کو علامہ عبدالحی لکھنوی اور بعض دوسرے متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

آئمہ ثلاثہ نے اس باب کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس سائل کو فرمایا: فاقرأ بها في نفسك، کہ جب تم امام کے پیچھے ہو تو سورہ فاتحہ خود پڑھا کرو۔

حنفیہ کی طرف سے آئمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کے دو جزء ہیں ایک مرفوع ہے، جس میں صرف اتنا ارشاد ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہے، لیکن یہ حکم احناف کے نزدیک دوسرے دلائل کی روشنی میں امام اور منفرد کا ہے، اور دوسرا جزء حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف ہے، جو درحقیقت ان کا اپنا اجتہاد ہے جو مرفوع حدیث کے مقابلے میں بہرحال حجت نہیں، نیز اس ارشاد کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دل کے تصور میں ہی سورہ فاتحہ پڑھی جائے، زبان سے تلفظ نہ کئے جائیں، ایسا کرنا مقتدی کے لئے بھی درست ہے (۱)۔

صاحب وجاہت اور سردار کو دعوتِ اسلام دینے کے آداب

باب کی دوسری حدیث میں کسی غیر مسلم کو جو دنیاوی لحاظ سے کسی اہم منصب اور عہدے پر فائز ہو، قوم کا لیڈر اور سردار ہو، اسے اسلام کی دعوت دینے کے آداب کا ذکر ہے چنانچہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کی نیت سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے، آپ علیہ السلام نے عام مجمع میں ان سے گفتگو نہیں فرمائی، بلکہ انہیں علیحدہ مکان میں لے گئے، اور وہاں اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا، پھر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

---

(۱) درس ترمذی ۸۴/۲، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام

اسلام پر ہی ثابت قدم رہے، عراق کی فتوحات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہے (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی اہم بندے کو جو دنیاوی لحاظ سے کوئی خاص مقام رکھتا ہو، اسے جب اسلام قبول کرنے یا کوئی دینی بات سمجھائی جائے، تو اس کی حیثیت کو سامنے رکھ کر اس سے گفتگو کی جائے، تا کہ اسے اپنی خفت اور سبکی محسوس نہ ہو، یوں وہ توجہ سے بات سنے گا اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اکثر مایخالف علی مطیتها السرق

اس میں لفظ "اکثر" کی ترکیبی حیثیت کے بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ لفظ "اکثر" سے پہلے "اَوْ" کا لفظ ہے، کسی کاتب سے لکھنا غلطی سے رہ گیا ہے، چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں یہی روایت ہے جس میں لفظ "او" مذکور ہے مطلب یہ ہے کہ ایک عورت مدینہ اور حیرہ کے درمیان یا اس سے زیادہ دور کا سفر اکیلے کرے گی اور اسے کسی ڈاکے اور چوری کا اندیشہ نہیں ہوگا (۲)۔

۲۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "اکثر" اگر اس سے پہلے "اَوْ" نہ ہو تو یہ حال ہے، اور اعراب کے لحاظ سے منصوب ہوگا، مابعد کی طرف مضاف نہیں ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ "لا یکون ذلک علی سبیل الندرة" یعنی مدینہ منورہ اور حیرہ کے درمیان اکیلے سفر کا سلسلہ اکثر و بیشتر ہوا کرے گا، اکا دکا واقعہ نہیں ہوگا، اور چور سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوگا، اور "مایخاف" میں لفظ "ما" برائے نفی ہے، "یخاف" صیغہ مجہول ہے اور لفظ "السرق" اس کا نائب فاعل ہے (۳)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

یہ باب سورہ بقرہ سے متعلق ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَٰلِكَ، وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ (۴)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اس ایک مٹھی سے پیدا کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے پوری زمین سے لیا تھا، اس لئے اولاد آدم زمین (کی صفات) کے مطابق آئی، چنانچہ ان

---

(۱) الکوکب الدری ۶۲/۴، تحفۃ الاحوذی ۲۸۴/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۸۶/۸

(۳) الکوکب الدری ۶۱/۴

(۴) سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب: فی القدر

میں سے بعض سرخ رنگ کے ہیں، بعض سفید، بعض سیاہ اور کوئی ان رنگوں کے درمیانی مقام پر ہے، اور ان میں سے بعض نرم مزاج، بعض سخت مزاج، بعض بری عادتوں والے اور بعض اچھے اخلاق والے ہوتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قبضة: (قاف پر پیش کے ساتھ اور زبر بھی درست ہے) ایک مٹھی۔ علی قدر الارض: زمین کی صفات کے مطابق۔ السهل: نرم یعنی نرم مزاج۔ حزن: (حاء پر زبر اور زا ساکن) سخت اور اکھڑ مزاج آدمی۔ خبیث: بدفطرت، بدطینت، بری عادتوں والا۔ طیب: حسن اخلاق سے آراستہ۔

انسان میں زمین کی صفات کا ذکر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے خمیر میں پوری زمین کے اجزاء کو شامل کیا ہے اور زمین کی جتنی خصوصیات ہیں، وہ سب انسان کے اندر پائی جاتی ہیں، جس طرح زمین کے کچھ حصے سرخ، سفید، کالے اور بعض اجزاء میں ان رنگوں میں سے کچھ کچھ اثر پایا جاتا ہے، اسی طرح انسان بھی مختلف رنگ کے ہیں، بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے اور بعض گندمی، پھر حدیث میں زمین کی چار قسم کی باطنی خصوصیات بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ بعض زمینیں نرم ہوتی ہیں، ایسے ہی بعض انسان نرم مزاج ہیں، دوسری یہ کہ زمین کے کچھ حصے سخت ہیں، اسی طرح بعض اولاد آدم بھی سخت مزاج ہیں، تیسری یہ کہ بعض زمین خبیث ہے یعنی کھاری اور بنجر ہوتی ہے کہ جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح انسانوں میں سے غیر مسلم اور کافر سراسر ضرر ہی ضرر ہیں، ان سے کوئی فائدہ نہیں، چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ بعض زمین طیب ہے، یعنی نفع بخش، کارآمد اور زرخیز ہوتی ہے، اس طرح مؤمن انسان سراسر مفید اور نفع رساں ہوتا ہے(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَادْخُلُوا البَابَ سُجَّدًا} [البقرة:58] قَالَ: دَخَلُوا مُتَزَحِّفِينَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ أَيْ مُنْحَرِفِينَ۔

وَبِهَذَا الإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ} [البقرة: 59] قَالَ: قَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ(۲)۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "ادخلوا الباب سجدا" (سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو جاؤ) کی تفسیر میں فرمایا: بنی اسرائیل اپنے کولہوں کے بل سرک کر داخل ہوئے یعنی انحراف کرتے ہوئے۔

اور اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم" (ان ظالم لوگوں نے اس بات کو

---

(۱) تحفة الاحوذی ۲۸۸/۸۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب واذقلنا ادخلوا ھذہ القریة۔

بدل دیا جوان سے کہی گئی) کی تفسیر میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا: حبۃ فی شعیرۃ (جو میں دانہ ہے)۔
مشکل الفاظ کے معنی:۔ سجدا: ساجد کی جمع ہے: سجدہ کرتے ہوئے۔ متزحفین: سرک کر چلتے ہوئے، آہستہ آہستہ گھسٹتے ہوئے۔ أوراک: ورک کی جمع ہے: کولہے۔ شعیرۃ: جو۔

یہود کی اللہ کے حکم سے روگردانی

اس حدیث میں وادی تیہ کے زمانے کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے کہ یہود جب عمدہ قسم کے کھانے من وسلوی کھاتے کھاتے اکتا گئے، اور اپنے لئے معمولی کھانے کی درخواست کی تو ان کو ایک شہر میں جانے کا حکم ہوا، بعض نے کہا: وہ شہر بیت المقدس تھا، اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے ملک شام کا شہر اریحا مراد ہے۔

بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ کہ اب ہمیں معمولی قسم کے کھانے دیئے جائیں، یہ درخواست اپنی جگہ تھی تو گستاخی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر، اب اگر اس شہر میں داخل ہوتے وقت یہ دو آداب اور حکم بجالائیں تو ان کے اس جرم کو معاف کر دیا جائے گا۔

دو آداب اور حکم یہ تھے کہ ایک تو شہر کے دروازے سے سجدے کی حالت میں گذرنا ہے اور دوسرا یہ کہتے ہوئے جائیں کہ: حِطّۃ: اے اللہ: ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے، درگذر کر دیجئے، لیکن ان لوگوں نے ان دونوں احکام پر عمل نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کیا، سجدہ کی حالت میں داخل ہونے کے بجائے سرین کے بل زمین پر گھسٹ گھسٹ کر داخل ہونے لگے، اور لفظ حطہ کہنے کے بجائے از راہ تمسخر انہوں نے حبۃ فی شعرۃ (بال میں دانہ) یا حبۃ فی شعیرۃ (جو کے درمیان غلہ) کہنا شروع کر دیا، اور بعض روایات میں حبۃ کی جگہ حنطۃ (گندم) کا لفظ منقول ہے، یہ تمام بے کار اور مہمل الفاظ ہیں جو یہود نے بولے ہیں، بلکہ تفسیر بحر محیط میں دس سے زیادہ اقوال نقل کئے گئے ہیں جو ان لوگوں نے استہزاء کے انداز سے دروازے سے گذرتے وقت کہے تھے، ممکن ہے کہ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق مختلف الفاظ کہے ہوں، تاہم زیادہ تر روایات میں مذکورہ الفاظ ہی منقول چلے آرہے ہیں،

بنی اسرائیل نے اس طرح کر کے چونکہ اللہ کے حکم کی نہ صرف یہ کہ روگردانی کی بلکہ اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر بھی کیا اس لئے بعد کی آیت میں ان پر عذاب کا ذکر ہے کہ آسمانی آفت اور عذاب نے انہیں آپکڑا، یعنی وہ تمام طاعون میں مبتلی ہو گئے، یہ طاعون نیک لوگوں کے لئے رحمت اور نافرمانوں کے لئے عذاب تھا، اس میں بہت سے آدمی فنا ہو گئے، بعض نے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے(۱)۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۸۸/۸، الکوکب الدری ۶۲/۴، روح المعانی ۲۶۶/۱، تفسیر قرطبی ۴۵۰/۱ (دار الکتب العربی بیروت لبنان)، معارف القرآن ۲۳۱/۱

کلام میں الفاظ کے اعتبار سے تغیر وتبدل کا شرعی حکم

یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس شہر میں حطة کہتے ہوئے داخل ہوں، انہوں نے شرارت سے ان الفاظ کو بدل کر دوسرے لفظ کہنا شروع کر دیئے، اس کی وجہ سے ان پر آسمانی عذاب نازل ہوا، یہ الفاظ کی تبدیلی ایسی تھی کہ جس میں صرف الفاظ ہی نہیں بدلے بلکہ معنی بھی بالکل الٹ ہو گئے، لہذا الفاظ کی ایسی تبدیلی خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں یا اللہ تعالیٰ کے کسی اور حکم میں ہو تو یہ بلا شبہ سب کے نزدیک حرام ہے، کیونکہ یہ ایک قسم کا استہزاء یا تحریف ہے، اسی وجہ سے عذاب الٰہی طاعون کی صورت میں ان پر نازل ہوا۔

لیکن اگر کلام کے معنی اور مقصود محفوظ ہوں، ان میں تبدیلی نہ ہو، صرف الفاظ کو تبدیل کر دیا جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ شریعت میں کلمات اور اقوال دو طرح کے ہیں:

۱۔ بعض کلمات میں معنی کی طرح الفاظ بھی مقصود اور اداء عبادت کے لئے ضروری ہوتے ہیں، ایسے کلمات واقوال میں لفظی تبدیلی بھی جائز نہیں، جیسے کلماتِ اذان، ثناء، التحیات، دعاء قنوت اور تسبیحات رکوع وسجود وغیرہ، اس طرح کے کلمات میں دوسرے الفاظ کا استعمال درست نہیں، اگر چہ دوسرے الفاظ میں معنی وہی محفوظ رہیں، اسی طرح تمام قرآن کریم کے الفاظ کا یہی حکم ہے، کہ تلاوت قرآن سے جو احکام متعلق ہیں وہ صرف انہی الفاظ کے ساتھ ہیں جو قرآن کریم کے نازل ہوئے ہیں، ان میں تبدیلی کرنے سے تلاوت قرآن کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

۲۔ بعض اقوال اور کلمات میں اصل مقصود معنی ہوتا ہے، الفاظ مقصود نہیں ہوتے، ان میں لفظی تبدیلی اگر اس طرح کی جائے کہ معنی پر کوئی اثر نہ پڑے، تو جمہور محدثین اور فقہاء کے نزدیک یہ تبدیلی جائز ہے، اس لئے حدیث میں روایت بالمعنی جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ روایت بالمعنی کرنے والا عربی زبان میں خوب ماہر ہو، حدیث کس موقع پر ارشاد فرمائی گئی اس کا پس منظر اور خطاب کا انداز کیا تھا، یہ تمام باتیں اس کی نظر میں ہوں تاکہ حدیث کے معنی کو اپنے الفاظ میں نقل کرنے میں کسی قسم کی غلطی نہ ہو، لیکن اگر عربی زبان پر صحیح دسترس نہ ہو یا یہ کہ علوم حدیث میں اسے مہارت نہ ہو تو ایسے بندے کے لئے روایت بالمعنی کرنا جائز نہیں ہے(۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَلَمْ نَدْرِ أَيْنَ القِبْلَةُ، فَصَلَّى كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا عَلَى حِيَالِهِ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(۱) معارف القرآن ۲۳۱/۱، ۲۳۲، تفسیر قرطبی ۴۵۱/۱، ط: دار الکتاب العربی بیروت، لبنان

فَنَزَلَتْ: {فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ} [البقرة:115] (۱)۔

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک اندھیری رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ قبلہ کس طرف ہے، چنانچہ ہم میں سے ہر شخص نے اپنے سامنے رخ کر کے نماز پڑھ لی (یعنی جس کا جدھر منہ تھا، اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی) جب ہم نے صبح کی (یعنی جب صبح ہوئی) تو ہم نے نبی کریم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" (تم جس طرف بھی منہ کرو، تو وہاں ہی اللہ کی ذات موجود ہے)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ تَطَوُّعًا حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ وَهُوَ جَاءٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ ثُمَّ قَرَأَ ابْنُ عُمَرَ، هَذِهِ الآيَةَ: {وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ} [البقرة:115] الآيَةَ. فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَفِي هَذَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (۲)۔

وَيُرْوَى عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّهُ قَالَ فِي هَذِهِ الآيَةِ: {وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ} [البقرة: 115] قَالَ قَتَادَةُ: "هِيَ مَنْسُوخَةٌ نَسَخَهَا قَوْلُهُ: {فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ} [البقرة:144]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نفل نماز اپنی سواری پر ہی پڑھ لیتے تھے جس طرف بھی وہ سواری آپ کو لے کر رخ کرتی، اور آپ ﷺ مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف آ رہے تھے، پھر ابن عمر نے آیت پڑھی: "وللہ المشرق والمغرب"، (اور اللہ ہی کے لئے ہیں مشرق اور مغرب) اور ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اور قتادہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ آیت یعنی "وللہ المشرق والمغرب ـــ" منسوخ ہے، اس کا ناسخ یہ آیت ہے: "فول وجھک شطر المسجد الحرام"۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ **لیلۃ مظلمۃ:** اندھیری رات، تاریک رات۔ **علی حیالہ:** اپنے سامنے، اپنے چہرے کے سامنے۔ **فثم وجہ اللہ:** تو وہاں ہی اللہ کی توجہ اور اس کا رخ ہے۔ **راحلۃ:** اونٹنی، سواری۔ **اینما توجھت بہ:** جس طرف بھی وہ سواری آپ کو لے کر رخ کرتی، جدھر متوجہ ہوتی۔ **شطر المسجد الحرام:** مسجد حرام کی سمت، اس کی طرف۔

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کا شانِ نزول

سورہ بقرہ کی اس آیت "وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" کے شان نزول کے بارے میں احادیث میں

(۱) سنن ابن ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب من یصلی لغیر القبلۃ وھو لا یعلم

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ من السفر۔

مختلف واقعات منقول ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایات میں تین واقعات ذکر فرمائے ہیں، ان واقعات میں کوئی تعارض نہیں، یہ سب ہی ان آیات کے نزول کا سبب بن سکتے ہیں، کیونکہ اصل نزول کا باعث یا تو کوئی ایک ہی واقعہ ہوتا ہے، اور پھر جو اس طرح کے واقعات پیش آئیں تو انہیں نقل کرتے وقت بھی یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ "فی ھذا انزلت" اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، یا یہ کہ اس آیت کے نزول سے پہلے بہت سے واقعات ایک طرح کے پیش آئے ہوتے ہیں، پھر ان تمام کے بعد آیت کا نزول ہوتا ہے، تو پھر ہر واقعے کو روایت کرتے وقت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت کے نزول کا واقعہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک آیت کے شان نزول کے بہت سے واقعات پیش آسکتے ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔

ان روایات اور ان سے متعلق احکام کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت عامر فرماتے ہیں کہ ہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رات کی شدید تاریکی کی وجہ سے ہمارے اوپر قبلہ مشتبہ ہوگیا، ہر شخص نے اپنے سامنے رخ کر کے نماز پڑھی، صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز تہجد کا واقعہ ہے، فرض نماز کا نہیں، کیونکہ اگر یہ فرض نماز کا واقعہ ہوتا تو پھر وہ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے بیان نہ کرتے، یہ نہیں ہوسکتا کہ صحابہ کرام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فرض نماز الگ پڑھیں(۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی ایسے مقام پر ہو کہ جہاں اسے قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ غور وفکر اور تحری کرے، جس جانب قبلہ ہونے کا غالب گمان ہو اس جانب رخ کر کے نماز پڑھ لے، اس صورت میں اگر نماز کے دوران قبلہ کی صحیح جہت کا علم ہوجائے، تو نماز ہی کے اندر اس طرف گھوم جائے، اور بقیہ نماز کو مکمل کرلے، اور اگر نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلے کہ میں نے غلط رخ پر نماز پڑھی ہے تو بھی اس کی نماز درست ہوگئی، اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، خواہ نماز کا وقت باقی ہو یا گذر چکا ہو، حنفیہ کا مفتی بہ مذہب یہی ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور اگر پوری جماعت پر قبلہ مشتبہ ہوجائے، اور سب نے تحری کر کے نماز پڑھ لی تو اگر سب کا رخ ایک ہی سمت میں تھا تو نماز درست ہوگئی، اور اگر مختلف افراد کی تحری مختلف سمتوں پر ہوئی ہو تو جو شخص اپنے امام سے آگے کھڑا ہوگا تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، اور اگر دوران نماز کسی کو پتہ چل جائے کہ اس کا رخ امام کے رخ کے مخالف ہے، تو اس کی نماز بھی فاسد ہوگی، لیکن نماز کے بعد پتہ چلا ہو کہ انہوں نے غلط سمت میں نماز پڑھی ہے، یا ان میں سے کسی کا رخ امام کے رخ کے مخالف تھا تو سب کی نماز درست ہوگی، کسی کی فاسد نہیں ہوئی، اس لئے اس صورت میں بھی نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اب اگر اس حدیث میں صحابہ کرامؓ نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی تھی تب تو نماز درست ہے ہی، اور اگر سب نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور "صلی کل رجل منا علی حیالہ" کہ مختلف لوگوں نے مختلف سمتوں کا رخ کر رکھا تھا تو پھر اس حدیث کے معنی یہ

(۱) الکوکب الدری ۶۵/۴، ۶۶

ہوں گے کہ ان کو امام کے ساتھ سمت قبلہ کے اعتبار سے مخالفت کا علم نماز کے بعد ہوا ہوگا، ایسی صورت میں سب کی نماز درست شمار ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حرمین کے سفر کے دوران نفل نماز اپنی سواری پر ہی پڑھی جس طرف بھی وہ سواری آپ کو لے کر رخ کرتی، اسی طرح رخ کر کے آپ علیہ السلام نفل نماز پڑھ لیتے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی واللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا۔ الخ۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی سہولت اور آسانی ہے کہ دوران سفر نفل نماز، استقبال قبلہ کے بغیر بھی درست ہے، اس موقع پر بھی اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہوتا تو لوگ سفر میں نفل نماز یا تو چھوڑ ہی دیتے، یا مسافر اپنی سواری سے اتر کر نماز پڑھتا، یوں وہ ساتھیوں سے پیچھے رہ جاتا، ہر صورت میں گویا ایک گونہ مشقت تھی، اس لئے نفل نماز اپنی سواری پر ہی استقبال قبلہ کے بغیر درست ہے، لہذا دوران سفر بس، ریل، جہاز، اور موٹر کار وغیرہ میں استقبال قبلہ کے بغیر، رکوع سجدے کے اشارے سے نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن ہو، کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہو تو پھر نفل نماز میں استقبال قبلہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

البتہ فرض نماز میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سواری ایسی ہے کہ جس پر استقبال قبلہ، قیام اور رکوع سجدے کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہو تو پھر اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، لیکن اگر قیام اور رکوع و سجود ممکن نہ ہو اور سواری سے اتر کر وقت ختم ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کا بھی امکان نہ ہو تو پھر فرض نماز بھی بیٹھ کر، جس طرح ممکن ہو، پڑھ سکتے ہیں، اور اگر وقت میں گنجائش تھی لیکن شروع وقت میں ہی اس نے بیٹھ کر نماز پڑھ لی، اترنے کا انتظار نہ کیا، تب بھی اس کی نماز ہوجائے گی، اگرچہ اس صورت میں اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ انتظار کرے الا یہ کہ نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوجائے اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا کوئی امکان نظر نہ آرہا ہو تو پھر، بیٹھ کر ہی نماز پڑھ لے (۱)۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے منقول ہے کہ ابتداء اسلام میں اس بات کی اجازت تھی کہ انسان اپنی نماز میں جس طرح بھی چاہے رخ کرلے، استقبال قبلہ اس کے لئے ضروری نہیں تھا، چنانچہ اس آیت یعنی "وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فول وجھک شطر المسجد الحرام" اس کے لئے ناسخ ہے، تاہم معذور اور دوران سفر نفل نماز پڑھنے والے کے لئے، اگر استقبال قبلہ کا لحاظ رکھنا ممکن نہ ہو تو استقبال قبلہ کے بغیر بھی وہ نماز پڑھ سکتے ہیں، ایسے ہی جس پر قبلہ کی تعیین مشتبہ ہوجائے، اور وہ غور و فکر اور تحری کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز بھی درست ہوجائے گی اگرچہ بعد میں یہ پتہ چل جائے کہ اس کی تحری غلط سمت واقع ہوئی تھی (۲)۔

---

(۱) تفسیر قرطبی ۲/۷۷، معارف القرآن ۱/۳۰۲، درس ترمذی ۲/۱۲۲، ۱۲۶، الکوکب الدری ۴/۶۶، تحفۃ الاحوذی ۸/۱۹۰

(۲) تفسیر قرطبی ۲/۸۰، ط: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان

عَنْ انسٍ أَنَّ عُمَرَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ صَلَّيْنَا خَلْفَ الْمَقَامِ فَنَزَلَتْ: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرة: ۱۲۵)(۱)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: کاش کہ ہم مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے تو یہ آیت نازل ہوئی: "واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ" (اور تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ مقرر کرلو)

مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

"مقام ابراہیم" سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے، اس پتھر پر کھڑے ہو کر ہی حج کی دعوت دی تھی، یہ پتھر بھی حجر اسود کی طرح جنت سے لایا گیا تھا، اس پتھر کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مقام ابراہیم کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ پورا حرم مقام ابراہیم ہے، ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں جن کو مقام ابراہیم کے پاس پڑھنے کا حکم اس آیت میں ہے، اس حکم کی تعمیل پورے حرم میں کسی جگہ بھی یہ رکعتیں پڑھنے سے ہو جائیں گی، اس پر اکثر فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔

چنانچہ سنت طریقہ یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کے بعد کی دو واجب رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ مقام ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے بیت اللہ کا رخ کیا جائے، اور جس شخص کو مقام ابراہیم کے پیچھے متصلاً جگہ نہ ملے وہ حرم میں کتنے ہی فاصلے پر جب اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم بھی اس کے سامنے رہے، اور بیت اللہ بھی تو اس حکم کی پوری تعمیل ہو جائے گی۔

اس آیت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں واجب ہیں، اور مقام ابراہیم کے پیچھے انہیں ادا کرنا سنت ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے وہاں ادا نہ کر سکا تو پھر حرم میں یا حرم سے باہر جہاں کہیں ممکن ہو، ادا کرنے سے یہ واجب ادا ہو جائے گا، اور کسی ضرورت کی وجہ سے حرم سے باہر اگر یہ دو واجب رکعتیں ادا کی جائیں تو جمہور علماء کے نزدیک کوئی جزا یعنی دم (قربانی) واجب نہیں ہوتا، صرف امام مالک اس صورت میں دم کے وجوب کے قائل ہیں (۲)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا} [البقرة: 143] قَالَ: عَدْلًا(۳)۔

حضرت ابو سعید خدری نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "وکذلک جعلناکم

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: قوله: واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی

(۲) معارف القرآن ۱/۳۲۲، تفسیر عثمانی (ص: ۳۱)، تفسیر قرطبی ۲/۱۱۲

(۳) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب: وکذلک جعلناکم أمةً وسطاً۔

اُمۃ وسطا" کی تفسیر میں فرمایا کہ "وسطا" سے "عدلا" مراد ہے، یعنی معتدل اور متوسط درجہ کی چیز، جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ دونوں کے درمیان ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُدْعَى نُوحٌ فَيُقَالُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُدْعَى قَوْمُهُ، فَيُقَالُ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا أَتَانَا مِنْ نَذِيرٍ، وَمَا أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ، فَيُقَالُ: مَنْ شُهُودُكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، قَالَ: فَيُؤْتَى بِكُمْ تَشْهَدُونَ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ، فَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ: {وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا} [البقرة:143] وَالوَسَطُ: العَدْلُ۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا اور پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے پیغام الٰہی پہونچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں (پہونچا دیا تھا) پھر ان کی قوم کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا نوح نے تمہیں پیغام پہونچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی ڈرانے والا آیا اور نہ ہی اور کوئی آیا؟ پھر حضرت نوح سے پوچھا جائے گا کہ آپ کے گواہ کون ہیں؟ وہ عرض کریں گے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت، پھر تمہیں لایا جائے گا، اور تم اس بات کی گواہی دوگے کہ حضرت نوح نے واقعی اللہ کا پیغام پہونچا دیا تھا، یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے: "وکذلک جعلناکم امۃ وسطا، لتکونوا شھداء علی الناس، ویکون الرسول علیکم شھیدا"، (اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوجاؤ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں)۔ اور "وسط" سے "عدل" مراد ہے یعنی معتدل اور متوسط امت۔

امت محمدیہ کا خاص اعتدال

مذکورہ آیت اور حدیث میں اس امت کی ایک امتیازی فضیلت اور خصوصیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی، جس کے نتیجے میں ان کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی امتیں جب اپنے انبیاء کی راہنمائی اور تبلیغ کے عمل سے انکار کردیں گی اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی، نہ کسی نبی نے ہماری کوئی راہنمائی کی، اس کڑے وقت میں امت محمدیہ، انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی، اور یہ گواہی دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہونچائی، اور اپنی طاقت کے بقدر ان کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش بھی کی، اس گواہی پر دوسری امتیں اعتراض کر کے کہیں گی کہ امت محمدیہ تو ہمارے زمانے میں موجود ہی نہ تھی، اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر لہٰذا اس کی گواہی ہمارے مقابلے میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟

امت محمدیہ اس اعتراض کا یہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت موجود تو نہ تھے مگر ان کے واقعات وحالات کی خبر، ہمیں ایک سچے رسول نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے، جس پر ہم ایمان لائے، اور ہم ان کی خبر کو اپنے معائنے اور مشاہدے سے

زیادہ سچا قرار دیتے ہیں، اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ پیش ہوں گے، اور ان گواہوں کا تزکیہ اور تائید کریں گے کہ واقعی یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو یہ صحیح حالات معلوم ہوئے(۱)۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء سے جب سوال ہوگا کہ تم نے فریضہ رسالت پہنچایا تھا تو وہ جواب میں کہیں گے کہ جی ہاں ہم نے اللہ کے پیغام اپنی امت تک پہنچادیئے تھے، ان کی قوم اس سے انکار کرے گی، جبکہ سورہ مائدہ میں ہے: "یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا أجبتم قالوا لا علم لنا"، اس آیت میں ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کہیں گے: "لا علم لنا" کہ ہمیں معلوم نہیں تو بظاہر مذکورہ حدیث اور اس آیت میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں نفس تبلیغ کا ذکر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کے سامنے عرض کریں گے کہ ہم نے اللہ کے احکام اپنی قوم تک پہنچادیئے تھے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء یہ کہیں گے کہ دنیا میں ہمارے سامنے کلمہ ایمان پڑھ لیتا تو ہم اس پر مؤمن ہونے کا حکم لگادیتے لیکن آیا اس نے دل سے ایمان قبول کیا ہے یا نہیں، یہ ہمیں معلوم نہیں، اور آج جبکہ فیصلہ دلوں کے حال کے مطابق ہونے والا ہے، ہم یقین کے ساتھ کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ دلوں کا پوشیدہ حال تو آپ یعنی اللہ جل جلالہ ہی جانتے ہیں، اس لیے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کہیں گے: "لا علم لنا انک علام الغیوب"(۲)۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: {قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ} [البقرة: 144] فَوُجِّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، وَكَانَ يُحِبُّ ذَلِكَ، فَصَلَّى رَجُلٌ مَعَهُ الْعَصْرَ، قَالَ: ثُمَّ مَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ: هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ قَدْ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، قَالَ: فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوعٌ(۳)۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، لیکن نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ انہیں بیت اللہ کی طرف نماز

---

(۱) معارف القرآن ۳۶۵/۱

(۲) فتح الباری ۲۱۸/۸، کتاب التفسیر باب و کذلک جعلنا کم امة وسطا، آسان ترجمہ قرآن سورہ مائدہ (ص:۲۷۳)

(۳) سنن ابن ماجة، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب: القبلہ

پڑھنے کا حکم دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "قد نری تقلب ــ الخ" (ہم آپ کا چہرہ بار بار) آسمان کی طرف اٹھتا دیکھ رہے ہیں، ہم ضرور آپکا رخ بیت اللہ کی طرف پھیر دیں گے، لہذا اپنا چہرہ مسجد حرام یعنی بیت اللہ کی طرف پھیر لیجئے) چنانچہ آپ کا رخ بیت اللہ کی طرف کر دیا گیا اور آپ ﷺ یہی چاہتے تھے، ایک شخص نے آپ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی، راوی کہتے ہیں، پھر اس کا گذر انصار کی ایک جماعت پر ہوا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز عصر پڑھ رہے تھے، اور حالت رکوع میں تھے، اس گذرنے والے نے ان سے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز عصر پڑھی ہے، آپ ﷺ کا رخ بیت اللہ کی طرف کر دیا گیا، تو انہوں نے بھی رکوع کی حالت میں ہی اپنے چہرے قبلے کی طرف پھیر لئے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانُوا رُكُوعًا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ (۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ وہ لوگ نماز فجر میں حالت رکوع میں تھے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا وُجِّهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْكَعْبَةِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ بِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ مَاتُوا وَهُمْ يُصَلُّونَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} [البقرة: 143] "الآيَةَ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ: ہمارے ان بھائیوں کا کیا بنے گا جو اس حکم سے پہلے مر گئے جبکہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" (اللہ جل جلالہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان یعنی نمازوں کو ضائع کر دے)۔

ہجرت سے پہلے مسلمانوں کا قبلہ کونسا تھا؟

اس میں صحابہؓ و تابعین کا اختلاف ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جب نماز فرض ہوئی اس وقت قبلہ بیت اللہ تھا یا بیت المقدس، اس میں دو نقطۂ نظر ہیں:

۱۔　حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ اوّل ہی سے قبلہ بیت المقدس تھا جو ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ مہینے تک باقی رہا، اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے احکام نازل ہو گئے، البتہ رسول اللہ ﷺ کا عمل مکہ مکرمہ میں یہ رہا کہ آپ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے تا کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے اور بیت المقدس کا بھی استقبال ہو جائے، مدینہ پہونچنے کے

---

(۱)　للموطا للامام مالک، کتاب القبلة، باب ماجاء فی القبلة، صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی القبلة۔

(۲)　سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه۔

بعد یہ ممکن نہ رہا، اس لئے تحویل قبلہ کا اشتیاق پیدا ہوا(۱)۔

۲۔ دوسرے حضرات کے نزدیک جب مکہ مکرمہ میں نماز فرض ہوئی تو اس وقت سے مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا، کیونکہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی رہا تھا، اور نبی کریم ﷺ جب تک مکہ میں مقیم رہے، بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر ہجرت کے بعد آپ کا قبلہ بیت اللہ قرار دے دیا گیا، اور مدینہ میں سولہ سترہ مہینے آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، اس کے بعد پھر پہلے قبلہ یعنی بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم آ گیا۔

اور حکمت اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف لے جانے کے بعد چونکہ یہود کے قبائل سے سابقہ پڑا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کو مانوس کرنے کے لئے اللہ کے حکم سے انہی کا قبلہ اختیار کر لیا، مگر پھر تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے والے نہیں، تو پھر آپ کو اپنے اصلی قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل گیا، جو آپ کو طبعاً پسند بھی بہت تھا۔(۲)

کبھی سنت کو قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ کیا جاتا ہے

نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جو حکم دیا گیا، اس کا ثبوت صرف احادیث اور سنت ہی سے ہے، قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ حکم مذکور نہیں، لیکن پھر اس حکم کو قرآن مجید کی اس آیت "فول وجھک شطر المسجد الحرام" نے منسوخ کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ کبھی سنت کو قرآنی آیت سے منسوخ کیا جاتا ہے۔

کیا خبر واحد سے حکم قطعی کو منسوخ سمجھا جا سکتا ہے

اس باب کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے عصر کی نماز بیت اللہ کی طرف رخ کر کے پڑھی، اور بعض روایات میں اس جگہ عصر کے بجائے نماز ظہر کا ذکر ہے، تو ایک صحابیؓ یہاں پر نماز پڑھ کر باہر گئے، اور دیکھا کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ اپنی مسجد میں حسب سابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے آواز دے کر کہا کہ اب قبلہ، بیت اللہ کی طرف ہو گیا ہے، میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی جانب نماز پڑھ کر آ رہا ہوں، ان کی آواز سن کر ان لوگوں نے نماز کے دوران ہی اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔

بنو سلمہ کے لوگوں نے تو ظہر یا عصر ہی سے تحویل قبلہ کے حکم پر عمل کر لیا، مگر قباء میں یہ خبر اگلے دن صبح کی نماز میں پہونچی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں امام ترمذی نے نقل کی ہے، چنانچہ اہل قباء نے بھی نماز ہی کے اندر اپنا رخ بیت المقدس

---

(۱) معارف القرآن ۳۷۴/۱، سورۃ البقرۃ

(۲) تفسیر قرطبی ۱۴۶/۲، سورۃ البقرۃ، ط: بیروت

سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔

اس حدیث میں دیکھئے کہ ایک صحابی کی خبر سے ہی دوسرے صحابہ نے اپنی نمازوں کا رخ بیت اللہ کی طرف پھیر لیا، حالانکہ احناف کے نزدیک خبر واحد سے کوئی قطعی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا، سوال یہ ہے کہ پھر صحابہ نے ایک آدمی کی بات پر کیسے عمل کر لیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب خبر واحد کی کسی اور قرینہ اور ذریعہ سے تائید ہو جائے تو اس وقت وہ قطعی حکم کا فائدہ دیتی ہے، اور یہاں قرینہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی رغبت اور منشاء معلوم تھی کہ آپ اللہ سے یہ مانگ رہے ہیں کہ قبلہ تبدیل کر کے بیت اللہ کی طرف کر دیا جائے، اس لئے صحابہ کرامؓ کو یہ امید تھی کہ عنقریب تحویل قبلہ کا حکم آنے والا ہے(۱)۔

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم، اس آیت میں ایمان سے کیا مراد ہے، اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اگر ایمان سے ایمان کے معنی ہی مراد ہوں تو پھر آیت کا مطلب یہ ہے کہ تحویل قبلہ کے حکم پر جو بعض بیوقوف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ دین سے پھر گئے اور ان کا ایمان ہی ضائع ہو گیا؟ اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والے نہیں لہذا بیوقوف لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں۔

۲۔ بعض احادیث میں اس "ایمان" کی تفسیر "نماز" سے کی گئی ہے، اور معنی یہ ہیں کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں کریں گے، وہ تو صحیح اور مقبول ہو چکی ہیں کیونکہ اس وقت وہی قبلہ تھا، تحویل قبلہ کا حکم پچھلی نمازوں پر اثر انداز نہیں ہوگا، لہذا جو حضرات اس تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے وفات پا گئے تو ان کی وہ نمازیں اللہ کے ہاں درست ہیں جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی ہیں، چنانچہ اس شبہ کے ازالے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔(۲)

عَنْ عُرْوَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: مَا أَرَى عَلَى أَحَدٍ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالمَرْوَةِ شَيْئًا، وَمَا أُبَالِي أَنْ لَا أَطُوفَ بَيْنَهُمَا، فَقَالَتْ: بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أُخْتِي، طَافَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَافَ المُسْلِمُونَ، وَإِنَّمَا كَانَ مَنْ أَهَلَّ لِمَنَاةَ الطَّاغِيَةِ الَّتِي بِالمُشَلَّلِ لَا يَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالمَرْوَةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {فَمَنْ حَجَّ البَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا} [البقرة: 158] وَلَوْ كَانَتْ كَمَا تَقُولُ لَكَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، فَأَعْجَبَهُ ذَلِكَ، وَقَالَ: إِنَّ هَذَا لَعِلْمٌ، وَلَقَدْ سَمِعْتُ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ العِلْمِ يَقُولُونَ: إِنَّمَا كَانَ مَنْ لَا يَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالمَرْوَةِ مِنَ العَرَبِ يَقُولُونَ: إِنَّ طَوَافَنَا بَيْنَ هَذَيْنِ الحَجَرَيْنِ مِنْ أَمْرِ الجَاهِلِيَّةِ، وَقَالَ

---

(۱) درس ترمذی ۲/۱۲۱، معارف القرآن ۱/۳۷۶

(۲) معارف القرآن ۱/۳۷۸

آخَرُونَ مِنَ الأَنْصَارِ: إِنَّمَا أُمِرْنَا بِالطَّوَافِ بِالْبَيْتِ، وَلَمْ نُؤْمَرْ بِهِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ} [البقرة: 158] "قَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: فَأُرَاهَا قَدْ نَزَلَتْ فِي هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ(۱)۔

حضرت عروہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ میری نظر میں اس آدمی پر کوئی حرج نہیں جو صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کرے، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ان کے درمیان سعی نہ کروں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بھانجے: تم نے کتنی بری بات کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صفا مروہ کے درمیان سعی کی اور تمام مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا، البتہ (زمانہ جاہلیت میں) جو لوگ سرکش "مناۃ" کے لئے لبیک کہتے تھے (یعنی اس کے لئے حج کرتے تھے) جو بت کہ مقام مشلل میں رکھا ہوا تھا، وہ صفا مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، "فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما" (جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں) اور اگر یہ آیت ایسی ہوتی جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو یوں ہوتی: "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما" (اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ کی سعی نہ کرے)

زہری کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کے سامنے بیان کی تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا، اور فرمایا: اس میں بڑا علم ہے، میں نے کچھ علماء سے سنا ہے کہ عرب میں جو لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے وہ کہتے کہ ان دو پتھروں کے درمیان سعی کرنا امرِ جاہلیت میں سے ہے، اور انصار کہتے ہیں کہ ہمیں تو بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ صفا مروہ کا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" (بے شک صفا مروہ اللہ جل جلالہ کی نشانیوں میں سے ہیں) ابوبکر بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں سے متعلق نازل ہوئی۔

عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَقَالَ: كَانَا مِنْ شَعَائِرِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الإِسْلَامُ أَمْسَكْنَا عَنْهُمَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا} [البقرة: 158] قَالَ: هُمَا تَطَوُّعٌ {وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ} [البقرة: 158] (۲)۔

حضرت عاصم احول کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے صفا مروہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: صفا مروہ زمانہ جاہلیت کی نشانیوں میں سے تھے، جب اسلام آیا تو ہم نے ان کا طواف چھوڑ دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

(۱) للموطا للامام مالک، کتاب الحج، باب جامع السعی، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الصفا۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب السعی، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السعی بین الصفا والمروۃ

نازل فرمائی "ان الصفا والمروة من شعائر الله"، حضرت انس نے فرمایا: ان کے درمیان سعی کرنا نفل عبادت ہے، اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ اس کی بڑی قدر دانی کرتے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ما أبالي: مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ أهل: احرام باندھا، لبیک کہا۔ مناة: (میم پر زبر کے ساتھ) زمانہ جاہلیت کے ایک بت کا نام ہے، لوگ اس کی پرستش کرتے اور اس کے نام پر قربانی بھی کرتے تھے۔ الطاغية: سرکش۔ مشلل: (میم پر پیش، شین پر زبر، اور پہلا لام مشدد اور اس پر زبر) یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مقام قدید کے قریب ہے۔ شعائر: شعیرة کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں، اور شعائر اللہ سے وہ اعمال مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے اور جنہیں شریعت نے مسلمانوں کو کرنے کا حکم دیا ہے۔ أمسكنا عنهما: ہم صفا مروہ کی سعی سے رک گئے۔

حضرت عائشہ اور عروہ کے درمیان ایک مکالمہ

پہلی حدیث میں اس گفتگو کا ذکر ہے جو سعی کے بارے میں حضرت عائشہ اور حضرت عروہ کے درمیان ہوئی، حضرت عروہ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی صفا اور مروہ کا طواف اور ان کے درمیان سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فلا جناح عليه ان يطوف بهما" کہ جس نے صفا مروہ کا طواف کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مباح عمل ہے اور مباح کام کے نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا، اس لئے میری نظر میں یہ سعی واجب نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عروہ سے فرمایا کہ تم نے بہت بری بات کی ہے، اگر سعی کا حکم یہی ہوتا جیسا تم کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ اس آیت میں یوں فرماتے: "فلا جناح عليه ان لا يطوف بهما" کہ جو ان کے درمیان سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، "لا جناح" سے ہر جگہ اباحت کا حکم ثابت نہیں ہوتا، اگر کوئی شخص کسی کام کو چھوڑ دے، اور اس سے کہا جائے کہ اس چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں ہے، تب اباحت کا حکم ثابت ہوتا ہے، لیکن اگر اس شخص سے یوں کہا جائے کہ جو آدمی اس کام کو کرے گا، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس سے اباحت ثابت نہیں ہوتی، مثلاً کوئی شخص کہے "جو شخص عشاء کی نماز پڑھے گا، اسے گناہ نہیں ہوگا" اس سے عشاء کی نماز کا مباح ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس کا مباح ہونا تو اس وقت ثابت ہوگا، جب اسے یوں کہا جائے "جو شخص عشاء کی نماز نہیں پڑھے گا اسے گناہ نہیں ہوگا"۔

حضرت عائشہ نے بڑے علمی انداز سے جواب دیا کہ اس آیت میں صرف اس چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ سعی کرنے والوں پر کوئی حرج اور گناہ نہیں، اس سعی کی حیثیت کیا ہے، واجب ہے یا نہیں، اس آیت میں اس بارے میں کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو یہ انداز اختیار فرمایا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ انصار مدینہ اور قریش نے جب اسلام قبول کر لیا تو انہیں سعی کے بارے میں تردد ہونے لگا، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں وہ اسے گناہ اور مذموم سمجھتے تھے، چنانچہ پہلی روایت میں انصار مدینہ کا ذکر ہے کہ وہ اسلام سے پہلے مناة بت کے نام پر احرام باندھتے، یہ بت مقام مشلل پر رکھا ہوا تھا، یہ لوگ صفا اور مروہ کی سعی

نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو گناہ سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو حج اور عمرے میں سعی کا مسئلہ درپیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "فلا جناح علیه ان یطوف بهما" اس سے حضرات انصار کو بتادیا گیا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں کوئی گناہ اور قباحت نہیں اور ان کا زمانہ جاہلیت والا خیال غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

دوسری حدیث میں قریش کا واقعہ ہے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ صفا اور مروہ پر جو دو بت اساف اور نائلہ رکھے ہوئے تھے، ان کی تعظیم کی وجہ سے یہ لوگ سعی کرتے تھے، جب اسلام نے بھی ان کو حج وعمرے میں صفا مروہ کی سعی کا حکم دیا تو ان کو یہ تنگی محسوس ہوئی کہ یہ تو ہماری جاہلیت کی رسم اور اس کا طریقہ تھا، جو ہم بتوں کے لئے کیا کرتے تھے، اب تو ہم نے بت پرستی چھوڑ دی ہے لہذا صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہئے، تو کیا ہم اب بھی اس رسم جاہلیت کو برقرار رکھیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "فلا جناح علیه ان یطوف بهما"، اس لئے تم لوگ صفا اور مروہ کے طواف اور ان کی سعی میں تنگی محسوس نہ کرو۔

بہر حال انصار اور قریش کے اس مخصوص پس منظر کی بناء پر قرآن نے یہ اسلوب اختیار کیا، اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ سعی ایک مباح کام ہے، چاہو تو کرلو، اور چاہو تو نہ کرو، بلکہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا دوسرے دلائل کی وجہ سے واجب ہے (۱)۔

صفا اور مروہ کی سعی کا حکم

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس میں تین قول ہیں:

۱۔　جمہور کے نزدیک یہ سعی حج میں رکن ہے، اس کے بغیر حج درست نہیں ہوتا۔

۲۔　احناف کے نزدیک سعی واجب ہے، اگر کوئی شخص سعی نہ کرے تو اس پر ایک قربانی لازم ہوتی ہے۔

۳۔　ابن عباس، ابن سیرین، عطاء مجاہد اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ سعی نہ تو رکن ہے اور نہ واجب ہے بلکہ یہ سنت اور مستحب ہے (۲)۔

قال: هما تطوع

حضرت انس ؓ کی رائے یہ تھی کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سنت اور مستحب عمل ہے (۳)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا فَقَرَأَ:

---

(۱)　فتح الباری ۳/۶۳۶، کتاب الحج، باب وجوب الصفا والمروة، تحفة الاحوذی ۸/۲۸۸

(۲)　عمدة القاری ۹/۲۸۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(۳)　تحفة الاحوذی ۸/۳۰۱

{وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى} [البقرة: 125] فَصَلَّى خَلْفَ المَقَامِ، ثُمَّ أَتَى الحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ قَالَ: نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ وَقَرَأَ: {إِنَّ الصَّفَا وَالمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ} [البقرة: 158]: (۱)۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا پھر آپ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے میں نے سنا: ’’واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ‘‘، پھر آپ نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر حجر اسود کے پاس آپ آئے اور اسے بوسہ دیا، پھر فرمایا: ہم بھی وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے اور یہ آیت پڑھی: ’’ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ‘‘۔

اس حدیث کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

عَنِ البَرَاءِ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَحَضَرَ الإِفْطَارُ فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَ، لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ وَلَا يَوْمَهُ حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الأَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا، فَلَمَّا حَضَرَهُ الإِفْطَارُ أَتَى امْرَأَتَهُ، فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكِ طَعَامٌ؟ قَالَتْ: لَا، وَلَكِنْ أَنْطَلِقُ فَأَطْلُبُ لَكَ، وَكَانَ يَوْمَهُ يَعْمَلُ فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ وَجَاءَتْهُ امْرَأَتُهُ، فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ: خَيْبَةً لَكَ. فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةَ: {أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ} [البقرة: 187] فَفَرِحُوا بِهَا فَرَحًا شَدِيدًا {وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الفَجْرِ} [البقرة: 187] (۲)۔

حضرت براء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے اگر کوئی روزے سے ہوتا، اور افطار کا وقت ہو جاتا لیکن وہ افطار سے پہلے ہی سو جاتا تو وہ آئندہ رات اور دن میں بھی کچھ نہ کھاتا یہاں تک کہ شام ہو جائے (یعنی اگلے دن افطاری کا وقت ہو جائے)، قیس بن صرمہ انصاری ایک مرتبہ روزے سے تھے، جب افطار کا وقت ہوا تو اپنی بیوی کے پاس آئے، اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، لیکن میں جاتی ہوں اور آپ کے لئے کہیں سے کچھ لے کر آتی ہوں، انہوں نے سارا دن (اپنی زمین میں) کام کیا تھا، اس وجہ سے ان پر نیند غالب آ گئی، ان کی بیوی واپس آئی تو انہیں دیکھا کہ وہ سو گئے ہیں، کہنے لگیں ہائے تمہاری محرومی، پھر جب دوسرے دن دو پہر کا وقت ہوا تو ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی، چنانچہ اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ’’احل لکم ــــ (تم لوگوں کے واسطے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا) اس

---

(۱) الموطأ للامام مالک، کتاب الحج، باب الرمل فی الطواف، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرمل فی الطواف والعمرۃ۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ: أحل لکم لیلۃ الصیام سنن ابو داؤد، کتاب الصیام، باب: مبدأ فرض الصیام۔

آیت کے نزول پر وہ لوگ بہت خوش ہوئے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وکلوا واشربوا۔۔۔ (تم لوگ کھاؤ، پیو، یہاں تک کہ تم لوگوں کے لئے صبح کا سفید خط، سیاہ خط سے متمیز ہوجائے۔)

عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ} [غافر: 60] قَالَ: الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ، وَقَرَأَ: {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ} [غافر: 60] -إِلَى قَوْلِهِ- {دَاخِرِينَ} [غافر: 60](۱)۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: "وقال ربکم ادعونی استجب لکم" (تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا) کی تفسیر میں فرمایا: دعا ہی اصل عبادت ہے، اور یہ آیت "داخرین" تک پڑھی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ، أَخْبَرَنَا عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: "حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ۔۔۔" (البقرة ۱۸۷)، قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّمَا ذَلِكَ بَيَاضُ النَّهَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّيْلِ(۲)۔

شعبہ کہتے ہیں کہ عدی بن حاتم نے ہمیں بتایا کہ جب یہ آیت "حتی یتبین لکم ......"، نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ اس سے رات کی تاریکی میں سے دن کی روشنی کا ظاہر ہونا مراد ہے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّوْمِ فَقَالَ: {حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الخَيْطُ الأَبْيَضُ} [البقرة: 187] مِنَ الخَيْطِ الأَسْوَدِ قَالَ: فَأَخَذْتُ عِقَالَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْيَضُ وَالآخَرُ أَسْوَدُ، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِمَا، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - شَيْئًا لَمْ يَحْفَظْهُ سُفْيَانُ - فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ(۳)۔

حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے روزے کے متعلق پوچھا تو آپ نے یہ آیت پڑھی "حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود"، فرماتے ہیں: میں نے دو رسیاں رکھ لیں ان میں سے ایک سفید اور ایک سیاہ ہے، اور رات کے آخر میں انہیں دیکھنے لگتا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے یعنی سفید خط سے دن اور سیاہ خط سے رات مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خیبة لک: تمہاری محرومی اور ناکامی۔ رفث: (را اور فاء پر زبر) جماع، ہر وہ کام یا کلام جو بیہودہ قسم کا ہو جو جماع تک پہونچنے کا باعث ہو۔ عقالین: (عین کے نیچے زیر) عقال کا تثنیہ ہے: دو رسیاں، دو دھاگے۔

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاة، باب الدعاء

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالیٰ: وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الأبیض

(۳) أیضاً

رمضان کے روزوں سے متعلق ایک آسانی کا حکم

حضرت براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ ابتداء جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اس وقت اجازت تھی جب تک آدمی سو نہ جائے، سوجانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، بعض صحابہ کرام کو اس میں شدید مشکلات پیش آئیں، قیس بن صرمہ انصاری دن بھر مزدوری کر کے افطار کے وقت گھر پہونچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہ تھا، بیوی نے کہا کہ میں کہیں سے کچھ انتظام کر کے لاتی ہوں، جب وہ واپس آئی تو دن بھر کے تکان کی وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی، اب جب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا، اگلے دن اسی طرح روزہ رکھا، تو دوپہر کو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔

اسی طرح بعض صحابہ کرامؓ سونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلاء ہو کر پریشان ہوئے، ان واقعات کے بعد یہ آیت "احل لکم لیلة الصیام الرفث۔۔۔" نازل ہوئی، اس پر صحابہ کرامؓ بہت خوش ہوئے، کیونکہ اس میں ان کے لئے آسانی کا حکم آگیا، چنانچہ اس آیت میں پہلے حکم کو منسوخ کر دیا گیا، اور غروب آفتاب سے صبح صادق تک پوری رات میں کھانے، پینے اور جماع کی اجازت دے دی گئی، اگرچہ سو کر اٹھنے کے بعد ہو بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد آخر شب میں سحری کھانا سنت قرار دیا گیا، جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

"فنام قبل ان یفطر" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ افطاری کے بعد سو جاتے تو ان پر اگلی شام تک کھانا پینا حرام ہو جاتا، جبکہ سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں نماز عشاء کا ذکر ہے کہ اس کے بعد ان کا کھانا پینا حرام ہو جاتا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اصل حکم تو نیند کے ساتھ ہی متعلق ہے کہ جب وہ سو جاتے تو ان پر اگلی شام تک کھانا پینا حرام ہو جاتا، اور نماز عشاء کے بعد انسان چونکہ عموماً سو ہی جاتا ہے اس لئے بعض روایات میں نماز عشاء کا ذکر کر دیا گیا، اس کے معنی یہ نہیں کہ محض نماز عشاء پڑھنے سے ہی ان پر کھانا پینا وغیرہ حرام ہو جاتا (۱)۔

سحری کھانے کا آخری وقت

جب قرآن مجید کی آیت "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض۔۔۔الخ" نازل ہوئی، جس میں سحری کے وقت کھانے پینے کی اجازت دے دی گئی یہاں تک کہ سفید دھاگہ، سیاہ دھاگہ سے واضح نہ ہو جائے، آیت کریمہ میں "خط ابیض" سے دن کی سفیدی اور خط اسود سے رات کی تاریکی مراد ہے، لیکن حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے خط ابیض اور

(۱) فتح الباری ۱۶۳/۴، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالیٰ: احل لکم لیلة الصیام۔۔۔الخ تحفة الاحوذی ۳۰۳/۸

اسود کے حقیقی معنی سمجھے اور اپنے تکیہ کے نیچے سفید اور سیاہ دھاگے رکھے اور جب تک وہ صاف نظر نہیں آئے، اس وقت تک انہوں نے کھانا پینا جاری رکھا، صبح کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا کہ تمہارا تکیہ تو بہت چوڑا ہوگا کہ اس کے نیچے سفید اور سیاہ خط سما گئے۔

لما نزلت: حتی یتبین لکم الخیط الابیض ــــ قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ــــ الخ، ان الفاظ کے ظاہر سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت عدی اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور وہ مسلمان تھے، جبکہ واقعہ ایسا نہیں، ان آیات کا نزول تو ہجرت کے فوراً بعد ہو گیا تھا اور حضرت عدی نے سن نو یا دس ہجری میں اسلام قبول کیا ہے، پھر حضرت عدی کے اس جملے کا کیا مطلب ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ خط اسود سے رات اور خط ابیض سے دن مراد ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لما نزلت" کے معنی یہ ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، اور اسلامی احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنا شروع کئے تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ خط ابیض سے صبح کی سفیدی اور خط اسود سے رات کی تاریکی مراد ہے، اسکے یہ معنی نہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت حضرت عدی وہاں موجود تھے۔

سوال یہ ہے کہ جب اس آیت میں "من الفجر" کے لفظ موجود تھے جس سے یہ معنی سمجھے جاسکتے تھے کہ خط ابیض اور اسود سے کیا مراد ہے؟ ایسے میں حضرت عدی سے یہ معنی کیسے پوشیدہ رہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ ممکن ہے کہ حضرت عدی کی زبان میں اس طرح کا کلام استعمال نہ ہوتا ہو کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ خط ابیض سے صبح صادق کی سفیدی اور خط اسود سے رات کی تاریکی مراد ہے، اور من الفجر سے انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ صبح کی روشنی کی وجہ سے جب سفید دھاگہ، سیاہ دھاگہ سے ممتاز ہو جائے تو اس وقت تک گویا سحری کھائی جاسکتی ہے۔

۲۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عدی "من الفجر" کا لفظ بھول گئے ہوں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا اور آپ نے "من الفجر" کا لفظ پڑھا تو اس وقت حضرت عدی کے سامنے یہ بات واضح ہوئی۔

حضرت عدی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "من الفجر" کا لفظ اس آیت کے ساتھ ہی نازل ہوا، جبکہ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد کی روایت میں ہے کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی اور "من الفجر" کا لفظ بعد میں نازل ہوا تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل کی روایت حضرت عدی کے واقعہ سے پہلے کی ہے، ان کے علم میں حضرت سہل کی روایت نہیں تھی، انہوں نے اس آیت کو من الفجر کے ساتھ ہی سنا اور اس سے وہی معنی سمجھے جس کی تفصیل باب کی

روایت میں مذکور ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے "من الفجر" کی تفسیر ان کے سامنے ارشاد فرمائی(۱)۔

فقال لی رسول الله ﷺ شیئا لم یحفظه سفیان، یعنی رسول اللہ ﷺ نے کچھ ارشاد فرمایا لیکن سفیان راوی نے اسے محفوظ نہیں کیا، چنانچہ مسلم کے طریق میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان وسادک لعریض" کہ تمہارا تکیہ تو بہت چوڑا ہے(۲)۔

عَنْ أَسْلَمَ أَبِي عِمْرَانَ التُّجِيبِيِّ، قَالَ: كُنَّا بِمَدِينَةِ الرُّومِ، فَأَخْرَجُوا إِلَيْنَا صَفًّا عَظِيمًا مِنَ الرُّومِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ مِنَ المُسْلِمِينَ مِثْلُهُمْ أَوْ أَكْثَرُ، وَعَلَى أَهْلِ مِصْرَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ، وَعَلَى الجَمَاعَةِ فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ، فَحَمَلَ رَجُلٌ مِنَ المُسْلِمِينَ عَلَى صَفِّ الرُّومِ حَتَّى دَخَلَ فِيهِمْ، فَصَاحَ النَّاسُ وَقَالُوا: سُبْحَانَ اللَّهِ يُلْقِي بِيَدَيْهِ إِلَى التَّهْلُكَةِ. فَقَامَ أَبُو أَيُّوبَ الأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ لَتُؤَوِّلُونَ هَذِهِ الآيَةَ هَذَا التَّأْوِيلَ، وَإِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِينَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ لَمَّا أَعَزَّ اللَّهُ الإِسْلَامَ وَكَثُرَ نَاصِرُوهُ، فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ سِرًّا دُونَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَمْوَالَنَا قَدْ ضَاعَتْ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعَزَّ الإِسْلَامَ وَكَثُرَ نَاصِرُوهُ، فَلَوْ أَقَمْنَا فِي أَمْوَالِنَا، فَأَصْلَحْنَا مَا ضَاعَ مِنْهَا. فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْنَا مَا قُلْنَا: {وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ} [البقرة: 195]، فَكَانَتِ التَّهْلُكَةُ الإِقَامَةَ عَلَى الأَمْوَالِ وَإِصْلَاحِهَا، وَتَرْكَنَا الغَزْوَ فَمَا زَالَ أَبُو أَيُّوبَ، شَاخِصًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى دُفِنَ بِأَرْضِ الرُّومِ(۳)۔

حضرت اسلم ابو عمران تجیبی کہتے ہیں کہ ہم (جنگ کے لئے) روم شہر میں تھے، رومیوں نے ہم سے مقابلے کے لئے ایک بڑی صف یعنی بڑے لشکر کو نکالا، مسلمانوں میں سے بھی اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ آدمی نکلے، ان دنوں مصر پر حضرت عقبہ بن عامر حاکم تھے، اور لشکر کے امیر حضرت فضالہ بن عبید تھے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے روم کی صف پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ وہ ان کے اندر چلا گیا، اس پر لوگ چیخنے لگے، اور کہنے لگے سبحان اللہ یہ اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاکت میں ڈال رہا ہے، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! تم لوگ اس آیت (یعنی ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) کی یہ تفسیر کرتے ہو، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ہم انصار لوگوں کے متعلق نازل ہوئی، (اور اس کی وجہ یہ پیش آئی کہ) جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو طاقتور اور مضبوط بنایا اور اس کے مددگار (یعنی پیروکار) زیادہ ہو گئے، تو ہم میں سے بعض بعض سے آہستہ سے رسول اللہ ﷺ سے چھپ کر یہ کہنے لگے: ہمارے اموال (یعنی کھیتی باڑی وغیرہ) ضائع ہو رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو مضبوط کر دیا اور اس

(۱) فتح الباری ۱۶۸/۴، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالیٰ: وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۶۸/۸
(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی قوله تعالیٰ: "ولا تلقوا بأیدیکم الی التهلکة۔

کے مددگار بھی زیادہ ہو گئے، تو اگر ہم اپنے اموال میں مشغول رہیں اور جو ان میں سے ضائع ہو گئے ہیں ان کو درست کریں تو بہت بہتر ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل کی، اس بات کو رد کرنے کے لئے جو ہم نے کہی، "وانفقوا فی سبیل اللہ ـــ (اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور خود کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو) چنانچہ ہلاکت یہ تھی کہ ہم اپنے اموال میں مشغول رہیں اور ان کی اصلاح میں لگ جائیں، اور جنگ و جہاد کو چھوڑ دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری مسلسل اللہ کے راستے میں مسافر رہے (یعنی جہاد میں نکلے رہے) یہاں تک کہ روم کی سرزمین پر ہی دفن ہوئے۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ صاح الناس: لوگ چیخ اٹھے۔ لتأولون: تم مراد لیتے ہو، تم تفسیر کرتے ہو۔ أعز اللہ: اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور غالب کر دیا۔ أقمنا فی أموالنا: ہم اپنے اموال یعنی کھیتی باڑی میں مشغول رہیں۔ التھلکة: ہلاکت میں ڈالنا۔ شاخصا: سفر کرتے رہے، نکلے رہے۔

اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة، اس آیت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالیں۔

اب یہ بات کہ اس جگہ "ہلاکت میں ڈالنے" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، لیکن ان میں کوئی تعارض نہیں، سب ہی مراد ہو سکتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مذکورہ روایت میں حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ ہلاکت سے اس آیت میں ترک جہاد مراد ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمادی تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائداد کی خبر گیری کریں اور انہیں بہتر بنانے کی محنت کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ جہاد مسلمانوں کی ہلاکت و تباہی کا سبب ہے، اسی لئے حضرت ابوایوب انصاری نے ساری عمر جہاد میں صرف کر دی، اور جہاد کرتے ہوئے قسطنطینیہ شہر میں شہید ہو کر وہیں پر مدفون ہو گئے۔

۲۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت اور مغفرت سے مایوس ہو جانا اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس لئے مغفرت سے مایوس ہونا حرام ہے۔

۳۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں، یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، ایسا اسراف جائز نہیں۔

۴۔ بعض نے فرمایا کہ ایسی صورت میں دشمن سے لڑائی کے لئے اقدام کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جبکہ یہ اندازہ ظاہر

ہے کہ ہم دشمن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، اور خود یقیناً ہلاک ہوجائیں گے، اس طرح کی صورتحال میں لڑائی پر اقدام کرنا اس آیت کی رو سے جائز نہیں ہے(۱)۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: قَالَ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَفِيَّ أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ، وَلَإِيَّايَ عُنِيَ بِهَا {فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ} [البقرة:196] قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَنَحْنُ مُحْرِمُونَ وَقَدْ حَصَرَنَا الْمُشْرِكُونَ، وَكَانَتْ لِي وَفْرَةٌ فَجَعَلَتِ الْهَوَامُّ تَسَاقَطُ عَلَى وَجْهِي، فَمَرَّ بِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كَأَنَّ هَوَامَّ رَأْسِكَ تُؤْذِيكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَاحْلِقْ، وَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ.

قَالَ مُجَاهِدٌ: الصِّيَامُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَالطَّعَامُ لِسِتَّةِ مَسَاكِينَ، وَالنُّسُكُ شَاةٌ فَصَاعِدًا(۲)۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ آیت میرے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے، اور اس آیت سے مجھے ہی مراد لیا گیا ہے، فمن کان منکم مریضا .... او نسک (اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو فدیہ دے دے روزے سے یا خیرات دیدینے سے یا (ایک بکری) ذبح کردینے سے) راوی کہتے ہیں کہ ہم صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھے، ہمیں مشرکین نے (عمرہ کرنے سے) روک دیا، میرے بال کانوں تک لمبے تھے، اور جوئیں میرے منہ پر گرنے لگی تھیں، اتنے میں نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے اور (مجھے دیکھ کر) فرمایا: لگتا ہے کہ تمہارے سر کی جوئیں تمہیں خاصا ستا رہی ہیں، کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: تو پھر بال منڈوادو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد کہتے ہیں: (بال صاف کرانے کی جنایت میں) اگر روزے رکھے تو تین دن رکھے، کھانا کھلائے تو چھ مسکینوں کو اور اگر قربانی کرے تو ایک بکری یا اس سے زیادہ ہو۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، قَالَ: أَتَى عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أُوقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى جَبْهَتِي، أَوْ قَالَ: حَاجِبَيَّ، فَقَالَ: أَتُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَانْسُكْ نَسِيكَةً أَوْ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ قَالَ أَيُّوبُ: لَا أَدْرِي بِأَيَّتِهِنَّ بَدَأَ(۳)۔

حضرت کعب بن عجرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں ایک ہانڈی کے نیچے آگ سلگا

---

(۱) تفسیر مظہری ۲۱۵/۱، سورہ بقرہ، ط: رشیدیہ کوئٹہ، معارف القرآن ۴۷۴/۱، تحفۃ الاحوذی ۳۰۹/۸

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: فمن کان منکم مریضاً أو بہ أذیٰ

(۳) حوالہ سابق

رہا تھا، اور جوئیں میری پیشانی پر یا فرمایا میری بھنوؤں پر جھڑ رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے سر کے کیڑے یعنی جوئیں تمہیں ستا رہی ہیں؟ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے سر کے بال منڈوا دو اور ایک قربانی کر دو یا تین روزے رکھ لو یا پھر چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، ایوب راوی کہتے ہیں کہ مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ ان میں سے کونسی چیز پہلے ارشاد فرمائی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حصرنا: مشرکین نے ہمارا محاصرہ کرلیا، ہمیں روک دیا۔ وفرۃ: سر کے بال جو کان کی لو تک لمبے ہو جائیں۔ ھوام: ھامۃ کی جمع ہے، کیڑے، یہاں اس سے جوئیں مراد ہیں۔ تساقط: اصل میں تتساقط تھا، جوئیں گرنے لگی تھیں، جھڑ رہی تھیں۔ تؤذیک: جوئیں تمہیں ستا رہی ہیں۔ أوقد: میں آگ جلا رہا تھا، سلگا رہا تھا۔ قدر: (قاف کے نیچے زیر) ہانڈی۔ قمل: (قاف پر زبر اور میم ساکن) قملۃ کی جمع ہے: جوں۔ یتناثر: گر رہی تھیں، جھڑ رہی تھیں۔ نسیکۃ: قربانی

حالت احرام میں مجبوراً بال منڈانے کا حکم

مذکورہ آیت اور حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ حالت احرام میں اگر کسی بیماری کے سبب سر یا بدن کے کسی دوسرے حصے کے بال منڈانے کی مجبوری پیش آجائے یا سر میں اس قدر جوئیں پیدا ہو جائیں کہ وہ تکلیف دے رہی ہوں، تو اس طرح کی صورتحال میں بقدر ضرورت بال منڈانا جائز ہے، مگر اس کا فدیہ دینا ضروری ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو تین دن روزہ رکھے یا چھ مسکینوں کو غلہ صدقہ کرے، ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر یعنی آدھا صاع یعنی پونے دو سیر گندم صدقہ میں دے دے، یا ایک بکری قربانی کرے ان تین چیزوں میں اختیار ہے کہ آدمی جو بھی اختیار کرے، ترتیب ضروری نہیں، ہاں یہ ذہن میں رہے کہ قربانی کے لئے تو حدود حرم کی جگہ متعین ہے البتہ روزے اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں، ہر جگہ انسان ادا کرسکتا ہے (۱)۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الحَجُّ عَرَفَاتٌ، الحَجُّ عَرَفَاتٌ، الحَجُّ عَرَفَاتٌ، أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثٌ {فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ} [البقرة:203] وَمَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ قَبْلَ أَنْ يَطْلُعَ الفَجْرُ فَقَدْ أَدْرَكَ الحَجَّ۔

حضرت عبدالرحمن بن یعمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حج تو عرفات میں حاضر ہونے کا نام ہے، اور منی کا قیام تین دن تک ہے، اور جو شخص دو دن میں (مکہ آنے میں) جلدی کرے، اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اور جو شخص ان دو دن میں تاخیر کرے (یعنی بارہ ذی الحجہ کو واپس نہ آئے بلکہ تیرہ کو آئے) اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص صبح صادق سے پہلے میدان عرفات میں پہونچ جائے تو اس نے حج کو پالیا۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۱/۸

منیٰ میں قیام سے متعلق زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کی تردید

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ وقوفِ عرفہ حج کا ایک اہم رکن ہے، جو شخص اس رکن کو ادا کرلے تو اس نے گویا حج کو پالیا، میدان عرفات میں وقوف کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے شروع ہوتا ہے اور دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک رہتا ہے، اگرچہ افضل وقت زوال سے غروب آفتاب تک ہے، لیکن غروب کے بعد بھی دس تاریخ کی صبح صادق تک رہتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

۲۔ منی میں قیام اور جمرات پر کنکریاں مارنا کب تک ضروری ہے، اس میں اہل جاہلیت کا عمل دو طرح کا تھا، بعض لوگ تیرہ ذی الحجہ تک منی میں قیام اور جمرات پر رمی کرنے کو ضروری سمجھتے تھے، اس سے پہلے یعنی بارہ ذی الحجہ کو واپس آنا، ناجائز اور ایسا کرنے والوں کو گنہگار کہا کرتے تھے، جبکہ بعض لوگ بارہ ذی الحجہ کو واپس جانا ضروری سمجھتے اور تیرہ ذی الحجہ تک ٹھہرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت یعنی "فمن تعجل فی ــــــ" میں ان دونوں رسموں کی اصلاح اس طرح فرمائی کہ جو شخص عید کے بعد صرف دو دن یعنی گیارہ اور بارہ ذی الحجہ منی میں قیام کر کے واپس آجائے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص تیرہ ذی الحجہ بھی منی میں قیام کرے اور جمرات پر رمی کر کے واپس آئے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ دونوں فریق جو ایک دوسرے کو گنہگار کہتے ہیں یہ سراسر غلو اور غلطی میں مبتلی ہیں (۱)۔

صحیح یہ ہے کہ حاجیوں کو دونوں صورتوں میں اختیار ہے، جس پر چاہیں عمل کریں، ہاں افضل یہی ہے کہ تیرہ ذی الحجہ تک حاجی وہاں ٹھہرے اور رمی کر کے آئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص بارہ ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے منی کی حدود سے نکل آئے تو اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں، لیکن اگر منی میں ہی غروب آفتاب ہوجائے تو پھر تیرہ ذی الحجہ کی رمی کے بغیر واپس آنا جائز نہیں، البتہ اس دن کی رمی میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ صبح کے بعد زوال سے پہلے بھی ہوسکتی ہے (۲)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الأَلَدُّ الخَصِمُ (۳)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: أبغض: سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ۔ الألد: جھگڑالو، بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا۔ خصم:

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۱۳/۸، معارف القرآن ۴۹۳/۱

(۲) بدائع الصنائع کتاب الحج، وقت الرمی ۳۲۴/۲ ط: بیروت

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: وهو ألد الخصام ۶۴۹/۲،

(خاء پر زبر اور صاد کے نیچے زیر) سخت جھگڑالو۔

اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ شخص

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ہٹ دھرم اور سخت جھگڑالو ہو تو وہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، اس حدیث سے امام ترمذی رحمہ اللہ درحقیقت اس آیت کی تفسیر کر رہے ہیں: "و من الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا و یشھد اللہ علی ما فی قلبہ و ھو الد الخصام" (اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر، حالانکہ وہ (آپ کی) مخالفت میں نہایت سخت ہے) یہ آیت ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی، اس کا نام اخنس بن شریق ہے، یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر قسمیں کھا کھا کر اسلام کا دعویٰ کیا کرتا، اور جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر جاتا تو فساد و شرارت اور لوگوں کو تکلیف پہونچانے میں لگ جاتا، اور تھا بڑا جھگڑالو اور آپ کی مخالفت میں بھی بہت شدید تھا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ انسان کے مزاج میں تحمل اور بردباری کی صفت ہونی چاہئے، بات بات پر لڑائی جھگڑا کرنا اور لڑائی میں ہی لوگوں میں مشہور ہو جانا اللہ جل شانہ کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے (۱)۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَتِ الْيَهُودُ إِذَا حَاضَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ لَمْ يُؤَاكِلُوهَا وَلَمْ يُشَارِبُوهَا وَلَمْ يُجَامِعُوهَا فِي الْبُيُوتِ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى} [البقرة: 222] فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُؤَاكِلُوهُنَّ وَيُشَارِبُوهُنَّ وَأَنْ يَكُونُوا مَعَهُنَّ فِي الْبُيُوتِ، وَأَنْ يَفْعَلُوا كُلَّ شَيْءٍ مَا خَلَا النِّكَاحَ. فَقَالَتِ الْيَهُودُ: مَا يُرِيدُ أَنْ يَدَعَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِنَا -[215]- إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ، قَالَ: فَجَاءَ عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَأُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَاهُ بِذَلِكَ، وَقَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيضِ، فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ قَدْ غَضِبَ عَلَيْهِمَا، فَقَامَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَثَرِهِمَا فَسَقَاهُمَا، فَعَلِمَا أَنَّهُ لَمْ يَغْضَبْ عَلَيْهِمَا (۲)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہود کی کوئی عورت اگر ایام حیض سے ہوتی تو وہ لوگ نہ تو اس کے ساتھ کھاتے، نہ پیتے اور نہ گھر میں اس کے ساتھ رہتے اور نہ میل جول رکھتے، نبی کریم ﷺ سے اس مسئلے کے متعلق پوچھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی، (یہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ فرما دیجئے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۴/۸، معارف القرآن ۴۸۹/۱

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض۔

کہ وہ ناپاک ہے) پھر نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حائضہ عورتوں کے ساتھ کھائیں، پئیں اور یہ کہ ان کے ساتھ گھروں میں رہیں، اور جماع کے علاوہ ان کے ساتھ سب کچھ (یعنی بوس وکنار وغیرہ) کر سکتے ہیں، اس پر یہودی کہنے لگے کہ یہ ہمارے کام میں سے کسی کو نہیں چھوڑتے مگر یہ کہ وہ اس میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں عباد بن بشر اور اسید بن حضیر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو یہودیوں کی یہ بات بتائی اور پھر ان دونوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: کیا ہم زمانہ حیض میں حائضہ عورتوں سے جماع بھی نہ کر لیا کریں (تاکہ ان کی مخالفت پوری ہو جائے) یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ غصہ سے تبدیل ہو گیا یہاں تک کہ ہم یہ سمجھے کہ شاید نبی کریم ﷺ ان سے ناراض ہو گئے ہیں، اسی میں وہ دونوں اٹھ کر چل پڑے، تو (راستے میں) ان کے سامنے دودھ کا ہدیہ آیا جو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے لئے لا رہا تھا، (جب وہ دودھ نبی کریم ﷺ کے پاس پہونچ گیا) تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو ان کے پیچھے بھیجا، (جب وہ آگئے) تو آپ نے ان دونوں کو دودھ پلایا، تب ہمیں یقین ہوا کہ آپ ﷺ ان سے ناراض نہیں۔

حائضہ عورت سے متعلق جاہلیت کے ایک رسم کی تردید

زمانہ جاہلیت میں یہود اور دیگر کفار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کی عورت کو حیض آجاتا تو اسے ایک الگ رہائش میں منتقل کر دیتے، نہ اس کے ساتھ کھاتے، پیتے اور نہ ہی اسے اپنے ساتھ رہنے دیتے، اسلام نے آکر اس رسم کو ناجائز قرار دیا اور اس بات کا حکم دیا کہ حیض کے ان مخصوص ایام میں عورت کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے، وہ مردوں کے ساتھ رہے، کھانا پکائے، کھائے، کھلائے اور ایک ہی گھر میں رہے البتہ اس دوران اس کے ساتھ مخصوص تعلقات قائم کرنا جائز نہیں ہیں۔

وان یفعلوا کل شیء ما خلا النکاح یعنی مرد حائضہ عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ سب کچھ کر سکتے ہیں، اس جملے میں لفظ ''نکاح'' سے جماع کے معنی مراد ہیں، اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے اور عورت کی ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے سے استفادہ کرنا جائز ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ حالت حیض میں ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر جماع کے علاوہ استمتاع جائز ہے یا نہیں یعنی اس حصے سے جماع کے بغیر مس وغیرہ کے ذریعہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کے نزدیک دیگر روایات کی وجہ سے دوران حیض عورت کے اس حصے سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، البتہ امام احمد، صاحبین اور بعض مالکیہ کے ہاں اس حصے سے جماع کے علاوہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، ان کا استدلال حدیث کے اس جملے یعنی ''وان یفعلوا کل شیء ما خلا النکاح'' سے ہے، جمہور علماء اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس جملے سے نبی کریم ﷺ نے یہود کے اس جاہلانہ طریقہ کو بڑی شدت اور مبالغہ سے رد فرمایا ہے، اس سے یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ دوران حیض اس حصے سے استمتاع جائز ہے، کیونکہ دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

فتمعر وجہ رسول اللہ ﷺ، نبی کریم ﷺ کا چہرہ غصے کی وجہ سے اس وقت تبدیل ہو گیا جب حضرت عباد بن بشر اور اسید بن حضیر نے یہود کے ساتھ مخالفت کے لئے یہ کہا کہ ہم عورتوں سے حالتِ حیض میں جماع نہ کرلیا کریں؟ تاکہ یہود سے مخالفت ہو جائے، کیونکہ وہ اس حالت میں عورتوں سے جماع نہیں کرتے تھے، یہ بات نبی کریم ﷺ کو بہت ناگوار گذری، اس سے معلوم ہوا کہ یہود کے ساتھ مخالفت تو ضرور کرنی ہے لیکن شرعی دائرے میں رہتے ہوئے، اگر ان کے ساتھ مخالفت میں کسی گناہ کا ارتکاب لازم آرہا ہو تو پھر اس میں شرعی حکم کی بناء پر ان کے ساتھ مخالفت کو نہیں دیکھا جائے گا، اس لئے یہودی اگرچہ حالتِ حیض میں خواتین کے ساتھ جماع نہیں کرتے تھے، تاہم مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا پھر بھی شرعاً جائز نہیں ہے(۱)۔

عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرًا، يَقُولُ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ: مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي قُبُلِهَا مِنْ دُبُرِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ: {نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ} [البقرة:223](۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود کہا کرتے تھے: جو شخص اپنی بیوی سے اس کی اگلی جگہ میں ہی جماع کرے لیکن اس کی پچھلی طرف سے ہو کر، تو اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: نساءکم حرث ــــ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، لہٰذا تم اپنی کھیتی میں جس طرف سے چاہو، آسکتے ہو)۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ} [البقرة:223] يَعْنِي: صِمَامًا وَاحِدًا(۳)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے اس آیت نساءکم حرث ــــ کی تفسیر میں نقل کرتی ہیں کہ اس سے ایک ہی سوراخ (یعنی اگلی جگہ) مراد ہے (اس سے پچھلی جگہ یعنی پاخانہ والی جگہ مراد نہیں)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ قَالَ: وَمَا أَهْلَكَكَ؟ قَالَ: حَوَّلْتُ رَحْلِي اللَّيْلَةَ، قَالَ: فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، قَالَ: فَأُوحِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الآيَةُ: {نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ} [البقرة: 223] أَقْبِلْ وَأَدْبِرْ، وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالحَيْضَةَ(۴)۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ: میں تو ہلاک ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا؟ عرض کیا: آج رات میں نے اپنی

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۱۶/۸

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب: من مواكلة الحائض

(۳) سنن دارمی، کتاب الصلاة، باب ایتان النساء من أدبارهن

(۴) مسند احمد ۲۹۷/۱

سواری پھیر دی یعنی اپنی بیوی سے پچھلی جانب سے اگلے حصے میں جماع کرلیا ہے، راوی کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا (یعنی خاموش رہے) اتنے میں رسول اللہ ﷺ پر اس آیت کی وحی نازل ہوگئی: نساء کم ــــ، لہٰذا تم اگلی جانب میں آگے کی طرف سے بھی آسکتے ہو اور پچھلی جانب سے بھی جماع کر سکتے ہو، البتہ پائخانہ والی جگہ میں جماع کرنے اور زمانہ حیض میں تعلقات قائم کرنے سے اجتناب کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ احول: بھینگا بچہ، ایک کو دو دیکھنے والا، من دبرھا: عورت کی پچھلی طرف سے ہوکر۔ صمام: (صاد کے نیچے زیر) سوراخ، اس سے قُبل یعنی عورت کی اگلی جگہ مراد ہے جہاں جماع کیا جاتا ہے۔ رحلی: اپنی سواری، اپنی جگہ اور حولت رحلی کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے پچھلی جانب سے اگلی جگہ میں جماع کرلیا ہے۔ تو کیا اس میں گناہ ہے؟ أقبل: آگے کی طرف سے ہی اگلی جگہ میں جماع کرو۔ أدبر: پچھلی جانب سے اگلے حصے میں جماع کرو۔ انی شئتم: جس کیفیت سے تم چاہو جماع کرسکتے ہو۔

پچھلے حصے میں جماع کرنا حرام ہے

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں، جسطرح انسان اپنی کھیتی میں جیسے چاہے داخل ہوسکتا ہے، اسی طرح اپنی بیوی کے ساتھ اگلے حصے میں جس طرح چاہے جماع کرسکتا ہے، خواہ آگے سے ہی کرے، یا پچھلی جانب سے کرے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے "انی شئتم" کہ تم جس کیفیت کے ساتھ چاہو جماع کر سکتے ہو، اس میں کوئی گناہ نہیں، لہٰذا یہودیوں کا یہ کہنا کہ اگر پچھلی جانب سے اپنی بیوی سے اگلے حصے میں جماع کرلیا جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا، یہ درست نہیں،

۲۔ جمہور علماء کے نزدیک مرد کے لئے اپنی بیوی کے پچھلے حصے میں جماع کرنا حرام ہے خواہ عورت پاک ہو یا ایام حیض میں ہو، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر لعنت ہے جو اپنی بیوی کے پچھلے حصے یعنی پائخانہ والی جگہ میں جماع کرے، یہ بہت بڑا گناہ ہے تمام آسمانی مذاہب میں یہ چیز حرام رہی ہے، حتی کہ جنت میں بھی اس کی اجازت نہیں ہوگی، اور جانوروں میں بھی اس کا تصور نہیں ہے، تاہم اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے حصے میں صحبت کرلے تو یہ گناہ تو بہت بڑا ہے لیکن اس عمل سے نکاح ختم نہیں ہوتا، اسے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ اس سے مکمل اجتناب کرے (۱)۔

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ زَوَّجَ أُخْتَهُ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَتْ عِنْدَهُ مَا كَانَتْ، ثُمَّ طَلَّقَهَا تَطْلِيقَةً لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتَّى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ، فَهَوِيَهَا وَهَوِيَتْهُ، ثُمَّ خَطَبَهَا مَعَ الْخُطَّابِ، فَقَالَ لَهُ: يَا لُكَعُ أَكْرَمْتُكَ بِهَا وَزَوَّجْتُكَهَا فَطَلَّقْتَهَا، وَاللَّهِ لَا تَرْجِعُ إِلَيْكَ أَبَدًا آخِرُ مَا عَلَيْكَ، قَالَ: فَعَلِمَ اللَّهُ

(۱) تحفة الاحوذی ۸/۳۱۸

حَاجَتَهُ إِلَيْهَا، وَحَاجَتَهَا إِلَى بَعْلِهَا، فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ} [البقرة: 231] - إِلَى قَوْلِهِ - {وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} [البقرة: 232] فَلَمَّا سَمِعَهَا مَعْقِلٌ قَالَ: سَمْعًا لِرَبِّي وَطَاعَةً، ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ: أُزَوِّجُكَ وَأُكْرِمُكَ(۱)۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ - [21] - النِّكَاحُ بِغَيْرِ وَلِيٍّ لِأَنَّ أُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ كَانَتْ ثَيِّبًا فَلَوْ كَانَ الْأَمْرُ إِلَيْهَا دُونَ وَلِيِّهَا لَزَوَّجَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تَحْتَجْ إِلَى وَلِيِّهَا مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَإِنَّمَا خَاطَبَ اللهُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ الْأَوْلِيَاءَ فَقَالَ: {لَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ} فَفِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ فِي التَّزْوِيجِ مَعَ رِضَاهُنَّ۔

حضرت معقل بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے عہدرسالت میں ایک مسلمان سے اپنی بہن کا نکاح کیا، چنانچہ میری بہن کچھ عرصہ اس کے پاس رہی، پھر اس نے اسے ایک طلاق دے دی اور رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ عدت گذر گئی، پھر وہ مرد اس کو چاہنے لگا اور وہ اسے چاہنے لگی (یعنی دونوں دوبارہ نکاح کے خواہش مند ہو گئے) چنانچہ اس نے بھی دوسرے پیغام نکاح بھیجنے والوں کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا، تو اس نے یعنی حضرت معقل نے اس سے کہا: کمینے میں نے اس عورت کے ذریعہ تمہارا اکرام کیا کہ میں نے اس سے تمہارا نکاح کیا اور تم نے اسے طلاق دے دی، اللہ کی قسم وہ کبھی بھی تمہاری طرف لوٹ کر نہیں آئے گی، بس یہ تمہارا اس کے ساتھ آخری نکاح تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اس مرد کی حاجت کو اس عورت کی طرف اور عورت کی اس کے سابقہ شوہر کی طرف ضرورت کو جانتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں: "و اذا طلقتم النساء ــــــ وانتم تعلمون" (اور جب تم میں سے کچھ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم انہیں اپنے سابقہ شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کرنے سے مت روکو جب کہ وہ آپس میں راضی ہو جائیں دستور کے موافق، یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس میں تمہارے لئے زیادہ صفائی اور پاکی کی بات ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) جب حضرت معقل نے یہ آیات سنیں تو فرمایا: اللہ ہی کے لئے سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہے پھر اپنے بہنوئی کو بلایا اور فرمایا: میں تمہارا اپنی بہن سے نکاح کراتا ہوں اور تمہارا اکرام کرتا ہوں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں، کیونکہ معقل کی بہن ثیبہ تھی تو اگر انہیں ولی کے بغیر نکاح کا اختیار ہوتا تو وہ اپنا نکاح خود ہی کر لیتیں، اور انہیں حضرت معقل کی ضرورت نہ ہوتی، نیز اس آیت یعنی "فلا تعضلوھن أن ینکحن ازواجھن" میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء سے خطاب فرمایا ہے کہ انہیں نکاح سے مت روکو لہذا اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ نکاح کا اختیار عورتوں کی رضامندی کے

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال: لا نکاح الا بولی۔

ساتھ ان کے اولیاء کو ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ فکانت عنده ما کانت: حضرت معقل کی بہن اپنے شوہر کے پاس کچھ عرصہ رہیں۔ هو يها: وہ مرد اس عورت کو چاہنے لگا۔ و هو يته: اور وہ عورت اس مرد کی خواہش کرنے لگی۔ خطاب: (فاء پر پیش) خاطب کی جمع ہے: پیغام نکاح دینے والے۔ لکع: (لام پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ) کمینے۔ اخر ما علیک: اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی "ذلک اخر ما علیک" بس یہ تمہارا اس کے ساتھ آخری نکاح تھا۔

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا مسئلہ

اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے، شرعاً یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ یا فقہی اصطلاح میں کہیں کہ عبارۃ النساء سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں کہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے تو وہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

جمہور علماء کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا نکاح بعبارۃ النساء صحیح نہیں، نکاح کے منعقد ہونے کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے چاہے عورت چھوٹی ہو یا بڑی، کنواری ہو یا ثیبہ (۱)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ آزاد، عقلمند اور بالغ عورت اگر اپنی مرضی سے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا، ہاں ولی کی اجازت سے نکاح کرنا بہتر ہے، امام صاحب کا یہی مشہور مسلک ہے، امام صاحب سے دوسری روایت حسن بن زیاد نے یہ نقل کی ہے کہ اگر عورت اپنا نکاح مقام کفو میں کرے گی یعنی اپنے برابر کے لوگوں سے کرے گی تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اگر کفو میں نہ کیا تو پھر سرے سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اسی قول پر فتویٰ ہے (۲)۔

جمہور علماء نے اپنے موقف پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا نكاح الا بولي" کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

احناف اس حدیث کی تشریح کے بارے میں دو باتیں کہتے ہیں:

❁ اس حدیث میں اس صورت کو بیان کیا گیا ہے جب کوئی عورت ولی کے بغیر کفو کے علاوہ کسی اور جگہ شادی کر لے، اس طرح کا نکاح باطل ہوتا ہے، منعقد ہی نہیں ہوتا، چنانچہ احناف کا مفتی بہ قول یہی ہے (۳)۔

❁ اس حدیث یعنی لا نكاح الا بولي میں "لا" کمال کی نفی کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے،

---

(۱) فتح الباری ۲۳۴/۹

(۲) الهداية ۳۱۳/۲، باب فی الاولیاء والاکفاء

(۳) فتح القدیر ۱۵۷/۳

لیکن وہ کامل نہیں ہوتا، کمال تب آتا ہے جب اس میں ولی بھی شریک ہو(۱)۔

۲۔ جمہور کا دوسرا استدلال حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل" کہ جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے۔

احناف کی نظر میں اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں:

❁ فنکاحھا باطل کے معنیٰ یہ ہیں کہ ایسا نکاح فائدہ مند نہیں ہوتا، جس میں ولی کی اجازت شامل نہ ہو، اور عربی میں لفظ باطل غیر مفید کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے: "ربنا ما خلقت ھذا باطلا" میں "باطل" سے یہی معنیٰ مراد ہیں یا لفظ باطل ناپائیدار، زائل اور فانی کے معنیٰ میں ہے یعنی ایسا نکاح دیرپا اور پائیدار نہیں ہوتا، بلکہ جلد ہی ختم ہوجاتا ہے(۲)۔

❁ بعض کے نزدیک یہ حدیث بھی اس صورت پر محمول ہے جب عورت نے غیر کفو میں از خود نکاح کرلیا ہو، ایسا نکاح بالاتفاق باطل ہوتا ہے(۳)۔

احناف کے دلائل

حضرات حنفیہ اولاً اپنے مسلک کے ثبوت کے لئے قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، ان آیات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قرآن کریم میں اولیاء سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و اذا طلقتم النساء فبلغن أجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن۔

اس آیت سے حنفیہ دو طرح سے استدلال کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اولیاء سے کہا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کرنے سے نہ روکیں، دوسرا یہ کہ "ان ینکحن" میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عورتیں اپنا نکاح خود کرائیں تو ان کی عبارت سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے(۴)۔

لیکن جمہور اس آیت سے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ اس آیت میں خطاب اولیاء کو ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کرنے کا اختیار صرف اولیاء کو حاصل ہے، "فلا تعضلوھن" میں نہی اسی وقت درست اور صحیح ہوسکتی ہے جب

---

(۱) فتح القدیر ۱۶۱/۳

(۲) مجمع بحار الانوار ۱۸۴/۱

(۳) فتح القدیر ۱۶۱/۳، شرح معانی الاثار للطحاوی ۶/۲

(۴) احکام القرآن للجصاص ۴۰۰/۱، سورۃ البقرۃ

اولیاء کو نکاح روکنے پر قدرت حاصل ہو، اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ عورتوں کا کیا ہوا نکاح یعنی نکاح بعبارۃ النساء درست ہے تو اس صورت میں یہ نہی بے فائدہ ہو جائے گی، کیونکہ جس چیز کی اولیاء کو قدرت ہی نہ ہو اس سے انہیں منع کرنا بے فائدہ بات ہے(۱)۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا، ان کی بہن ثیبہ تھی اگر انہیں اختیار ہوتا تو وہ اپنا نکاح خود کر لیتیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہیں کیا، معلوم ہوا کہ نکاح کا اختیار صرف ولی کو ہوتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ آیت اور حضرت معقل بن یسار کی روایت سے یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ عورت کا نکاح صرف اس کا ولی ہی کرا سکتا ہے، اس لئے کہ حضرت معقل نے اپنی بہن کو کسی شرعی وجہ سے نکاح سے نہیں روکا تھا بلکہ عام معاشرہ میں اس طرح کے معاملات میں ولی کو دخل اندازی اور دباؤ کا جو اختیار رہتا ہے حضرت معقل نے بھی اسی اختیار کے پیش نظر اپنی بہن کو روکا تھا، اور عموماً ایسی صورت میں ولی کی مداخلت کی وجہ سے عورت اپنے حق پر عمل نہیں کر سکتی، گو کہ شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، آیت کریمہ میں اسی معاشرتی دباؤ ڈالنے اور دخل اندازی کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا(۲)۔

بہر حال مذکورہ آیت سے حنفیہ بھی استدلال کرتے ہیں اور جمہور بھی۔

۲۔ حنفیہ کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے: "فاذا بلغن أجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف"۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ عورتیں عدت گذر جانے کے بعد نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہیں، اگر کوئی کام معروف طریقے کے مطابق کرتی ہیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور "فعلن فی انفسهن" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ نکاح عورت کا فعل ہے، اور اس کی تعبیر سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے(۳)۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره"(۴) اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ عورت اگر اپنا نکاح خود کر لے تو وہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی حنفیہ کے دلائل ہیں۔

عَنْ أَبِي يُونُسَ، مَوْلَى عَائِشَةَ قَالَ: أَمَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا، فَقَالَتْ: إِذَا بَلَغْتَ هَذِهِ الآيَةَ فَآذِنِّي {حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الوُسْطَى} [البقرة: 238] فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا، فَأَمْلَتْ عَلَيَّ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الوُسْطَى وَصَلَاةِ العَصْرِ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ، وَقَالَتْ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ

---

(۱) فتح القدير ۹/۲۳۲، المبسوط للسرخسی ۵/۱۱، باب النکاح بغیر ولی

(۲) احکام القرآن للجصاص ۱/۴۰۰

(۳) ارشاد الساری ۱۱/۲۰۸

(۴) سورۃ البقرۃ آیت: ۲۳۰

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِي البَابِ عَنْ حَفْصَةَ(۱)۔

حضرت عائشہ کے مولیٰ ابو یونس کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے ایک مصحف یعنی قرآن کریم کا نسخہ لکھوں، اور کہا کہ جب اس آیت یعنی ”حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی“ پر پہونچو تو مجھے ضرور بتانا، چنانچہ جب میں اس آیت پر پہونچا تو میں نے ان کو بتایا، تو مجھے انہوں نے یہ آیت املاء کرائی: ”حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وصلاۃ العصر وقوموا للہ قنتین“ (تم نمازوں کی، درمیانی نماز کی اور نماز عصر کی پابندی کرو، اور اللہ کے سامنے ادب سے رہا کرو) پھر حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنی ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةُ الوُسْطَی صَلَاةُ العَصْرِ۔

حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلاۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہے۔

عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ، أَنَّ عَلِيًّا، حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ الأَحْزَابِ: اللَّهُمَّ امْلَأْ قُبُورَهُمْ وَبُیُوتَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنْ صَلَاةِ الوُسْطَی حَتَّی غَابَتِ الشَّمْسُ(۲)۔

عبیدہ سلمانی سے روایت ہے کہ حضرت علی نے ان کو بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر (مشرکین کے لئے بددعا کرتے ہوئے) عرض کیا: اے اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، جیسے ان لوگوں نے ہمیں نماز عصر پڑھنے سے مشغول کردیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةُ الوُسْطَی صَلَاةُ العَصْرِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درمیانی نماز سے نماز عصر مراد ہے۔

صلاۃ وسطی سے کیا مراد ہے

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں صلاۃ وسطی سے کونسی نماز مراد ہے، اس میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے، اس نماز کی زیادہ تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ اکثر لوگ اس وقت اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں، انہیں حکم دیا گیا کہ مشغولیت کے اس وقت میں بھی نماز کو اس کے اصلی وقت میں ادا کرو۔

حضرت ابو یونس کو حضرت عائشہ نے مصحف میں لکھنے کے لئے یہ آیت یوں املا کرائی: ”الصلاۃ الوسطی وصلاۃ العصر“، اس قراءت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلاۃ وسطی سے نماز عصر مراد نہیں کیونکہ اس میں ان دونوں کے درمیان لفظ ”و“ ہے

(۱) الموطأ، کتاب صلاۃ الجماعۃ، باب الصلاۃ الوسطی، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب الصلاۃ الوسطی

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء علی المشرکین۔

جو عطف کے لئے ہے، اور عطف میں اصل تغایر ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صلاۃ وسطی سے نماز عصر مراد نہیں۔

اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ کی یہ قراءت شاذ ہے، جو متواتر قراءت کے مقابلے میں حجت نہیں، لہذا اس کا اعتبار نہیں۔

۲۔ یہاں یہ واؤ برائے تفسیر ہے یعنی یہ عطف تفسیری ہے، مطلب یہ ہے کہ صلاۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہے۔

۳۔ یہ واؤ اس قراءت میں زائد ہے، چنانچہ ابی بن کعب کی قراءت میں واؤ نہیں ہے، وہ قراءت اس طرح ہے: "والصلوۃ الوسطی صلاۃ العصر" یعنی صلاۃ وسطی سے نماز عصر ہی مراد ہے (۱)۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: كُنَّا نَتَكَلَّمُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ فَنَزَلَتْ {وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ} [البقرة: 238] فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ (۲)۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں (ابتداء میں) نماز کے دوران باتیں کیا کرتے تھے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: "وقوموا للہ قنتین" (تم اللہ کے لئے باادب کھڑے ہوا کرو) چنانچہ ہمیں نماز کے دوران خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

نماز میں کلام کرنا جائز نہیں

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز میں گفتگو کرنا جائز نہیں، خواہ وہ نماز کی اصلاح سے متعلق ہو یا نہ ہو، ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی، ہجرت کے بعد یہ اجازت منسوخ ہوگئی، لہذا اب اگر کوئی آدمی نماز میں کلام کرے گا تو اس سے اس کی نماز فاسد ہوجائے گی (۳)۔

عَنِ الْبَرَاءِ، {وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ} [البقرة: 267] قَالَ: نَزَلَتْ فِينَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، كُنَّا أَصْحَابَ نَخْلٍ فَكَانَ الرَّجُلُ يَأْتِي مِنْ نَخْلِهِ عَلَى قَدْرِ كَثْرَتِهِ وَقِلَّتِهِ، وَكَانَ الرَّجُلُ يَأْتِي بِالْقِنْوِ وَالْقِنْوَيْنِ فَيُعَلِّقُهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَكَانَ أَهْلُ الصُّفَّةِ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ، فَكَانَ أَحَدُهُمْ إِذَا جَاعَ أَتَى الْقِنْوَ فَضَرَبَهُ بِعَصَاهُ فَيَسْقُطُ مِنَ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ فَيَأْكُلُ، وَكَانَ نَاسٌ مِمَّنْ لَا يَرْغَبُ فِي الْخَيْرِ يَأْتِي الرَّجُلُ بِالْقِنْوِ فِيهِ الشِّيصُ وَالْحَشَفُ وَبِالْقِنْوِ قَدِ انْكَسَرَ فَيُعَلِّقُهُ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ}

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۲۳/۸، فتح الباری ۲۴۹/۸، کتاب التفسیر باب: حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب ماینھی من الکلام فی الصلاۃ۔

(۳) تحفۃ الاحوذی ۳۲۷/۸

[البقرة: 267] قَالُوا: لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أُهْدِيَ إِلَيْهِ مِثْلُ مَا أَعْطَى، لَمْ يَأْخُذْهُ إِلَّا عَلَى إِغْمَاضٍ أَوْ حَيَاءٍ. قَالَ: فَكُنَّا بَعْدَ ذَلِكَ يَأْتِي أَحَدُنَا بِصَالِحِ مَا عِنْدَهُ.

حضرت براء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت: ''ولا تیمموا الخبیث ـــــ منہ تنفقون'' ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی، ہم لوگ کھجوروں والے تھے، اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑی یا زیادہ کھجوریں لے کر حاضر ہوتا، کچھ لوگ کھجور کا ایک گچھا یا دو گچھے لاتے اور اسے مسجد میں لٹکا دیتے، اصحاب صفہ کے لئے کہیں سے کھانا مقرر نہیں تھا، لہٰذا جب ان میں سے کسی کو بھوک لگتی تو وہ گچھے کے پاس آتا، اور اسے اپنی لاٹھی سے مارتا جس سے کچی اور پکی کھجوریں گر جاتیں تو وہ کھا لیتا، اور کچھ لوگ ایسے تھے جو صدقہ خیرات دینے میں رغبت نہیں رکھتے تھے، وہ شخص ایسا گچھا لاتا جس میں ردی اور خراب کھجوریں زیادہ ہوتیں، اور یا وہ ایسا گچھا لاتا جو ٹوٹا ہوا ہوتا تھا تو وہ اس کو لٹکا دیتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ''یا ایھا الذین انفقوا من طیبت ـــــ'' (اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز خرچ کرو، اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے، اور ردی چیزوں کو خرچ کرنے کی نیت نہ کیا کرو، حالانکہ تم خود بھی ایسی چیز کو نہیں لیتے الا یہ کہ تم چشم پوشی کرو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی کو اس طرح کی چیز ہدیہ میں دی جائے جو اس نے خیرات میں دی ہے تو وہ اسے ہرگز نہ لے مگر یہ کہ چشم پوشی کے ساتھ (لے) یا شرم وحیاء کی وجہ سے، راوی کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد ہم میں سے ہر شخص وہ چیز صدقہ کے لئے لاتا جو اس کے پاس عمدہ قسم کی ہوتی تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ، وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَجَدَ ذَلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللَّهِ فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ وَمَنْ وَجَدَ الْأُخْرَى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، ثُمَّ قَرَأَ {الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ} [البقرة: 268] الآيَةَ.

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان پر شیطان کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور فرشتے کا بھی ایک اثر ہوتا ہے، شیطان کا اثر یہ ہے کہ وہ شر کا وعدہ کرتا ہے (یعنی اسے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے) اور حق کا جھٹلانا ہے، جبکہ فرشتے کا اثر خیر کا وعدہ اور حق کی تصدیق ہے، لہٰذا جب کوئی شخص یہ اثر محسوس کرے تو جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اسے اللہ کی حمد وثنا کرنی چاہئے، اور جو شخص دوسرا اثر محسوس کرے تو اسے چاہیے کہ وہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''الشیطان یعدکم الفقر و یأمرکم بالفحشاء'' (شیطان تمہیں صدقہ دیتے وقت محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ لا تیمموا: تم قصد اور ارادہ نہ کرو۔ معشر الانصار: انصار کی جماعت۔ قنو: (قاف کے نیچے زیر اور

نون ساکن) گچھا۔ بسر: (با پر پیش) کچی کھجور۔ شیص: (شین کے نیچے زیر) ردی اور نا کارہ کھجور۔ حشف: (حا اور شین پر زبر) خراب کھجوریں جو پکنے سے پہلے سوکھ جاتی ہیں، ان میں نہ گٹھلی ہوتی ہے، نہ چھلی اور نہ مٹھاس۔ اغماص: چشم پوشی کرنا، درگذر کرنا۔ لمة: (لام پر زبر کے ساتھ) اثر اور لمۃ الشیطان سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے اور لمۃ الملک کے معنی یہ ہیں کہ فرشتہ انسان کے دل میں اچھی باتیں ڈالتا ہے جس کو "الہام" کہا جاتا ہے، ایعاد بالشر: شیطان شر کا وعدہ کرتا ہے یعنی غلط راستہ اس کے لئے مزین کر دیتا ہے کہ تم صدقہ نہ کرو، ورنہ تمہارا مال کم ہو جائے گا، مستقبل میں تمہاری معیشت بہت تنگ پڑ جائے گی۔

اللہ کے راستے میں عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ کے راستے میں اچھا اور عمدہ مال خرچ کیا جائے، ردی اور نا کارہ قسم کی چیز اللہ کے راستے میں دینا مناسب نہیں، ایسی چیز کہ اگر اسے کوئی آدمی بطور ہدیہ کے دے تو وہ قبول نہ کرے مگر چشم پوشی کے ساتھ، جب ایک انسان بھی اس چیز کو لینا پسند نہیں کرتا تو پھر اللہ جل جلالہ کے راستے میں ایسی گھٹیا چیز دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

۲۔ مسجد میں ایسی چیز رکھی اور لٹکائی جا سکتی ہے جو مسجد سے متعلق ہو جیسے پنکھے اور گھڑی وغیرہ جس طرح کہ صحابہ کرام کھجور کے خوشے مسجد میں لٹکا دیتے تھے جس سے توڑ توڑ کر اصحاب صفہ کھایا کرتے تھے(۱)۔

۳۔ ہر انسان پر شیطان کا بھی اثر ہوتا ہے اور فرشتے کا بھی، شیطان کے اثر سے دل میں وسوسے مراد ہیں کہ وہ انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تم یہ گناہ کرلو، اللہ کے راستے میں اگر تم خرچ کرو گے تو تنگدست ہو جاؤ گے، تمہاری اولاد محتاج ہو جائے گی، غرض اس قسم کے وساوس کا ایک طوفان، اس کے دل میں ڈالتا رہتا ہے، اور حق کو جھٹلانے کے خیالات ڈالتا ہے یعنی توحید، نبوت، قبر سے اٹھنے، قیامت، جنت اور جہنم سے متعلق اسے جھٹلانے پر ابھارتا ہے، اور فرشتے کی طرف سے جو باتیں دل میں آتی ہے انہیں الہام کہا جاتا ہے، یہ فرشتہ خیر کی طرف دعوت دیتا ہے، نماز، روزے اور حج وغیرہ کی طرف اور حق کی تصدیق کی طرف بلاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام آسمانی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کی طرف دعوت دیتا ہے، لہذا اگر انسان پر شیطانی اثر کا غلبہ ہو تو اسے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے، اور جو شخص فرشتے کا اثر محسوس کرے یعنی نیکیوں کی طرف اس کا میلان ہو رہا ہے تو اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرے(۲)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: {يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۸۴

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۲۹

تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ} [المؤمنون: 51]، وَقَالَ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ} [البقرة: 172] قَالَ: وَذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ، يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ(۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو: اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک چیز کو ہی قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا اس نے رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے رسولو تم صاف ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، بیشک میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں، اور اللہ جل شانہ نے فرمایا: اے ایمان والو تم ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں، راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، پراگندہ بال اور غبار آلود ہے، وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے میرے رب، اے میرے پروردگار، حالانکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام اور اس کا لباس حرام سے ہوتا ہے، اور حرام ہی سے اسے غذا دی گئی ہوتی ہے، تو پھر اس کی دعا کو کیسے قبول کیا جائے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **طیبات:** پاکیزہ، نفیس چیزیں، ان سے صرف حلال چیزیں مراد ہیں، جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ اور نفیس ہوتی ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں: لفظ ''طیب'' ایک ایسا لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ، انسان اور مال تینوں کی صفت واقع ہوتا ہے، جب یہ اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات ہر قسم کے نقص، عیوب اور آفات سے پاک ہے، اور جب یہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہیں کہ وہ برے اخلاق اور گندے کاموں سے پاک ہے، یعنی حسن اخلاق کے ساتھ متصف ہے، اور جب یہ مال کی صفت واقع ہو تو اس سے رزق حلال مراد ہوتا ہے۔ **اشعث:** پراگندہ حال والا ہونا۔ **اغبر:** غبار آلود۔ **غذی بالحرام:** اسے حرام غذا دی گئی ہوتی ہے۔

رزق حلال اور نیک اعمال کا حکم

مذکورہ آیت میں تمام انبیاء علیہم السلام کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

۱۔ حلال اور پاکیزہ کھانا کھاؤ۔

۲۔ نیک اعمال کرو۔

انبیاء کے واسطے سے دراصل یہ احکام امتوں کے لئے ہیں کہ وہ بھی حلال کھانا کھائیں اور نیک کام کریں۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذاء کا عمل صالح میں بڑا دخل ہوتا ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے، اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب: قبول الصدقۃ من الکسب الطیب

بھی اس میں مشکلات حائل ہوجاتی ہیں، چنانچہ مذکورہ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، پراگندہ بال اور غبار آلود رہتے ہیں، پھر اللہ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام ہوتا ہے، پینا بھی اور لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے، اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے، تو پھر ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہوتا ہے، جب غذا حلال نہ ہو تو پھر عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا (۱)۔

عَنِ السُّدِّيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيًّا، يَقُولُ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ} [البقرة: 284] الآيَةَ أَحْزَنَتْنَا قَالَ: قُلْنَا: يُحَدِّثُ أَحَدُنَا نَفْسَهُ فَيُحَاسَبُ بِهِ، لَا نَدْرِي مَا يُغْفَرُ مِنْهُ وَلَا مَا لَا يُغْفَرُ؟ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ} [البقرة: 286]۔

سدی کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے یہ حدیث سنائی جس نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "ان تبدوا ما فی أنفسکم ــــ (اگر تم ان باتوں کو ظاہر کرو گے جو تمہارے نفسوں میں ہیں یا کہ پوشیدہ رکھو گے (دونوں حالتوں میں) حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے، پھر جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کو منظور ہوگا سزا دیں گے) تو اس آیت نے ہمیں غمگین کر دیا، ہم نے کہا کہ اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال کرے اور اس کی وجہ سے اس کا حساب ہونے لگے تو ہمیں کیا معلوم کہ اس میں سے کیا معاف کیا جائے گا اور کیا نہیں تو اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، جس نے اس آیت کو منسوخ کر دیا: "لایکلف اللہ ــــ (اللہ تعالیٰ کسی کو (احکام شرع میں) مکلف نہیں بناتا، مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے)

عَنْ أُمَيَّةَ، أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ، عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ} [البقرة: 284] وَعَنْ قَوْلِهِ: {مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ} [النساء: 123] فَقَالَتْ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَذِهِ مُعَاتَبَةُ اللَّهِ العَبْدَ بِمَا يُصِيبُهُ مِنَ الحُمَّى وَالنَّكْبَةِ حَتَّى البِضَاعَةَ يَضَعُهَا فِي كُمِّ قَمِيصِهِ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتَّى إِنَّ العَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوبِهِ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الأَحْمَرُ مِنَ الكِيرِ (۲)۔

حضرت امیہ نے حضرت عائشہ سے اللہ تعالیٰ اس قول: "ان تبدوا ما فی انفسکم" اور "من یعمل سوءا یجز

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۳۰، تفسیر ابن کثیر ۴/۲۷۸

(۲) مسند احمد ۶/۲۱۸

بہ" کی تفسیر پوچھی تو فرمایا: میں نے جب سے ان آیات کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے پوچھی اس وقت سے کسی نے مجھ سے ان کے متعلق نہیں پوچھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا بندہ سے مؤاخذہ، محاسبہ اور عقاب ہے اس مصیبت کے ذریعہ جو اسے پہونچی ہے یعنی بخار اور رنج وغم یہاں تک کہ کوئی بندہ اپنا کچھ مال اپنے کرتہ کی آستین (یا جیب) میں رکھتا ہے پھر وہ مال گم پاتا ہے، تو اس کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے (تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بندہ کسی نہ کسی آزمائش میں مبتلی رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوجاتا ہے جیسا کہ بھٹی سے سونا اور چاندی (صاف ہوکر) سرخ نکلتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ} [البقرة: 284] قَالَ: دَخَلَ قُلُوبَهُمْ مِنْهُ شَيْءٌ، لَمْ يَدْخُلْ مِنْ شَيْءٍ، فَقَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: قُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا، فَأَلْقَى اللَّهُ الإِيمَانَ فِي قُلُوبِهِمْ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى {آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ} [البقرة: 285] الآيَةَ {لاَ يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا-[222]-أَوْ أَخْطَأْنَا} [البقرة: 286] قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ {رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا} [البقرة: 286] قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ {رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَا لاَ طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا} [البقرة: 286] الآيَةَ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "ان تبدوا ــــ" تو صحابہؓ کے دلوں میں اس سے اتنا خوف پیدا ہوگیا تھا کہ جتنا کسی اور چیز سے نہیں پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: تم کہو: ہم نے سنا اور اطاعت کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو ڈالدیا (یعنی اسے مزید مستحکم اور مضبوط کردیا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "امن الرسول بما انزل الیہ ــــ" اور یہ آیت: "لایکلف اللہ نفسا (رسول اس چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، (یعنی قرآن) اور مؤمنین بھی (اس کا اعتقاد رکھتے ہیں) اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے، اے ہمارے رب: ہم پر دارو گیر نہ فرمایئے اگر ہم سے بھول چوک ہوجائے) (اس دعاء پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے قبول کرلیا، (پھر وہ دعا کرتے ہیں) اے ہمارے رب: ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اس دعا کو قبول کرلیا، (پھر وہ دعا کرتے ہیں) اے ہمارے رب ہم پر ایسا کوئی بوجھ نہ ڈالئے جسے سہنے کی ہم میں طاقت نہ ہو، اور ہمیں معاف کر دیجئے، ہماری مغفرت کر دیجئے، ہم پر رحم

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ تعالیٰ لم یکلف الا ما یطاق

فرمائیے، اس لئے کہ آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، لہذا انہیں کافروں پر غالب کر دیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے یہ دعا بھی قبول کر لی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ ان تبدوا: اگر تم ظاہر کرو۔ احزنتنا: اس آیت نے ہمیں غمگین اور افسردہ کر دیا۔ یحدث احدنا نفسہ: ہم میں سے کوئی دل میں گناہ کا خیال کرے۔ معاتبۃ: یا عتاب کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو کسی غلطی یا بے ادبی کی وجہ سے بظاہر ڈانٹ رہا ہے، غصہ ہو رہا ہے، مگر دل میں اس کی محبت بدستور باقی رہے۔ نکبۃ: (نون پر زبر کے ساتھ) غم ورنج، آزمائش، مشقت۔ بضاعۃ: پونجی، مال، سامان تجارت۔ فیفقدھا: پھر وہ اسے گم پاتا ہے۔ یفزع: غمگین اور پریشان ہو جاتا ہے۔ تبر: (تاء کے نیچے زیر) سونے چاندی کا وہ ٹکڑا جو ڈھلا ہوا نہ ہو۔ کیر: بھٹی۔ لاتحملنا: ہم پر نہ سوار کیجئے، نہ لادیئے۔ اصر: (ہمزے کے نیچے زیر) بوجھ۔

سورہ بقرہ کی آخری آیات کی تفسیر

جب سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی "وان تبدوا ما فی انفسکم" کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، ہر حال میں اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے، آیت کی اصل مراد تو یہ تھی کہ اپنے اختیار اور ارادے سے جو کوئی عمل اپنے دل میں کرو گے اس کا حساب ہوگا، غیر اختیاری وسوسہ اور بھول چوک اس میں داخل ہی نہ تھی، لیکن قرآن مجید کے الفاظ چونکہ بظاہر عام تھے، ان کے عموم سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان کے دل میں جو خیال غیر اختیاری طور پر آجائے گا تو اس کا بھی حساب ہوگا،

صحابہ کرام یہ سن کر گھبرا اٹھے اور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ: اب تک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں، حساب صرف ان ہی اعمال کا ہوگا، غیر اختیاری خیالات جو دل میں آجاتے ہیں، ان کا حساب نہ ہوگا، مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ خیال جو دل میں آئے، اس کا حساب ہوگا، ایسی صورت میں تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے، رسول کریم ﷺ کو اگرچہ آیت کی صحیح مراد معلوم تھی، مگر الفاظ کے عموم کے پیش نظر آپ نے اپنی طرف سے کچھ کہنا پسند نہ فرمایا، بلکہ وحی کا انتظار کیا، اور صحابہ کرام کو یہ تلقین فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آئے، خواہ آسان ہو یا دشوار، مؤمن کا کام یہ نہیں کہ اس کے ماننے میں ذرا بھی تامل کرے، تم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سن کر یہ کہو: "سمعنا واطعنا، غفرانک ربنا والیک المصیر" یعنی اے ہمارے پروردگار: ہم نے آپ کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی، اے ہمارے پروردگار اگر حکم کی تعمیل میں ہم سے کوئی کوتاہی یا فروگذاشت ہوئی ہو تو اسے معاف فرما دے کیونکہ ہم سب کا آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، اگرچہ ان کے ذہن میں یہ خیال کھٹک رہا تھا کہ دل میں بے اختیار آنے والے خیالات اور وساوس سے بچنا تو سخت دشوار ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں "امن

الرسول اور لا یکلف اللہ۔۔۔" نازل فرمائیں جس نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، جن میں سے پہلی آیت میں مسلمانوں کی مدح و ثناء اور دوسری آیت میں اس آیت کی اصل تفسیر بتلائی گئی، جس میں صحابہ کرامؓ کو اشتباہ پیش آیا تھا۔

چنانچہ ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت "امن الرسول۔۔۔ میں اس کی وضاحت ہے کہ اس امت کے مؤمنین پچھلی امتوں کی طرح ایسا نہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں باہمی تفرقہ ڈالیں کہ بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانا، اس امت کی یہ مدح فرمائی کہ یہ اللہ کے کسی رسول کا انکار نہیں کرتے اور پھر "سمعنا و اطعنا" کے جملے سے صحابہ کرامؓ کی تعریف کی گئی۔

اور دوسری آیت "لا یکلف اللہ" سے وہ شبہ دور کیا گیا جو پچھلی آیت کے بعض جملوں سے پیدا ہو سکتا تھا کہ دل میں چھپے ہوئے خیالات پر حساب ہوا تو عذاب سے کیسے بچیں گے تو اس آیت نے واضح کر دیا کہ غیر اختیاری طور پر جو خیالات اور وسوسے دل میں آجائیں اور پھر ان پر عمل درآمد نہ ہو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں، حساب اور مؤاخذہ صرف ان افعال پر ہوگا جو اختیار اور ارادے سے کئے جائیں، گویا اس آیت نے "ان تبدوا۔۔۔ والی آیت کو منسوخ کر دیا۔

"ربنا و لا تحمل علینا اصرا" اس سے وہ سخت اعمال مراد ہیں جو بنی اسرائیل پر نازل کئے گئے تھے کہ کپڑا پانی سے پاک نہ ہو بلکہ کاٹنا یا جلانا پڑے اور قتل کے بغیر توبہ قبول نہ ہو، یا مراد یہ ہے کہ دنیا میں ہم پر عذاب نازل نہ کیا جائے جیسا کہ بنی اسرائیل کے برے اعمال پر کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان تمام دعاؤں کو قبول فرمانے کا اظہار بھی فرما دیا۔(۱)

ان تبدوا......کی تفسیر حضرت عائشہؓ سے

حضرت امیہ نے اس آیت کی تفسیر حضرت عائشہ سے پوچھی تو انہوں نے اس آیت کی وضاحت کی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مؤمنین کو ان کے دل کی تمام باتوں اور ان کے تمام چھوٹے بڑے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلی کرے گا، بلکہ اس حساب اور مؤاخذہ سے مراد یہ ہے کہ مؤمنین سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں یا وہ خیالات اور وساوس جو غیر اختیاری طور پر دل میں آجاتے ہیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اہل ایمان پر عتاب نازل فرماتا ہے، اس طور پر کہ کسی کو کسی بیماری، کسی پریشانی اور غم میں مبتلی کر دیتا ہے، قدم قدم پر جو اسے کوئی دکھ اور تکلیف پہونچتی رہتی ہے، کوئی کانٹا چبھ گیا، جیب میں رقم تلاش کر رہا ہے، وہ مل نہیں رہی، اس سے وہ پریشان ہو رہا ہے، غرض یہ کہ جو اسے تھوڑا بہت دکھ اور تکلیفیں پہونچتی رہتی ہیں، ان سے دنیا میں ہی اس کے یہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہ چیزیں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، اس تفسیر کے اعتبار سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ "ان تبدوا" والی آیت، آخری آیت یعنی "لا یکلف اللہ" سے

---

(۱) معارف القرآن ۱/۶۹۵

منسوخ ہے(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ

یہ باب سورہ آل عمران کے بارے میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ، - وَلَمْ يَذْكُرْ أَبُو عَامِرٍ القَاسِمَ - قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهِ: {فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ} [آل عمران: 7]، قَالَ: فَإِذَا رَأَيْتِيهِمْ فَاعْرِفِيهِمْ وقَالَ يَزِيدُ: فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَاعْرِفُوهُمْ قَالَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: فاما الذین فی قلوبھم زیغ ــــ (جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ قرآن کی متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں، ان کی غرض فتنہ پیدا کرنا اور اس کی غلط تفسیر کرنا ہوتا ہے) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو انہیں دیکھے تو پہچان لینا (کہ یہی گمراہ لوگ ہیں) اور یزید راوی کے طریق میں (جمع کے لفظ کے ساتھ ارشاد ہے یعنی) جب تم دیکھو تو انہیں پہچان لینا، نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ {هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ} [آل عمران: 7] إِلَى آخِرِ الآيَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّاهُمُ اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ(۲)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت: ''ھو الذی أنزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات'' (اللہ وہ ہے جس نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل کی، جس کا کچھ حصہ محکم آیات کا ہے) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کی اتباع کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے (فی قلوبھم زیغ میں اہل زیغ) نام رکھا، لہٰذا تم ان سے پرہیز کرو۔

محکم اور متشابہ آیات

مذکورہ احادیث میں محکم اور متشابہ آیات کا ذکر ہے، آیات محکمات اور آیات متشابہات سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے تین اقوال کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) تحفة الاحوذی ۳۳۳/۸، مرقاة المفاتیح ۳۰/۴ کتاب الجنائز، باب عیادة المریض

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: من آیات محکمات، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب النھی عن اتباع متشابه القرآن

۱۔ محکم اسے کہتے ہیں جس کے معنی اور مفہوم خود ہی واضح ہو یا اس کی تاویل وتفسیر کر دی گئی ہو، اور متشابہ اسے کہتے ہیں جس کے معنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ سمجھ سکے: جیسے قیامت کا قیام، دجال کا خروج، اور سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں، اس قول کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ امام غزالی کے نزدیک محکم وہ آیت ہے جس میں صرف ایک وجہ اور ایک ہی معنی کا احتمال ہوتا ہے اور متشابہ وہ آیت کہلاتی ہے جس میں متعدد معانی اور مختلف وجوہ کا احتمال ہوتا ہے جیسے مشترک الفاظ (۱)۔

۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ محکم اس آیت کو کہتے ہیں جس کے معنی ہر وہ شخص سمجھ سکے جو عربی زبان اور اس کے قواعد سے خوب واقف ہو، اور متشابہ اس آیت کو کہتے ہیں جس کی تفسیر اور معنی ایسے شخص پر ظاہر نہ ہوں (۲)۔

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ سورہ آل عمران کی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں محکم اور متشابہ دونوں قسم کی آیات ہیں، لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں ہے: "کتاب احکمت ایاته ثم فصلت من لدن حکم خبیر" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ساری آیات محکم ہیں، ایک اور آیت میں ہے: "کتابا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم"، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات متشابہات ہیں،

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ سورہ ہود کی آیت: "احکمت ایاته" سے محکم کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے فصاحت وبلاغت، اور حق وصداقت کا مضبوط اور مستحکم ہونا مراد ہے اور یہ کہ اس میں کوئی عبث اور فضول کلام نہیں، اور دوسری آیت یعنی "کتابا متشابها" سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات ایک دوسرے کے مضمون کی تصدیق اور تائید کرنے والی ہیں، ان میں آپس میں معنی اور مفہوم کے لحاظ سے کوئی تعارض نہیں ہوتا، لہذا "کتابا متشابها" سے آیت متشابہ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ محکم اور متشابہ دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں (۳)۔

"وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنا به" اس میں اختلاف ہے کہ وقف لفظ اللہ پر ہے یا "راسخون فی العلم" پر، اس بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ لفظ اللہ پر وقف ہے، اور "والراسخون ـــ" یہ الگ جملہ ہے، یہ قول ابن عباس، عائشہ، عروہ اور بعض دوسرے حضرات نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ بعض مفسرین کے نزدیک "راسخون فی العلم" پر وقف ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی متشابہات کے معنی جانتے ہیں اور وہ علماء بھی جانتے ہیں جو پختہ علم رکھتے ہیں۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۱۴۲، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع متشابه القرآن

(۲) تفسیر مظهری (۲/۷ رشیدیه) معارف القرآن ۲/۲۰

(۳) فتح الباری ۸/۲۶۷، کتاب التفسیر، سورة:۳

لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ لفظ اللہ ہی پر وقف ہے اور "الراسخون" یہ الگ جملہ ہے اور ان متشابہات کے معنیٰ صرف اللہ جل جلالہ ہی جانتے ہیں، اور راسخین فی العلم نہیں جانتے لیکن نہ جاننے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے حقیقی معنیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اس میں غور وفکر کرنے سے چونکہ منع کیا گیا ہے اس لئے اس سے وہ باز رہتے ہیں، یوں وہ اللہ کے حکم پر عمل کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں(۱)۔

"فاولئک الذین سماھم اللہ"، یعنی جو لوگ متشابہات کی کھوج کرید میں لگے رہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اہل زیغ یعنی کجرو اور گمراہ قرار دیا ہے، لہذا ان سے بچ کر رہو، زیادہ میل جول اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ رکھیں تاکہ اس طرح کی فکر تمہارے اندر منتقل نہ ہو جائے، مثلاً قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تصریح کی ہے: "ان ھو الا عبد انعمنا علیه" ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہے: "ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقه من تراب"، ان آیات اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اس کی مخلوق ہیں لہذا عیسائیوں کا ان کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ خدا ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں، درست نہیں، ان محکم آیات سے آنکھیں بند کر کے اگر کوئی صرف "کلمۃ اللہ" اور "روح منہ" وغیرہ متشابہات کے درپے ہو جائے اور ان کلمات سے حضرت عیسیٰ کا اللہ یا اس کا بیٹا ہونا ثابت کرے تو یہ اس کی کجروی گمراہی اور ہٹ دھرمی ہوگی۔ چنانچہ عیسائیوں نے ایسا ہی کیا، اور اہل اسلام میں خوارج بھی متشابہات کی کھوج کرید میں پڑے رہے جس کی وجہ سے وہ بھی گمراہ قرار پائے(۲)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ وَلِيِّي أَبِي وَخَلِيلُ رَبِّي، ثُمَّ قَرَأَ: {إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ} [آل عمران:68](۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کے انبیاء میں سے کچھ دوست ہوتے ہیں، بے شک میرے دوست میرے باپ اور میرے رب کے دوست یعنی ابراہیم علیہ السلام ہیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ان اولی الناس بابراھیم ــــ الخ (بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے ابراہیم کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے (ان کے وقت میں)) ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (محمد ﷺ) ہیں اور یہ ایمان والے (جو نبی ﷺ کی امت ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے حامی ہیں)۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۳۸/۸
(۲) معارف القرآن ۲۰/۲
(۳) مسند احمد ۴۰۰/۱

انبیاء میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست کون ہے؟

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کا انبیاء میں سے کوئی دوست ہوتا ہے، اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی: "ان اولی الناس ــــ" یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر چیزوں میں حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں موافقت کرتے تھے (۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، فَقَالَ الأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ: فِيَّ وَاللّٰهِ كَانَ ذَلِكَ، كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ اليَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي، فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ: احْلِفْ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذَنْ يَحْلِفَ فَيَذْهَبَ بِمَالِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا} [آل عمران: 77] إِلَى آخِرِ الآيَةِ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قسم کھائے جبکہ وہ جھوٹا ہے تا کہ اس سے کسی مسلمان کا مال حاصل کر لے، وہ اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غصہ ہوں گے، اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں: بخدا یہ حدیث میرے متعلق ہے، (قصہ یہ ہے کہ) میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک مشترک زمین تھی، اس نے میرے حصے کا انکار کر دیا تو میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے پاس کوئی گواہ نہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے فرمایا: تم قسم کھاؤ؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ تو قسم کھا لے گا اور میرا مال لے جائے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''ان الذین یشترون ......'' (یقیناً جو لوگ معاوضہ (دنیاوی نفع) لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو (انہوں نے) اللہ تعالیٰ سے کیا ہے (مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا) اور بمقابلہ اپنی قسموں کے (مثلاً بندوں کے حقوق اور معاملات کے بارے میں قسم کھا لینا) ان لوگوں کو آخرت میں کچھ حصہ نہ ملے گا اور نہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام فرمائیں گے، اور نہ ان کی طرف (محبت کی نظر سے) دیکھیں گے قیامت کے دن، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب (تجویز) ہوگا)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۴۰

(۲) سنن ابو داؤد ۲/۱۰۶، کتاب الایمان والنذور باب فی من حلف لیقتطع بها مالاً

جھوٹی قسم پر شدید وعید کا ذکر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے تا کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال دبالے تو قیامت کے دن اس کے لئے پانچ وعیدیں اس آیت میں مذکور ہیں:

۱۔ اس کو جنت کی نعمتوں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوش کرنے والی بات نہیں کریں گے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت اور محبت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف نہیں کریں گے کیونکہ اس نے بندوں کے حقوق تلف کئے ہیں۔
۵۔ اور اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

نیز اس حدیث سے درج ذیل امور بھی ثابت ہوتے ہیں:

- مدعی کے ذمہ اپنے موقف پر گواہ پیش کرنے ہیں اگر گواہ اس کے پاس نہ ہوں تو پھر جس پر دعوی کیا گیا ہے یعنی مدعی علیہ، اس پر قسم آئے گی۔
- اگر مدعی علیہ جھوٹی قسم کھالے تا کہ دنیا میں اسے مال مل جائے تو ظاہری اعتبار سے اس کے لئے حکم ہو جائے گا لیکن چونکہ اس نے جھوٹی قسم کھائی ہے اس لئے وہ ان وعیدوں کا مستحق ہوگا جو اوپر آیت کے حوالہ سے ذکر کی جا چکی ہیں۔
- مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت کا کاروبار جائز ہے(۱)۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {لَنْ تَنَالُوا البِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ} [آل عمران:92] أَوْ {مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا} [البقرة:245]، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ وَكَانَ لَهُ حَائِطٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ حَائِطِي لِلّٰهِ، وَلَوِ اسْتَطَعْتُ أَنْ أُسِرَّهُ، لَمْ أُعْلِنْهُ، فَقَالَ: اجْعَلْهُ فِي قَرَابَتِكَ أَوْ أَقْرَبِيكَ(۲)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" (تم خیر کامل (عظیم ثواب) کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے) یا یہ آیت: "من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا" (کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے) تو ابوطلحہ نے عرض کیا اور ان کا ایک باغ تھا: یا رسول اللہ: میرا یہ باغ اللہ کے لئے وقف ہے، اور اگر اس بات کو چھپانا میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی ظاہر نہ ہونے دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو، راوی کو شک ہے کہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۴۱/۸
(۲) مسند احمد ۱۱۵/۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ قرابتک ارشاد فرمایا یا اقربیک۔ (تاہم معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا جذبہ

جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرنے لگے، انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، مسجد نبوی کے بالمقابل اور متصل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں تھا جس کو بیرحاء کہا جاتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، آپ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابوطلحہ کا یہ باغ بڑا قیمتی، زرخیز اور ان کو اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے پر وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ اس کو جہاں مناسب سمجھیں، صرف فرمادیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے اقرباء میں تقسیم کردو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورے کو قبول فرما کر اس باغ کو اپنے اقرباء اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عام فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنے سے انسان کو ثواب ملتا ہے اسی طرح اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کو دینا بھی باعث اجر ہے بلکہ اس میں دہرا ثواب ہے ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا،

اس آیت کے نزول کے بعد دیگر صحابہ نے بھی غور وفکر کر کے اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کردیا تاکہ وہ اس آیت کی فضیلت کو حاصل کرلیں (۱)۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَامَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَنِ الحَاجُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: أَيُّ الحَجِّ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: العَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: مَا السَّبِيلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ: کونسا حاجی کامل صفت والا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غبار آلود سر، پراگندہ بال اور جس سے پسینہ اور میل کی وجہ سے بو آتی ہو (یعنی زیب وزینت سے مکمل اجتناب کرتا ہو) پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: حج میں (ارکان کے بعد) کونسی چیزیں بہت زیادہ ثواب کی باعث ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلند آواز سے لبیک پڑھنا اور قربانی کا

---

(۱) معارف القرآن ۲/۱۰۷، تحفۃ الاحوذی ۸/۳۴۲

(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب المناسک، باب: مایوجب الحج

خون بہانا، اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور پوچھا کہ "لله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا" میں "سبیل" سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توشہ اور سواری۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ شعث: (شین پر زبر اور عین کے نیچے زیر) غبار آلود سر، پراگندہ بال۔ تفل: (تاء پر زبر اور فاء کے نیچے زیر) وہ شخص جس سے پسینہ اور میل کی وجہ سے بدبو آتی ہو۔ العج: (عین پر زبر اور جیم پر تشدید) بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا۔ ثج: حج میں ہدی کے جانور کا خون بہانا، قربانی کے جانوروں کا خون بہانا۔

حج کس پر فرض ہوتا ہے

اس حدیث میں صحابہؓ نے حج سے متعلق تین سوال کئے:

۱۔ کامل حاجی کون ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا سر غبار آلود ہو، پراگندہ بال اور پسینہ اور میل کی وجہ سے بدبو آ رہی ہو، اس کے کپڑے میلے ہوں۔

۲۔ کونسا حج زیادہ فضیلت والا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، اور قربانی کی جائے۔

۳۔ آیت قرآنی میں "سبیل" سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توشہ اور سواری، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس مرد و عورت کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اس قدر مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے، اور وہاں کے قیام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک ان اہل و عیال کا بھی انتظام کر سکے جن کا خرچہ اس کے ذمہ واجب ہے، نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو۔

اسی طرح عورت کے لئے چونکہ محرم کے بغیر سفر کرنا شرعاً جائز نہیں، اس لئے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جبکہ اس کے ساتھ کوئی محرم ساتھ جانے والا ہو خواہ وہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو یا یہ عورت اس کا خرچ بھی برداشت کرے، اسی طرح راستہ کا پرامن ہونا بھی ضروری ہے، اگر راستہ میں بدامنی ہو، جان و مال کا قوی خطرہ ہو تو بھی اس کی حج پر قدرت نہیں سمجھی جائے گی(۱)۔

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا أَنْزَلَ اللهُ هَذِهِ الآيَةَ: {تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ} [آل عمران: 61]، دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلِي(۲)۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ندع ابناءنا و ابناءکم"، تو

---

(۱) معارف القرآن ۲/۱۲۲، تحفۃ الاحوذی ۸/۳۴۴

(۲) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلا کر کہا اے میرے اللہ: یہ لوگ میرے اہل ہیں۔

مباہلہ کی تعریف

"فقل تعالوا ندع ابناءنا" اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل ہونے میں دونوں فریقوں میں نزاع ہو جائے، اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو شخص اس امر میں باطل پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے، اس طور پر دعا کرنے کو "مباہلہ" کہتے ہیں، اس میں اصل تو انہی لوگوں کا جمع ہونا ہے جو مباہلہ کر رہے ہیں، اپنے رشتہ داروں کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں، اگر جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف سے نصاریٰ نجران کو مباہلے کی دعوت

اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا، جس میں تین چیزیں ترتیب وار ذکر کی گئی تھیں:

ا۔ اسلام قبول کرو۔ ۲۔ یا جزیہ ادا کرو۔ ۳۔ یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کر کے شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، ان لوگوں نے آکر مذہبی امور پر بات چیت شروع کی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ثابت کرنے کے لئے ان لوگوں نے انتہائی بحث و تکرار سے کام لیا، اتنے میں یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی، اس پر آپ ﷺ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی، اور خود بھی حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے تیار ہو کر تشریف لائے، شرحبیل نے یہ دیکھ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کا نبی ہے، نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت ہے، بربادی یقینی ہے، اس لئے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، ساتھیوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک نجات کی کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نبی کی رائے کے موافق صلح کی جائے، چنانچہ اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر کر کے صلح کر دی، جس کو انہوں نے بھی منظور کر لیا۔

اس آیت میں "أبناءنا" سے صرف صلبی اولاد مراد نہیں بلکہ عام مراد ہے، خواہ اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو کیونکہ عرف میں ان سب کو اولاد کہا جاتا ہے لہذا ابناءنا میں آپ کے نواسے حضرات حسنین اور آپ کے داماد حضرت علی داخل ہیں (۱)۔

عَنْ أَبِي غَالِبٍ، قَالَ: رَأَى أَبُو أُمَامَةَ رُءُوسًا مَنْصُوبَةً عَلَى دَرَجِ دِمَشْقَ، فَقَالَ أَبُو أُمَامَةَ: كِلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلَى

(۱) معارف القرآن ۸۵/۲، تحفۃ الاحوذی ۳۴۵/۸

تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، خَيْرُ قَتْلَى مَنْ قَتَلُوهُ، ثُمَّ قَرَأَ: {يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ} [آل عمران: 106] إِلَى آخِرِ الآيَةِ. قُلْتُ لِأَبِي أُمَامَةَ: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ لَمْ أَسْمَعْهُ إِلَّا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا حَتَّى عَدَّ سَبْعًا مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ(۱)۔

ابوغالب کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ نے کچھ سروں کو دمشق کی مسجد کی سیڑھی پر لٹکے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ دوزخ کے کتے اور آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مقتول ہیں، اور بہترین مقتول وہ ہیں جو ان کے ہاتھوں قتل ہوئے، پھر یہ آیت پڑھی: ''یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ'' (اس دن کو یاد کرو جس دن کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے)، ابوغالب کہتے ہیں: میں نے ابوامامہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اگر میں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک، دو، تین، چار یہاں تک کہ سات بار نہ سنی ہوئی ہوتی تو میں اس کو تمہارے سامنے کبھی بیان نہ کرتا (یعنی میں نے یہ حدیث آپ سے کئی بار سنی ہے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ رؤوسا منصوبة: لٹکے ہوئے سر۔ درج: سیڑھی۔ أدیم السماء: آسمان کی چھت۔ قتلی: قتیل کی جمع ہے۔ وہ شخص جسے قتل کیا جائے۔

سفید اور سیاہ چہرے والے کون لوگ ہوں گے

اس آیت میں ہے کہ بعض چہرے سفید جبکہ بعض سیاہ ہوں گے، جمہور مفسرین کے نزدیک چہرے کی سفیدی سے نور ایمان کی سفیدی مراد ہے، یعنی مؤمنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں اور فرحاں ہوں گے اور سیاہی سے کفر کی سیاہی مراد ہے، یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی اور اس پر مزید فسق وفجور کی تاریکی بھی ہوگی۔

سفید چہرے والے اور سیاہ چہرے والے کون لوگ ہوں گے؟ ان کی تعیین کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے چہرے سفید اور اہل بدعت کے سیاہ ہوں گے۔

۲۔ عطاء فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کے چہرے سفید ہوں گے، بنو قریظہ اور بنی نضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے (۲)۔

۳۔ حضرت ابوامامہ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے خوارج مراد ہیں، یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے، اور سفید چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جن کو خوارج قتل کریں گے۔

۴۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ سیاہ چہرے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ہوں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب المقدمة، باب من ذكر الخوارج

(۲) تفسیر قرطبی ۴/۲۶۴ (بیروت)

پہلے یعنی نبی بننے سے پہلے تو آپ کی تصدیق کرتے تھے لیکن جب آپ نبی بن گئے تو بجائے اس کے کہ وہ آپ کی تائید ونصرت کرتے، الٹا آپ کی تکذیب شروع کردی۔

۵۔　بعض کے نزدیک سیاہ چہرے والوں سے مرتد لوگ مراد ہیں۔

مذکورہ اقوال کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں، لیکن ان سب میں کوئی تعارض نہیں ہے، سب کا حاصل ایک ہی ہے (۱)۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ} [آل عمران: 110] قَالَ: أَنْتُمْ تُتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً، أَنْتُمْ خَيْرُهَا (۲) وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللهِ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس آیت: "کنتم خیر امة اخرجت للناس" کی تفسیر فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: تم لوگ امتوں کے ستر کے عدد کو پورے کرنے والے ہو اور تم اللہ کے ہاں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مکرم ومعزز ہو۔

امت محمدیہ بہترین امت ہے

"کنتم خیر امة" سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔　بعض کے نزدیک اس سے صحابہ کرامؓ جبکہ بعض حضرات کے نزدیک صرف مہاجرین صحابہ مراد ہیں۔

۲۔　اس سے پوری امت مراد ہے کہ دیگر امتوں کے مقابلے میں امت محمدیہ سب سے بہتر ہے، یہی مفہوم جمہور کے نزدیک راجح ہے،

اس امت کو خیر امت کس وجہ سے کہا ہے، قرآن کریم میں ہی اس کی وجہیں بیان کی گئی ہیں:

❁　یہ ایک معتدل امت ہے، اس کا ذکر سورہ بقرہ کی اس آیت میں ہے۔ "وکذلک جعلناکم امة وسطا"۔

❁　اس آیت یعنی "کنتم خیر امة" میں وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ امت اللہ کی مخلوق کو نفع پہونچانے کے لئے ہی وجود میں آئی ہے، انسانیت کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی فکر اس کا منصبی فریضہ ہے، اور گذشتہ تمام امتوں سے زیادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکمیل اس امت کے ذریعہ ہوئی، اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پچھلی امتوں پر عائد تھا، مگر پچھلی بہت سی امتوں میں جہاد کا حکم نہیں تھا، اس لئے ان کا امر بالمعروف صرف دل اور زبان سے ہو سکتا تھا، امت محمدیہ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر بالمعروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام داخل ہیں اور اس امت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی یہ

---

(۱)　تحفة الاحوذی ۳۴۶/۸، معارف القرآن ۱۴۶/۲

(۲)　سنن ابن ماجة، کتاب الزهد، باب: صفة أمة محمد صلی الله علیه وسلم.

پیشگوئی ہے کہ "اس امت میں تا قیامت ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ پر قائم رہے گی (۱)۔

"انکم تتمون سبعین امة" تم لوگ امتوں میں ستر کے عدد کو پورا کر رہے ہو، اس "سبعین" سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اس سے ستر کا مخصوص عدد ہی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ تم لوگ امتوں کے ستر کے عدد کو پورے کر رہے ہو۔

۲۔ اکثر حضرات کے نزدیک اس سے کثرت مراد ہے، کیونکہ عربی زبان میں ستر کا عدد بطور محاورے کے کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے (۲)۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَ أُحُدٍ وَشُجَّ وَجْهُهُ شَجَّةً فِي جَبْهَتِهِ حَتَّى سَالَ الدَّمُ عَلَى وَجْهِهِ، فَقَالَ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ فَعَلُوا هَذَا بِنَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ؟ فَنَزَلَتْ: {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ} [آل عمران: 128] إِلَى آخِرِهَا (۳)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے، اور آپ کا سر مبارک زخمی کیا گیا اور زخم بھی آپ کی پیشانی میں لگا، یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر خون بہنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا، جبکہ وہ انہیں اللہ جل جلالہ کی طرف بلاتا ہے، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: "لیس لک من الامر شیء"۔ (آپ کا اس میں کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہیں تو انہیں معاف کر دیں اور چاہیں تو عذاب دیں)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُجَّ فِي وَجْهِهِ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ وَرُمِيَ رَمْيَةً عَلَى كَتِفِهِ، فَجَعَلَ الدَّمُ يَسِيلُ عَلَى وَجْهِهِ، وَهُوَ يَمْسَحُهُ وَيَقُولُ: كَيْفَ تُفْلِحُ أُمَّةٌ فَعَلُوا هَذَا بِنَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} [آل عمران: 128] (۴)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا، اور آپ کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے، اور آپ کے شانہ پر ایک پتھر مارا گیا، اور آپ کے چہرے سے خون بہنے لگا، اور آپ ﷺ اسے صاف

---

(۱) معارف القرآن ۱۴۹/۲، تحفة الاحوذی ۳۴۷/۸ الکوکب الدری ۹۴/۴

(۲) تحفة الاحوذی ۳۴۷/۸

(۳) سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب: الصبر علی البلاء

(۴) ایضاً

کرتے، اور فرماتے: وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کچھ کیا، جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "لیس لک ــــ"۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ: اللَّهُمَّ الْعَنْ أَبَا سُفْيَانَ، اللَّهُمَّ الْعَنِ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ، اللَّهُمَّ الْعَنْ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ، قَالَ: فَنَزَلَتْ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ} [آل عمران: 128] فَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَأَسْلَمُوا فَحَسُنَ إِسْلَامُهُمْ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر فرمایا: اے اللہ ابوسفیان پر لعنت بھیج، اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت بھیج، اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت بھیج، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "لیس لک من الامر شیء ــــ" پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کیا، اور وہ لوگ اسلام لے آئے، چنانچہ وہ بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو عَلَى أَرْبَعَةِ نَفَرٍ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} [آل عمران: 128] فَهَدَاهُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چار آدمیوں کے لئے بددعا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "لیس لک من الامر شیء"، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی ہدایت دی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ رباعیة: (را پر زبر کے ساتھ) سامنے کے دو اوپر اور دو نیچے کے دانتوں کی کروٹوں میں جو چار دانت ہوتے ہیں، دو اوپر دائیں بائیں اور دو نیچے دائیں بائیں۔ شج: زخمی کیا گیا، شجة: وہ زخم جو سر میں ہو۔ یمسحه: آپ ﷺ اس خون کو صاف کرتے۔

لیس لک من الامر کا شان نزول

"لیس لک من الامر شیء" کے شان نزول سے متعلق متعدد واقعات منقول ہیں:

۱۔　مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول غزوہ احد کے موقع پر اس وقت ہوا جب کفار نے نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک توڑے اور آپ کو شدید زخمی کیا، آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا، اور چار کفار پر لعنت کی بددعا کی، جن کے نام یہ ہیں: ابوسفیان، حارث بن ہشام، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو، بعد میں یہ سارے مسلمان ہو گئے، اور مختلف غزوات میں شریک ہوئے۔

---

(۱)　مسند احمد ۹۳/۲

۲۔　نبی کریم ﷺ نے ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ وغیرہ کے لئے بددعا کی تھی اور ساتھ ہی کہا تھا: ”اللهم اشدد وطأتک علی مضر“، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۔　امام زہری، امام طحاوی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ رعل اور ذکوان کے قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تمام واقعات کے پیش آنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے، کسی نے شان نزول میں ایک واقعہ ذکر کر دیا اور کسی نے دوسرا واقعہ، اور ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آیت کے نزول کا سبب مختلف واقعات ہوں (۱)۔

عَنْ أَسْمَاءَ بْنِ الحَكَمِ الفَزَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا، يَقُولُ: إِنِّي كُنْتُ رَجُلًا إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا نَفَعَنِي اللَّهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِي، وَإِذَا حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ. فَإِذَا حَلَفَ لِي صَدَّقْتُهُ، وَإِنَّهُ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ -وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ-، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَتَطَهَّرُ، ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ﴾ [آل عمران: 135] إِلَى آخِرِ الآيَةِ (۲)۔

حضرت اسماء بن حکم فزاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ جب میں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اپنی منشا کے مطابق نفع پہنچاتے، اور جب کوئی صحابی مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم اٹھواتا، جب وہ میرے لئے قسم کھالیتا تب میں اس کی تصدیق کرتا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مجھ سے بیان کیا اور وہ سچے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جو کسی گناہ کا ارتکاب کرے، پھر وہ اٹھے اور طہارت حاصل کرے، پھر نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور معاف کر دیتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ”والذین اذا فعلوا فاحشة ــــ وهم یعلمون“ (اور ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں جو کھلا گناہ ہو یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون، جو گناہوں کو بخشتا ہو، اور وہ اپنے فعل بد پر اصرار نہیں کرتے اور وہ (ان باتوں کو) جانتے بھی ہیں)۔

گناہ کے بعد توبہ کا حکم

اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ تہ دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، اس گناہ پر صدق دل سے ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور اس پر اصرار بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے

---

(۱)　فتح الباری، ۷/۲۸۶، کتاب المغازی باب لیس لک من الامر شیء۔

(۲)　سنن ابو داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار

گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں، اور اللہ کے علاوہ اور کوئی گناہ کو معاف بھی نہیں کرسکتا۔

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ، قَالَ: رَفَعْتُ رَأْسِي يَوْمَ أُحُدٍ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ، وَمَا مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا يَمِيدُ تَحْتَ حَجَفَتِهِ مِنَ النُّعَاسِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: {ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا} [آل عمران: 154] (۱)

حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر میں نے اپنا سر اٹھایا، تو میں دیکھنے لگا، کہ اس دن ان صحابہ میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو اونگھ کی وجہ سے اپنی ڈھال کے نیچے جھکا نہ جاتا ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہی اونگھ مراد ہے: "ثم أنزل عليكم من بعد الغم أمنة نعاسا" (پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر امن یعنی اونگھ بھیج دی)۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ، قَالَ: غُشِينَا وَنَحْنُ فِي مَصَافِّنَا يَوْمَ أُحُدٍ، حَدَّثَ أَنَّهُ كَانَ فِيمَنْ غَشِيَهُ النُّعَاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ: فَجَعَلَ سَيْفِي يَسْقُطُ مِنْ يَدِي وَآخُذُهُ، وَيَسْقُطُ مِنْ يَدِي وَآخُذُهُ، وَالطَّائِفَةُ الْأُخْرَى الْمُنَافِقُونَ لَيْسَ لَهُمْ هَمٌّ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ، أَجْبَنُ قَوْمٍ وَأَرْعَبُهُ وَأَخْذَلُهُ لِلْحَقِّ (۲)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ: غزوہ احد کے دن میدان جنگ میں ہم پر غشی طاری ہوگئی، حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن پر اس دن اونگھ طاری ہوئی تھی، فرماتے ہیں کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے گرنے لگتی، میں اسے پکڑتا پھر گرنے لگتی تو میں اسے پکڑ لیتا، دوسرا گروہ منافقین کا تھا جنہیں صرف اپنی جانوں کی فکر تھی، یہ لوگ انتہائی بزدل، دہشت زدہ اور حق کو چھوڑنے والے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ يميد: جھک رہا تھا، حجفة: (حاء اور جیم پر زبر کے ساتھ) چمڑے کی ڈھال، جس میں لکڑی اور تانت نہ ہو۔ نعاس: (نون پر پیش) اونگھ، غنودگی، ابتدائی نیند۔ مصاف: مصف کی جمع ہے۔ لڑائی میں صف بندی کی جگہ یعنی میدان جنگ۔ أجبن: (اسم تفضیل) زیادہ بزدل۔ أرعب: (اسم تفضیل) زیادہ ڈرنے والے، دہشت زدہ۔ أخذل: (اسم تفضیل) چھوڑنے والے۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا کی تفسیر

اس آیت میں "غم" سے وہ پریشانی مراد ہے جو شکست کے وقت ان کو ہوئی تھی، چنانچہ جب مسلمانوں پر شکست کے آثار ظاہر ہوئے اور جن کو شہید ہونا تھا وہ شہید ہوگئے، جنہوں نے شکست کی بوکھلاہٹ سے بھاگنا تھا بھاگ گئے، تو میدان جنگ میں باقی رہنے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اونگھ طاری کردی تاکہ دہشت اور خوف زائل ہوجائے، اس کے بعد مسلمان دوبارہ جمع

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب آل عمران

(۲) صحیح بخاری، المغازی، باب: آل عمران

ہو گئے اور دوبارہ جنگ کی تو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی(۱)۔

عن ابنِ عبَّاسٍ: نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ} [آل عمران: 161] فِي قَطِيفَةٍ حَمْرَاءَ افْتُقِدَتْ يَوْمَ بَدْرٍ. فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: لَعَلَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا، فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ} [آل عمران: 161] إِلَى آخِرِ الآيَةِ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت: "وما کان لنبی ان یغل" (کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے) ایک سرخ روئی دار چادر کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ بدر کے دن گم ہو گئی تھی، تو بعض لوگوں نے کہا کہ شاید یہ چادر نبی کریم ﷺ نے لے لی ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مال غنیمت میں چوری کرنے کا حکم

مذکورہ روایت میں اس آیت یعنی "وما کان لنبی ان یغل" کا شان نزول ذکر کیا گیا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر مال غنیمت میں ایک چادر گم ہو گئی بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو، یہ کہنے والے اگر منافق تھے تو ان سے کوئی بعید بات نہیں کہ وہ ایسی بات کر سکتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے اور اگر کہنے والا ناسمجھ مسلمان ہو تو اس نے یہ سمجھا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح چادر لینے کا اختیار ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں غلول کا گناہ کبیرہ ہونا اور قیامت کے دن اس کی شدید سزا کا ذکر ہے، اور یہ کہ کسی نبی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ اس نے یہ گناہ کیا ہوگا، نہایت بے ہودہ جسارت ہے کیونکہ انبیاء ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

لفظ غلول مطلق خیانت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور خاص کر مال غنیمت کی خیانت کے لئے بھی اور مال غنیمت میں چوری اور خیانت کا جرم، عام چوریوں اور خیانتوں سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ مال غنیمت میں پورے لشکر اسلام کا حق ہوتا ہے تو جس نے اس میں چوری کی، اس نے سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی چوری کی، اگر کسی وقت اس کی تلافی کا خیال بھی آئے تو بہت مشکل ہے کہ سب کو ان کا حق پہنچائے یا معاف کرائے۔

یہی حال مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے ان میں اگر خیانت کی گئی تو اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت نہیں، کیونکہ اس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے، اگر معاف بھی کرائے تو کس کس سے معاف کرائے گا اسی طرح بیت المال کا حکم ہے کہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہوتا ہے جو اس میں چوری کرے اس نے گویا سب کی چوری کی، اس لئے ان اموال کے ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ وہ انہیں ان کے صحیح مصرف میں ہی استعمال کریں، اس میں اگر کوتاہی ہو

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۵۲

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب

گئی تو دنیا اور آخرت میں ذلت اور رسوائی کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور ایسے شخص کے لئے میدان حشر میں اس طرح بھی رسوائی ہوگی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا(۱)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي: يَا جَابِرُ مَا لِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ اسْتُشْهِدَ أَبِي، وَتَرَكَ عِيَالًا وَدَيْنًا، قَالَ: أَفَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللهُ بِهِ أَبَاكَ؟ قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: مَا كَلَّمَ اللهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ، وَأَحْيَا أَبَاكَ فَكَلَّمَهُ كِفَاحًا. فَقَالَ: يَا عَبْدِي تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ. قَالَ: يَا رَبِّ تُحْيِينِي فَأُقْتَلَ فِيكَ ثَانِيَةً. قَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّهُ قَدْ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ" قَالَ: وَأُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا} [آل عمران:169](۲).

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میری نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: جابر کیا بات ہے میں تمہیں شکستہ حال کیوں دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے، قرض اور عیال چھوڑ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خوشخبری نہ سناؤں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے ملاقات کی، عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ (ضرور بتا دیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پردے کے بغیر کسی سے بات نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو زندہ کیا، اور ان سے آمنے سامنے کلام کیا، اور فرمایا: اے میرے بندے تو مجھ سے تمنا کر میں تمہیں عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے دوبارہ زندہ کر دیجئے تا کہ میں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میری طرف سے طے ہو چکا ہے کہ کوئی شخص دنیا میں واپس نہیں جائے گا، راوی کہتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی، "ولا تحسبن الذين قتلوا ـــ" (تم ان لوگوں کو ہرگز مردہ نہ سمجھو جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، اور انہیں رزق دیا جاتا ہے)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ} [آل عمران:169] فَقَالَ: "أَمَا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ، فَأُخْبِرْنَا أَنَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي طَيْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مُعَلَّقَةٍ بِالْعَرْشِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّكَ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَسْتَزِيدُونَ شَيْئًا فَأَزِيدُكُمْ؟ قَالُوا رَبَّنَا: وَمَا نَسْتَزِيدُ وَنَحْنُ فِي الْجَنَّةِ نَسْرَحُ حَيْثُ شِئْنَا؟ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَيْهِمُ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: هَلْ تَسْتَزِيدُونَ شَيْئًا فَأَزِيدُكُمْ؟ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَا يُتْرَكُونَ قَالُوا: تُعِيدُ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا

(۱) معارف القرآن ۲/۲۳۲، تحفة الاحوذی ۸/۳۵۴

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب المقدمة، باب: فیما انکرته الجهمية۔

حَتّٰی نَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، فَنُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت: "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔" کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: ہم نے بھی اس آیت کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے پوچھی تھی تو ہمیں بتایا گیا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہیں، جو جنت میں جہاں چاہتے ہیں پھرتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جھانکا اور فرمایا: کیا تم لوگ کچھ اور بھی چاہتے ہو کہ میں تمہیں مزید عطا کروں؟ انہوں نے عرض کیا: یا اللہ ہم اس سے زیادہ کیا چاہیں گے ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف دوسری بار جھانکیں گے اور فرمائیں گے: کیا تم لوگ کچھ اور بھی چاہتے ہو کہ میں تمہیں مزید عطا کروں؟ ان شہداء نے جب دیکھا کہ ہم جب تک اللہ تعالیٰ سے کوئی فرمائش نہیں کریں گے تو اس وقت تک نہیں چھوٹیں گے، تو وہ شہداء عرض کریں گے: آپ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کردیں تاکہ ہم دنیا میں جائیں اور دوبارہ تیری راہ میں قتل کیے جائیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، مِثْلَهُ وَزَادَ فِيهِ: وَتُقْرِئُ نَبِيَّنَا السَّلَامَ وَتُخْبِرُهُ أَنْ قَدْ رَضِينَا وَرُضِيَ عَنَّا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اسی سند سے اسی طرح منقول ہے لیکن اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے (کہ وہ شہداء اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ) آپ ہمارے نبی ﷺ کو ہمارا سلام پہنچادیں اور آپ انہیں ہماری طرف سے یہ بتلا دیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوگیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ منکسرا: شکستہ حال: غمزدہ، پریشان۔ کفاحاً: آمنے سامنے، بالمشافہ۔ خضر: أخضر کی جمع ہے، سبز رنگ کے۔ تسرح: گھر میں پھریں گے۔ تأوی: ٹھکانہ ہوگا، وہ پناہ لیں گے۔ قنادیل: قندیل کی جمع ہے: لالٹینیں، فانوس۔ اطلع: اللہ تعالیٰ جھانکیں گے۔ رضی عنا: اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوگیا۔ طیر: طائر کی جمع ہے: پرندے۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے چند فضائل

مذکورہ آیات اور احادیث میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے چند فضائل اور درجات بیان کئے گئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد صاحب غزوہ احد کے موقع پر شہید ہوگئے تھے، حالات کی وجہ سے انہیں حضور ﷺ نے شکستہ حال اور پریشان دیکھا تو فرمایا کہ تمہارے باپ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے براہ راست آمنے سامنے بالمشافہ کلام فرمایا ہے، درمیان میں نہ تو کوئی پردہ حائل تھا اور نہ کوئی نمائندہ اور قاصد تھا، یہ گویا ان کا اعزاز اور خصوصیت ہے جو انہیں

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب: بیان أن ارواح الشہداء فی الجنۃ

اللہ کے راستے میں شہید ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

۲۔ آیت میں یہ فضیلت بیان کی گئی کہ شہداء مرے نہیں بلکہ وہ دائمی زندگی کے مالک ہو گئے ہیں، اس حیات سے کیا مراد ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے تو وہ ہر شخص مؤمن و کافر کو حاصل ہے کہ مرنے کے بعد اس کی روح زندہ رہتی ہے، اور قبر کے سوال وجواب کے بعد نیک مؤمنین کے لئے سامان راحت اور کفار وفجار کے لئے قبر کا عذاب قرآن وسنت سے ثابت ہے، تو یہ حیات برزخی جب سب کے لئے عام ہے تو پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہے؟

جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی اسی آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے، اور رزق زندہ آدمی کو ملا کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے منتقل ہوتے ہی شہید کے لئے جنت کا رزق جاری کر دیا جاتا ہے، اور ایک خاص قسم کی زندگی اسی وقت سے ان کو مل جاتی ہے، جو عام مردوں سے ممتاز حیثیت کی ہے۔

اب رہا کہ وہ امتیاز کیا ہے؟ اور وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ ہی جاننے کی ضرورت ہے، البتہ بسا اوقات ان کی حیات خاص کا اثر اس دنیا میں بھی ان کے جسموں پر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی، وہ صحیح سالم باقی رہتے ہیں (۱)۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم پر رکھ کر آزاد کر دیتے ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لئے عرش رحمن کے نیچے معلق ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے کہ میں تمہیں عطا کر دوں، وہ کہیں گے کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں، ہمیں آپ کی طرف سے ہر قسم کی نعمت اور آرام وراحت حاصل ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اصرار دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یا اللہ ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ ہمیں دوبارہ زندہ کریں تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جائیں، اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ میں کسی کو دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجوں گا (۲)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي عُنُقِهِ شُجَاعًا، ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ} [آل عمران: 180] الآيَةَ، وَقَالَ مَرَّةً: قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِصْدَاقَهُ: سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنِ اقْتَطَعَ مَالَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ بِيَمِينٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ: {إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ} [آل عمران: 77]

---

(۱) معارف القرآن ۲/۲۳۶، تفسیر قرطبی ۴/۲۶۲، بیروت

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۵۶

الآیۃ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن میں ایک اژدھا بنا دیں گے، پھر آپ ﷺ نے ہمارے سامنے اس کے موافق کتاب اللہ سے یہ آیت پڑھی: "ولا یحسبن الذین ــــ" (جو لوگ اللہ کی اپنے فضل سے دی ہوئی چیزوں کو خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لئے برا ہے) راوی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اس کے مصداق میں یہ آیت پڑھی: "سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" (عنقریب قیامت کے دن جس چیز سے انہوں نے بخل کیا تھا وہ ان کی گردن میں طوق بنا کر لٹکائی جائے گی) اور جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال جھوٹی قسم کھا کر لے لے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہوں گے، پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے مصداق میں یہ آیت پڑھی: "ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمنا قلیلا"۔

بخل کی تعریف اور اس پر سزا کی تفصیل

شرعاً بخل کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اس کو خرچ نہ کرے، اس طرح کا بخل اور کنجوسی حرام ہے، اور اسی پر جہنم کی شدید وعید ہے، اور جن مواقع میں خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے وہ اس حرام بخل میں داخل نہیں، البتہ معنیٰ عام کے اعتبار سے اس کو بھی بخل کہہ دیا جاتا ہے، اس قسم کا بخل حرام نہیں مگر بہتر نہیں۔ اس حرام بخل میں یہ بھی داخل ہے کہ ایک مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہو وہ اسے ادا نہ کرے تو مذکورہ حدیث میں ایسے شخص کے لئے وعید آئی ہے کہ قیامت کے روز یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، تیرا سرمایہ ہوں، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی، یہ ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے(۲)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مَوْضِعَ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ} [آل عمران:185](۳)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی

---

(۱) سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب: التغلیظ من حبس الزکاۃ

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۵۸، معارف القرآن ۲/۲۵۲

(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب: صفۃ الجنۃ

تمام چیزوں سے بہتر ہے، لہذا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: "فمن زحزح عن النار ــــ" (تو جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہ پورا کامیاب ہوا، اور دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں، صرف دھوکہ کا سودا ہے)

اصل کامیابی

اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی اصل کامیابی یہ ہے کہ اسے جنت مل جائے، اور جہنم سے چھٹکارا حاصل ہو جائے، اس لئے ایک مسلمان کو آخرت کی تیاری اور اس کی فکر کرنی چاہئے، دنیا کی لذتوں اور راحتوں کی طرف توجہ نہ کرے کہ دنیا سراسر دھوکہ کا سامان ہے اور بالآخر اس نے فنا ہو جانا ہے، اور آخرت کی زندگی ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہے لہذا اس کی تیاری بھی اسی قدر اہتمام سے ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، قَالَ: اذْهَبْ يَا رَافِعُ - لِبَوَّابِهِ - إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْ لَهُ: لَئِنْ كَانَ كُلُّ امْرِئٍ فَرِحَ بِمَا أُوتِيَ، وَأَحَبَّ أَنْ يُحْمَدَ بِمَا لَمْ يَفْعَلْ مُعَذَّبًا، لَنُعَذَّبَنَّ أَجْمَعُونَ. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا لَكُمْ وَلِهَذِهِ الآيَةِ إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ فِي أَهْلِ الكِتَابِ ثُمَّ تَلَا ابْنُ عَبَّاسٍ: {وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ} [آل عمران: 187] وَتَلَا {لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا} [آل عمران: 188] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: سَأَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَتَمُوهُ، وَأَخْبَرُوهُ بِغَيْرِهِ فَخَرَجُوا، وَقَدْ أَرَوْهُ أَنْ قَدْ أَخْبَرُوهُ بِمَا سَأَلَهُمْ عَنْهُ، وَاسْتُحْمِدُوا بِذَلِكَ إِلَيْهِ، وَفَرِحُوا بِمَا أُوتُوا مِنْ كِتْمَانِهِمْ، مَا سَأَلَهُمْ عَنْهُ(۱)۔

حمید بن عبد الرحمن بن عوف نے ابن ملیکہ کو بتایا کہ مروان بن حکیم نے اپنے محافظ کو کہا کہ اے رافع تم ابن عباس کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر کوئی شخص اس علم پر خوش ہو جو اسے عطا کیا گیا اور یہ چاہے کہ عمل کے بغیر ہی اس کی تعریف کی جائے، اگر یہ عذاب کا سبب بنے گا تو پھر ہم سب کو عذاب دیا جائے گا، حضرت ابن عباس نے فرمایا: تمہارا اس آیت سے کیا تعلق؟ یہ آیت تو اہل کتاب کے بارے میں نازل کی گئی ہے، پھر ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: "واذ اخذ اللہ میثاق ــــ ولهم عذاب اليم" (یہ حالت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کے سب مضامین عام لوگوں کے سامنے بیان کر دینا اور اس کے کسی مضمون کو پوشیدہ نہ رکھنا، لیکن ان لوگوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت پھینک دیا، اور اس کے مقابلے میں دنیا کا کم حقیقت معاوضہ لے لیا، سو بری چیز ہے جس کو وہ لے رہے ہیں، اے مخاطب جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور جو نیک کام نہیں کیا، اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو، سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کر کہ وہ دنیا میں خاص طور کے عذاب سے بچاؤ میں رہیں

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: لا تحسبن الذین یفرحون بما أتوا۔

گے، ہرگز نہیں، بلکہ دنیا میں بھی کچھ سزا ہوگی، اور آخرت میں بھی ان کو دردناک سزا ہوگی)۔
حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے کوئی بات پوچھی تو انہوں نے اس بات کو چھپایا اور اس کے علاوہ اور کوئی بات آپ کو بتادی، پھر وہ نکل کر چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی تاثر دیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی بات بتلائی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھی تھی، اس بتانے پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعریف کے خواہش مند ہوئے، اور اس بات پر خوش ہوئے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصل وہ بات چھپائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ بواب: دربان، محافظ۔ فرح بما أوتی: اس علم پر وہ خوش ہوا اور اترائے جو اسے دنیا میں عطا کیا گیا۔ فاستحمدوا: اس لفظ کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اگر معروف پڑھیں تو اس کے معنی ہوں گے: وہ یہودی اس بتانے پر یہ چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کریں، اور اگر مجہول پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے: وہ یہودی اس بات کے خواہش مند رہتے کہ اس پر ان کی تعریف کی جائے۔ بما اوتوا: وہ علم جو انہیں عطا کیا گیا جسے چھپا کر وہ خوش ہو رہے تھے اور بعض نسخوں میں "بما اوتوا" ہے: جو کچھ انہوں نے کیا۔

علم دین کو چھپانا حرام اور عمل کے بغیر تعریف کا خواہش مند ہونا انتہائی مذموم ہے

مذکورہ دو آیتوں کے شان نزول کے بارے میں احادیث میں دو واقعات منقول ہیں یہ دونوں ہی نزول کا سبب بن سکتے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں کیونکہ ایک آیت کے نزول کے اسباب متعدد ہو سکتے ہیں:

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شرکت نہیں کرتے تھے، بہانے کر کے گھر میں بیٹھ جاتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوات سے واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کے عذر پیش کرتے اور قسمیں کھاتے کہ ہم تو معذور تھے، تو ایک طرف تو جہاد میں نہ جانے کی انہیں خوشی ہوتی کہ مشقت سے بچ گئے، اور دوسری طرف اس بات کے بھی خواہش مند ہوتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہماری تعریف کی جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی(۱)۔

۲۔ دوسرا واقعہ اس باب کی مذکورہ روایت میں ہے کہ مروان جس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا گورنر تھا، اس زمانے میں اس نے اپنے دربان رافع کو حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس ان آیات کی تفسیر پوچھنے کے لئے بھیجا کہ "یفرحون بما أتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا" سے کیا مراد ہے، بظاہر ہم میں سے ہر شخص اپنے اعمال پر خوش ہوتا ہے اور عمل کے بغیر اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، تو اگر یہ چیز عذاب کا سبب ہے تو پھر تو ہم میں سے ہر شخص کو

(۱) فتح الباری ۸/۲۹۶، کتاب التفسیر، باب لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا۔

العیاذ باللہ عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہارا اس آیت سے کیا تعلق؟ یہ آیت تو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے کوئی بات دریافت کی، انہوں نے اصل بات تو بتائی نہیں اور دوسری بات بیان کردی، کیا بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھی تھی؟ بعض کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی صفات اور بشارت سے متعلق پوچھا کہ وہ صاف اور واضح انداز سے بیان کریں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ گول مول الفاظ اور غیر واضح کلام کیا، ساتھ ہی وہ خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا، ہم نے حق بات چھپائی ہے، اور دوسری طرف یہ امید رکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ ہماری تعریف کریں کہ یہ بڑے علم والے ہیں، دیندار اور حق پرست ہیں، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

سابقہ تفصیل سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اپنے برے عمل اور کردار پر اترانا اور خوش ہونا جائز نہیں، حرام ہے، جیسا کہ یہ یہودی اور منافقین اپنے عمل بد پر فخر کرتے اور خوش ہوتے، جس کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم ہوا۔
- علم دین اور قرآن وسنت کے کسی حکم کو دنیاوی اغراض اور فوائد کے حصول کے لئے چھپانا حرام ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اگر کسی دینی اور شرعی مصلحت کی وجہ سے کوئی حکم عوام کو نہ بتایا جائے کہ اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو جائے گا، تو وہ علم کے چھپانے میں داخل نہیں، لہذا اسے بیان نہ کرنے پر کوئی وعید نہیں۔
- مسلمانوں کو یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس پر فخر نہ کریں، اترائیں نہیں بلکہ ندامت سے اللہ کے حضور اس کی معافی مانگیں۔
- جب کوئی نیک کام ہو جائے تو اس پر تکبر وغرور نہ کریں بلکہ اللہ کا شکر ادا کریں اور اگر اچھا کام کیا ہی نہیں تو اس کی تعریف کے امیدوار نہ رہیں بلکہ جب وہ نیک کام ہو جائے تو بھی لوگوں کی طرف سے مدح وثناء کی خواہش نہ رکھیں، اس کام کو صرف اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے کریں، لوگ اس پر تعریف کریں یا نہ کریں، اس کی پرواہ ہی نہ ہو(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ

یہ باب سورۃ النساء کے بارے میں ہے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: مَرِضْتُ فَأَتَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي، وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ، فَلَمَّا أَفَقْتُ، قُلْتُ: كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ فَسَكَتَ عَنِّي حَتَّى نَزَلَتْ:

---

(۱) الکوکب الدری ۹۸/۴، معارف القرآن ۲۵۷/۲، تحفۃ الاحوذی ۳۶۰/۸

{يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ} [النساء:11](۱)۔

محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تو نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے، مجھ پر بے ہوشی طاری تھی جب مجھے بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں اپنے مال کے بارے میں کیا فیصلہ کروں؟ نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے مجھے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں: "یوصیکم اللہ۔۔۔" (اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے)۔

آیت کے نزول سے متعلق تعارضِ روایات اور اس کا حل

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت "یوصیکم اللہ في اولادکم" کا نزول حضرت جابر کے قصہ میں ہوا ہے،

جبکہ شعبہ اور سفیان ثوری کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں سورہ نساء کی آخری آیت، آیت کلالہ یعنی "یستفتونک قل اللہ۔۔۔" نازل ہوئی ہے، آیت میراث یعنی "یوصیکم اللہ" حضرت جابر کے قصہ میں نہیں بلکہ حضرت سعد بن ربیع کی لڑکیوں کے بارے میں نازل ہوئی، جب حضرت سعد بن ربیع غزوۂ احد میں شہید ہوئے، تو ان کی اہلیہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! سعد بن ربیع کا بھائی چاہتا ہے کہ وہ سارے مال پر قبضہ کر لے، اگر اس نے سارے مال پر قبضہ کر لیا تو ان بچیوں کی شادی بغیر مال کے مشکل ہوگی، اس پر یہ آیت "یوصیکم اللہ۔۔۔" نازل ہوئی۔

بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے کہ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میراث حضرت جابر کے قصہ میں نازل ہوئی اور دوسری روایت سے آیت کلالہ کا نزول ثابت ہوتا ہے،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تعارض کو یوں حل کیا ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں آیت میراث کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں جو "وان کان رجل یورث کلالۃ" آیا ہے، صرف اس حصے کا تعلق حضرت جابر کے قصے سے ہے، اور آیت کریمہ کا ابتدائی حصہ حضرت سعد بن ربیع کی لڑکیوں کے بارے میں نازل ہوا، آیت کا ابتدائی حصہ حضرت جابر کے بارے میں کسی طرح نازل نہیں ہوسکتا، کیونکہ ابتدائی حصہ میں ایسے لوگوں کے متعلق میراث کے احکام بیان کئے گئے ہیں جن کی اولاد ہو، اور حضرت جابر کے قصہ میں بعض طرق میں یہ منقول ہے، "انما یرثنی کلالۃ" میرا وارث کلالہ ہے، کلالہ کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو اور نہ ولد ہو، اور اس وقت حضرت جابر کے والد اور ولد دونوں نہیں تھے، اس لئے آیت کا آخری حصہ ہی ان کے قصہ سے متعلق ہوسکتا ہے،

(۱) صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب: عیادة المغمی علیه

حاصل یہ کہ آیت میراث کا آخری حصہ بھی حضرت جابر کے قصہ میں نازل ہوا اور آیت کلالہ تو سب کے نزدیک حضرت جابر کے واقعہ میں ہی نازل ہوئی ہے، آیت میراث کے آخر میں کلالہ سے متعلق احکام چونکہ مختصر تھے، اس لئے سورہ نساء کے آخر میں کلالہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوئے(۱)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أَوْطَاسٍ أَصَبْنَا نِسَاءً لَهُنَّ أَزْوَاجٌ فِي الْمُشْرِكِينَ فَكَرِهَهُنَّ رِجَالٌ مِنَّا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ {وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ} [النساء: 24]۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ غزوہ اوطاس کے دن ہم لوگوں نے مال غنیمت کے طور پر ایسی عورتیں پائیں جن کے شوہر مشرکین میں موجود تھے، تو بعض لوگوں نے ان سے صحبت کرنے کو ناپسند سمجھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، "والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم" (اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو شوہر والیاں ہیں، مگر یہ کہ وہ تمہاری ملکیت میں (باندی بن کر) آجائیں (تو پھر وہ تمہارے لئے حلال ہیں)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ لَهُنَّ أَزْوَاجٌ فِي قَوْمِهِنَّ، فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَتْ: {وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ} [النساء: 24] (۲)۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ غزوہ اوطاس میں ہم نے غنیمت کے طور پر کچھ ایسی عورتیں پائیں جن کے شوہر بھی اپنی قوم میں موجود تھے، چنانچہ صحابہؓ نے اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: "والمحصنت من النساء۔۔۔ الخ"

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أصبنا: ہم نے پایا۔ اوطاس: طائف کی جانب ایک جگہ کا نام ہے۔ کرھھن: بعض صحابہ نے ان سے جماع کرنا ناپسند سمجھا۔ محصنت: وہ عورتیں جو شوہر والی ہیں۔ سبایا: سبیة کی جمع ہے، وہ عورت جو گرفتار ہو کر آئے۔

باندی حلال ہے

"والمحصنت من النساء الا ما ملکت أیمانکم" کا مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ عورت سے کسی دوسرے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی عورت ملکیت میں آجائے اور باندی ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دار الحرب کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کر کے دار الاسلام لے آئے، اور ان عورتوں کے شوہر دار الحرب میں ہی رہ گئے، تو ان عورتوں کا نکاح دار الاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہروں سے ختم ہو جاتا ہے، اب اگر یہ عورت کتابیہ یا مسلمان ہو تو اس سے دار الاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کر سکتا ہے، اور اگر امیر المومنین اس کو باندی بنا کر کسی فوجی سپاہی کو مال غنیمت کی تقسیم میں

(۱) فتح الباری ۳۰۸/۸، کتاب التفسیر باب یوصیکم اللہ، تحفۃ الاحوذی ۳۶۲/۸، الکوکب الدری ۱۰۰/۴

(۲) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب: جواز وطی المسبیة

دے دے، تب بھی اس باندی سے جماع وغیرہ جائز ہے، لیکن یہ جماع وغیرہ ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے، اور اگر وہ حاملہ ہے تو پھر وضع حمل ضروری ہے، اس کے بعد جماع وغیرہ جائز ہوگا(۱)۔

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الكَبَائِرِ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللہِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَقَوْلُ الزُّورِ(۲)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کے بارے میں فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

عَنْ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الكَبَائِرِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللہِ، قَالَ: الإِشْرَاكُ بِاللہِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ قَالَ: وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ: وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ: فَمَا زَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ(۳)۔

حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں سے متعلق نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے جبکہ آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے، پھر فرمایا: جھوٹی گواہی یا فرمایا: جھوٹی بات، راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل یہ جملہ دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے: کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوجائیں۔

عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ أُنَيْسٍ الجُهَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الكَبَائِرِ الشِّرْكَ بِاللہِ، وَعُقُوقَ الوَالِدَيْنِ، وَاليَمِينَ الغَمُوسَ، وَمَا حَلَفَ حَالِفٌ بِاللہِ يَمِينَ صَبْرٍ، فَأَدْخَلَ فِيهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوضَةٍ إِلَّا جُعِلَتْ نُكْتَةً فِي قَلْبِهِ يَوْمَ القِيَامَةِ(۴)۔

حضرت عبداللہ بن انیس جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں سے چند یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا اور جو اللہ کے نام پر ایسی قسم کھائے کہ فیصلہ اسی قسم پر موقوف ہو، پھر وہ اس قسم میں مچھر کے پر کے برابر بھی جھوٹ شامل کردے تو اس کے دل پر قیامت تک ایک سیاہ نکتہ لگادیا جاتا ہے۔

---

(۱) معارف القرآن ۲/۳۶۴

(۲) صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب ما قیل فی شهادة الزور

(۳) ایضا

(۴) مسند احمد ۳/۴۹۵

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَبَائِرُ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَالَ: الْيَمِينُ الْغَمُوسُ شَكَّ شُعْبَةُ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں سے چند یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اور والدین کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: جھوٹی قسم، (یہ شعبہ راوی کا شک ہے)

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تعریف

یوں تو اللہ کی نافرمانی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، بہرحال وہ اللہ جل جلالہ کی ناراضگی کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے گناہوں کی اس تقسیم یعنی صغیرہ اور کبیرہ سے ہی انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ کبیرہ ہی ہے، کوئی گناہ صغیرہ نہیں، لیکن جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ گناہوں میں صغائر اور کبائر دونوں ہوتے ہیں، اس کا ثبوت قرآن مجید سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں فرمایا: "الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم"، اس میں "لمم" سے صغیرہ گناہ مراد ہیں، اور سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم"، اس میں بھی "سیات" سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔

کون سا گناہ کبیرہ ہے اور کونسا صغیرہ؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا میں جہنم، اللہ کے غضب، لعنت یا عذاب کی وعید ذکر کی گئی ہو، اور جو گناہ ایسا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔

۲۔ امام احمد اور بعض شوافع سے منقول ہے کہ ہر وہ گناہ جس کی وعید میں آخرت میں جہنم کا ذکر ہو اور دنیا میں حد واجب ہوتی ہو، وہ کبیرہ گناہ ہے۔

۳۔ ابن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ قرآن وسنت میں جن گناہوں کے کبیرہ ہونے کا ذکر ہے، وہ تو کبائر ہیں، ان کے علاوہ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ گناہ کرنے والے نے اسے معمولی اور حقیر سمجھ کر کیا ہے، اور اس کی قباحت کو کوئی اہمیت نہیں دی(۲)۔

۴۔ بعض حضرات نے یوں تعریف کی ہے: ہر وہ گناہ جس پر وعید ہو یا حد ہو یا اس پر لعنت آئی ہو یا اس کا فساد اور خرابی اس گناہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید، حد یا لعنت آئی ہو، یا اس میں دین کا استہزاء اور استخفاف ہو تو وہ کبیرہ ہے، اور جو گناہ ایسا نہ ہو

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، باب الیمین الغموس

(۲) فتح الباری ۱۰/۵۰۳ کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر۔

تو وہ صغیرہ ہے(۱)۔

کبائر کی تعداد کیا ہے؟

احادیث میں کبائر کی تعداد مختلف منقول ہے، بعض میں سات، نو، گیارہ، چالیس، ستر اور حضرت ابن عباسؓ سے سات سو کی تعداد بھی منقول ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس تعداد سے حصر بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ موقع ومحل کے لحاظ سے اس گناہ کی سنگینی اور اس وقت کے حالات اور تقاضے کے اعتبار سے یہ مخصوص تعداد بیان کی گئی ہے، ورنہ کبائر کی تعداد بہت زیادہ ہے (۲)۔

اب ان مذکورہ احادیث میں جن کبیرہ گناہوں کو بیان کیا گیا ہے، ان کی تشریح یہ ہے:

❁ "الاشراک باللہ" اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اور بعض نے اس کلمے سے کفر مراد لیا ہے، اور اہل عرب میں اس وقت چونکہ شرک بکثرت ہوتا تھا، اس لئے شرک کے عنوان کو اختیار کیا(۳)۔

❁ عقوق الوالدین، والدین کی نافرمانی کرنا، جائز امور میں ان کی بات نہ ماننا، ان کی خدمت نہ کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا۔

❁ کسی انسان کو ناحق مار دینا۔

❁ جھوٹی گواہی دینا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لگا کر تشریف فرما تھے لیکن جب جھوٹی گواہی کا ذکر فرمایا تو سیدھے بیٹھ گئے اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے، جس میں جھوٹی گواہی کو بیان کیا گیا ہے، یہ سب کچھ آپ نے اس کی قباحت اور شفاعت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا تاکہ مسلمان اس سے اجتناب کیا کریں۔

❁ جھوٹی قسم کھانا اور فرمایا کہ جو شخص "یمین صبر" کھائے یعنی ایسی اہم قسم کھائے جس پر اس معاملے کا فیصلہ موقوف ہو، اور یہ اس میں کچھ خلاف حقیقت بات یعنی جھوٹ شامل کرلے اگرچہ وہ بہت تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، تو ایسے شخص کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جو قیامت تک اس کے قلب پر رہے گا، پھر قیامت کے دن اسے اس کی سزا ہوگی۔

اس یمین کو "یمین صبر" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان اپنے نفس کو صبر کر کے قسم اٹھانے کا پابند کرلیتا ہے(۴)۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: يَغْزُو الرِّجَالُ وَلَا تَغْزُو النِّسَاءُ وَإِنَّمَا لَنَا نِصْفُ الْمِيرَاثِ. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ {وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا

---

(۱) نفحات التنقیح ۱/۴۲۲
(۲) عمدۃ القاری ۲۲/۸۴
(۳) فتح الباری ۱۰/۵۰۰
(۴) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۶۷

فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ} [النساء:32] قَالَ مُجَاهِدٌ: وَأُنْزِلَ فِيهَا {إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ} [الأحزاب:35] وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ أَوَّلَ ظَعِينَةٍ قَدِمَتِ الْمَدِينَةَ مُهَاجِرَةً(۱)۔

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتیں، اور ہم عورتوں کے لئے وراثت میں بھی مرد سے آدھا حصہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ولا تتمنوا۔۔۔" (اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو، جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (مثلاً مردوں کو) بعضوں پر (مثلاً عورتوں پر) فوقیت بخشی ہے) اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت: "ان المسلمین والمسلمات۔۔۔" بھی ان (یعنی ام سلمہ) کے بارے میں نازل کی گئی ہے، اور ام سلمہ پہلی عورت ہیں جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: لَا أَسْمَعُ اللّٰهَ ذَكَرَ النِّسَاءَ فِي الْهِجْرَةِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: إِنِّيْ لَا أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ۔۔۔ (ال عمران: ۱۹۵)(۲)۔

حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ سے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے بالتخصیص ہجرت سے متعلق عورتوں کا ذکر کیا ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "انی لا اضیع ......" (میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم میں سے بعض، بعض سے ہیں)۔

غیر اختیاری امر کی تمنا نہ کی جائے

ایک موقع پر حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو میراث میں عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ دیا ہے، مرد جہاد کی فضیلت حاصل کرتے ہیں جبکہ عورتوں کو یہ شرف حاصل نہیں، اور ہجرت وغیرہ سے متعلق مردوں کا تو ذکر قرآن میں ہے، عورتوں کا ذکر نہیں، اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں، پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر اختیاری امر کی تمنا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عموماً اس میں حسد کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے، پھر وہ سوچتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی، کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کی کوشش اور عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا، خاندانِ نبوت میں یا سرکاری خاندان میں ہونا، حسین و جمیل اور خوبصورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے، یا خاندانی سید بن جائے، اس کا ناک، نقشہ اور قد و قامت حسین ہو جائے تو یہ اس کی قدرت میں نہیں، نہ کسی دواء، علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے اور جب دوسرے کی برابری پر

(۱) مسند احمد ۶/۳۲۲

(۲) اخرجه الحمیدی ۱/۱۴۴

قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں، اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرمناک اور نقصان دہ خصلت ہے، اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں فسادات اور قتل و غارتگری کا سبب ہے، اس لئے قرآن کریم کی اس آیت نے مسلمانوں کو ایسے امر کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے تاکہ وہ حسد جیسے مہلک امراض میں مبتلی نہ ہوں، البتہ جو کام اختیاری ہیں ان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اسے پسندیدہ قرار دیا گیا ہے مثلاً فضائل اور اعمال و اخلاق، تقوی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کو انتہائی پسندیدہ قرار دیا ہے۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ "أن المسلمين و المسلمات" یہ آیت حضرت ام سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس کی مزید تفصیل سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے نبی: قرآن میں صرف مردوں کا ذکر ہے، عورتوں کا کوئی ذکر نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ام سلمہ نے ایک مرتبہ یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ: قرآن میں ہجرت اور اعمال حسنہ وغیرہ میں ہم عورتوں کا بالتخصیص کہیں ذکر نہیں، اس پر سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی: "انی لا أضيع عمل عامل ....." جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی، جو شخص جیسا عمل کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا، لہذا نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد اور صلاحیت کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں، جب تم مرد و عورت ایک نوع انسان کے افراد ہو، ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو، ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو، ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی جیسا سمجھو(۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْهِ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ {فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا} [النساء: 41] غَمَزَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ وَعَيْنَاهُ تَدْمَعَانِ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے سامنے قرآن کریم پڑھوں جبکہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، چنانچہ میں نے آپ کے سامنے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی، یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: "فكيف اذا جئنا من كل أمة بشهيد" (ترجمہ: سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر (جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے))

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۷۲
(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب: الحزن والبکاء

گواہی دینے کے لئے حاضر لادیں گے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے مجھے اشارہ کیا کہ بس کرو، پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى بَلَغْتُ {وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا} [النساء:41] قَالَ: فَرَأَيْتُ عَيْنَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَهْمِلَانِ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن کی تلاوت کرو، میں نے عرض کیا یارسول اللہ: میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں جبکہ یہ آپ ہی پر نازل کیا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں، چنانچہ میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی، یہاں تک کہ جب میں اس آیت: "و جئنا بک علی هؤلاء شهيدا" پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ غمزنی بیده: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا۔ تذمعان: آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تهملان: آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

تلاوت سننا سنت ہے

مذکورہ روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کسی شخص سے قرآن مجید کی تلاوت سنے تو یہ سنت سے ثابت ہے، چنانچہ بعض علماء کے نزدیک اسی حکم میں ریڈیو، ٹی وی، نیٹ، کیسٹ اور سی ڈیز سے قرآن سننا ہے، کہ اگر آدمی اسے پوری توجہ کے ساتھ سنے اور اس میں اپنی صلاحیت کے بقدر غور وفکر کرے تو اسے اس پر اجر وثواب ملے گا۔

"فكيف اذا جئنا من كل أمة" سے میدان آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور اس سے کفار قریش کی توبیخ اور زجر بھی مقصود ہے، کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب میدان حشر میں ہر ہر امت کا نبی اپنی امت کے اچھے اور برے اعمال پر گواہ کے طور پر پیش ہوگا، اور آپ ﷺ بھی اپنی امت پر گواہ بن کر حاضر ہوں گے، اور بطور خاص ان کفار ومشرکین سے متعلق اللہ کی عدالت میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے کھلے کھلے معجزات دیکھ کر بھی تکذیب کی، اور آپ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان نہیں لائے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ آیت سن کر نبی کریم ﷺ اس لئے روئے تھے کہ آپ کے سامنے قیامت کا منظر آگیا، اور آپ کو اپنی امت کے ان لوگوں کا خیال آیا جو عمل کرتے ہی نہیں یا یہ کہ اعمال میں کمزور ہونگے جس کی وجہ سے انہیں عذاب ہوگا

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب: من أحب ان يستمع القرآن من غيره

(۱)۔

"وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا" اس آیت میں "ھؤلاء" سے کون مراد ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کے تین قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک "ھؤلاء" سے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے کفار و مشرکین اور منافقین مراد ہیں کہ انہوں نے اپنے منشا کے مطابق معجزات کا مطالبہ کیا، جب وہ مطالبہ پورا ہو گیا تو اس کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی تکذیب کی۔

۲۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے قیامت تک کی پوری امت محمدیہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ روزانہ صبح وشام آپ کی امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے رہتے ہیں، آپ ان لوگوں کو پہچان لیں گے، اس لئے آپ ان پر گواہی دیں گے (۲)۔

۳۔ بعض حضرات کے نزدیک "ھؤلاء" سے سابقہ انبیاء کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ گذشتہ انبیاء کی صداقت پر گواہی دیں گے جب ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی (۳)۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: صَنَعَ لَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ طَعَامًا فَدَعَانَا وَسَقَانَا مِنَ الخَمْرِ، فَأَخَذَتِ الخَمْرُ مِنَّا، وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَدَّمُونِي فَقَرَأْتُ: {قُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ} [الكافرون: 2] وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ. قَالَ: فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ} [النساء:43] (۴)۔

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف نے ہمارے لئے کھانا بنایا یعنی ہماری دعوت کی، اور اس میں ہمیں شراب پلائی، تو شراب نے ہماری عقلوں کو لے لیا یعنی ہم مدہوش ہو گئے، نماز کا وقت ہوا تو سب نے مجھے امامت کے لئے آگے کر دیا تو میں نے پڑھا: "قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون"، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلاۃ ـــ" (ترجمہ: اے ایمان والو: نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۷۳/۸

(۲) معارف القرآن ۴۲۰/۲

(۳) تفسیر عثمانی، سورہ نساء: ۱۱۰

(۴) سنن ابوداؤد، کتاب الاشربۃ باب: من تحریم الخمر

نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم

اس حدیث میں اس زمانے کا واقعہ ہے جس میں شراب کی حرمت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی، صحابہ کرام نے دعوت میں شراب پی، پھر نشہ میں ہی حضرت علی نے نماز پڑھائی تو سورہ کافرون کی قراءت میں غلطی کر دی کہ جس سے معنی تبدیل ہو گئے، چنانچہ انہوں نے پڑھا: "نحن نعبد ما تعبدون" کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ،

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی پر اگر نیند کا شدید غلبہ ہو یا کسی دوا کی وجہ سے ایسی غنودگی ہو کہ اسے کچھ بھی سمجھ نہ آ رہا ہو یا نشہ کی حالت میں ہو تو ان تمام مواقع میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اسی روایت میں حضرت علی کی امامت کا ذکر ہے، بعض روایات میں حضرت عبدالرحمن بن عوف اور بعض میں ایک شخص کی امامت کا ذکر ہے(۱)۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ، فَأَبَى عَلَيْهِ، فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ: اسْقِ يَا زُبَيْرُ وَأَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ. فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: يَا زُبَيْرُ اسْقِ وَاحْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللهِ إِنِّي لَأَحْسِبُ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذَلِكَ {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ} [النساء: 65] الآيَة(۲)۔

حضرت عروہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک انصاری کا حضرت زبیر سے مقام حرہ (کی کھیتوں میں) پانی لے جانے والی ان نالیوں پر جھگڑا ہوا، جن سے وہ اپنے کھجوروں کے درختوں کو پانی دیا کرتے تھے، انصاری نے کہا: تم پانی کو چلتا ہوا چھوڑ دو، لیکن حضرت زبیر نے انکار کر دیا، پھر وہ دونوں اپنا جھگڑا لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا: زبیر! تم اپنے باغ کو پہلے سیراب کرو، پھر پانی کو اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دیا کرو، اس پر انصاری ناراض ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ نے یہ فیصلہ ان کے حق میں اس لئے کیا کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، یہ سن کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، پھر فرمایا: زبیر! تم اپنے باغ کو سیراب کرو، اور پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ منڈیر تک پہنچ جائے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۷۴/۸

(۲) صحیح بخاری، کتاب الشرب والمساقاۃ، باب: شرب الأعلی الی الکعبین

حضرت زبیر فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میرے خیال میں یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی تھی: "فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک۔" (آپ کے رب کی قسم ہے: یہ لوگ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس کے جھگڑوں میں نبی کریم ﷺ کو منصف نہ ٹھہرائیں، اور پھر آپ کے فیصلے کو تہ دل سے قبول نہ کرلیں کہ ان کے دلوں میں کوئی کدورت باقی نہ رہے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خاصم: جھگڑا کیا۔ شراج: شرج کی جمع ہے: اوپر سے بہہ کرآنے والا نالہ، وہ نالیاں جن سے کھیتوں اور باغات کو سیراب کیا جاتا ہے۔ حرۃ: کالے پتھر والی زمین جو جلی ہوئی دکھائی دے، یہ مدینہ منورہ سے باہر ایک علاقہ کا نام ہے جہاں سیاہ پتھر ہیں، یہ وہی زمین ہے جہاں یزید بن معاویہ کے زمانے میں لڑائی ہوئی تھی جسے "واقعہ حرہ" کہا جاتا ہے۔ سرح: تو پانی چھوڑ دے۔ فاختصموا الی رسول اللہ ﷺ: پھر وہ دونوں اپنا جھگڑا نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے۔ واحبس الماء: اور تو پانی کو روک کر رکھ یعنی انصاری کے لئے نہ چھوڑو۔ حتی یرجع: یہاں تک کہ پانی پہنچ جائے۔ جدر: (جیم پر زبر اور دال کے سکون کے ساتھ): منڈیر۔ أن کان ابن عمتک: اصل عبارت یوں ہے: حکمت بذلک بسبب ان کان آپ نے یہ فیصلہ اس وجہ سے کیا کہ وہ آپ کے چچازاد ہیں، کزن ہیں۔

حضرت زبیر اور ایک انصاری کا پانی کے بارے میں تنازعہ

حضرت زبیر اور ایک انصاری کی مقام حرہ میں ساتھ ساتھ زمین تھی، وہاں پر قدرتی پانی کی نالیاں گذرتی تھیں، حضرت زبیر کی زمین بلندی پر تھی اور اس نالی کے قریب بھی تھی جبکہ اس انصاری کی زمین نیچے تھی اور نالی سے دور بھی تھی، ایسے میں عام طور پر قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جو اوپر والا ہے پہلے وہ اپنی زمین کو سیراب کرلیتا ہے، پھر دوسرے آدمی کے لئے وہ پانی چھوڑ دیتا ہے، لہذا جب پانی آتا تو حضرت زبیر اوپر سے پانی کو روک لیتے اور اپنے کھیت کو پانی لگادیتے، جب ان کا کھیت پانی سے بھر جاتا تو پھر پانی کو چھوڑ دیتے، تو پھر وہ پانی انصاری کی زمین کی طرف چلا جاتا، لیکن وہ انصاری یہ کہتا تھا کہ پہلے میں اپنے کھیت میں پانی لگاؤں گا اور حضرت زبیر یہ کہتے تھے کہ پہلے میں اپنے کھیت کو سیراب کروں گا، جب ان دونوں میں پانی کے مسئلے میں تنازعہ زیادہ بڑھ گیا اور تصفیہ کی کوئی صورت نہ بن سکی تو یہ دونوں اپنا تنازعہ لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری صورتحال آپ کے سامنے بیان کی۔

نبی کریم ﷺ نے یہ تنازعہ ختم کرنے کے لئے مصالحت کے طور پر فرمایا: زبیر پہلے تم اپنے کھیت میں پانی لگایا کرو اور پھر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو، کیونکہ حضرت زبیر کا کھیت پہلے تھا، لیکن اس انصاری صحابی نے اس فیصلہ سے ناراضگی کا اظہار کیا اور یہ کہنے لگا کہ آپ ﷺ نے جو یہ فیصلہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زبیر، حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، حضرت زبیر کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب، نبی کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں، یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ کی

وجہ سے متغیر ہوگیا، اس فیصلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کی رعایت کی تھی کہ حضرت زبیر سے یہ فرمایا تھا کہ جتنا پانی تمہاری ضرورت ہو اتنا لے لیا کرو، اس کے بعد چھوڑ دیا کرو اور منڈیر تک پانی بھرنے کا انتظار نہ کیا کرو، لیکن اس انصاری نے جب بلاوجہ اعتراض کیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل فیصلہ صادر فرمایا چنانچہ حضرت زبیر سے فرمایا: زبیر تم اپنے کھیت کو پانی دو، پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ پانی منڈیر تک لوٹ آئے اور منڈیر تک بھر جائے تو پھر اس کے بعد چھوڑ دو، کیونکہ اصل حکم یہی ہے کہ جس شخص کی کھیتی اوپر ہو تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے کھیت میں اتنا پانی بھرلے کہ اس کی منڈیریں بھر جائیں،

یہ انصاری آدمی کون تھے؟ بعض حضرات کے نزدیک یہ منافق تھا، لیکن یہ بات درست نہیں، کیونکہ امام بخاری نے کتاب الصلح میں یہ روایت نقل کی ہے، اس میں اس کی تصریح ہے کہ وہ ایسے انصاری صحابی ہیں جو غزوہ بدر میں شامل تھے اور واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بدر میں کوئی بھی منافق شامل نہیں تھا، لہذا یہ کہنا کہ وہ منافق تھا، درست نہیں۔

بعض روایتوں میں ان کا نام حاطب بن ابی بلتعہ ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ بدری تو تھے، انصاری نہیں تھے، بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ انصار سے یہاں اصطلاحی انصار مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ونصرت کرتے تھے۔

بعض روایتوں میں اور مختلف نام بھی منقول ہیں لیکن اتنی بات واضح ہے کہ یہ بدری صحابہ میں سے تھے، لہذا ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اس طرح سے ناراضگی کا اظہار کرنا یہ شبہہ پیدا کرتا ہے کہ اس سے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وما کان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضی الله و رسوله ــ فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ــــ"۔

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ابتداء اسلام کا ہے، ابھی تک یہ آیت "فلا و ربک ــــ" نازل نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اس طرح ناراضگی کا اظہار کرنا اگرچہ سنگین غلطی تھی لیکن اس کو حد کفر تک دو وجہ سے نہیں سمجھا گیا:

۱۔ ابھی تک احکام اور عقائد سے پوری طرح صحابہ کرام واقف نہیں تھے، اور آیت کریمہ "فلا و ربک ــــ" بھی ابھی نازل نہیں ہوئی تھی، لہذا ناواقفیت، جہالت اور تقاضہ بشریت کی بناء پر غصہ کی وجہ سے اس انصاری صحابی سے غلطی ہوگئی تھی گو کہ وہ ایک مخلص صحابی تھے۔

۲۔ اس انصاری صحابی نے جو یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ رعایت کی ہے، اسکا یہ مقصد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط فیصلہ کیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی وہ مصالحت کے طور پر تھی، اور صلح دونوں فریقوں کی رضامندی سے ہوتی ہے اور صلح میں کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صلح کے لئے دو جائز راستے تھے ایک یہ کہ آپ حضرت زبیر کے حق میں صلح کریں اور دوسرا یہ کہ اس انصاری صحابی کے حق میں صلح کا فیصلہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زبیر کے حق میں صلح کا فیصلہ فرمایا، تو اس پر اس انصاری صحابی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کا جو راستہ

اختیار کیا وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی کی رعایت پر مشتمل ہے، انہوں نے یہ الزام عائد نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے ظلم کا فیصلہ فرمایا العیاذ باللہ، اگرچہ یہ بات بھی ایک نبی کی شان میں بہت بڑی گستاخی اور انتہائی سنگین غلطی ہے تاہم باعثِ کفر نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کو اس فیصلہ سے انکار پر تعزیراً بھی کوئی سزا نہیں دی تا کہ لوگ اسلام کے قریب ہوں، متنفر نہ ہوں کیونکہ مدنی دور کے ابتداء میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، گویا تالیف قلب کے طور پر آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا نہیں دی، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت اس سزا کو معاف کرسکتا ہے جو تعزیراً ثابت ہوئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جو دو مختلف فیصلے فرمائے، ان میں اصل فیصلہ کونسا تھا؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں اکثر حضرات کے نزدیک اصل فیصلہ بعد والا تھا مگر شروع میں آپ ﷺ نے حضرت زبیر کو اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی تھی مگر جب وہ انصاری صحابی اس پر راضی نہ ہوئے تو پھر اصل فیصلہ تجویز فرمایا، لیکن بعض علماء مثلاً علامہ ماوردی نے فرمایا کہ اصل فیصلہ پہلا ہی تھا، بعد میں جو فیصلہ فرمایا وہ تعزیر کے طور پر تھا۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ جس شخص کی زمین پہلے اور اس موقع کے اعتبار سے بلندی پر بھی واقع ہو تو شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہے کہ پہلے وہ اپنے کھیت کو سیراب کرے اور پھر بعد والا اپنے کھیت کو پانی لگائے (۱)۔

۲۔ جب دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہو جائے اور آپس میں تصفیہ کی کوئی صورت نہ بن پائے تو انہیں چاہئے کہ کسی عادل آدمی یا عدالت میں اپنا کیس لے جائیں تا کہ ان کا یہ نزاع حل ہو جائے۔

۳۔ عدالت کی توہین یا قاضی کے فیصلے کی توہین یا اس پر بددیانتی کا اعتراض کرنا اور اس کو نہ ماننا باعثِ تعزیر ہے، ایسی صورت میں قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس پر تعزیر جاری کرے۔

فقال الزبیر: حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ آیت "فلا وربک لا یؤمنون ـــ" اسی موقع پر نازل ہوئی، اس آیت کے سبب نزول میں دیگر واقعات بھی منقول ہیں، اور ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک آیت کے نزول کا سبب متعدد واقعات ہوں (۲)۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، فِي هٰذِهِ الآيَةِ {فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ} [النساء:88] قَالَ: رَجَعَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ، فَكَانَ النَّاسُ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ: فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَقُولُ: اقْتُلْهُمْ، وَفَرِيقٌ يَقُولُ: لَا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: {فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ} وَقَالَ: إِنَّهَا طَيِّبَةٌ وَقَالَ: إِنَّهَا تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵۸۰/۴ کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعہ ﷺ فتح الباری ۴۵/۵، کتاب الشرب، باب سکر الانہار۔

(۲) فتح الباری ۴۸/۵، کتاب الشرب والمساقاۃ، باب سکر الانہار۔

تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيدِ(۱)۔

حضرت زید بن ثابت سے منقول ہے کہ انہوں نے: "فما لکم فی المنافقین فئتین" کی تفسیر میں فرمایا: غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ میدانِ جنگ سے لوٹ گئے تھے، ان کے متعلق صحابہ کرام کے دو فریق ہو گئے ایک فریق کہتا تھا کہ انہیں قتل کر دو، اور دوسرے فریق نے کہا کہ قتل نہ کیا جائے (کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "فما لکم فی المنافقین فئتین"، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ ایک پاکیزہ جگہ ہے، اور فرمایا کہ مدینہ گندگی اور ناپاکی یوں نکالتا ہے جیسے آگ لوہے کے میل یعنی زنگ کو دور کرتی ہے۔

فما لکم فی المنافقین کے شانِ نزول میں چند روایات

سورہ نساء کی اس آیت "فما لکم فی المنافقین" کے شانِ نزول کے بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، اور سب ہی اس کے نزول کا سبب بن سکتی ہیں، چند روایات یہ ہیں:

۱۔ ایک تو یہی واقعہ ہے جو مذکورہ حدیث میں ہے کہ غزوہ احد میں جانے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام، جن میں منافقین بھی شامل تھے، سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر ہی جنگ کی جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، دونوں قسم کی آراء تھیں، عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اور اس کے ساتھیوں کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی رہا جائے، کفار مکہ نے حملہ کیا تو یہیں سے مقابلہ کریں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری رائے زیادہ پسند آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز کے بعد صحابہ کرام کو خروج کا حکم دے دیا، سب نے تیاری شروع کر دی، جب میدانِ احد پہنچ گئے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے ساتھ تین سو بندوں کو یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ میری رائے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل نہیں کیا، اب مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی، جبکہ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی، میدانِ جہاد سے لوٹ کر آنے والے منافقین کے بارے میں صحابہ کرام کے دو طبقے ہو گئے، ایک کی رائے یہ تھی کہ یہ کافر ہیں لہذا انہیں قتل کر دیا جائے، جبکہ دوسرے طبقہ کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ یہ کلمہ گو ہیں، بظاہر مسلمانوں کی طرح اعمال کرتے ہیں، لہذا انہیں قتل نہ کیا جائے، اس پر یہ آیت "فما لکم فی المنافقین" نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے واضح الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا کہ وہ کفر میں جا چکے ہیں، وہ سب اسلام سے بری ہیں، انہیں مسلمان نہ سمجھا جائے اور نہ ہی ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ ایک پاکیزہ جگہ ہے، اس میں کوئی گندی چیز نہیں رہ سکتی، یہ نکال دیتا ہے، لہذا اگر کوئی منافق ہے، کفر پر چلا گیا ہے تو اسے بھی یہ نکال دے گا(۲)۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: فما لکم فی المنافقین

(۲) تحفة الاحوذی ۳۷۶/۸، فتح الباری ۴۴۰/۷ کتاب المغازی، باب غزوہ احد، ۳۲۵/۸، کتاب التفسیر، باب فما لکم فی المنافقین ـــــــ الخ

۲۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے اور ظاہر یہ کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں، پھر وہ مرتد ہو گئے اور سامان تجارت لانے کے بہانے سے وہ چلے گئے، پھر دوبارہ مدینہ منورہ نہ آئے، ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی، بعض نے کہا: یہ کافر ہیں، بعض نے کہا یہ مؤمن ہیں، اس پر یہ آیت "فما لكم في المنافقين" نازل ہوئی، جس میں ان کا کافر ہونا بیان کیا گیا اور ان کے قتل کا حکم دیا(۱)۔

۳۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، جو مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے لیکن وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہ آئے، اور مکہ میں کفار کی مسلمانوں کے خلاف مدد و نصرت کیا کرتے تھے، ان کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے ایک کے نزدیک کافر اور دوسرے کے نزدیک وہ مسلمان تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں یہ بات بیان کی گئی کہ وہ کافر ہیں لہذا انہیں قتل کر دو(۲)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَأَوْدَاجُهُ تَشْخَبُ دَمًا، يَقُولُ: يَا رَبِّ، قَتَلَنِي هٰذَا، حَتّٰى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ قَالَ: فَذَكَرُوا لِابْنِ عَبَّاسٍ، التَّوْبَةَ، فَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: {وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا} [النساء: 93]، قَالَ: مَا نُسِخَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ، وَلَا بُدِّلَتْ، وَأَنّٰى لَهُ التَّوْبَةُ(۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مقتول قاتل کو پکڑ کر لائے گا، اس کی پیشانی اور سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا، اور مقتول کے گلے کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا، اور کہے گا اے میرے رب: اس نے مجھے قتل کیا، یہاں تک کہ وہ اس قاتل کو عرش کے نزدیک لے جائے گا، راوی کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے ابن عباسؓ سے توبہ کا ذکر کیا (یعنی اس کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟) تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: "ومن قتل مؤمنا متعمدا فجزاءه جهنم" (جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کرے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے) پھر ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت نہ تو منسوخ ہوئی اور نہ ہی تبدیل کی گئی، تو پھر اس کی توبہ کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ناصية: پیشانی۔ أوداج: ودج کی جمع ہے: گلے کی رگیں جن کو ذبح کے وقت کاٹا جاتا ہے، تشخب: رگیں خون بہا رہی ہوں گی۔ يدنيه: مقتول، قاتل کو نزدیک کرے گا۔ انی له التوبة: اس قاتل کی توبہ کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

---

(۱) معارف القرآن ۲/ ۵۰۹

(۲) الکوکب الدری ۴/ ۱۱۰

(۳) سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب تعظیم الدم

کیا قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا

اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اپنے گناہ کی سزا پانے کے بعد بالآخر جہنم سے نکل آئے گا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: "فجزاءه جهنم خالدا فيها"، کہ اس کی سزا جہنم میں داخل ہونا ہے اور وہ اس میں ہمیشہ کے لئے رہے گا، اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل اگرچہ مؤمن ہو، اسے ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا؟

اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک قرآن مجید کی یہ سزا اس قاتل کے لئے ہے جو مؤمن کو قتل کرنا جائز اور حلال سمجھتا ہو، ظاہر ہے کہ ایسا آدمی دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے، اس لئے اس کی یہ سزا مقرر کی گئی ہے۔

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک "خالدا فيها" سے جہنم میں طویل عرصہ ٹھہرنا مراد ہے چنانچہ عربی زبان میں بسا اوقات خلود کا لفظ استعمال کر کے طویل عرصہ ٹھہرنے کے معنی مراد لئے جاتے ہیں (۱)۔

۳۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اس قاتل کی اصل سزا تو جہنم ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر یہ سزا جاری نہیں فرمائیں گے بلکہ ایمان کی برکت سے بالآخر اس کی نجات ہو جائے گی (۲)۔

۴۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ "خالدا فيها" کا لفظ زجر اور توبیخ کے لئے استعمال فرمایا ہے، یعنی جزا تو اسکی یہی ہونی چاہئے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے کہ یہ اتنا بڑا جرم ہے، لیکن اللہ جل شانہ ایمان کی بدولت اسے بالآخر جہنم سے نکال دیں گے (۳)۔

۵۔ سورہ نساء کی یہ آیت منسوخ ہے، اس کا ناسخ یہ آیت ہے: "ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك، بعض حضرات کے نزدیک اس کا ناسخ سورہ فرقان کی آیت نمبر: ۶۸ ہے۔ (۴)

کیا قاتل کی توبہ قبول ہوگی

قاتل اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت

---

(۱) بیان القرآن ۱۴۶/۲

(۲) تفسیر روح المعانی ۱۷۰/۱

(۳) تکملة فتح الملهم ۱۵۵/۶ کتاب التفسیر، اختلاف العلماء فی توبة القاتل

(۴) تکملة فتح الملهم ۱۵۵/۶ کتاب التفسیر، اختلاف العلماء فی توبة القاتل

یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی جیسا کہ مذکورہ روایت میں بھی ان کا قول مذکور ہے، حضرت زید بن ثابت، ابن عمر، اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہ قول منقول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہوگی یہ بھی حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت سے منقول ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہی اہل سنت کا صحیح مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، اور فرمایا کہ جو شخص شرک، زنا اور قتل کے بعد دنیا میں توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے جو یہ فرمایا: "ما نسخت هذه الآية و لا بدلت" کہ سورہ نساء کی یہ آیت "خالدا فیھا" نہ منسوخ ہے اور نہ اسے تبدیل کیا گیا ہے، ان کا یہ قول جمہور کے نزدیک تغلیظ اور زجر و توبیخ پر محمول ہے(۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ غَنَمٌ لَهُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ قَالُوا: مَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا لِيَتَعَوَّذَ مِنْكُمْ فَقَامُوا فَقَتَلُوهُ وَأَخَذُوا غَنَمَهُ، فَأَتَوْا بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا} [النساء:94] (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو سلیم کے ایک شخص کا صحابہ کرام کی ایک جماعت کے پاس سے گذر ہوا، اس کے ساتھ بکریاں تھیں، اس نے صحابہؓ کو سلام کیا، صحابہؓ نے آپس میں کہا کہ اس آدمی نے تمہیں سلام اس لئے کیا ہے تاکہ وہ تم سے پناہ لے (یعنی جان بچانے کے لئے سلام کیا) چنانچہ وہ اٹھے اور اسے قتل کردیا اور اس کی بکریاں لے لیں، پھر وہ لوگ بکریاں لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: "یا ایھا الذین أمنوا اذا ضربتم۔۔۔" اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو کہ جو تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے، یوں مت کہہ دیا کرو کہ یہ تو دل سے مسلمان نہیں)

مسلمان سمجھنے کے لئے اسلام کی صرف ظاہری علامات کافی ہیں

اس حدیث میں مذکور آیت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے تو پھر کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ بغیر تحقیق کے اس کی بات کو نفاق قرار دے۔

اس آیت کے نزول کا سبب کچھ ایسے ہی واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں لغزش ہوگئی تھی۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۸۲/۱۸، تحفۃ الاحوذی ۳۷۹/۸

(۲) مسند احمد ۲۲۹/۱

اس آیت کے شان نزول میں ایک تو یہی واقعہ پیش آیا جو اوپر حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو تحقیق کے بغیر یہ نہ سمجھو کہ اس نے دھوکہ دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے، اور اس کے مال کو مال غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو۔

ایک دوسرا واقعہ بھی اس کے نزول کے سبب میں صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا، جن میں مقداد بن اسود بھی تھے، جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف ایک شخص رہ گیا جسکے پاس بہت مال تھا، اس نے صحابہ کرامؓ سے کہا: "أشهد ان لا اله الا الله" مگر حضرت مقداد نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا ملکہ محض جان و مال بچانے کے لئے کلمہ اسلام پڑھ رہا ہے، اس کو قتل کر دیا، حاضرین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے برا کیا ہے، کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دی تھی، میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو اس واقعہ کا ضرور ذکر کروں گا، جب یہ لوگ مدینہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے حضرت مقداد کو بلا کر سخت تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ قیامت کے دن تمہارا کیا جواب ہوگا جب "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ تمہارے مقابلے میں دعویدار ہوگا، اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ آیت کے شان نزول میں دیگر واقعات بھی منقول ہیں، ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ایک سے زیادہ واقعات و روایات کسی ایک آیت کے نزول کا سبب بن سکتے ہیں۔

آیت کے الفاظ میں جو "القی الیکم السلم" ارشاد ہے، اس میں لفظ "سلام" سے اگر السلام علیکم مراد لیا جائے تو پہلا واقعہ جسے امام ترمذی نے یہاں نقل کیا ہے، اس آیت کے ساتھ زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا، اور اگر سلام کے لفظی معنی سلامت اور اطاعت کے لئے جائیں پھر یہ تمام واقعات اس آیت کے شان نزول میں برابر ہوں گے، اسی لئے اکثر حضرات نے "سلام" کا ترجمہ اس جگہ "اطاعت" کا کیا ہے(۱)۔

اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب

اس آیت سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کر کے مثلاً اذان، نماز وغیرہ میں شرکت کرے تو اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔

لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ ایسے شخص سے کسی ایسے فعل اور بات کا صدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے، اور دین کے کسی ایسے حکم کا انکار ثابت نہ ہو جن کا ثبوت قطعی دلیل سے ہو، جنہیں "ضروریات دین" کہا جاتا ہے، لہذا اگر کوئی شخص بظاہر اسلام کا اظہار کرے لیکن ساتھ ہی وہ کسی اسلام کے قطعی حکم کا انکار کرتا ہے مثلاً زکوٰۃ کا انکار کرتا ہے ـــ تو ایسی صورت میں اسے کافر اور

(۱) فتح الباری ۳۲۸/۸، کتاب التفسیر، باب و لا تقولوا لمن القی ـــ الخ

مرتد ہی قرار دیا جائے گا۔

لہٰذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ "کلمہ گو" اور "اہل قبلہ" کو کافر قرار نہ دو، اس کا یہی مطلب ہے کہ جب وہ اخلاص سے اسلام قبول کرلے اور اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے براءت کا اظہار کردے اور ضروریات دین میں سے کسی حکم کا انکار اس سے ثابت نہ ہو، ایسی صورت میں اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا(۱)۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ} [النساء: 95] الآيَةَ جَاءَ عَمْرُو ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَكَانَ ضَرِيرَ الْبَصَرِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا تَأْمُرُنِي؟ إِنِّي ضَرِيرُ الْبَصَرِ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى هَذِهِ الآيَةَ: {غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ} [النساء: 95] الآيَةَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ائْتُونِي بِالْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ، أَوِ اللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ(۲)۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "لا یستوی القاعدون من المؤمنین — (بیٹھے رہنے والے مؤمن یعنی جہاد میں نہ جانے والے جہاد کرنے والے مؤمنین کے برابر نہیں ہو سکتے) تو نبی کریم ﷺ کے پاس عمرو بن ام مکتوم آئے، راوی کہتے ہیں کہ وہ نابینا تھے، اور عرض کیا یا رسول اللہ: میں نابینا ہوں، میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "غیر اولی الضرر" (یعنی سوائے ان لوگوں کے جنہیں کوئی عذر ہو) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: شانے کی ہڈی اور دوات لاؤ یا فرمایا تختی اور دوات لاؤ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: {لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ} [النساء: 95] عَنْ بَدْرٍ، وَالْخَارِجُونَ إِلَى بَدْرٍ، لَمَّا نَزَلَتْ غَزْوَةُ بَدْرٍ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَحْشٍ، وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ: إِنَّا أَعْمَيَانِ يَا رَسُولَ اللهِ، فَهَلْ لَنَا رُخْصَةٌ؟ فَنَزَلَتْ: {لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ} وَ {فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ} {عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً} فَهَؤُلَاءِ الْقَاعِدُونَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ {وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا} دَرَجَاتٍ مِنْهُ عَلَى الْقَاعِدِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولِي الضَّرَرِ(۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت: "لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اُولی الضرر" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ برابر نہیں وہ لوگ جو جنگ بدر سے بیٹھے رہے (یعنی نہیں گئے) اور وہ لوگ جو جنگ بدر میں نکلے (یعنی اس میں شریک ہوئے) جب غزوہ بدر پیش آیا تو عبداللہ بن جحش اور ابن ام مکتوم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دونوں اندھے ہیں تو کیا ہمارے لئے رخصت اور اجازت ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: لا یستوی

---

(۱) معارف القرآن ۲/۵۲۱

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب: لا یستوی القاعدون من المؤمنین

(۳) حوالہ بالا

القاعدون ـــ علی القاعدین درجة (برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں (یعنی جہاد میں نہ جائیں) اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے) ابن عباس ؓ نے فرمایا: اس آیت میں بیٹھنے والوں سے غیر معذور لوگ مراد ہیں (اور معذور لوگ اجر وثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں)، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "و فضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما درجت منه" (اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں گے) ابن عباس ؓ نے فرمایا: یہاں بھی "قاعدین" سے وہی مؤمن مراد ہیں، جو معذور اور بیمار نہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ مَرْوَانَ بْنَ الحَكَمِ، جَالِسًا فِي المَسْجِدِ فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، أَخْبَرَهُ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْلَى عَلَيْهِ: {لَا يَسْتَوِي القَاعِدُونَ مِنَ المُؤْمِنِينَ} [النساء: 95] {وَالمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ} [النساء: 95] قَالَ: فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَاللَّهِ لَوْ أَسْتَطِيعُ الجِهَادَ لَجَاهَدْتُ، وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى. فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي فَثَقُلَتْ حَتَّى هَمَّتْ تَرُضُّ فَخِذِي، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ {غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ} [النساء: 95] (۱)۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی فرماتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں بھی آیا اور اس کے پہلو میں یعنی اس کے پاس بیٹھ گیا تو انہوں نے ہمیں یہ حدیث سنائی کہ زید بن ثابت نے ان کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے زید کو یہ آیت لکھوائی: "لایستوی القاعدون" زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ آیت مجھے لکھوا ہی رہے تھے کہ ابن ام مکتوم آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم اگر میں جہاد کر سکتا تو میں ضرور کرتا، وہ ایک نابینا آدمی تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل کی جبکہ آپ ﷺ کی ران میری ران پر تھی، وہ بھاری ہو گئی یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری ران کو کچل دیا جاتا، پھر آپ سے اس کیفیت کو ہٹا دیا گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ الفاظ نازل فرمائے: "غیر اولی الضرر"۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ضریر البصر: نابینا۔ کتف: (کاف پر زبر اور تاء کے نیچے زیر) شانے کی چوڑی ہڈی جس پر لکھا جاتا تھا۔ عن بدر: اس کے معنی ہیں: "القاعدون عن بدر" جو غزوہ بدر سے بیٹھے رہے یعنی اس میں شریک نہیں ہوئے۔ اولی الضرر: وہ لوگ جن کو کوئی عذر ہو مثلاً بیمار ہیں، یا نابینا ہیں۔ فأقبلت: تو میں بھی مسجد میں آیا۔ أملی علیه: اسے املاء کرا رہے تھے، لکھوا رہے تھے۔ فثقلت: وہ ران بھاری ہو گئی۔ حتی همت: یہاں تک کہ قریب تھا۔ ترض: اس فعل کو معروف اور مجہول

(۱) أيضا۔

دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، اگر معروف پڑھیں تو اس میں ضمیر اس کا فاعل ہوگی اور فخذی مفعول بہ ہوگا، معنی یہ ہوں گے: یہاں تک کہ قریب تھا کہ حضور ﷺ کی ران، میری ران کو کچل دے، ریزہ ریزہ کردے، اور اگر مجہول پڑھیں تو فخذی نائب فاعل ہو گا، معنی یہ ہوں گے: یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری ران کو کچل دیا جاتا۔ ثم سری عنہ: (یہ ماضی مجہول ہے) پھر آپ ﷺ سے وحی کی وہ مخصوص کیفیت زائل کردی گئی۔ یملھا اور یملیھا ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں: وہ اس کی املاء کرارہے تھے۔

مجاہد اور غیر مجاہد دونوں برابر نہیں

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بغیر کسی عذر کے جہاد میں شریک نہیں ہوتے، وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجہ میں فضیلت اور برتری دی ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق یعنی مجاہدین اور غیر مجاہدین سے اچھی جزاء کا وعدہ کیا ہوا ہے، جنت و مغفرت دونوں کو حاصل ہوگی، البتہ درجات کے اعتبار سے فرق رہے گا۔

اس آیت میں لفظ "قاعدین" جو مکرر استعمال ہوا ہے، اس سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔　حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے نزدیک لفظ "قاعدین" سے دونوں جگہ وہی لوگ مراد ہیں جو بغیر کسی شرعی عذر کے جہاد میں شریک نہیں ہوتے، نہ وہ بیمار ہیں اور نہ ہی وہ نابینا ہیں، باقی رہے وہ لوگ جو شریعت کی نظر میں معذور ہیں مثلاً بیمار ہیں یا نابینا ہیں وہ اجر و ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں، یہی اکثر حضرات کی رائے ہے۔

۲۔　بعض حضرات کے نزدیک پہلی آیت میں قاعدین سے معذور لوگ مراد ہیں یعنی لنگڑے لولے اور نابینا وغیرہ کہ جو جہاد کا پختہ عزم اور ذوق وشوق تو رکھتے ہیں مگر اپنی معذوری کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوسکتے، اس نیت میں یہ لوگ بھی مجاہدین کے ساتھ اجر و ثواب میں برابر ہیں، ہاں مجاہدین کو ایک درجہ ان پر فضیلت حاصل ہے کہ وہ نیت کے ساتھ ساتھ عملاً بھی جہاد میں شریک ہوئے ہیں اس لحاظ سے مجاہدین کا درجہ ان سے زیادہ ہے۔

اور دوسری آیت میں قاعدین سے وہ لوگ مراد ہیں جو بغیر کسی عذر کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے، لیکن امیر کی اجازت سے، خواہ اس وجہ سے کہ ان کے علاوہ دیگر لوگ جہاد کے لئے کافی ہیں یا کسی اور دینی ضرورت سے، ایسے لوگوں پر مجاہدین کو کئی درجہ فضیلت حاصل ہے۔

عبداللہ بن ام مکتوم کو عمرو بن ام مکتوم بھی کہا جاتا ہے "ام مکتوم" ان کی والدہ کا نام ہے اور والد کا نام "زائدۃ" ہے۔(۱)

علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض لوگ اس کو سرانجام دے دیں تو باقی مسلمانوں کی طرف سے بھی یہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے، بشرطیکہ جو لوگ جہاد میں مشغول ہیں وہ اس جہاد کے لئے کافی ہوں

---

(۱)　تحفۃ الاحوذی ۳۸۴/۸، الکوکب الدری ۱۱۴/۴

اور اگر وہ کافی نہیں تو ان کے قرب وجوار کے مسلمانوں پر فرض عین ہو جائے گا کہ وہ مجاہدین کی جان ومال سے مدد کریں(۱)۔

فائدہ

حضرت سہل بن سعد کی روایت کی سند میں دو اہم باتیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس میں صالح بن کیسان، ابن شہاب یعنی امام زہری سے روایت کر رہے ہیں اور صالح بن کیسان، امام زہری سے بڑے ہیں تو یہ گویا "روایة الاکابر عن الاصاغر" کی قبیل سے ہے۔

۲۔ اس میں ایک صحابی، تابعی سے روایت کر رہے ہیں، کیونکہ حضرت سہل بن سعد صحابی ہیں جو مروان سے روایت کر رہے ہیں، اور مروان کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ وہ تابعی ہے، صحابی نہیں۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ: إِنَّمَا قَالَ اللهُ: {أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ} [النساء: 101] وَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ، فَقَالَ عُمَرُ: عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ. فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ(۲)۔

حضرت یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان تقصروا من الصلوة ان خفتم" (یعنی اگر تمہیں خوف ہو تو قصر نماز پڑھ لیا کرو) اور اب تو لوگ امن میں ہیں، (تو کیا اب بھی قصر جائز ہے؟) حضرت عمر نے فرمایا: مجھے بھی اسی طرح تعجب ہوا تھا جس طرح کہ تمہیں تعجب ہوا ہے پھر میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ایک صدقہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل فرمایا ہے، لہذا تم اللہ کے صدقہ کو قبول کرو (خواہ تمہیں خوف ہو یا نہ ہو، قصر نماز درست ہے)

آیت قصر میں خوف کی قید کا مطلب

نماز میں قصر سے متعلق قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حالتِ سفر میں قصر کی اجازت اس وقت ہو گی جب کافروں کی طرف سے ایذاء وغیرہ کا خوف اور خطرہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں خوف کی قید، عرف وعادت اور اغلب کے اعتبار سے لگائی گئی ہے کہ عموماً مسافروں کو خوف ہوتا ہے، خصوصاً اس زمانے میں تو سفر میں کفار کی طرف سے ہر وقت ایذاء کا اندیشہ رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "فاقبلوا صدقتہ" فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ سفر میں نماز قصر کا حکم صرف خوف کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مسافرین کے لئے ایک آسانی اور احسان

---

(۱) معارف القرآن ۲/۵۲۳

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب: صلاۃ المسافرین و قصرھا۔

ہے، جس سے ہر مسافر فائدہ اٹھا سکتا ہے، خواہ اسے کسی قسم کا خوف ہو یا نہ ہو بشرطیکہ اس کا یہ سفر، سفر شرعی ہو۔

فاقبلوا، یہ امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے ہے، لہٰذا ہر شرعی مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر کرنا واجب ہے، اس سے مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے کہ دوران سفر نماز میں قصر کرنا واجب ہے، اور قصر نہ کرنا درست نہیں ہے(۱)۔

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: إِنَّ لِهَؤُلَاءِ صَلَاةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَبْنَائِهِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ، فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ فَمِيلُوا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً، وَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ أَصْحَابَهُ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ، وَتَقُومُ طَائِفَةٌ أُخْرَى وَرَاءَهُمْ، وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي الآخَرُونَ وَيُصَلُّونَ مَعَهُ رَكْعَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ يَأْخُذُ هَؤُلَاءِ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ، فَتَكُونُ لَهُمْ رَكْعَةٌ رَكْعَةٌ، وَلِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ(۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (جہاد کے لئے) ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرکین آپس میں کہنے لگے کہ مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کے نزدیک ان کے باپ اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے اور وہ نماز عصر ہے، لہٰذا تم اپنے امر یعنی لڑائی کے لئے پرعزم ہو جاؤ، اور (جب مسلمان اس نماز میں مصروف ہوں تو) ان پر ایک ہی مرتبہ دھاوا بول دو، اسی دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے صحابہؓ کو دو حصوں میں تقسیم کردیں، ایک گروہ کو آپ نماز پڑھائیں اور دوسرا گروہ ان کے پیچھے کھڑا رہے اور چاہئے کہ اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار اپنے پاس رکھیں، پھر دوسری جماعت آپ کے ساتھ ایک رکعت ادا کرے، پھر یہ لوگ یعنی پہلی جماعت اپنے بچاؤ کا سامان اور اسلحہ لے کر کھڑے ہو جائیں، اس طرح صحابہ کرامؓ کی (امام کے ساتھ) ایک ایک رکعت ہوگی اور نبی کریم ﷺ کی دو رکعتیں ہو جائیں گی۔

نماز خوف پڑھنے کا ایک طریقہ

اس حدیث میں نماز خوف پڑھنے کا ایک طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ امام جب مسافر ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی فوج کو دو حصوں میں کرلے، اور ہر دستہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے، یوں امام کی دو رکعتیں ہو جائیں گی اور فوج کا ہر دستہ اپنی دوسری رکعت مقتدی ہونے کی حیثیت سے خود پڑھ کر سلام پھیر دے گا، اور جب کوئی دستہ امام کے ساتھ نماز پڑھے گا تو دوسرا دستہ اپنے اسلحہ کے ساتھ دشمن کے سامنے دفاع کے طور پر کھڑا رہے گا تاکہ وہ مسلمانوں پر حملہ نہ کردیں۔

ضجنان ایک جگہ کا نام ہے یا مکہ و مدینہ کے درمیان ایک پہاڑ ہے، اور عسفان ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دو منزل

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳/۳۸۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ السفر

(۲) سنن نسائی، کتاب صلاۃ الخوف، باب

کے فاصلے پر واقع ہے (۱)۔

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ، قَالَ: كَانَ أَهْلُ بَيْتٍ مِنَّا يُقَالُ لَهُمْ: بَنُو أُبَيْرِقٍ بِشْرٌ وَبَشِيرٌ وَمُبَشِّرٌ، وَكَانَ بَشِيرٌ رَجُلًا مُنَافِقًا، يَقُولُ الشِّعْرَ، يَهْجُو بِهِ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَنْحَلُهُ بَعْضَ الْعَرَبِ ثُمَّ يَقُولُ: قَالَ فُلَانٌ كَذَا وَكَذَا، فَإِذَا سَمِعَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ الشِّعْرَ قَالُوا: وَاللَّهِ مَا يَقُولُ هَذَا الشِّعْرَ إِلَّا هَذَا الْخَبِيثُ، أَوْ كَمَا قَالَ الرَّجُلُ، وَقَالُوا: ابْنُ الْأُبَيْرِقِ قَالَهَا، قَالَ: وَكَانُوا أَهْلَ بَيْتِ حَاجَةٍ وَفَاقَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ، وَكَانَ النَّاسُ إِنَّمَا طَعَامُهُمْ بِالْمَدِينَةِ التَّمْرُ وَالشَّعِيرُ، وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا كَانَ لَهُ يَسَارٌ فَقَدِمَتْ ضَافِطَةٌ مِنَ الشَّامِ مِنَ الدَّرْمَكِ، ابْتَاعَ الرَّجُلُ مِنْهَا فَخَصَّ بِهَا نَفْسَهُ، وَأَمَّا الْعِيَالُ فَإِنَّمَا طَعَامُهُمُ التَّمْرُ وَالشَّعِيرُ، فَقَدِمَتْ ضَافِطَةٌ مِنَ الشَّامِ فَابْتَاعَ عَمِّي رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ حِمْلًا مِنَ الدَّرْمَكِ فَجَعَلَهُ فِي مَشْرَبَةٍ لَهُ، وَفِي الْمَشْرَبَةِ سِلَاحٌ وَدِرْعٌ وَسَيْفٌ، فَعُدِيَ عَلَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْبَيْتِ، فَنُقِبَتِ الْمَشْرَبَةُ، وَأُخِذَ الطَّعَامُ وَالسِّلَاحُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَانِي عَمِّي رِفَاعَةُ، فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي إِنَّهُ قَدْ عُدِيَ عَلَيْنَا فِي لَيْلَتِنَا هَذِهِ، فَنُقِبَتْ مَشْرَبَتُنَا فَذُهِبَ بِطَعَامِنَا وَسِلَاحِنَا. قَالَ: فَتَحَسَّسْنَا فِي الدَّارِ وَسَأَلْنَا فَقِيلَ لَنَا: قَدْ رَأَيْنَا بَنِي أُبَيْرِقٍ اسْتَوْقَدُوا فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ، وَلَا نُرَى فِيمَا نُرَى إِلَّا عَلَى بَعْضِ طَعَامِكُمْ، قَالَ: وَكَانَ بَنُو أُبَيْرِقٍ قَالُوا وَنَحْنُ نَسْأَلُ فِي الدَّارِ: وَاللَّهِ مَا نُرَى صَاحِبَكُمْ إِلَّا لَبِيدَ بْنَ سَهْلٍ، رَجُلٌ مِنَّا لَهُ صَلَاحٌ وَإِسْلَامٌ، فَلَمَّا سَمِعَ لَبِيدٌ اخْتَرَطَ سَيْفَهُ وَقَالَ: أَنَا أَسْرِقُ؟ فَوَاللَّهِ لَيُخَالِطَنَّكُمْ هَذَا السَّيْفُ أَوْ لَتُبَيِّنُنَّ هَذِهِ السَّرِقَةَ، قَالُوا: إِلَيْكَ عَنْهَا أَيُّهَا الرَّجُلُ فَمَا أَنْتَ بِصَاحِبِهَا، فَسَأَلْنَا فِي الدَّارِ حَتَّى لَمْ نَشُكَّ أَنَّهُمْ أَصْحَابُهَا، فَقَالَ لِي عَمِّي: يَا ابْنَ أَخِي لَوْ أَتَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتَ ذَلِكَ لَهُ،

قَالَ قَتَادَةُ: فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: إِنَّ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَّا أَهْلَ جَفَاءٍ، عَمَدُوا إِلَى عَمِّي رِفَاعَةَ بْنِ زَيْدٍ فَنَقَبُوا مَشْرَبَةً لَهُ، وَأَخَذُوا سِلَاحَهُ وَطَعَامَهُ، فَلْيَرُدُّوا عَلَيْنَا سِلَاحَنَا، فَأَمَّا الطَّعَامُ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَآمُرُ فِي ذَلِكَ، فَلَمَّا سَمِعَ بَنُو أُبَيْرِقٍ أَتَوْا رَجُلًا مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ: أُسَيْرُ بْنُ عُرْوَةَ فَكَلَّمُوهُ فِي ذَلِكَ، فَاجْتَمَعَ فِي ذَلِكَ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ قَتَادَةَ بْنَ النُّعْمَانِ وَعَمَّهُ عَمَدَا إِلَى أَهْلِ بَيْتٍ مِنَّا أَهْلِ إِسْلَامٍ وَصَلَاحٍ، يَرْمُونَهُمْ بِالسَّرِقَةِ مِنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ وَلَا ثَبَتٍ، قَالَ قَتَادَةُ: فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمْتُهُ، فَقَالَ: عَمَدْتَ إِلَى أَهْلِ بَيْتٍ ذُكِرَ مِنْهُمْ إِسْلَامٌ وَصَلَاحٌ تَرْمِيهِمْ بِالسَّرِقَةِ عَلَى غَيْرِ ثَبَتٍ وَبَيِّنَةٍ، قَالَ: فَرَجَعْتُ، وَلَوَدِدْتُ أَنِّي خَرَجْتُ مِنْ بَعْضِ مَالِي وَلَمْ أُكَلِّمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ، فَأَتَانِي عَمِّي رِفَاعَةُ فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي مَا صَنَعْتَ؟ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۸۷/۸

لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ،
فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ نَزَلَ الْقُرْآنُ {إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا} [النساء: 105] بَنِي أُبَيْرِقٍ {وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ} [النساء: 106] أَيْ مِمَّا قُلْتَ لِقَتَادَةَ {إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا} [النساء:23] {وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ} [النساء: 108]- إِلَى قَوْلِهِ - {غَفُورًا رَحِيمًا} [النساء: 23] أَيْ: لَوْ اسْتَغْفَرُوا اللَّهَ لَغَفَرَ لَهُمْ {وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ} [النساء: 111]- إِلَى قَوْلِهِ - {وَإِثْمًا مُبِينًا} [النساء: 20] قَوْلَهُمْ لِلَبِيدٍ {وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ} [النساء: 113]- إِلَى قَوْلِهِ - {فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا} [النساء:74]
فَلَمَّا نَزَلَ الْقُرْآنُ أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسِّلَاحِ فَرَدَّهُ إِلَى رِفَاعَةَ، فَقَالَ قَتَادَةُ: لَمَّا أَتَيْتُ عَمِّي بِالسِّلَاحِ، وَكَانَ شَيْخًا قَدْ عَشَا - أَوْ عَسَا - اَلشَّكُّ فِي أَبِي عِيسَى فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكُنْتُ أُرَى إِسْلَامَهُ مَدْخُولًا، فَلَمَّا أَتَيْتُهُ بِالسِّلَاحِ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، هُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَعَرَفْتُ أَنَّ إِسْلَامَهُ كَانَ صَحِيحًا، فَلَمَّا نَزَلَ الْقُرْآنُ لَحِقَ بَشِيرٌ بِالْمُشْرِكِينَ، فَنَزَلَ عَلَى سُلَافَةَ بِنْتِ سَعْدِ ابْنِ سُمَيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ {وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا} [النساء: 115] فَلَمَّا نَزَلَ عَلَى سُلَافَةَ رَمَاهَا حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ بِأَبْيَاتٍ مِنْ شِعْرٍ، فَأَخَذَتْ رَحْلَهُ فَوَضَعَتْهُ عَلَى رَأْسِهَا ثُمَّ خَرَجَتْ بِهِ فَرَمَتْ بِهِ فِي الْأَبْطَحِ، ثُمَّ قَالَتْ: أَهْدَيْتَ لِي شِعْرَ حَسَّانَ؟ مَا كُنْتَ تَأْتِينِي بِخَيْرٍ۔

حضرت قتادہ بن نعمان فرماتے ہیں کہ ہم انصار میں سے ایک گھرانہ تھا، جنہیں بنوابیرق کہا جاتا تھا، اور وہ تین بھائی تھے بشر، بشیر اور مبشر، بشیر ایک منافق آدمی تھا، وہ شعر کہتا تھا، جس میں وہ صحابہ کرام کی ہجو یعنی مذمت کرتا، اور پھر ان اشعار کو بعض عرب شعراء کی طرف منسوب کر دیتا اور کہتا کہ فلاں نے اس طرح کہا ہے، اور فلاں نے اس اس طرح کہا ہے، صحابہ کرامؓ جب یہ شعر سنتے تو کہتے کہ اللہ کی قسم یہ شعر اسی خبیث کے ہیں، یا فرمایا کہ (یہ شعر) اسی آدمی کے ہیں (یعنی راوی کو یہ شک ہے کہ لفظ خبیث ارشاد فرمایا ہے یا لفظ رجل) صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ یہ شعر ابن ابیرق ہی نے کہے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں محتاج اور تنگدست تھے، اور مدینہ میں (اس وقت) لوگوں کا طعام کھجور اور جو ہی تھا، اور آدمی کے پاس مال ہوتا تو غلہ کا سوداگر جب شام سے میدہ لاتا تو وہ اس سے کچھ خرید لیتا اور وہ اس کے ساتھ اپنے نفس کو خاص کر لیتا، اور اہل وعیال کا کھانا تو کھجور اور جو ہوتا،
ایک مرتبہ ایک بیوپاری آیا تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدے کا ایک تھیلا خریدا اور اسے ایک مخصوص کمرے میں

رکھ دیا، اس کمرے میں ہتھیار یعنی زرہ اور تلوار بھی رکھی ہوئی تھی، پھر ان کے گھر کے نیچے سے چوری کی گئی، چنانچہ کمرے میں سوراخ کیا گیا اور کھانے کا سامان اور اسلحہ چوری کرلیا گیا، جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے، کہنے لگے: بھتیجے آج رات ہم پر ظلم کیا گیا، ہمارے کمرے میں سوراخ کیا گیا اور ہمارے طعام اور اسلحہ کو چوری کرلیا گیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم نے محلہ میں تحقیق وتفتیش کی اور ہم نے پوچھ گچھ کی تو ہمیں بتایا گیا کہ ہم نے اس رات میں بنو ابیرق کو دیکھا کہ وہ آگ جلا رہے تھے، ہمارا تو یہی خیال ہے کہ وہ آگ تمہارے کھانے پر ہی ہوگی، بنو ابیرق کہنے لگے جبکہ ہم ابھی اہل محلہ سے تفتیش کررہے تھے کہ: ہمارے خیال میں تمہارا چور لبید بن سہل ہی ہے، جو تمہارا دوست ہے، حالانکہ وہ ہم میں سے ایک صالح شخص تھے اور مسلمان تھے۔

لبید نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اپنی تلوار کو نیام سے نکال لیا اور کہا کہ میں چوری کرتا ہوں؟ اللہ کی قسم یہ تلوار تمہارے ساتھ مل جائے گی یعنی خوب لڑائی ہوگی یا تم اس چوری کے متعلق بتادو، بنو ابیرق نے کہا: ارے تو ہم سے دور ہوجا، تو چور نہیں ہے، پھر ہم محلہ میں پوچھ گچھ کرتے رہے یہاں تک کہ ہمیں یقین ہوگیا کہ بنو ابیرق ہی چور ہیں، اس پر میرے چچا نے کہا کہ بھتیجے اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ کو ساری تفصیل بتاؤ (تو شاید ہماری چیز ہمیں مل جائے) قتادہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے ایک گھر والے نے جو صلہ رحمی کرنے والے نہیں، میرے چچا رفاعہ بن زید پر ظلم کیا، چنانچہ ان کے کمرے میں سوراخ کیا اور کھانے کا سامان اور اسلحہ چوری کرکے لے گئے، انہیں چاہیے کہ ہمارا اسلحہ ہمیں واپس کردیں، اور جہاں تک غلہ کا تعلق ہے تو اس کی ہمیں ضرورت نہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عنقریب اس کا فیصلہ کروں گا،

جب بنو ابیرق نے یہ سنا تو اپنی قوم کے ایک شخص اسیر بن عروہ کے پاس آئے اور اس معاملے میں اس سے گفتگو کی پھر اس کے لئے محلہ کے کچھ لوگ جمع ہوگئے، اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے گھر والوں پر بغیر دلیل اور بغیر گواہوں کے ہم پر چوری کا الزام لگایا ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے اس بارے میں گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ایک ایسے گھرانے کا قصد کیا ہے جن کی نیکی اور اسلام قابل ذکر ہے، تم نے ان پر بغیر دلیل اور بغیر گواہوں کے چوری کی تہمت لگائی ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ پھر میں واپس آگیا، اور میں نے تمنا کی کہ کاش میرا مال چلا جاتا اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کلام نہ کرتا، اسی دوران میرے چچا رفاعہ آگئے اور پوچھا کہ بھتیجے تم نے کیا کیا ہے؟ تو میں نے انہیں بتادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ جل شانہ ہی مددگار ہیں۔

پھر زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: "انا أنزلنا الیک الکتاب" (بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی جس سے آپ واقع کے مطابق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلایا ہے) (وہ

وحی یہ ہے کہ واقع میں بشیر چور ہے اور قبیلہ بنو ابیرق جو اس کے حامی ہیں وہ جھوٹے ہیں) اور آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجئے، ان سے مراد بنو ابیرق ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اس بات پر استغفار کیجئے جو آپ نے قتادہ سے کہی ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑی رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا اور گنہگار ہو، جو لوگوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے، اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور رحیم ہیں، یعنی اگر قبیلہ بنو ابیرق کے لوگ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا، اور "ومن یکسب" سے "اثما مبینا" تک، اس میں بنو ابیرق کے اس قول کا ذکر ہے جو انہوں نے لبید سے متعلق کہا ہے، اور فرمایا: "ولولا فضل اللہ" سے "عظیما" تک (اور اگر آپ پر (اے محمد ﷺ) اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا، اور وہ کبھی آپ کو غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو، اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں، اور آپ کو وہ وہ مفید باتیں بتلائی ہیں جو جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

پھر جب قرآن نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہتھیار لائے گئے، تو آپ ﷺ وہ ہتھیار لے کر چچا کے پاس آئے، اور زمانہ جاہلیت میں ان کی بینائی کمزور ہو چکی تھی اور وہ بوڑھے ہو چکے تھے، (ابو عیسیٰ کو شک ہے کہ عشی کا لفظ فرمایا یا عسی) اور میں یہ گمان کرتا تھا کہ ان کے اسلام میں کچھ خلل ہے (یعنی ان کا ایمان خالص نہیں بلکہ اس میں نفاق ہے) جب میں چچا کے پاس ہتھیار لایا تو کہنے لگے: بھتیجے یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہیں، اس پر مجھے یقین ہو گیا کہ ان کا ایمان صحیح ہے۔

جب قرآن مجید نازل ہوا تو بشیر مشرکین کے ساتھ مل گیا اور وہ سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے پاس ٹھہرا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "ومن یشاقق الرسول ـــــ ضللا بعیدا" (اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق کام ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہو لئے تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے، بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے، جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا)۔

جب وہ سلافہ کے پاس ٹھہرا تو حضرت حسان بن ثابت نے اس عورت کی مذمت میں اشعار کہے، اس پر سلافہ نے بشیر کا سامان اٹھایا، اسے اپنے سر پر رکھا پھر اسے لے کر نکلی اور ایک کشادہ جگہ میں اسے پھینک دیا، پھر اس سے کہنے لگی کہ: کیا تو حسان کے شعر میرے لئے ہدیہ لایا ہے؟ (یعنی تیری وجہ سے میری مذمت کی گئی) تجھ سے مجھے کبھی خیر نہیں

پہنچ سکتی۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ ھجو: وہ ہجو اور مذمت کرتا۔ ینحله: اس شعر کو وہ منسوب کر دیتا۔ ضافطة: غلہ کا سوداگر، بیوپاری، تاجر۔ درمک: (دال پر زبر، را ساکن، میم پر زبر، جعفر کے وزن پر) سفید آٹا، میدہ۔ حمل: (حاء کے نیچے زیر اور میم ساکن) بوجھ، تھیلا، بورا۔ مشربة: کوٹھڑی، ایک مخصوص چھوٹا سا کمرہ۔ درع: زرہ، حدیث میں "درع و سیف" لفظ سلاح کا بیان ہے۔ عدی علیه: (صیغہ مجہول) اس پر ظلم کیا گیا یعنی اس کی چوری کی گئی۔ نقبت: (صیغہ مجہول) اس کمرے کی دیوار میں سوراخ کیا گیا۔ تحسسنا: ہم نے پوچھ گچھ اور تحقیق شروع کر دی۔ استوقدوا: انہوں نے آگ سلگائی، آگ جلائی۔ اخترط سیفه: لبید بن سہل نے اپنی تلوار کو سونت لیا، تیار کر لیا، لیخالطنکم هذا السیف: اللہ کی قسم یہ تلوار ضرور تم سے مل کر رہے گی یعنی میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ الیک عنا: تو ہم سے دور ہو جا، تو چور نہیں، یرمونهم بالسرقة: وہ ان پر چوری کا الزام لگا رہے تھے۔ عسی: (سین کے ساتھ) بڑا ہونا، عمر رسیدہ ہونا۔ عشی: (شین کے ساتھ) نگاہ کمزور ہوگئی۔ مدخول: دخیل، عیب دار یعنی میرا گمان یہ تھا کہ رفاعہ کا اسلام پختہ نہیں ہے، اس میں نفاق کا شائبہ تھا۔ رحله: اس کا سامان۔ ابطح: کشادہ جگہ، میدانی۔ رمت به: بشیر کے سامان کو اس عورت نے پھینک دیا۔

حضرت رفاعہ بن زید کی چوری کا واقعہ

مذکورہ حدیث میں قرآن مجید کی آیت: "انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس ـــــ" کا شان نزول بیان کیا گیا ہے، اس میں حضرت رفاعہ بن زید کی چوری کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، نیز اس واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں، اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپ کو وحی کے بغیر ہی چور کا علم ہوتا۔

۲۔ اگر گھر میں کوئی شخص اپنے لئے کوئی مخصوص کھانا کھایا کرے تو یہ جائز ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ هَذِهِ الآيَةِ {إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ} [النساء:48]۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قرآن مجید کی یہ آیت سب سے زیادہ محبوب ہے: "ان اللہ لا یغفر ......"

حضرت علی کی نظر میں سب سے پسندیدہ آیت

قرآن مجید کی یہ آیت "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ" حضرت علیؓ کی نظر میں محبوب ہے، کیونکہ یہ آیت خوارج کے

خلاف حجت اور دلیل ہے، خوارج کا گمان یہ تھا کہ ہر گناہ شرک ہے، اور اس کا مرتکب ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا، جبکہ اس آیت میں صراحت ہے کہ شرک کے علاوہ دیگر تمام گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے لیکن اگر انسان شرک سے توبہ کئے بغیر دنیا سے چلا گیا تو یہ گناہ اس کا معاف نہیں ہوگا، اور اگر دنیا میں توبہ کرلی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آیا تو اس کا یہ گناہ معاف ہوجائے گا(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَ: {مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ} [النساء: 123] شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَشَكَوْا ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، وَفِي كُلِّ مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ كَفَّارَةٌ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا وَالنَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا(۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: "من يعمل سوءا يجز به" (جو شخص جو کوئی برائی کرے گا اس کا اسے بدلہ دیا جائے گا) نازل ہوئی، تو مسلمانوں پر یہ گراں گذری، تو انہوں نے اس کا اظہار نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (تمام امور میں) میانہ روی اختیار کرو، اور سیدھے رہو، اور ہر اس مصیبت میں جو مؤمن کو پہنچے اس کے گناہوں کا کفارہ ہے یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا چبھ جائے یا اسے کوئی مصیبت اور مشکل پیش آجائے (تو یہ بھی اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے)

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الآيَةُ: {مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا} [سورة: النساء، آية رقم: 123] فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا أُقْرِئُكَ آيَةً أُنْزِلَتْ عَلَيَّ؟ قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: فَأَقْرَأَنِيهَا فَلَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنِّي وَجَدْتُ انْقِصَامًا فِي ظَهْرِي، فَتَمَطَّأْتُ لَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا شَأْنُكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، وَأَيُّنَا لَمْ يَعْمَلْ سُوءًا، وَإِنَّا لَمَجْزِيُّونَ بِمَا عَمِلْنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَنْتَ يَا أَبَا بَكْرٍ وَالْمُؤْمِنُونَ فَتُجْزَوْنَ بِذَلِكَ فِي الدُّنْيَا حَتَّى تَلْقَوْا اللَّهَ وَلَيْسَ لَكُمْ ذُنُوبٌ، وَأَمَّا الآخَرُونَ فَيُجْمَعُ ذَلِكَ لَهُمْ حَتَّى يُجْزَوْا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(۳)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھا، اتنے میں آپ پر یہ آیت اتاری گئی: "من يعمل سوءا..." (جو شخص جو کوئی برائی کرے گا، اسے اس کا ضرور بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور مددگار نہیں پائے گا) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کیا میں تمہیں ایک ایسی آیت نہ پڑھاؤں جو مجھ پر نازل کی گئی؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ (ضرور بتادیجئے) فرماتے ہیں: پھر آپ ﷺ نے مجھے یہ آیت

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۹۲/۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب: ثواب المؤمن فیما یصیبه من مرض أو حزن

(۳) مسند احمد ۶/۱

پڑھائی، پھر مجھے کچھ معلوم نہیں مگر یہ کہ میں نے (اس غم سے) اپنی کمر کو ٹوٹتا ہوا محسوس کیا، چنانچہ اس کی وجہ سے میں نے انگڑائی لی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں: ہم میں سے کون ایسا ہے جو برائی نہیں کرتا تو کیا ہمیں ان تمام اعمال یعنی برائیوں کا بدلہ دیا جائے گا جو ہم کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر جہاں تک تمہارا اور مؤمنین کا معاملہ ہے تو تم لوگوں کو دنیا میں ہی برے اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملو گے کہ تمہارا کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور دوسرے لوگ یعنی کافر اور منافقین ان کی برائیاں ان کے لئے جمع ہوں گی یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کا انہیں بدلہ دیا جائے گا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ شق ذلک: یہ چیز گراں گذری، شاق گذری۔ فشکوا ذلک: انہوں نے اس چیز کا اظہار کیا۔ قاربوا: میانہ روی اختیار کرو، اعتدال پر رہو۔ سددوا: تم سیدھے رہو۔ یشاکھا: مؤمن کو کانٹا چبھے۔ نکبۃ: مصیبت، آزمائش۔ ینکبھا: (یہ مجہول کا صیغہ ہے) اس میں ''ہ'' ضمیر ''مؤمن'' کی طرف اور ''ھا'' ضمیر ''نکبۃ'' کی طرف لوٹ رہی ہے: جو مصیبت اسے پہنچے۔ انقصاصاً: ٹوٹ جانا۔ تمطأت: میں نے انگڑائی لی۔ انا لمجزیون: کیا ہمیں بدلہ اور سزا دی جائے گی۔

آزمائشیں گناہوں کی معافی کا باعث ہوتی ہیں

مذکورہ آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن پر دنیا میں جو آزمائشیں آتی ہیں کبھی بیماری، کبھی کوئی پریشانی کبھی ذہنی غم اور کبھی تھکاوٹ وغیرہ ـــــ ان سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، کافر اور منافقین کے گناہ معاف نہیں ہوتے، البتہ کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَشِيَتْ سَوْدَةُ أَنْ يُطَلِّقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: لَا تُطَلِّقْنِي وَأَمْسِكْنِي، وَاجْعَلْ يَوْمِي لِعَائِشَةَ، فَفَعَلَ فَنَزَلَتْ: [فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ [النساء: 128]] فَمَا اصْطَلَحَا عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ جَائِزٌ كَأَنَّهُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت سودہ کو اندیشہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق نہ دے دیں، تو انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) مجھے طلاق نہ دیجئے اور مجھے اپنے پاس ہی روک لیجئے (یعنی اپنے نکاح میں رہنے دیجئے) اور میری باری عائشہ کے لئے کر دیجئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''فلا جناح علیھما ان یصلحا ـــــ (اگر دونوں آپس میں صلح کرلیں تو کوئی گناہ نہیں، اور صلح تو بہتر ہے) لہذا جس چیز پر ان کی صلح ہوجائے وہ جائز ہے، یہ آخری بات حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے۔

زوجین میں صلح افضل ہے

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر غیر اختیاری طور پر میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں، اور آپس میں حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر میاں بیوی کسی بات پر صلح کر لیں تو یہ بہتر ہے، مثلاً عورت اپنا مہر یا خرچہ معاف کردے یا اپنی باری کسی سوکن کو دے دے، چنانچہ حضرت سودہ کو جب یہ خطرہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ مجھے طلاق نہ دے دیں تو آپ ﷺ سے یوں صلح کی کہ اپنی باری حضرت عائشہ کو دیدی، اس طرح صلح کرنے سے وہ نبی کریم ﷺ کے رشتہ ازدواج میں منسلک رہیں (۱)۔

عَنْ الْبَرَاءِ، قَالَ: آخِرُ آيَةٍ أُنْزِلَتْ - أَوْ آخِرُ شَيْءٍ نَزَلَ {يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ} [النساء: 176](۲)۔

حضرت براء فرماتے ہیں کہ آخری آیت جو نازل کی گئی یا فرمایا: آخری چیز جو نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے: "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" (یہ لوگ آپ سے کلالہ کی میراث کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں بتاتا ہے)

عَنْ الْبَرَاءِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ {يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ} [النساء: 176]، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُجْزِئُكَ آيَةُ الصَّيْفِ(۳)۔

حضرت براء فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت کی تفسیر کیا ہے: "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے وہ آیت کافی ہے جو موسم گرما میں نازل ہوئی۔

آیت کلالہ کا نزول

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ کلالہ کی میراث سے متعلق سورہ نساء میں دو آیتیں نازل ہوئی ہیں ایک آیت اس سورت کے شروع میں ہے اس میں اجمال اور اختصار کے ساتھ کلالہ کا بیان ہے، اس کے بعد تفصیلی آیت نازل ہوئی جو اس سورت کی آخری آیت ہے یہ آیت حجۃ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۹۶

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب آخر آیۃ نزلت آیۃ الکلالۃ

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، باب: من کان لیس لہ ولد۔

الوداع کے سفر میں نازل ہوئی جو گرمی کا موسم تھا، اس لئے اس آیت کو "آیۃ الصیف" کہا گیا ہے اور کلالہ سے متعلق پہلی آیت چونکہ سردی میں نازل ہوئی ہے اس لئے اسے آیۃ الشتاء کہا جاتا ہے(۱)۔

۲۔ حضرت براء کی حدیث میں جو آیت کلالہ کو نزول کے اعتبار سے آخری آیت کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ میراث کے احکام سے متعلق آخری آیت آیت کلالہ نازل ہوئی، کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی مختلف آیتیں نازل ہوئی ہیں(۲)۔

کلالہ سے متعلق تفصیلی کلام معارف ترمذی جلد اوّل، ابواب الفرائض، باب میراث الاخوات میں گذر چکا ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ

باب: سورہ مائدہ

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، لَوْ عَلَيْنَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا} [المائدة: 3] لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَيَّ يَوْمٍ أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ، أُنْزِلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ(۳)۔

حضرت طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت عمر سے کہا کہ اگر یہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" (آج میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو بھی مکمل کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو ہی پسند کیا) ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی، یہ آیت عرفات کے دن جمعہ کے دن نازل ہوئی۔

عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ، قَالَ: قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا} [المائدة: 3] وَعِنْدَهُ يَهُودِيٌّ فَقَالَ: لَوْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا يَوْمَهَا عِيدًا، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمِ عِيدَيْنِ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ، وَيَوْمِ عَرَفَةَ۔

حضرت عمار بن ابوعمار کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے یہ آیت: "الیوم اکملت لکم دینکم ــــــ" پڑھی، ان کے

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۹۷/۸

(۲) الکوکب الدری ۱۲۱/۴

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: الیوم اکملت لکم دینکم۔

پاس ایک یہودی تھا، وہ کہنے لگا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس دن کو عید کے طور پر مناتے، ابن عباسؓ نے فرمایا: جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس دن ہمارے یہاں دو عیدیں تھیں ایک عرفات کے دن کی اور دوسرا جمعہ کے دن کی۔

عید اور تہوار منانے کا اسلامی اصول

مذکورہ احادیث میں حضرت فاروق اعظمؓ کے اس جواب میں ایک اسلامی اصول کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ دنیا میں ہر قوم اور ہر مذہب وملت کے لوگ اپنے حالات کے اعتبار سے اپنے تاریخی واقعات کے دنوں کی یادگاریں مناتے ہیں اور ان ایام کو ان کے یہاں ایک عید یا تہوار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

لیکن اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت وحیات یا شخصی حالات کا دن منانے کا تصور نہیں، بلکہ ان اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں، جیسے شب براءت، رمضان المبارک، شب قدر، یوم عرفہ، یوم عاشورہ وغیرہ یا بزرگوں کے ان اعمال کو لیا گیا جو مقاصدِ دین سے متعلق ہیں، جیسے قربانی، ختنہ، صفا مروہ کے درمیان دوڑنا، منیٰ میں تین جگہ کنکریاں مارنا، یہ بزرگوں کے ایسے افعال کی یادگاریں ہیں جو انہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے کئے تھے، اللہ کے ہاں وہ اس قدر مقبول ہوئے کہ قیامت تک کے لوگوں پر ان اعمال کو حج کی ادائیگی میں لازم کر دیا گیا اور عیدیں صرف دو رکھی گئیں ایک رمضان کے اختتام پر یعنی عید الفطر، اور دوسری حج کی عبادت سے فراغت کے بعد رکھی گئی یعنی عید الاضحیٰ، ان دو کے علاوہ کسی اور دن کو عید کے طور پر نہیں منایا گیا، لہذا آج کل جو یہ رسم چل پڑی ہے کہ عید میلاد النبی، جشن آمد رسول، جشن معراج اور جشن فلاں اور فلاں، اسلام میں ان کا کوئی تصور نہیں یہ سب رسومات ہیں جنہیں ترک کرنا ضروری ہے،

حاصل یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے اس جواب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہود ونصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں تاریخی واقعات کے تابع نہیں کہ جس تاریخ میں کوئی اہم واقعہ پیش آگیا اس کو عید منادیں بلکہ انہی ایام کو عید کے طور پر منایا جائے گا جن کی اسلام اجازت دے گا، اور یوم عرفہ تو ہمارے لئے ویسے بھی ایک قسم کی عید اور خوشی کا دن ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بیسیوں لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں اور اللہ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی ہے، لہذا اس دن کو اس آیت کے نزول کے عنوان سے عید اور جشن منانے کی ضرورت نہیں (۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَمِينُ الرَّحْمَنِ مَلأَى، سَحَّاءُ، لَا يَغِيضُهَا اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ قَالَ: أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَمِينِهِ، وَعَرْشُهُ عَلَى المَاءِ، وَبِيَدِهِ الأُخْرَى المِيزَانُ يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهَذَا الحَدِيثُ فِي تَفْسِيرِ هَذِهِ الآيَةِ:

---

(۱) معارف القرآن ۳/۳۳، ۳۴

{وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ} [المائدة:64](۱)۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ یعنی اس کا خزانہ بھرا ہوا ہے، جو ہمیشہ جاری رہتا ہے، دن اور رات میں سے کسی وقت بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جب سے اس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے، اس نے کس قدر خرچ کیا ہے؟ اس خرچ نے اس چیز کو کم نہیں کیا جو اللہ کے دائیں ہاتھ میں ہے (یعنی اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئی) جبکہ اللہ کا عرش (آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے) پانی پر تھا، اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے جسے وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ملأى: بھرا ہوا، ایسی غنی ذات جس کے پاس رزق کے اس قدر خزانے ہوں کہ کبھی ختم نہ ہوں۔ سحاء: ہمیشہ بہنے والا، جو ہر وقت جاری رہے۔ یمین الرحمن: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ یعنی اس کا خزانہ۔ لایغیضها اللیل والنهار: اس میں "لیل ونہار" میں دو احتمال ہیں۔ (۱) یہ دونوں ظرف ہیں یعنی مفعول فیہ، اور "لا یغیض" کا فاعل "نفقة" یا "شیئ" ہے، ترجمہ: یہ خرچ اس خزانے کو رات اور دن میں سے کسی بھی وقت کم نہیں کرتا، (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ "لیل ونہار" اس فعل یعنی لا یغیض کے فاعل ہوں، ترجمہ: شب وروز کا خرچ اللہ کے خزانے کو کم نہیں کرتا۔ وعرشه علی الماء: یہ جملہ "خلق" کی ضمیر سے حال ہے۔ یخفض: پست کرتا ہے، یعنی رزق کے دروازے بند کرتا ہے۔

یہود کی ایک گستاخی کا جواب

مذکورہ حدیث میں اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ اس کے پاس رزق کے اتنے خزانے ہیں کہ جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا گیا، اس وقت سے اللہ کی نعمتوں کے خزانے خرچ ہو رہے ہیں، ان میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کمی واقع نہیں ہوئی،

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث درحقیقت قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے: "وقالت الیهود ید الله مغلولة، غلت ایدیهم ولعنوا بما قالوا بل یداه مبسوطتان، ینفق کیف یشاء" (اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے یعنی بخیل خود ہیں اور اللہ تعالیٰ پر نعوذ باللہ بخل کا عیب لگاتے ہیں، اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت الٰہی سے دور کر دیئے گئے، بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، یعنی بڑے جواد اور کریم ہیں، وہ حکیم ہیں اس لئے جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں)

اس آیت میں یہود کا ایک سنگین جرم یہ ذکر کیا گیا کہ وہ کم بخت یہ کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ تنگدست اور بخیل ہو گیا، واقعہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے یہودیوں کو مالدار اور صاحب وسعت بنایا تھا، مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب: الحث علی النفقة۔

لائے اور آپ کی دعوت ان تک پہنچی تو انہوں نے اسے قبول کرنے کے بجائے اس کی مخالفت کی اور اس سے روگردانی کی، تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا بھی تنگ کر دی، جسکی وجہ سے یہ نادار اور تنگدست ہو گئے، اس موقع پر یہ لوگ کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) اللہ کے خزانے میں کمی آ گئی، یا یہ کہ اللہ نے بخل اختیار کر لیا ہے، ان کی اس گستاخی کا جواب اس آیت میں دیا گیا کہ بخیل یہی لوگ ہیں، یہی لوگ ملعون ہیں، اللہ کے خزانے کشادہ ہیں، اس کی جود وسخا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

وبیدہ الاخری المیزان

اللہ کے دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے، یعنی وہ عدل وانصاف سے تمام مخلوق میں رزق کو تقسیم فرماتے ہیں اور وہ چونکہ حکیم بھی ہیں اس لئے جس پر مناسب سمجھتے ہیں وسعت فرماتے ہیں، اور جس پر مناسب سمجھتے ہیں تنگی اور تنگدستی مسلط فرما دیتے ہیں (۱)۔

وکان عرشہ علی الماء

۱۔ یہ عرش اب بھی پانی پر ہے، لیکن اس پانی سے سمندر کا پانی مراد نہیں بلکہ عرش کے نیچے ایک پانی ہے جس پر وہ عرش ہے، اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس پانی سے سمندر کا پانی مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں کے قدم سمندر پر ہیں (۲)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْرَسُ حَتَّى نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: [وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ] [المائدة: 67] فَأَخْرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ مِنَ القُبَّةِ، فَقَالَ لَهُمْ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ انْصَرِفُوا فَقَدْ عَصَمَنِي اللهُ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے حفاظت کی جاتی تھی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: "واللہ یعصمک من الناس" (اللہ جل شانہ کفار سے آپ کی حفاظت کریں گے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر خیمے سے نکالا اور صحابہ کرام (جو آپ کی حفاظت پر مامور تھے) سے فرمایا: لوگو! چلے جاؤ، اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے میری حفاظت کا وعدہ کر لیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یحرس: (صیغہ مجہول) حفاظت کی جاتی تھی۔ من الناس: اس آیت میں لفظ "الناس" سے کافر مراد ہیں۔ قبة: خیمہ۔ انصرفوا: چلے جاؤ، لوٹ جاؤ، پہرے سے نکل آؤ۔

اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا ذمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو کفار اور دشمنوں کی ایذاء رسانی سے بچنے کی خاطر بعض صحابہ کو اپنی

(۱) معارف القرآن ۱۹۱/۳، سورہ مائدہ

(۲) فتح الباری ۵۰۵/۱۳، کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء۔

حفاظت پر مامور فرمایا تھا، پھر جب یہ آیت: "واللہ یعصمک من الناس" نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے پہرے پر مامور صحابہ کو یہ کہہ کر پہرے سے اٹھادیا کہ اب کسی پہرے اور حفاظت کی ضرورت نہیں رہی، اللہ تعالیٰ نے یہ کام خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

اس پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کو زخمی کیا گیا، اور سامنے کے دانت توڑ دیئے گئے، اور طرح طرح کی تکلیفیں آپ کو کفار کی طرف سے پہنچائی گئیں، تو پھر اس آیت "واللہ یعصمک من الناس" سے کیا مراد ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی قتل سے حفاظت فرمائیں گے کہ کوئی کافر آپ کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا، لہذا عارضی طور پر کسی تکلیف کا پہنچ جانا اس کے منافی نہیں۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سورہ مائدہ کی یہ آیت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی اس لئے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں(۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا وَقَعَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ فِي الْمَعَاصِي فَنَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوا، فَجَالَسُوهُمْ فِي مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ، فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ {عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ} قَالَ: فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ: لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى تَأْطُرُوهُمْ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا(۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ باز نہ آئے تو علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے، اور ان کے ساتھ کھانے اور پینے لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دل آپس میں ایک دوسرے سے ملا دیئے، اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت بھیجی، یہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے، راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے جبکہ آپ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم لوگ نجات نہیں پاؤ گے یہاں تک کہ تم ان کو ظلم وغیرہ سے اچھی طرح نہ روکو۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۴۰۳، ۴۰۴، فتح الباری ۶/۱۰۶، کتاب الجہاد والسیرہ باب الحراسۃ فی الغزوۃ فی سبیل اللہ۔
(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب: الأمر والنھی

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَمَّا وَقَعَ فِيهِمُ النَّقْصُ كَانَ الرَّجُلُ فِيهِمْ يَرَى أَخَاهُ يَقَعُ عَلَى الذَّنْبِ فَيَنْهَاهُ عَنْهُ، فَإِذَا كَانَ الغَدُ لَمْ يَمْنَعْهُ مَا رَأَى مِنْهُ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَخَلِيطَهُ، فَضَرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، وَنَزَلَ فِيهِمُ القُرْآنُ، فَقَالَ: {لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ} فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ: {وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ} [المائدة: 81] قَالَ: وَكَانَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: لَا، حَتَّى تَأْخُذُوا عَلَى يَدِ الظَّالِمِ فَتَأْطُرُوهُ عَلَى الحَقِّ أَطْرًا۔

حضرت ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بنی اسرائیل کے ایمان مین کمی آگئی، توان میں سے کوئی اپنے بھائی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو وہ اس کو اس سے روکتا، پھر جب دوسرا دن ہوتا (اور وہ گناہ سے باز نہ آتا) تو اس روکنے والے کو وہ گناہ جو اس سے وہ دیکھتا اس گنہگار کے ساتھ کھانے، پینے اور ملنے جلنے سے نہ روکتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دل بعض سے ملادیئے، اور ان کے متعلق قرآن مجید نازل ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل ۔۔۔“ (بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی، (زبور اور انجیل میں جس کا ظہور حضرت) داؤد علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبان سے (ہوا) یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور اس مخالفت میں حد سے تجاوز کر گئے اور آپ ﷺ نے ان آیات کو پڑھا یہاں تک کہ آپ اس آیت ”ولو کانوا یؤمنون باللہ ۔۔۔“ کے آخر تک پہنچ گئے، (اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور اگر یہ یہودی لوگ اللہ پر ایمان رکھتے، اور پیغمبر یعنی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے اور اس کتاب پر ایمان رکھتے، جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی یعنی تورات پر، تو ان مشرکین کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں (اس لئے کافروں کے ساتھ ان کی دوستی ہوگئی) راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، اتنے میں آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا: تم لوگ بھی اللہ کے عذاب سے نجات نہیں پاسکتے یہاں تک کہ تم ظالم کے ہاتھ پکڑو اور اسے حق کی طرف اچھی طرح مائل کردو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ کانوا یعتدون: وہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ تأطروھم: تم ان کو ظلم وستم سے روکو، اور ان کو حق کی طرف مائل کرو۔ نقص: ایمان میں کمی۔ خلیط: ملنے جلنے والا، شریک۔

بنی اسرائیل کا انجام بد

مذکورہ آیات اور احادیث میں بنی اسرائیل کے برے انجام اور ان پر لعنت کا ذکر ہے، جس کی وجہ یہ پیش آئی کہ جب بنی

اسرائیل کے ایمان میں نقص، کمی اور فتور پیدا ہوا تو اس وقت ایک شخص دوسرے کی برائی دیکھ کر اسے برائی سے روکتا تھا، لیکن اس کے بعد دوسرے دن جب وہ دیکھتا کہ یہ تو اس برائی سے باز نہیں آیا اس کے باوجود اس کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات برقرار رکھتا، کھانے، پینے اور ایک جگہ نشست وبرخاست میں وہ روکنے والا اس کے ساتھ ہوجاتا، گویا وہ مداہنت کرتا، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند آیا۔

چنانچہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی، پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے، جس کے نتیجہ میں ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں اور وہ خنزیر بن گئے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ لعنت ان پر مسلط ہوئی، جس کا اثر دنیا میں یہ ہوا کہ مسخ ہوکر وہ بندر بن گئے۔

آخری دونوں آیتوں میں کفار کے ساتھ گہری دوستی کی ممانعت اور اس کے تباہ کن نتائج کا بیان فرمایا گیا، جس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ ساری گمراہی اس وجہ سے پیش آئی کہ کفار کے ساتھ ان کی دلی دوستی اور گہرے تعلقات تھے، یہ وہ چیز ہے جس نے ان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا(۱)۔

ان احادیث سے مسلمانوں کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ دلی دوستی اور گہرے تعلقات قائم نہ کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ہاں بقدر ضرورت صرف اپنی ضرورت پوری کرنے کی حد تک کفار کے ساتھ تعلقات رکھے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس سے ان کی دینی زندگی کو اور مسلمانوں کے شیرازے کو کوئی نقصان پہونچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

فضرب اللہ قلوب بعضهم علی بعض، مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ملادیا یعنی ان کے دلوں کو نافرمانی کی وجہ سے سخت کردیا کہ اب یہ لوگ حق بات کو قبول ہی نہیں کرتے، اللہ کی رحمت سے وہ دور ہوگئے(۲)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي إِذَا أَصَبْتُ اللَّحْمَ انْتَشَرْتُ لِلنِّسَاءِ وَأَخَذَتْنِي شَهْوَتِي، فَحَرَّمْتُ عَلَيَّ اللَّحْمَ. فَأَنْزَلَ اللهُ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلاَلاً طَيِّبًا} [المائدة:88]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں جب گوشت کھاتا ہوں تو میں عورتوں کے لئے پریشان پھرتا ہوں، اور میری شہوت مجھ پر غالب آجاتی ہے، اس وجہ سے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "یا ایھا الذین امنوا لاتحرموا۔" (اے ایمان والو! تم اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اور حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اور تم اس رزق

---

(۱) معارف القرآن ۲۱۳/۳، تحفۃ الاحوذی ۴۰۶/۸

(۲) تحفۃ الاحوذی ۴۰۵/۸

میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال اور پاکیزہ عطا فرمایا ہے)

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجات

کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے تین درجے ہیں:

۱۔ اس کا نظریہ اور عقیدہ ہی یہ ہو کہ فلاں چیز حرام ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس چیز کا حلال ہونا شریعت میں قطعی دلائل سے ثابت ہو تو اسے حرام سمجھنے والا اللہ کے قانون کی صریح مخالفت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

۲۔ زبان سے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے مثلاً یہ قسم کھائے کہ میں ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا، یا فلاں جائز کام نہ کروں گا یا یہ کہے کہ میں یہ چیز یا فلاں کام کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس صحابی نے گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس صورت میں اگر الفاظ قسم کھا کر اس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے تو قسم ہو جائے گی، جس کا حکم یہ ہے کہ ضرورت کے بغیر ایسی قسم کھانا گناہ ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

۳۔ کسی حلال چیز کو عملاً چھوڑ دینے یا استعمال نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر حلال چیز کو چھوڑنا حلال سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے، جس کا ترک کرنا ضروری ہے، لیکن اگر حلال چیز کو چھوڑنا ثواب کی نیت سے نہ ہو بلکہ جسمانی یا روحانی بیماری کی وجہ سے ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

"ولا تعتدوا" اللہ کی حدود سے آگے نہ بڑھو، اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے کسی حلال چیز کو ثواب سمجھ کر اپنے اوپر حرام نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے(۱)۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانَ شِفَاءٍ، فَنَزَلَتِ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ: {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ} [البقرة: 219]، فَدُعِيَ عُمَرُ فَقُرِئَتْ عَلَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانَ شِفَاءٍ، فَنَزَلَتِ الَّتِي فِي النِّسَاءِ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى} [النساء: 43]، فَدُعِيَ عُمَرُ فَقُرِئَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانَ شِفَاءٍ، فَنَزَلَتِ الَّتِي فِي الْمَائِدَةِ: {إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ} إِلَى قَوْلِهِ - {فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ} [المائدة: 91] فَدُعِيَ عُمَرُ، فَقُرِئَتْ عَلَيْهِ، فَقَالَ: انْتَهَيْنَا انْتَهَيْنَا(۲)۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ یا اللہ: ہمارے لئے شراب کے بارے میں واضح حکم

---

(۱) معارف القرآن ۳/۲۲۰

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الاشربۃ، باب: فی تحریم الخمر

بیان فرمادیجئے، اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: "یسئلونک عن الخمر والمیسر ــــ" (یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں؟ تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان میں گناہ بھی بڑا ہے اور ان کے منافع اور فائدے بھی ہیں، اور ان کا گناہ فائدوں سے بہت بڑا ہے) پھر حضرت عمر کو بلایا گیا اور یہ آیت ان پر پڑھی گئی یعنی ان کو سنائی گئی، پھر دوبارہ انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے لئے شراب سے متعلق واضح حکم بیان فرما دیجئے، تو پھر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی: "یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا ــــ" (اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ) پھر حضرت عمر کو بلایا گیا اور انہیں یہ آیت سنائی گئی، پھر حضرت عمرؓ نے وہی دعا کی کہ اے اللہ: ہمارے لئے شراب کے بارے میں صاف اور واضح حکم بیان فرما دیجئے، اس پر سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی: "انما یرید الشیطان ان یوقع ــــ" (شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کی وجہ سے دشمنی اور بغض ڈالے، اور یہ کہ تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک کر رکھے، کیا اب تم لوگ باز رہو گے) پھر حضرت عمر کو بلایا گیا اور یہ آیت پڑھ کر ان کو سنائی گئی، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔

عَنْ الْبَرَاءِ، قَالَ: مَاتَ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تُحَرَّمَ الْخَمْرُ، فَلَمَّا حُرِّمَتِ الْخَمْرُ، قَالَ رِجَالٌ: كَيْفَ بِأَصْحَابِنَا وَقَدْ مَاتُوا يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ، فَنَزَلَتْ: {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ} [المائدة:93](۱)

حضرت براء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ حرمتِ شراب کے حکم سے پہلے ہی وفات پا گئے، پھر جب شراب حرام کی گئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو شراب پیتے ہوئے مر گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "لیس علی الذین امنوا ــــ" (جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان پر ایسی چیزوں کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے حرمت سے پہلے کھائیں، جبکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے، ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ الَّذِينَ مَاتُوا وَهُمْ يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ لَمَّا نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ، فَنَزَلَتْ: {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ} [المائدة:93]۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ جب شراب حرام ہوئی تو صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ان لوگوں کے بارے میں بتا دیجئے کہ جو مر گئے جبکہ وہ شراب پیتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی: "لیس علی الذین ــــ"

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا

(۱) مسند احمد، ۱/۲۳۴

وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ} [المائدة:93] قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْتَ مِنْهُمْ(۱).
حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: "لیس علی الذین امنوا۔ "نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم بھی انہی میں سے ہو۔

شراب سے متعلق حضرت عمر کی دعا

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ شراب کی حرمت کے بارے میں بتدریج چار آیات نازل ہوئیں، تیسری اور چوتھی آیت یعنی "یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والانصاب۔۔۔ "جب اتریں تو ان میں قطعی طور پر شراب کی حرمت کو بیان کیا گیا۔

۲۔ ان روایات میں حضرت عمر کی دعا کا ذکر ہے، جبکہ دوسری بعض روایات میں نبی کریم ﷺ کی دعا کا ذکر ہے، ان میں کوئی تعارض نہیں، دونوں ہی باتیں ہوسکتی ہیں۔

۳۔ جن صحابہ کرام نے حرمت شراب سے پہلے شراب پی اور پھر ان کی حرمت کے حکم سے پہلے ہی وفات ہوگئی تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات"(۲)۔

شراب کی حرمت سے متعلق تفصیلی کلام معارف ترمذی جلد اوّل ابواب الاشربہ، باب ما جاء فی شارب الخمر میں گذر چکا ہے، اسے ضرور دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ: وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (آل عمران: ۹۷) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ فِي كُلِّ عَامٍ؟ فَسَكَتَ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ: فِي كُلِّ عَامٍ؟ قَالَ: لَا، وَلَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ، فَأَنْزَلَ اللهُ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" (المائدة: ۱۰۱)(۳)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا، جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی) نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا ہر سال (حج کرنا ضروری ہے)؟ آپ ﷺ خاموش رہے، لوگوں نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "یا ایھا الذین امنوا لا تسئلوا....." (اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب: من فضائل عبداللہ بن مسعود
(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/ ۴۱۰
(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب المناسک، باب: فرض الحج

لگیں)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبِي؟ قَالَ أَبُوكَ فُلَانٌ. فَنَزَلَتْ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ} [المائدة: 101](۱)۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ فلاں ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی: "یا ایھا الذین امنوا لا تسئلوا ـــ"

اس آیت کے شان نزول میں مختلف واقعات

اس آیت یعنی: "یاایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ـــ" کے شان نزول میں مختلف قسم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ صحیح مسلم اور بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادھر ادھر کے غیبی امور کے متعلق سوال کیا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، اور ارشاد فرمایا: "میرے اس مقام پر ہوتے ہوئے تم لوگ جب تک کوئی سوال کروگے، میں سارے سوالات کا جواب دوں گا"

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کے والد کے سلسلہ میں بعض لوگوں کو شبہ تھا، اس موقع پر وہ کھڑے ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا باپ حذافہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترمذی میں حضرت انس کی مذکورہ روایت میں "رجل" سے بھی حضرت عبداللہ بن حذافہ ہی مراد ہیں، جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کے والد کا نام بتایا، اس کا علم آپ کو یا تو بذریعہ وحی ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی سمجھ لیا کہ ان کے والد فلاں ہیں۔

۲۔ دوسرا واقعہ اس آیت کے شان نزول میں یہی ہے جو حضرت علی کی مذکورہ روایت میں ہے۔

ان کے علاوہ دیگر کچھ واقعات بھی اس آیت کے شان نزول میں منقول ہیں، یہ سب ہی اس آیت کا سبب نزول بن سکتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ ایسا سوال کرنا درست نہیں جو محض استہزاء کی وجہ سے کیا جائے یا بغیر کسی وجہ کے کسی مسئلہ میں تحقیق اور بال کی کھال اتاری جائے کیونکہ اس طرح کے سوال کرنے سے ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز شرعاً لازم نہیں تھی لیکن اس سوال کی وجہ سے لازم کردی جائے، لہذا ایک مسلمان کا یہ کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جب کسی کام کا حکم دیں تو اسے کرلے اور جس کام سے منع کریں اس سے رک جائے لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ ضروری سوال کرنے کی کوئی ممانعت نہیں (۲)۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: لا تسئلوا عن أشیاء ـــ الخ

(۲) فتح الباری ۳۵۸/۸، کتاب التفسیر باب لا تسألوا عن أشیاء، تحفة الاحوذی ۴۱۴/۸

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الآيَةَ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ} [المائدة: 105]، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا ظَالِمًا، فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ(۱)۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: لوگو، تم یہ آیت پڑھتے ہو: "یا ایھا الذین امنوا علیکم أنفسکم ......" (اے ایمان والو اپنی اصلاح کی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں) اور میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور (قدرت کے باوجود) اسے ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔

عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الشَّعْبَانِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الخُشَنِيَّ، فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِهَذِهِ الآيَةِ؟ قَالَ: أَيَّةُ آيَةٍ؟ قُلْتُ: قَوْلُهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ} [المائدة: 105] قَالَ: أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْهَا خَبِيرًا، سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: بَلِ ائْتَمِرُوا بِالمَعْرُوفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ المُنْكَرِ، حَتَّى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ العَوَامَّ، فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ القَبْضِ عَلَى الجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُبَارَكِ: وَزَادَنِي غَيْرُ عُتْبَةَ - قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَجْرُ خَمْسِينَ رَجُلًا مِنَّا أَوْ مِنْهُمْ. قَالَ: بَلْ أَجْرُ خَمْسِينَ رَجُلًا مِنْكُمْ(۲)۔

حضرت ابوامیہ شعبانی کہتے ہیں کہ میں ابوثعلبہ خشنی کے پاس آیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا: کونسی آیت؟ میں نے عرض کیا: یہ آیت یا ایھا الذین آمنوا علیکم، انفسکم لا یضر کم من ضل اذا اھتدیتم۔۔۔۔"

فرمایا جان لو: اللہ کی قسم تم نے اس آیت کے بارے میں بڑے خبردار سے پوچھا ہے، میں نے اس کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: (امر بالمعروف ۔۔۔ نہ چھوڑو) بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور بری باتوں سے منع کرتے رہو، یہاں تک کہ جب تم ایسا بخل دیکھو جس کی اطاعت کی جائے، اور ایسی نفسانی خواہش کہ جس کی پیروی کی جانے لگے، اور ایسی دنیا کہ آخرت پر اسے ترجیح دی جائے اور ہر رائے والا اپنی ہی رائے کو پسند کرنے لگے تو تم پر لازم ہے کہ صرف اپنے نفس کی اصلاح کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے بعد ایسے دن آنے والے ہیں جن میں صبر کرنا اس طرح (مشکل) ہوگا جیسے چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنا، ان ایام میں سنت پر عمل کرنے والے کو ان

---

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنھی

(۲) حوالہ بالا

پچاس آدمیوں کے برابر اجر وثواب ملے گا جو تمہاری طرح عمل کرتے ہوں،

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ عتبہ کے علاوہ دیگر راویوں نے مجھے مزید یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ: ہم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر یا ان میں سے پچاس کے برابر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان پچاس آدمیوں کے اجر کے برابر جو تم میں سے ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اذا اهتديتم: جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو۔ أوشك: قریب ہے کہ۔ لقد سألت عنها خبيرا: (یہ خطاب کا صیغہ ہے) تحقیق تم نے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں ایک باخبر سے سوال کیا۔ ائتمروا بالمعروف: تم نیکی کا حکم دیتے رہو۔ شحا مطاعا: ایسا بخل جس کی اطاعت کی جائے۔ دنیا مؤثرة: ایسی دنیا کہ آخرت پر اسے ترجیح دی جائے۔ اعجاب: پسند کرنا۔ فعليك بخاصة نفسك: تم پر اپنے نفس کی اصلاح کی فکر لازم ہے۔ جمر: (جیم پر زبر اور میم ساکن) انگارا۔

گناہوں کی روک تھام سے متعلق حضرت صدیق اکبر کا ایک اہم ارشاد

اس آیت یعنی "یا ایها الذین امنوا علیکم انفسکم ــ" کے ظاہری الفاظ سے جو شبہ ہو سکتا تھا اس کے پیش نظر حضرت صدیق اکبر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو کہ امر بالمعروف کی ضرورت نہیں، خوب سمجھ لو کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو لوگ کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھیں، اور طاقت کے باوجود اس کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ ان دوسرے لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑ لے۔

دوسری حدیث میں اس بات کی مزید وضاحت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ آیت یعنی "یا ایها الذین امنوا علیکم انفسکم ــ" نازل ہوئی تو اس کے ظاہری الفاظ سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے عمل اور اپنی اصلاح کی فکر کافی ہے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات قرآن کریم کی بے شمار تصریحات کے خلاف ہے، جن میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنے کو اسلام کا اہم فریضہ اور اس امت کی امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے، اسی لئے اس آیت کے نازل ہونے پر کچھ لوگوں کو شبہات پیش آئے، رسول اللہ ﷺ سے سوالات کئے گئے،

مذکورہ حدیث میں حضرت ابو ثعلبہ نے یہی سوال نبی کریم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت امر بالمعروف کے احکام کے منافی نہیں، بلکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی طاقت کے بقدر کرتے رہو، یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ رہیں تو تم پر کوئی گناہ اور نقصان نہیں،

ایسا اس وقت ہوگا کہ جب بخل عام ہو جائے گا، نفسانی خواہش کے مطابق زندگی گذاری جائے گی، دنیا کو آخرت پر ترجیح دے جانے لگے گی، اور ہر شخص اپنی رائے کو ہی پسند کرے گا، تو اس وقت تم اپنی اصلاح کی فکر کرنا اور عوام کو چھوڑ دینا، دین پر استقامت سے چلتے رہنا، فتنہ کے اس دور میں سنت پر عمل کرنا اس قدر مشکل ہوگا جس طرح انگارے کو ہاتھ میں لینا مشکل ہے،

ایسے بندے کو ان پچاس بندوں کے عمل کے برابر اجر ملے گا جو بندے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو تسلی دی گئی ہے جو لوگوں کی اصلاح کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، جو نصیحت و خیر خواہی کا حق ادا کرتے ہیں، ایسے میں پھر بھی اگر کوئی گمراہی پر جما رہے تو اس کی فکر میں نہ پڑیں، اس حالت میں دوسرے کی گمراہی یا غلط کاری سے انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا(۱)۔

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت اور حیثیت کے بقدر لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، اس میں اگر کوتاہی کی گئی تو اللہ تعالیٰ کا عمومی عذاب سب پر آسکتا ہے، نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب معاشرے میں بدعملی کا چلن عام ہو جائے تو اس وقت اصلاح کی طرف لوٹنے کا بہترین نسخہ یہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے طرز عمل کو دیکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے، جب افراد میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوگی تو چراغ سے چراغ جلے گا، اور رفتہ رفتہ معاشرہ بھی اصلاح کی طرف لوٹے گا، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ، فِي هَذِهِ الآيَةِ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ المَوْتُ} [المائدة: 106] قَالَ: بَرِئَ مِنْهَا النَّاسُ غَيْرِي وَغَيْرَ عَدِيِّ بْنِ بَدَّاءٍ، وَكَانَا نَصْرَانِيَّيْنِ يَخْتَلِفَانِ إِلَى الشَّامِ قَبْلَ الإِسْلَامِ، فَأَتَيَا الشَّامَ لِتِجَارَتِهِمَا، وَقَدِمَ عَلَيْهِمَا مَوْلًى لِبَنِي سَهْمٍ، يُقَالُ لَهُ: بُدَيْلُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ بِتِجَارَةٍ، وَمَعَهُ جَامٌ مِنْ فِضَّةٍ يُرِيدُ بِهِ المَلِكَ وَهُوَ عُظْمُ تِجَارَتِهِ، فَمَرِضَ فَأَوْصَى إِلَيْهِمَا، وَأَمَرَهُمَا أَنْ يُبَلِّغَا مَا تَرَكَ أَهْلَهُ، قَالَ تَمِيمٌ: فَلَمَّا مَاتَ أَخَذْنَا ذَلِكَ الجَامَ فَبِعْنَاهُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ، ثُمَّ اقْتَسَمْنَاهُ أَنَا وَعَدِيُّ بْنُ بَدَّاءٍ، فَلَمَّا قَدِمْنَا إِلَى أَهْلِهِ دَفَعْنَا إِلَيْهِمْ مَا كَانَ مَعَنَا وَفَقَدُوا الجَامَ فَسَأَلُونَا عَنْهُ، فَقُلْنَا مَا تَرَكَ غَيْرَ هَذَا، وَمَا دَفَعَ إِلَيْنَا غَيْرَهُ، قَالَ تَمِيمٌ: فَلَمَّا أَسْلَمْتُ بَعْدَ قُدُومِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَدِينَةَ تَأَثَّمْتُ مِنْ ذَلِكَ، فَأَتَيْتُ أَهْلَهُ فَأَخْبَرْتُهُمُ الخَبَرَ، وَأَدَّيْتُ إِلَيْهِمْ خَمْسَ مِائَةِ دِرْهَمٍ، وَأَخْبَرْتُهُمْ أَنَّ عِنْدَ صَاحِبِي مِثْلَهَا، فَأَتَوْا بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُمُ البَيِّنَةَ، فَلَمْ يَجِدُوا، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْتَحْلِفُوهُ بِمَا يُقْطَعُ بِهِ عَلَى أَهْلِ دِينِهِ، فَحَلَفَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ المَوْتُ} إِلَى قَوْلِهِ - {أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ} [المائدة: 108] " فَقَامَ عَمْرُو بْنُ العَاصِ، وَرَجُلٌ آخَرُ فَحَلَفَا، فَنُزِعَتِ الخَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ مِنْ عَدِيِّ بْنِ بَدَّاءٍ۔

حضرت تمیم داری اس آیت: "یا ایھا الذین امنوا شھادۃ بینکم ...." (اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی مرنے لگے تو اس کی وصیت کے لئے دو گواہوں کی گواہی معتبر ہے) کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے میرے اور عدی بن بداء کے علاوہ سب لوگ بری ہو گئے، اسلام لانے سے پہلے یہ دونوں نصرانی تھے اور شام آتے جاتے رہتے تھے چنانچہ (ایک

---

(۱) معارف القرآن ۲۵۰/۳، تحفۃ الاحوذی ۴۱۵/۸، ۴۱۶

مرتبہ) وہ دونوں تجارت کے لئے شام گئے، اوران کے پاس بنی سہم کا مولی تجارت کے لئے آیا، جسے بدیل بن ابی مریم کہا جاتا ہے، ان کے پاس چاندی کا ایک پیالہ تھا، اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے (تا کہ وہ اسے خرید لے) اور یہی اس کے مال تجارت میں سب سے بڑا مال تھا، اتفاقاً بدیل بیمار ہو گیا، اوران دونوں کو وصیت کی، اوران دونوں کو حکم دیا کہ وہ میرے ترکہ کو میرے گھر والوں تک پہنچا دیں،

تمیم کہتے ہیں جب وہ مرگیا تو ہم نے وہ پیالہ لیا اور اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا، پھر میں نے اور عدی نے ان دراہم کو آپس میں تقسیم کرلیا، جب ہم اس کے گھر والوں کے پاس آئے تو ہم نے انہیں وہ تمام چیزیں دے دیں جو ہمارے پاس تھیں، انہوں نے وہ پیالہ نہ پایا تو ہم سے اس کے متعلق پوچھا، ہم نے کہا کہ اس نے ان کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا اور اس نے ہمیں ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں دی۔

تمیم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد کے بعد جب میں مسلمان ہوا تو اس گناہ کا خوف دل میں اٹھا، (لہذا میں اٹھا) اور اس کے اہل خانہ کے پاس گیا، میں نے انہیں پورا واقعہ بتایا، اوران کو پانچ سو درہم ادا کر دیئے، پھر میں نے انہیں بتایا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنے ہی دراہم ہیں، چنانچہ وہ لوگ عدی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے گواہ طلب کئے، لیکن انہوں نے کوئی گواہ نہ پائے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ عدی سے اس چیز کی قسم لیں جس کو اس کے دین والے بڑا جانتے ہوں، چنانچہ اس نے (جھوٹی) قسم کھالی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: "یا ایھا الذین امنوا شھادۃ بینکم ....." سے "ان ترد أیمان بعد ایمانھم" تک، حضرت عمرو بن عاص اور ایک اور شخص کھڑے ہوئے، ان دونوں نے قسم کھائی (کہ عدی جھوٹا ہے، پیالہ بدیل کے پاس تھا) چنانچہ عدی بن بداء سے پانچ سو درہم چھین لئے گئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَهْمٍ، مَعَ تَمِيمِ الدَّارِيِّ وَعَدِيِّ بْنِ بَدَّاءٍ، فَمَاتَ السَّهْمِيُّ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا مُسْلِمٌ، فَلَمَّا قَدِمَنَا بِتَرِكَتِهِ فَقَدُوا جَامًا مِنْ فِضَّةٍ مُخَوَّصًا بِالذَّهَبِ، فَأَحْلَفَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ وَجَدُوا الْجَامَ بِمَكَّةَ، فَقِيلَ: اشْتَرَيْنَاهُ مِنْ عَدِيٍّ وَتَمِيمٍ، فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ أَوْلِيَاءِ السَّهْمِيِّ، فَحَلَفَا بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا، وَأَنَّ الْجَامَ لِصَاحِبِهِمْ، قَالَ: وَفِيهِمْ نَزَلَتْ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ} [المائدة:106]۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ قبیلہ بنو سہم کا ایک شخص، تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ نکلا (سفر میں) وہ سہمی ایسی جگہ مر گیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، جب وہ دونوں اس مرحوم کا ترکہ لے کر آئے، تو وارثوں نے چاندی کے اس پیالے کو گم پایا جسے سونے کے پتروں سے آراستہ کیا گیا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم اور عدی سے قسم اٹھوائی، پھر پیالہ مکہ مکرمہ میں پایا گیا، تو ان سے پوچھا گیا (کہ یہ پیالہ تم نے کہاں سے لیا ہے) تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ عدی اور

تمیم سے خریدا ہے، اتنے میں بدیل سہمی کے وارثون میں سے دو شخص کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، اور یہ کہ پیالہ ان کے آدمی کا ہی ہے، ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت انہی کے متعلق نازل ہوئی: "یا ایھا الذین امنوا شھادۃ بینکم....."۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یختلفان الی الشام: وہ کاروبار کے لئے ملک شام آتے جاتے رہتے تھے۔ **عظم تجارتہ:** (عین پر پیش اور ظاء ساکن) اس کا بڑا مال تجارت، اس کی تجارت کا بڑا مال۔ **جام من فضۃ:** چاندی کا برتن، پیالہ۔ **یرید بہ الملک:** وہ اس سے بادشاہ کا ارادہ کر رہے تھے یعنی بادشاہ کو فروخت کرنے کا ارادہ تھا تا کہ اچھے دام میں فروخت ہو۔ **تأثمت من ذلک:** (صیغہ متکلم) اس گناہ کا میرے دل میں خوف پیدا ہوا۔ **بما یقطع بہ:** (مجہول) اس چیز سے جس کو بڑا سمجھا جاتا ہو ان کے دین میں۔ **مخوصا بالذھب:** اس پیالے پر سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا، سونے کے پتروں سے اسے آراستہ کیا گیا تھا۔

مذکورہ آیات کا شان نزول

ان احادیث میں قرآن مجید کی اس آیت: "یاایھا الذین امنوا شھادۃ۔۔۔ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص "بدیل" نامی جو مسلمان تھا، دو نصرانی شخصوں تمیم اور عدی کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا، شام پہنچ کر بدیل شدید بیمار ہو گیا، اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھ دی، اور اپنے دونوں دوستوں کو اس کی اطلاع نہ کی، مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں دوستوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے وارثوں تک پہنچا دینا، انہوں نے وصیت کے مطابق سارا سامان لا کر وارثوں کے حوالے کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھے، اس میں سے نکال لیا، وارثوں کو اس سامان میں اس مال کی فہرست مل گئی تو انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ علاج وغیرہ میں خرچ ہوا ہو، ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا، آخر معاملہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا، چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی، نہ کوئی چیز اس کی چھپائی، آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا، کچھ عرصہ کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ مکرمہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا، چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے، اس لئے پہلے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ کہیں ہماری تکذیب نہ کر دی جائے،

میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کیا، اب پہلی صورت کے برعکس ان دونوں وصیوں نے خریداری کا دعوی کر دیا جبکہ وارث اس کے منکر تھے، شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے، جو میت سے قریب تر تھے، قسم کھائی کہ وہ پیالہ میت کی ملک تھا، اور یہ دونوں نصرانی تمیم اور عدی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں، چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا یعنی ایک ہزار درہم پر، وہ قیمت وارثوں کو دلائی گئی۔

ترمذی کی مذکورہ روایت میں یوں ہے کہ حضرت تمیم نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس گناہ کا ازالہ یوں کیا کہ یہ سارا واقعہ میت کے وارثوں کو بتایا اور پانچ سو درہم یعنی اس پیالے کی آدھی قیمت انہیں دے دی تا کہ اس گناہ سے سبکدوش ہوجائیں اور یہ بھی بتایا کہ اتنی ہی رقم میرے دوسرے ساتھی کے پاس بھی ہے، پھر وہ بقیہ رقم اس دوسرے سے لے کر وارثوں کو دے دی گئی۔

ان احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ مسلمان ضرورت کے وقت ایک سے زیادہ بندوں کو اپنا وصی بنا سکتا ہے۔

۲۔ کافر کو بھی مسلمان اپنا وصی مقرر کر سکتا ہے۔

۳۔ اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی کا مالی حق تلف کیا ہو تو اسلام قبول کرنے سے یہ گناہ معاف نہیں ہوتا بلکہ اس پر لازم ہے کہ اس کا مال واپس کرے جیسا کہ حضرت تمیم داری نے ایسا کیا(۱)۔

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُنْزِلَتِ الْمَائِدَةُ مِنَ السَّمَاءِ خُبْزًا وَلَحْمًا، وَأُمِرُوا أَنْ لَا يَخُونُوا وَلَا يَدَّخِرُوا لِغَدٍ، فَخَانُوا وَادَّخَرُوا وَرَفَعُوا لِغَدٍ، فَمُسِخُوا قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ۔

حضرت عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان سے دسترخوان نازل کیا گیا، جس میں روٹی اور گوشت تھا، اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے ذخیرہ نہ کریں، لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لئے ذخیرہ بھی کیا، اور کل کے لئے بھی اٹھا رکھا، اس وجہ سے ان کی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مائدۃ: دسترخوان۔ لایدخروا: وہ جمع نہ کریں، کل کے لئے ذخیرہ نہ کریں۔ رفعوا الغد: کل کے لئے انہوں نے اٹھا رکھا، لایدخروا اور رفعوا الغد۔ ان دونوں کلمات کا حاصل ایک ہی ہے کہ کل کے لئے بچا کر نہ رکھو۔ مسخوا: (مجہول) ان کی شکلیں تبدیل کر دی گئیں۔ قردۃ: قرد (قاف کے نیچے زیر) کی جمع ہے: بندر۔ خنازیر: خنزیر کی جمع ہے: سور۔

نعمت کی ناشکری کا انجام

حضرت عیسی علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے آسمان سے گوشت اور روٹی پر مشتمل دسترخوان نازل فرمایا، جمہور مفسرین کے نزدیک یہی راجح ہے کہ واقعۃً آسمان سے دسترخوان نازل ہوا تھا، اور انہیں اس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ کوئی شخص خیانت نہ کرے اور اس کھانے کو کل کے لئے بچا کر نہ رکھے، لیکن ان لوگوں نے ان دونوں باتوں پر عمل نہیں کیا، خیانت بھی کی اور کھانے کو کل کے لئے ذخیرہ بھی کیا، اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے، ان پر یوں عذاب آیا کہ ان کی شکلیں

(۱) احکام القرآن للقرطبی ۳۲۱/۶، ۳۲۲، ط: بیروت، معارف القرآن ۲۵۴/۳، تحفۃ الاحوذی ۴۲۱/۸

تبدیل کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنادیا گیا۔

بعض حضرات کے نزدیک بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنایا گیا(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پر غیر معمولی نعمت نازل فرمائیں تو اس کا شکر بھی اسی انداز سے کرنا چاہئے، اگر اس کی ناشکری کی جائے تو اس کا انجام بھی بڑا سخت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر سخت عذاب نازل ہوسکتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: يُلَقَّى عِيسَى حُجَّتَهُ وَلَقَّاهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ: {وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ} [المائدة:116] قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَقَّاهُ اللَّهُ: {سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ} [المائدة:116] الآيَةَ كُلَّهَا.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی حجت سکھلائی جائے گی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اس کی تعلیم دی ہے کہ: "واذ قال اللہ یا عیسی ــــ" (اور جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ آپ نے ہی لوگوں کو حکم دیا تھا کہ آپ کو اور آپ کی والدہ کو اللہ کے علاوہ معبود قرار دے دو،)

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا جواب اس طرح سکھایا کہ وہ عرض کریں گے: "سبحانک ما یکون لی أن أقول ــــ" (تیری ذات پاک ہے، میں ان لوگوں کو ایسی بات کا حکم کیسے دے سکتا ہوں جو میرا حق نہیں)

واذ قال اللہ یا عیسیٰ کی تشریح

مذکورہ آیت کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس میں اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے جو سوال کیا ہے: "أنت قلت للناس اتخذونی ــــ" کہ یہ سوال آیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کریں گے یا یہ سوال اس وقت ہو چکا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان کی طرف اٹھایا تھا، اس میں دونوں قول ہیں، تاہم جمہور مفسرین کے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے پہلے قول کی صورت میں "قال"، فعل ماضی، مستقبل کے معنیٰ میں ہوگا اور "اذ" زائدہ ہوگا، اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں "اذ" "اذا" کے معنیٰ میں ہے، اور "اذا" جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو مضارع مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کہ کیا آپ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ تمہیں اور تمہاری ماں کو اپنا معبود بنا لیں، یہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، بلکہ اس سے ان کی قوم نصاریٰ کی ملامت اور تکذیب مقصود ہے کہ جس کو تم اپنا خدا بنا رہے ہو وہ خود تمہارے عقیدے کے خلاف اپنی عبدیت کا اقرار کر رہا ہے اور اس عقیدے سے اپنی براءت کا اظہار کر رہا ہے، اس لئے وہ تمہارے بہتان سے ہر لحاظ سے بری ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۲۴/۸

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی براءت کے کلمات سکھا دیں گے، چنانچہ وہ یوں کہیں گے: "سبحانک مایکون لی أن أقول مالیس ــــ" جیسا کہ امام ترمذی کی مذکورہ روایت میں تصریح ہے(۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: آخِرُ سُوْرَۃٍ أُنْزِلَتِ الْمَائِدَۃُ وَالْفَتْحُ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر آخر میں نازل ہونے والی سورتیں سورہ مائدہ اور سورہ فتح ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّہٗ قَالَ: آخِرُ سُوْرَۃٍ أُنْزِلَتْ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورتیں سورہ نصر اور سورہ فتح ہیں۔

سب سے آخر میں کونسی سورت نازل ہوئی

مذکورہ دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، پہلی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزول کے اعتبار سے آخری سورتیں سورہ مائدہ اور فتح ہیں جبکہ دوسری روایت میں سورہ نصر کا ذکر ہے۔ اس لئے امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی مرفوع روایت موجود نہیں کہ جس کی وجہ سے حتمی طور پر یہ کہا جائے کہ آخر میں کونسی سورت نازل ہوئی، بس ہر ایک نے اپنے علم اور ظن غالب کے طور پر یہ بات ذکر کی ہے، اس لئے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں (۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُوْرَۃِ الْأَنْعَامِ

یہ باب سورۃ انعام کے بارے میں ہے

عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ أَبَا جَهْلٍ، قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّا لَا نُكَذِّبُكَ، وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ بِمَا جِئْتَ بِہٖ، فَأَنْزَلَ اللّٰہُ: {فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللّٰہِ يَجْحَدُونَ} [الأنعام:33]

حضرت علی فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ہم اس دین کو جھٹلاتے ہیں جسے آپ لے کر آئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "فانهم لا یکذبونک و لکن الظالمین بایات اللہ یجحدون" (وہ لوگ آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں)

---

(۱) تفسیر قرطبی ۳۴۶/۶، معارف القرآن ۲۷۱/۳، تحفۃ الاحوذی ۴۲۵/۸

(۲) الکوکب الدری ۱۳۴/۴

کفار کے بے ہودہ کلمات سے رسول کو تسلی

اس حدیث میں مذکور آیت کا واقعہ تفسیر مظہری میں سدی کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کے دو سردار اخنس بن شریق، اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی تو اخنس نے ابوجہل سے پوچھا کہ ابوالحکم (عرب میں ابوجہل کو ابوالحکم کے نام سے پکارا جاتا تھا، اسلام میں اس کے کفر وعناد کے سبب اسے ابوجہل کا لقب دیا گیا) یہ تنہائی کا موقع ہے، میرے اور تمہارے کلام کو کوئی تیسرا نہیں سن رہا، مجھے محمد بن عبداللہ کے متعلق اپنا خیال صحیح صحیح بتلاؤ کہ ان کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔

ابوجہل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ محمد سچے ہیں، انہوں نے ساری زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن بات یہ ہے کہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنوقصی میں ساری خوبیاں اور کمالات جمع ہو جائیں باقی قریش خالی رہ جائیں، اس کو ہم کیسے برداشت کریں؟ بنوقصی کے ہاتھ میں جھنڈا ہے، حرم میں حجاج کو پانی پلانے کی اہم خدمت ان کے ہاتھ میں ہے، بیت اللہ کی دربانی اور اس کی کنجی ان کے ہاتھ میں ہے، اب اگر نبوت بھی انہی کے اندر ہم تسلیم کرلیں تو پھر باقی قریش کے پاس کیا رہ جائے گا۔

اور ترمذی کی مذکورہ روایت میں بھی ابوجہل نے یہی کہا کہ ہم درحقیقت اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جس کو آپ لے کر آئے ہیں۔

ان روایات کی وجہ سے اس آیت یعنی "فانهم لا یکذبونک۔۔۔" کو اپنے حقیقی مفہوم پر بھی لیا جاسکتا ہے کہ یہ کافر آپ کی ذات کی نہیں بلکہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں، اس لئے آپ مغموم اور پریشان نہ ہوں۔

اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کفار اگرچہ ظاہر میں آپ ہی کی تکذیب کرتے ہیں مگر درحقیقت آپ کی تکذیب کا انجام خود اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی تکذیب ہے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص مجھے ایذاء پہنچاتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانے کے حکم میں ہے (۱)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: {قُلْ هُوَ القَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ} [الأنعام: 65] قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعُوذُ بِوَجْهِكَ، فَلَمَّا نَزَلَتْ: {أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا - [262] - وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ} [الأنعام: 65] قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَاتَانِ أَهْوَنُ، أَوْ هَاتَانِ أَيْسَرُ (۲)۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، "قل هو القادر علی ان یبعث۔۔۔" (ترجمہ: اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ وہ پروردگار اس چیز پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے یا پاؤں کے نیچے سے تم پر عذاب بھیج

(۱) تفسیر مظہری ۲۳۲/۳ (رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: قل هو القادر علی ان یبعث۔

دے) تو نبی کریم ﷺ نے عرض کیا: میں تیرے چہرے یعنی ذات کی پناہ میں آتا ہوں، پھر جب یہ الفاظ نازل ہوئے: "او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم بأس بعض" (یا تمہیں گروہ گروہ کر کے سب کو آپس میں لڑوا دے، اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی (کا مزہ) چکھا دے) تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں باتیں آسان ہیں، راوی کو شک ہے کہ آپ نے "اھون" فرمایا یا "ایسر"۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذِهِ الآيَةِ: {قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ} [الأنعام: 65] فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّهَا كَائِنَةٌ وَلَمْ يَأْتِ تَأْوِيلُهَا بَعْدُ(۱)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت: "قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم ـــ) کی تفسیر میں فرمایا کہ: جان لو یہ عذاب آنے والا ہے، اور ابھی تک اس کی مراد نہیں آئی یعنی اس عذاب کا ظہور نہیں ہوا۔

مشکل الفاظ کے معنی: یلبسکم: وہ تمہیں لڑوا دے۔ شیعا: شیعة کی جمع ہے: کسی کا پیرو اور تابع، اور لفظ شیعہ ایسی جماعت کے لئے بولا جاتا ہے، جو کسی خاص غرض کے لئے جمع ہوں، اور اس غرض میں ایک دوسرے کے معاون ہوں، جس کا بامحاورہ ترجمہ آج کل کی زبان میں فرقہ یا پارٹی ہے۔ تاویل: مطلب، مراد، یہاں اس حدیث میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک اس عذاب کا ظہور نہیں ہوا۔ ھاتان: اس سے "خصلة الالتباس و خصلة اذاقة بعضهم بأس بعض" مراد ہیں یعنی مختلف گروہوں میں کر کے لڑوانے کی عادت اور آپس میں لڑائی کا مزہ چکھنے کی عادت۔

عذاب الٰہی کی تین قسمیں

سورہ انعام کی مذکورہ آیت میں عذاب الٰہی کی تین قسموں کا ذکر ہے:

۱۔ وہ عذاب جو اوپر سے آئے جیسے قوم نوح علیہ السلام پر بارش کا سخت سیلاب آیا، اور قوم عاد پر ہوا کا طوفان مسلط ہوا، اور قوم لوط علیہ السلام پر اوپر سے پتھر برسائے گئے، آل فرعون پر خون اور مینڈک وغیرہ برسائے گئے، اصحاب فیل نے مکہ پر جب چڑھائی کی تو پرندوں کے ذریعہ ایسی کنکریاں برسائی گئیں جن سے وہ سب کے سب کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہو کر رہ گئے۔

۲۔ وہ عذاب جو نیچے سے آئے جیسے قوم نوح اوپر کے عذاب کے ساتھ نیچے کا عذاب زمین کا پانی ابلنا شروع ہو گیا، اس قوم پر اوپر نیچے کے دونوں عذاب بیک وقت آئے، اور قوم فرعون پاؤں تلے کے عذاب میں غرق کی گئی، قارون بھی اپنے خزانوں سمیت اسی عذاب میں گرفتار ہوا اور زمین کے اندر دھنس گیا۔

---

(۱) مسند احمد ۱/ ۱۷۰

اور حضرت عبداللہ بن عباس اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ اوپر کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور بے رحم حکام مسلط ہو جائیں، اور نیچے کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ اپنے نوکر، غلام، خادم یا ماتحت ملازم بے وفا، غدار، کام چور، اور خیانت کرنے والے جمع ہو جائیں۔

ان دونوں کا علاج ایک ہی ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بے راہ روی سے باز آجائیں، تو اللہ جل جلالہ خود ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ یہ مصیبت ختم ہو جائے گی، کیونکہ صرف مادی تدبیروں کے ذریعہ ان کی اصلاح کی امید اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے سوا کچھ نہیں، جس کا تجربہ ہر وقت ہو رہا ہے۔

۳۔ وہ عذاب جو تمہارے اندر سے ہی پھوٹ پڑے گا یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مختلف پارٹیوں میں بانٹ کر آپس میں لڑوا دے گا اور ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے عذاب میں ہلاک کر دے گا، یوں وہ لڑائی کا مزہ چکھیں گے۔

تیسری قسم کا عذاب اس امت میں رونما ہوگا، البتہ نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ امت غرق ہو جانے کے عذاب سے محفوظ رہے گی، اور اس امت کو قحط اور بھوک کے ذریعہ ہلاک نہیں کیا جائے گا،

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس اختلاف سے وہ اختلاف مراد نہیں جو فقہاء کے درمیان ہوا ہے، کیونکہ اس کی بنیاد قرآن و سنت اور اجماع ہے، ہر ایک کی نیت قرآن وسنت پر عمل کرنا ہے، فقہاء کے اس اختلاف کو ایک حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے، مذموم وہ اختلاف ہے جو محض اپنی نفسانی خواہش کی بنیاد پر ہو، یہی اختلاف آپس میں ہلاکت وتباہی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

دو حدیثوں میں تعارض اور اس کے جواب

امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں ایک حدیث جابر اور دوسری حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث، ان دونوں میں بظاہر تعارض ہے وہ اس طرح کہ حدیث جابر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امت پر "رجم" اور "خسف" کا عذاب نہیں آئے گا، کیونکہ ان سے آپ علیہ السلام نے پناہ مانگی ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں اس کی تصریح بھی منقول ہے، جبکہ حدیث سعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امت پر یہ عذاب قرب قیامت میں واقع ہوں گے، تو بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے جو ان دو عذابوں سے پناہ مانگی ہے، یہ آپ ﷺ کے زمانے یعنی قرونِ خیر کے ساتھ مخصوص ہے کہ ان میں اس امت پر یہ عذاب نہیں آئیں گے، لہٰذا اس زمانے کے بعد قیامت سے پہلے ان کا وقوع ہو سکتا ہے۔

۲۔ اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں کیونکہ جن روایات میں خسف کے عذاب کا ذکر ہے، اس کی مراد یہ ہے کہ اس امت کے بعض افراد اس عذاب میں مبتلی ہوں گے، پوری امت اس میں مبتلی نہیں ہوگی، اور جن روایات میں اس عذاب کی نفی کی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ پوری امت پر ایک ہی وقت یہ عذاب نہیں آئے گا، اس لئے دونوں حدیثوں

میں تعارض نہیں(۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: {الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} [الأنعام: 82] شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَأَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ. قَالَ: لَيْسَ ذٰلِكَ إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: {يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ} [لقمان: 13](۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت ”الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم“ (جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا) نازل ہوئی، تو یہ مسلمانوں پر گراں گذرا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جو اپنے اوپر ظلم نہیں کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ اس سے شرک مراد ہے، کیا تم نے حضرت لقمان کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہی: اے میرے بیٹے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اس لئے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔

آیت میں ”ظلم“ سے ”شرک“ مراد ہے

اللہ تعالیٰ کے اس قول: ”ولم یلبسوا ایمانهم بظلم“ میں ”ظلم“ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے موافق ”شرک“ مراد ہے عام گناہ مراد نہیں، صحابہ کرام نے اس سے عام گناہ کے معنیٰ ہی سمجھے جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو گئے، پھر ان کے سوال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ اس سے ”شرک“ مراد ہے۔

اس آیت میں لفظ ”ظلم“ کو نکرہ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ہر قسم کا شرک، ایمان کے منافی ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرائے تو وہ ایمان سے خارج ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کی قبروں اور مزاروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں، اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات ان کے حوالے کر دیئے گئے ہیں، نعوذ باللہ، ایسے لوگوں کو تہ دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے، اور اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کر کے اللہ کے ساتھ شرک سے مکمل اجتناب کریں، ورنہ اگر توبہ کے بغیر ایسا انسان دنیا سے چلا جائے تو پھر اس کی کبھی مغفرت نہیں ہوگی۔

”الم تسمعوا ما قال لقمان لابنه“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ لقمان کی آیت گویا صحابہ کرام کو معلوم تھی جس کی طرف آپ علیہ السلام نے انہیں متوجہ فرمایا جبکہ صحیح بخاری میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”ان الشرک لظلم عظیم“، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول اسی وقت ہوا ہے، اس لئے بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

---

(۱) فتح الباری ۸/۳۷۱، کتاب التفسیر، باب: قل هو القادر

(۲) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب: ظلم دون ظلم

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت: "ان الشرک لظلم عظیم" کا نزول اسی وقت ہوا ہو، پھر آپ علیہ السلام نے اس کی تلاوت فرمائی، اور صحابہ کرام کو اس لفظ کی مراد کے بارے میں تنبیہ کی، اس سے یہ تعارض ختم ہوجاتا ہے(۱)۔

عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَائِشَةَ، ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللهِ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللهِ، وَاللهُ يَقُولُ: {لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ} [الأنعام: 103] {وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ} [الشورى: 51] وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْظِرِينِي وَلَا تُعْجِلِينِي، أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ: {وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى} [النجم: 13] {وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ} [التكوير: 23] قَالَتْ: أَنَا وَاللهِ أَوَّلُ مَنْ سَأَلَ عَنْ هَذَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا ذَاكَ جِبْرِيلُ، مَا رَأَيْتُهُ فِي الصُّورَةِ الَّتِي خُلِقَ فِيهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ، فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللهِ، يَقُولُ اللهُ: {يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ} [المائدة: 67]، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ، فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللهِ، وَاللهُ يَقُولُ: {قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللهُ}(۲)

مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ انہوں نے فرمایا: ابو عائشہ، تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی کی تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا،

ا۔ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ نبی کریم ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ جل جلالہ کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لا تدرکه الابصار...." (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو محیط ہوجاتا ہے، اور وہی بڑا باریک بین، باخبر ہے)

پھر فرمایا: "و ما کان لبشر ان یکلمه الله ـــ" (اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر یا تو الہام سے، یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے، پیغام پہنچا دیتا ہے) راوی کہتے ہیں کہ میں سہارا لگا کر بیٹھا تھا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا، میں نے عرض کیا: اے ام المؤمنین مجھے مہلت دیجئے اور جلدی نہ کیجئے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: و لقد راٰه نزلة اخری (اور البتہ تحقیق محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دوبارہ دیکھا) نیز فرمایا: "ولقد راٰه بالافق المبین" (اور البتہ تحقیق نبی کریم ﷺ نے اسے آسمان کے

(۱) فتح الباری ۱/۱۱۹، کتاب الایمان، باب ظلم دون ظلم

(۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب: اذا قال أحدکم امین

کنارے پر واضح دیکھا) حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جبرائیل تھے، میں نے انہیں اس صورت میں جس پر انہیں پیدا کیا گیا دو مرتبہ کے علاوہ نہیں دیکھا، میں نے جبرائیل امین کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، ان کے بڑے جسم نے آسمان و زمین کے درمیان کی فضا کو بھر دیا تھا،

۲۔ اور جو یہ سمجھتا ہو کہ محمد ﷺ نے اس چیز میں سے کچھ چھپالیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کی تو اس نے بھی اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک“ (اے رسول ان تمام تعلیمات کو پہنچا دیجئے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں)۔

۳۔ اور جس کا یہ گمان ہو کہ محمد ﷺ کل کے متعلق جانتے ہیں، تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”قل لا یعلم من فی السموات ــــ“ (آپ کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان میں غیب کا علم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا)

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ أعظم الفریة: اس نے بڑا جھوٹ باندھا۔ أنظرینی: مجھے مہلت دیجئے۔ منهبطا: اترتے ہوئے۔ سادا: بھر دیا تھا۔ عظم خلقه: (عین پر پیش اور ظاء کے سکون کے ساتھ) ان کے بڑے جسم نے، ان کے جسم کے حجم نے،

کیا شب معراج میں حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے؟

مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ذکر فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو براہ راست دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا، اور جو شخص یہ کہے کہ آپ علیہ السلام کو کل کا علم حاصل ہے، اور آپ نے آسمانی تعلیمات میں سے کچھ چھپایا تو اس نے بہت بڑا جھوٹ باندھا، حضرت عائشہؓ نے پہلی بات پر سورہ نجم کی آیات سے استدلال کیا۔

ان آیات کی تفسیر کے بارے میں دو قول منقول ہیں:

۱۔ حضرت انس اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ شب معراج کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اللہ جل شانہ کو بغیر کسی حجاب کے براہ راست دیکھا ہے، چنانچہ ان حضرات نے شدید القوی، ذو مرة، فاستوی اور دنی فتدلی ان سب کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال قرار دیا، اس کے بعد بھی آیات میں جو دیکھنے کا ذکر ہے، ان حضرات نے حق تعالیٰ کا دیدار اور زیارت مراد لی ہے۔

۲۔ جمہور صحابہ و تابعین اور آئمہ تفسیر کے نزدیک شب معراج کے موقع پر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوسری بار وہاں پر دیکھا، چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت ”ولقد راہ نزلة أخری“ میں اسی دوسری روایت کا ذکر ہے، اور سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں پہلی رؤیت کا ذکر ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کو آسمان کے افق پر

دیکھا تھا، اور "شدید القوی ـــ" یہ تمام صفات حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ہیں(۱)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَتَی أُنَاسٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰہِ، أَنَأْكُلُ مَا نَقْتُلُ وَلَا نَأْكُلُ مَا يَقْتُلُ اللّٰہُ؟ فَأَنْزَلَ اللّٰہُ: {فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَيْہِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِہِ مُؤْمِنِينَ} [الأنعام: 118] - إِلَى قَوْلِہِ - {وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ} [الأنعام: 121] (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم جس چیز کو قتل کریں اسے کھائیں اور جسے اللہ نے مار دیا ہو اسے نہ کھائیں؟ اس موقع پر یہ آیات نازل فرمائیں: "فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وان أطعتموھم انکم لمشرکون"۔

مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے

کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو شبہ میں ڈالنا چاہا کہ اللہ کے مارے ہوئے جانور یعنی مردار کو تو کھاتے نہیں ہو، اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبیحہ کو کھاتے ہو اس پر مذکورہ آیات: "فکلوا مما ذکر اسم اللہ ـــ" نازل ہوئیں۔

ان کے شبہ کا ان آیات میں جواب دیا گیا کہ مردار کو کھانا اس لئے حلال نہیں کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور مسلمان کے ہاتھ سے ذبح شدہ جانور کو کھانا اس لئے جائز ہے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، اور مسلمان تو بس اللہ کے حکم کا پابند ہے، اس نے جس انداز سے جو حکم دیا ہے، اسی کو پورا کرنے کا نام اطاعت ہے(۳)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الصَّحِيفَةِ الَّتِي عَلَيْهَا خَاتَمُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْرَأْ هٰذِهِ الآيَاتِ: {قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ} الآيَةَ إِلَى قَوْلِہِ - {لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ}

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ اس صحیفے کو دیکھے جس پر نبی کریم ﷺ کی مہر لگی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یہ آیات پڑھے: "قل تعالوا اتل ـــ لعلکم تتقون"۔

رسول اللہ ﷺ کا وصیت نامہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہے، جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ سورہ انعام کی ان آیات کو پڑھے یعنی "قل تعالوا اتل ما حرم ـــ سے ـــ لعلکم تتقون تک، ان میں وہ وصیت

---

(۱) فتح الباری ۷/۸۱۸، کتاب التفسیر، سورۃ النجم، باب

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الذبائح، باب: من ذبائح أھل الکتاب

(۳) تحفۃ الاحوذی ۸/۴۳۵

موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے امت کو دی ہے۔

یہ تین آیات ہیں جن میں دس چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ دس چیزیں یہ ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت و اطاعت میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ ۲۔ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنا۔ ۳۔ تنگدستی کے خوف سے اولاد کو قتل کر دینا۔ ۴۔ بے حیائی کے کام کرنا۔ ۵۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔ ۶۔ یتیم کا مال ناجائز طور پر کھا جانا۔ ۷۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔ ۸۔ شہادت یا فیصلہ یا دوسرے کلام میں بے انصافی کرنا۔ ۹۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا نہ کرنا۔ ۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دائیں بائیں دوسرے راستے اختیار کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کی محکم آیات ہیں، تمام انبیاء کی شریعتوں میں یہ دس چیزیں حرام ہی رہی ہیں، ان میں کوئی چیز کبھی منسوخ نہیں ہوئی، جو شخص ان پر عمل کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو عمل نہیں کرے گا تو وہ جہنم کے عذاب میں مبتلی ہوگا(۱)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ {أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ} [الأنعام: 158] قَالَ: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا(۲)۔

حضرت ابو سعید خدری، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "او یاتی بعض ایات ربک" (یا تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آجائیں) کی تفسیر کے متعلق فرمایا کہ ان نشانیوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا مراد ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ {لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ} [الأنعام: 158]، الْآيَةَ: الدَّجَّالُ، وَالدَّابَّةُ، وَطُلُوعُ الشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ أَوْ مِنْ مَغْرِبِهَا(۳)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ہیں کہ جب وہ ظاہر ہو جائیں گی تو اس وقت کسی نفس کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ ۱۔ دجال ۲۔ دابۃ الارض۔ ۳۔ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

قیامت کی بعض بڑی علامتیں

مذکورہ احادیث میں قیامت کی تین بڑی علامتیں ذکر کی گئی ہیں دجال کا خروج، دابۃ الارض کا نکلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، ان کے ظہور کے وقت اگر کوئی شخص ایمان لائے گا تو اس کا ایمان شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اور اس آیت یعنی "یاتی بعض

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۳۶/۸، معارف القرآن ۴۸۰/۳

(۲) مسند احمد ۳۱/۳

(۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: بیان الزمن الذی لا یقبل فیہ الایمان

آیات ربک" میں آیات سے سورج کا مغرب سے طلوع مراد ہے(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَوْلُهُ الحَقُّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا بِمِثْلِهَا، فَإِنْ تَرَكَهَا - وَرُبَّمَا قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ بِهَا - فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً ثُمَّ قَرَأَ: {مَنْ جَاءَ بِالحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا} [الأنعام: 160] (۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتے ہیں اور ان کی بات سچی ہے کہ جب میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے لئے اس کی ایک نیکی لکھ دو، پھر اگر وہ اس پر عمل کرلے تو اس کے لئے اس کی دس گنا نیکیاں لکھ دو، اور جب کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے تم نہ لکھو، پھر اگر وہ اس برائی کو کرلے تو اس کی ایک برائی ہی لکھو اور اگر وہ گناہ کو ترک کردے اور کبھی آپ ﷺ یوں فرماتے کہ وہ اس برائی پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے اس کے بدلے میں ایک نیکی لکھ دو، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها" (جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے دس گنا اجر وثواب ہے)۔

ایک نیکی پر دس گنا اجر وثواب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی نیکی کا پختہ ارادہ کرلے تو اس پر اسے ایک نیکی ملتی ہے، جب اس پر عمل کرلیتا ہے تو پھر اسے دس گنا اجر وثواب ملتا ہے، اور اگر کوئی شخص گناہ کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کی اس وقت تک برائی نہیں لکھی جاتی جب تک کہ وہ اسے کر نہ لے، جب وہ گناہ کا ارتکاب کرلے تو نامہ اعمال میں صرف اتنی ہی برائی لکھی جاتی ہے جتنی اس نے کی ہوئی ہے، اس میں اضافہ نہیں ہوتا، اور جو شخص کسی گناہ کا ارادہ کرے مگر پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے بھی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ اس آیت میں نیکی کی جزاء میں جو دس گنا تک زیادتی ذکر کی گئی ہے، اس میں ادنی حد کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رحم وکرم سے اس سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں، اور دیں گے جیسا کہ دوسری روایات میں ستر گنا اور سات سو گنا تک ثابت ہے(۳)۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۳۸/۸

(۲) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب: قول اللہ تعالیٰ: یریدون ان یبدلوا کلام اللہ۔

(۳) معارف القرآن ۵۰۵/۳

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الأَعْرَافِ

یہ باب سورۂ اعراف کے بارے میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَرَأَ هٰذِهِ الآيَةَ {فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا} [الأعراف: 143] قَالَ حَمَّادٌ: هٰكَذَا، وَأَمْسَكَ سُلَيْمَانُ بِطَرَفِ إِبْهَامِهِ عَلَى أُنْمُلَةِ إِصْبَعِهِ الْيُمْنَى قَالَ: فَسَاخَ الْجَبَلُ {وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا} [الأعراف: 143] (۱)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا" (جب موسیٰ کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا) حماد نے اشارہ کیا کہ اس طرح، اور سلیمان راوی نے اپنے انگوٹھے کی نوک اپنی دائیں انگلی کے پورے پر رکھی، راوی کہتے ہیں کہ پھر پہاڑ پھٹ کر زمین میں دھنس گیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو براہ راست نہیں دیکھا جا سکتا

جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جا سکتا، ان آنکھوں میں اتنی صلاحیت اور طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کو برداشت کر سکیں، ہاں مرنے کے بعد آخرت میں مسلمان اللہ جل شانہ کا مختلف موقعوں پر براہ راست دیدار کرتے رہیں گے۔

مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت یعنی "فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا" کی تلاوت فرمائی، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس میں یہ تصریح نہیں فرمائی کہ اس تجلی کی کیا کیفیت تھی، البتہ راوی نے اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے، البتہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں خود نبی کریم ﷺ نے اس کی کیفیت یوں بیان فرمائی کہ آپ علیہ السلام نے ہاتھ کی چھوٹی انگلی یعنی خنصر کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے یعنی نور کا بہت ہی تھوڑا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا تو اس سے بھی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، اور اس حدیث کے راوی سلیمان نے انگوٹھے کی نوک دائیں انگلی کے پورے پر رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اتنا سا نور کا حصہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جس سے اس پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے (۲)۔

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الآيَةِ {وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ

---

(۱) مسند احمد ۳/۱۲۵

(۲) معارف القرآن ۴/۷۱، تحفۃ الاحوذی ۸/۴۴۱

ظُهُورِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ} [الأعراف: 172]، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ، فَأَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ: خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُونَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَفِيمَ الْعَمَلُ؟ قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ إِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ، وَإِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى عَمَلٍ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ النَّارِ، فَيُدْخِلَهُ اللَّهُ النَّارَ (۱)۔

حضرت مسلم بن یسار جہنی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی: "واذ اخذ ربک ــ" (اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں، ہم سب گواہ بنتے ہیں، (اور یہ اقرار وشہادت اس لئے ہوا کہ) تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے محض بے خبر تھے)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا، پھر اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا تو اس سے ان کی کچھ اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انہیں جنت کے لئے پیدا کیا ہے، اور یہ اہل جنت ہی کے کام کریں گے، پھر ان کی پشت پر دوبارہ اپنا دست قدرت پھیرا تو اس سے ان کی کچھ اولاد کو نکالا اور فرمایا کہ ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخ میں جانے ہی کے کام کریں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو جنت کے لئے پیدا کرتے ہیں تو اسے اہل جنت ہی کے اعمال میں لگا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جہنم کے لئے پیدا کرتے ہیں تو اسے اہل جہنم کے کام میں لگا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ کے کسی عمل پر مرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ

(۱) الموطأ للامام مالک، کتاب القدر، باب: النہی عن القول بالقدر

عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ، فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: هَذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ دَاوُدُ فَقَالَ: رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمُرَهُ؟ قَالَ: سِتِّينَ سَنَةً، قَالَ: أَيْ رَبِّ، زِدْهُ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَلَمَّا قُضِيَ عُمُرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا، تو ان کی پشت سے وہ تمام انسان نکل آئے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ان کی اولاد سے پیدا کرنا تھا، پھر ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی، پھر انہیں حضرت آدم کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے پوچھا: اے میرے پروردگار یہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کی اولاد ہے، چنانچہ انہوں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا تو انہیں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک پسند آئی، تو پوچھا کہ اے میرے پروردگار یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کی اولاد میں سے آخری امتوں کا ایک شخص ہے جسے "داؤد" کہا جاتا ہے، عرض کیا اے میرے رب: آپ نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ فرمایا: ساٹھ برس، آدم نے کہا: اے میرے رب: میری عمر کے چالیس سال سے اس کی عمر میں اضافہ کر دیجئے، پھر جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا، تو حضرت آدم نے کہا: کیا میری عمر کے چالیس برس باقی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: کیا آپ چالیس برس اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے چکے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر آدم نے انکار کر دیا، اس لئے ان کی اولاد بھی انکار کرنے لگی، آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھولنے لگی، آدم نے غلطی کی، اس لئے ان کی اولاد بھی غلطی کرنے لگی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مسح ظهره: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ فاستخرج: اللہ تعالیٰ نے نکالا۔ استعمله: اس کو کام میں لگا دیتے ہیں۔ نسمة: ذی روح یعنی انسان۔ وبیص: چمک

عہد الست کی تفصیل

مذکورہ آیات اور احادیث میں اس عہد کا ذکر ہے جو عالم ارواح میں ہوا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں، ننھی ننھی چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیا، اور پھر انہیں عقل و دانائی اور فہم و فراست بھی عطا فرمائی اور اپنی وحدانیت کا سب سے اقرار کرایا۔

یہ عہد و اقرار اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا، اور اس اقرار کی جگہ "وادی نعمان" ہے،

جو میدان عرفات کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ آتا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد یہ عہد جب کسی کو یاد ہی نہیں رہا تو پھر اس عہد کا فائدہ کیا ہوا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عہد بعض خاص لوگوں کو اب بھی یاد ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں، اس لئے عام لوگوں کے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ بہت سے احکام ایسے ہوتے ہیں جو اپنا ایک خاص اثر رکھتے ہیں، چاہے وہ کام کسی کو یاد رہے یا نہ رہے، بلکہ اس کی خبر بھی نہ ہو مگر وہ اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں، یہ عہد واقرار بھی ایسی ہی حیثیت رکھتا ہے کہ اس اقرار نے دراصل ہر انسان کے دل میں اللہ کی معرفت کا ایک بیج ڈال دیا، جو پرورش پاتا رہتا ہے چاہے اس کی خبر ہو یا نہ ہو یہی وجہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت پائی جاتی ہے۔

پھر اسی عہد کی یاددہانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا میں بھیجا تاکہ لوگ راہ راست پر آجائیں اور ایسے کام کریں کہ جس سے اللہ جل شانہ خوش ہوتے ہیں۔

یہاں ایک غور طلب بات ہے کہ مذکورہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا گیا، جبکہ مذکورہ قرآنی آیت میں ''من ظہورہم'' کے الفاظ ہیں، کہ اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا گیا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان لوگوں کو نکالا گیا جو براہ راست بغیر کسی واسطہ کے ان سے پیدا ہونے والے تھے، پھر ان کی نسل کی پشت سے دوسروں کو، اور اسی طرح جس ترتیب سے اس دنیا میں اولادِ آدم پیدا ہونے والی تھی اسی ترتیب سے ان کی پشتوں سے نکالا گیا، اس لئے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اس اقرار لینے میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ ذریت جو اس وقت پشتوں سے نکالی گئی تھی صرف ارواح ہی نہیں تھیں بلکہ روح اور جسم کا ایسا مرکب تھا جو جسم کے لطیف ترین ذرات سے بنایا گیا تھا کیونکہ تربیت کی ضرورت زیادہ تر وہیں ہوتی ہے جہاں جسم وروح کا مرکب ہو، اور جس کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرنا ہو، ارواح کی یہ شان نہیں ہوتی وہ تو اول سے آخر تک ایک ہی حال پر ہوتی ہیں، اس کے علاوہ بعض احادیث میں جو ان کے سفید اور سیاہ رنگ مذکور ہیں یا ان کی پیشانی کی چمک کا ذکر ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف روح نہیں تھی کیونکہ اس کا تو کوئی رنگ نہیں ہوتا، جسم ہی کے ساتھ یہ اوصاف متعلق ہوتے ہیں، اس لئے پشتوں سے جو اولادِ آدم نکالی گئی یہ روح اور جسم دونوں کا انتہائی لطیف مرکب تھا(۱)۔

أو لم يبق من عمري أربعون سنة، اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر کے چالیس برس حضرت داؤد کو دیئے، جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی امام ترمذی نے کتاب التفسیر کے آخر میں روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ حضرت آدم نے حضرت داؤد کو ساٹھ برس دیئے، تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

---

(۱) معارف القرآن ۱۱۲/۴

شارحین حدیث نے اس تطبیق میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ ممکن ہے کہ پہلے حضرت آدم نے چالیس سال دیئے ہوں پھر مزید، بیس سال کا اضافہ کر دیا، تو بعض راویوں نے چالیس سال کا ذکر کر دیا اور بعض نے ساٹھ سال کا اس لئے دونوں باتوں میں تعارض نہیں۔

۲۔ یہ حدیث جو سورہ اعراف میں ہے جس میں چالیس سال کا ذکر ہے، یہ اس روایت سے زیادہ راجح ہے جس میں ساٹھ سال کا ذکر ہے، اس لئے اسی راجح روایت کا اعتبار ہوگا، ساٹھ سال والی روایت کو معتبر قرار نہیں دیا گیا(۱)۔

عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَمَّا حَمَلَتْ حَوَّاءُ طَافَ بِهَا إِبْلِيسُ وَكَانَ لَا يَعِيشُ لَهَا وَلَدٌ، فَقَالَ: سَمِّيهِ عَبْدَ الحَارِثِ، فَسَمَّتْهُ عَبْدَ الحَارِثِ، فَعَاشَ، وَكَانَ ذَٰلِكَ مِنْ وَحْيِ الشَّيْطَانِ وَأَمْرِهِ(۲)۔

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حواء حاملہ ہوئیں تو ابلیس ان کے پاس آنے لگا، اور ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، تو شیطان نے کہا کہ بیٹے کا نام عبدالحارث رکھیں، چنانچہ حواء نے بیٹے کا نا عبدالحارث رکھ دیا تو وہ زندہ رہا، اور یہ سب کچھ شیطان کے اشارے اور اس کے کہنے سے ہوا تھا۔

فلما تغشاها حملت حملا خفيفا کی تفسیر میں دو قول

اس آیت کے شروع میں ہے: "هو الذي خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها" اس آیت میں "نفس واحدة" سے حضرت آدم علیہا السلام مراد ہیں، اور "وجعل منها زوجها" میں "زوج" سے حضرت حواء مراد ہیں(۳)۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فلما تغشاها ــ"، ان آیات کی تفسیر کیا ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "هو الذي خلقكم ــ" اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ اس نے سارے انسانوں کو حضرت آدم سے پیدا کیا اور انہی سے ان کی بیوی حضرت حواء کو پیدا کیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کو سکون حاصل ہو، پھر ان دونوں سے نسل چلی، اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اولاد آدم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس پر ایمان لائے، اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے، لیکن غافل انسان نے بجائے شکر کے ناشکری شروع کر دی،

چنانچہ اس سے اگلی آیت یعنی "فلما تغشاها حملت ــ" میں اسی ناشکری کا ذکر ہے کہ جب شادی کے بعد میاں بیوی

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۸۳، تحفۃ الاحوذی ۸/۴۲۷، کتاب الآداب، باب السلام، الفصل الثالث
(۲) مسند احمد ۵/۱۱
(۳) تفسیر قرطبی ۷/۲۹۵، (بیروت لبنان)

کے اختلاط سے حمل قرار پایا تو شروع شروع میں جب تک حمل کا کوئی بوجھ نہ تھا، عورت آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی رہی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس حمل کو بڑھایا اور عورت کو اس کا بوجھ محسوس ہونے لگا تو اب والدین اس فکر اور خطرے میں پڑ گئے کہ اس حمل سے نہ جانے کیسی اولاد پیدا ہوگی، وہ سلیم الاعضاء ہوگا، یا اپنی خلقت میں ناقص ہوگا، اندھا یا بہرا یا گونگا یا ہاتھ پاؤں سے معذور، ان خطرات کی وجہ سے ماں باپ یہ دعائیں مانگنے لگے کہ یا اللہ ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرمائیے، ایسے میں ہم سب آپ کے شکر گذار ہوں گے۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں اور بالکل صحیح سالم خوبصورت بچہ عطا کر دیا تو اب وہ دونوں شرک کرنے لگے، جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو یہ عقیدہ بنالیا جاتا ہے کہ یہ بیٹا فلاں بزرگ نے دیا ہے یا اس بچے کو زندہ یا مردہ بزرگ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور ان کے نام کی نذر و نیاز کرنے لگتے ہیں، اور کبھی بچہ کا نام رکھنے میں مشرکانہ انداز اختیار کرتے ہیں عبداللات، عبدالعزیٰ، یا عبدالشمس یا بندہ علی وغیرہ ایسے نام رکھ دیتے ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کے بجائے ان بتوں یا بزرگوں کا پیدا کیا ہوا بندہ ہے، یہ سب مشرکانہ عقائد و اعمال ہیں جو درحقیقت نعمت کی ناشکری کی مختلف صورتیں ہیں۔

اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت کے پہلے جملے میں حضرت آدم اور حواء کا ذکر ہے، اور "فلما تغشاها حملت حملا خفيفا" سے حضرت آدم کی مطلق اولاد کا ذکر ہے، انہیں تعلیم دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تہ دل سے شکر ادا کریں، جب انہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو بجائے شکر کرنے کے ناشکری کرنے لگے، اور مشرکانہ طور طریقے اپنانا شروع کر دیئے چنانچہ آخری آیات میں اولاد آدم کی اسی گمراہی، کجروی اور ناشکری کا بیان ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کی یہی راجح تفسیر ہے، اس تفسیر کے مطابق "جعلا له شركاء" میں کچھ اشکال نہیں ہوتا، کیونکہ اس تفسیر کی رو سے آیت میں شرک اور ناشکری کی نسبت عام انسانوں کی طرف ہے، حضرت آدم اور حضرت حواء کی طرف نہیں ہے۔

دوسری تفسیر ان آیات کی وہ ہے جو امام ترمذی نے مذکورہ حدیث میں بیان کی ہے، اس روایت کو بعض حضرات نے تو اسرائیلی روایت قرار دے کر ناقابل اعتماد بتایا ہے، جبکہ بعض محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے، چنانچہ بعض سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف آدم و حواء کا قصہ بیان فرمایا ہے، شیطان ایک نیک انسان کے لبادے میں حضرت حواء کے پاس آیا، ان سے کہنے لگا کہ آپ کا بچہ ہر بار مر جاتا ہے، آپ اگر اس کا نام عبدالحارث رکھیں تو پھر وہ نہیں مرے گا، دھوکہ دے کر اس نے حضرت حواء کو قائل کر لیا، بعد میں حضرت حواء نے حضرت آدم کو بھی راضی کر لیا، اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اس کا نام "عبدالحارث" رکھا، "حارث" شیطان کا نام تھا، فرشتوں کے ہاں اسی نام سے اسے پکارا جاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ نام میں لغوی معنی کا اعتبار نہیں ہوتا، اور اگر معنی کا اعتبار کر بھی لیا جائے تو بھی اس نام عبدالحارث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیطان کو اپنا معبود سمجھا جا رہا ہے، عربی زبان میں کئی ساری ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جن سے اس بات کی تائید ہوتی

ہے، چنانچہ مہمان نواز آدمی کو عرب ''عبدالضیف'' کہہ دیتے ہیں (یعنی مہمان کا بندہ اور غلام) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے، لہذا نام رکھنے کا واقعہ اگر صحیح ہو تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السلام نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا، جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔

ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا کہ جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو، ایک نبی کی شان عصمت اور جذبہ توحید کے مناسب نہ تھا، اور قرآن مجید کی یہ عادت ہے کہ انبیاء مقربین کی چھوٹی سے لغزش کو ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے قاعدے کے مطابق سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے، یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک نام رکھنے کو تغلیظاً ان الفاظ سے ادا فرمایا: ''جعلا له شركاء فيما اتاهما'' (وہ دونوں خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی ان کی شان کے مناسب نہ تھا کہ وہ ایسا نام رکھیں جس سے ظاہری طور پر شرک کی بو محسوس ہوتی ہو گو کہ یہ حقیقۃً شرک نہیں (۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الْأَنْفَالِ

یہ باب سورہ انفال کے بارے میں ہے

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ جِئْتُ بِسَيْفٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ قَدْ شَفَى صَدْرِي مِنَ الْمُشْرِكِينَ - أَوْ نَحْوَ هَذَا - هَبْ لِي هَذَا السَّيْفَ، فَقَالَ: هَذَا لَيْسَ لِي وَلَا لَكَ فَقُلْتُ: عَسَى أَنْ يُعْطَى هَذَا مَنْ لَا يُبْلِي بَلَائِي، فَجَاءَنِي الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنَّكَ سَأَلْتَنِي وَلَيْسَ لِي، وَإِنَّهُ قَدْ صَارَ لِي وَهُوَ لَكَ، قَالَ: فَنَزَلَتْ: {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ} [الأنفال: 1] الآيَةَ (۲)۔

حضرت سعد کہتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر میں ایک تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: بے شک اللہ تعالی نے میرے سینے کو مشرکین سے شفا عطا فرمادی ہے (یعنی میرا سینہ ٹھنڈا کر دیا) یا اسی طرح کچھ فرمایا، یہ تلوار مجھے دے دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ میرا حق ہے اور نہ تمہارا، میں نے دل میں سوچا: ایسا نہ ہو کہ یہ تلوار ایسے شخص کو مل جائے جو میری طرح آزمائش میں مبتلی نہ ہوا ہو، اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم نے یہ تلوار مجھ سے مانگی تھی اس وقت یہ میری نہیں تھی، اور اب یہ میری ہو چکی ہے لہذا یہ تلوار تمہاری ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''یسئلونک عن الانفال'' (یہ لوگ آپ سے مال غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں)

---

(۱) احکام القرآن للقرطبی ۲۹۶/۷ ط: بیروت، تفسیر عثمانی، سورہ اعراف (ص: ۲۳۲) معارف القرآن ۱۴۸/۴، تحفۃ الاحوذی ۴۴۸/۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب: الأنفال

لفظ انفال کی تحقیق

لفظ ''انفال''، نفل کی جمع ہے، جس کے مختلف معنیٰ ہیں: فضل وانعام، نفلی نماز، نفلی روزہ اور صدقہ، یہ چیزیں کسی کے ذمہ لازم وواجب نہیں، بس کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں، قرآن وسنت کی اصطلاح میں نفل اور انفال اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو جہاد کے وقت کفار سے حاصل ہوتا ہے مگر قرآن کریم میں اس معنیٰ کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ غنیمت: اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ وجہاد کے ذریعہ فریق مخالف سے حاصل ہو۔

۲۔ مال فی: یہ وہ مال ہے جو جنگ وجہاد کے بغیر ہی کفار سے حاصل ہو خواہ وہ کافر چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دے دینا قبول کریں۔

۳۔ نفل اور انفال: یہ وہ مال ہے جو امیر جہاد کسی مجاہد کو اس کی نمایاں کارکردگی پر دیتا ہے، یہ اسے مال غنیمت کے حصے کے علاوہ مخصوص انعام دیا جاتا ہے۔

اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس آیت میں لفظ انفال سے اکثر مفسرین نے یہی عام معنیٰ مراد لئے ہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے دو واقعے

قرآن مجید کی یہ آیت "یسئلونک عن الانفال ـــ" غزوہ بدر میں پیش آنے والے دو واقعات سے متعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بدر جو کفر واسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا، اس میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا تو صحابہ کرام کے درمیان اس کی تقسیم سے متعلق ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو اخلاص واتفاق کے اس مقام کے مناسب نہ تھا جس پر صحابہ کرام کی پوری زندگی ڈھلی ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلی ہی آیت میں اس کا فیصلہ فرمادیا گیا تاکہ اس مقدس گروہ کے دلوں میں صدق واخلاص اور اتفاق وایثار کے سوا کچھ نہ رہے۔

ان دو واقعات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت عبادہ بن صامت سے کسی نے آیت مذکورہ میں لفظ انفال کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہمارے یعنی اصحاب بدر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس کا واقعہ یہ تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہوگیا تھا جس نے ہمارے اخلاق پر برا اثر ڈالا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ اموال غنیمت کو ہمارے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کردیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین بدر میں اس کو مساوی طور پر تقسیم فرمادیا۔

صورت یہ پیش آئی تھی کہ ہم سب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور دونوں فریق میں گھمسان کی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی، تو اب ہمارے لشکر کے تین حصے ہو گئے، کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا تاکہ پھر واپس نہ آ سکے، کچھ لوگ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد اس لئے جمع رہے کہ کسی طرف سے چھپا ہوا دشمن نبی کریم ﷺ پر حملہ نہ کر دے، جب جنگ ختم ہو گئی، اور رات کو ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے اس لئے ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں، اور جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ اس کے حقدار نہیں ہو، کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو پسپا کیا اور تمہیں یہ موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کر لو اور جو لوگ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد جمع رہے، انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے تو ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے لیکن نبی کریم ﷺ کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا، ہم اس میں مشغول رہے، اس لئے ہم بھی اس کے مستحق ہیں۔

صحابہ کرام کی یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ تک پہنچی اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی، جس نے واضح کر دیا کہ یہ مال اللہ کا ہے، اس کا کوئی مالک و حقدار نہیں بجز اس کے جس کو رسول اللہ ﷺ عطا فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مال کو سب مجاہدین میں مساوی طور پر تقسیم فرما دیا، سب کے سب اس فیصلہ پر راضی ہو گئے اور صحابہ کرام اپنی گفتگو پر نادم ہوئے۔

۲۔ امام ترمذی نے جو اس باب میں روایت ذکر کی ہے، ان میں اس آیت کے شان نزول کا دوسرا واقعہ مذکور ہے، یہ روایت مسند احمد میں بھی مذکور ہے، اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں میرے "عمیر" بھائی شہید ہو گئے، میں نے ان کے بالمقابل مشرکین میں سے سعید بن العاص کو قتل کر دیا، پھر اس کی تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میری یہ خواہش تھی کہ یہ تلوار مجھے مل جائے، مگر نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ ابھی تک یہ تلوار نہ میری ہے اور نہ تیری، لہذا تم اس کو مال غنیمت میں جمع کر دو، میں حکم ماننے پر مجبور تھا مگر میرا دل اس کا سخت صدمہ محسوس کر رہا تھا کہ میرا بھائی شہید ہوا اور میں نے اس کے بالمقابل ایک دشمن کو مار کر اس کی تلوار حاصل کی، وہ بھی مجھ سے لے لی گئی، مگر میں نے تعمیل حکم کے لئے اسے مال غنیمت میں جمع کر دیا، میں ابھی قریب ہی تھا کہ آپ ﷺ پر سورہ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے مجھے بلوا کر یہ تلوار مجھے عنایت فرما دی۔

اس میں کوئی بُعد نہیں کہ یہ دونوں واقعے پیش آئے ہوں اور دونوں ہی کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہو۔

مذکورہ آیت میں انفال کا یہ حکم بتلایا گیا کہ وہ اللہ اور رسول کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس پر اصل ملکیت تو اللہ جل شانہ کی ہے، اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہے، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی صوابدید پر اسے تقسیم کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے مفسرین کی ایک جماعت نے جن میں حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، عکرمہ اور سدی وغیرہ داخل ہیں، نے یہ فرمایا کہ انفال کا مذکورہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب تک تقسیم غنائم کا وہ قانون نازل نہ ہوا تھا جو اسی سورت کے پانچویں رکوع میں آرہا ہے یعنی "واعلموا انما غنمتم من شیء فان اللہ خمسہ۔۔۔" میں، کیونکہ سورہ انفال کی پہلی آیت میں پورے مال غنیمت کو رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں، اور آگے جو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ ہے کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے محفوظ کر دیا جائے اور بقیہ چار حصے مجاہدین کے درمیان ایک خاص قانون کے تحت تقسیم کر دیئے جائیں۔

اس تفصیل نے جو "واعلموا انما غنمتم فان للہ۔۔۔" میں مذکور ہوئی ہے، اس نے سورہ انفال کی پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہاں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں بلکہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، سورہ انفال کی پہلی آیت میں اجمال اور اختصار ہے اور اس سورت کی آیت نمبر اکتالیس یعنی "واعلموا انما۔۔۔" میں اس اجمال کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے۔

غازیوں کو انعام دینے کی چار صورتیں

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں غازیوں کو انعام دینے کی چار صورتیں رائج تھیں:

۱۔ یہ اعلان کر دیا جاتا کہ جو شخص کسی مخالف کو قتل کرے گا تو جو سامان مقتول سپاہی سے حاصل ہو وہ اسی کا ہے جس نے قتل کیا، یہ سامان مال غنیمت میں جمع ہی نہ کیا جائے گا۔

۲۔ بڑے لشکر میں سے کوئی جماعت الگ کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیجی جائے اور یہ حکم دیا جائے کہ اس جانب سے جو مال غنیمت حاصل ہوگا وہ اسی خاص جماعت کا ہوگا جو وہاں گئی ہے، صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

۳۔ پانچواں حصہ جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے، اس میں سے کسی خاص غازی کو اس کی ممتاز کارکردگی کے صلہ میں امیر کی صوابدید کے مطابق دیا جائے۔

۴۔ پورے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ الگ کر کے خدمت پیشہ لوگوں کو بطور انعام دیا جائے جو مجاہدین کے گھوڑوں وغیرہ کی نگہداشت کرتے ہیں اور ان کے کاموں میں مدد کرتے ہیں(۱)۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: نَظَرَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُ

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲۶۶/۳-۲۶۷ ط: پشاور

مِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا، فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ القِبْلَةَ، ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ وَجَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ: اللَّهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللَّهُمَّ إِنَّكَ إِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ العِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الإِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الأَرْضِ، فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ، مَادًّا يَدَيْهِ، مُسْتَقْبِلَ القِبْلَةِ حَتَّى سَقَطَ رِدَاؤُهُ مِنْ مَنْكِبَيْهِ، فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَأَلْقَاهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، ثُمَّ التَزَمَهُ مِنْ وَرَائِهِ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ، إِنَّهُ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ المَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ} [الأنفال: 9] فَأَمَدَّهُمُ اللهُ بِالمَلَائِكَةِ(۱).

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے لشکر کی طرف دیکھا، وہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے، جبکہ آپ کے صحابہ تین سو دس اور کچھ تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کر لیا اور (دعا کے لئے) اپنے ہاتھ پھیلائے اور اپنے رب کے سامنے چیخ و پکار، آہ وزاری اور دعا کرنے لگے کہ ”اے اللہ مجھ سے جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما دے، یا اللہ اگر مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر اس زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی، چنانچہ نبی کریم ﷺ مسلسل اپنے ہاتھ پھیلا کر، قبلہ رخ ہو کر اپنے رب سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے شانوں سے گر گئی، پھر ابوبکر آئے، انہوں نے آپ کی چادر کو پکڑا اور اسے آپ کے شانوں پر ڈال دیا، پھر صدیق اکبر پیچھے سے آپ ﷺ کو لپٹ گئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی، آپ کا اپنے رب کے سامنے درخواست کرنا عرض کرنا کافی ہے، وہ آپ سے کئے ہوئے وعدے کو ضرور پورا کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”اذ تستغیثون ربکم فاستجاب ...“ (اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی، اور وعدہ فرمایا کہ تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے) پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ان کی مدد کی۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ یهتف بربه: اپنے رب سے چیخ و پکار اور آہ وزاری کرنے لگے۔ أنجز لی: میرے لئے پورا کر دے۔ عصابة: جماعت۔ التزمه: حضرت صدیق اکبر آپ ﷺ کو لپٹ گئے۔ مناشدة: درخواست کرنا، عرض کرنا۔ تستغیثون: تم فریاد طلب کر رہے تھے۔ استجاب لكم: اس نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا۔ مردفین: پے در پے یکے بعد دیگرے آئیں گے۔ بدر: یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر اسلام کا سب سے پہلا معرکہ ہوا تھا، یہاں ایک بستی ہے، اس میں بدر نامی آدمی کا کنواں تھا، اسی سے پھر اس جگہ کو بدر ہی کہا جانے لگا۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب: الامداد بالملائکة فی غزوة بدر واباحة الغنائم، (ج:۲/ص:۹۳، قدیمی کتب خانہ)

جنگ شروع ہوجانے کے بعد آپ کی دعا میں مشغولیت

مقام بدر میں جب مسلمانوں کی مسلح فوج سے لڑائی شروع ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے رفقاء صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں اور مقابلہ پر تقریباً ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں مدد ونصرت کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، چنانچہ آپ ﷺ دعا مانگتے تھے اور صحابہ کرام آپ کے ساتھ آمین کہتے تھے۔

نبی کریم ﷺ برابر الحاح وزاری کے ساتھ حدیث میں مذکور دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کے شانوں سے چادر بھی سرک گئی، حضرت ابوبکر صدیق نے آگے بڑھ کر چادر اوڑھائی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ زیادہ فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے اور اپنا امداد ونصرت کا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

آیت میں "اذ تستغیثون" کے الفاظ سے یہی دعا کا واقعہ مراد ہے، یہ استغاثہ حقیقت میں تو نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا، مگر تمام صحابہ چونکہ آمین کہہ رہے تھے، اس لئے پوری جماعت کی طرف منسوب کرکے "تستغیثون" جمع کا لفظ لایا گیا۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مسلسل دعا میں الحاح وزاری کے ساتھ مشغول تھے، کہ صدیق اکبر نے آپ کو حوصلہ دیا کہ آپ دعا کو ختم کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی ضرور مدد کریں گے، تو کیا حضرت صدیق اکبرؓ کو اللہ کی مدد کے وعدے پر حضور ﷺ سے زیادہ یقین اور اعتماد تھا، اور آپ ﷺ کو یقین نہیں تھا کہ آپ برابر دعا کو لمبا ہی کرتے جارہے تھے؟

جواب: نبی کریم ﷺ کا دعا کو لمبا کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین نہیں تھا، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین تھا لیکن اس وقت آپ کے اوپر امت کی شفقت اور اللہ تعالیٰ کے خوف کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ مسلسل اللہ کے سامنے الحاح وزاری میں مشغول رہے، اور نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے حضرت صدیق اکبر کے دل میں یہ امید یقین کے درجہ میں ہوگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی ضرور مدد فرمائیں گے، گویا اس وقت حضرت صدیق اکبر مقام رجاء میں تھے اور نبی کریم ﷺ مقام خوف میں تھے، اس لئے آپ ﷺ طویل دعا میں مشغول رہے۔

غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کو قبول فرمالیا، اور فرمایا: "فاستجاب لکم انی ممدکم ـــ" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کروں گا جو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں آئیں گے۔

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ طاقت وقوت عطا فرمائی ہے اس لحاظ سے، ایک فرشتہ بھی امداد کے لئے کافی تھا، اتنی بڑی تعداد مقابلہ میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اللہ چاہتے تو فرشتوں کے بغیر کلمہ کن سے بھی امداد کرسکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کی فطرت سے واقف ہیں کہ وہ ظاہری طور پر تعداد سے بھی متاثر ہوتے ہیں، اس لئے مقابل فریق کی تعداد کے مطابق فرشتوں کی تعداد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے دل پوری طرح مطمئن ہوجائیں۔

غزوہ بدر میں جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے امداد کے لئے بھیجے گئے ان کی تعداد اس جگہ سورہ انفال میں ایک ہزار مذکور ہے، اور سورہ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے، اس کا سبب دراصل تین مختلف وعدے ہیں جو مختلف حالات میں کئے گئے ہیں؛

پہلا وعدہ ایک ہزار فرشتوں کا ہوا جس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی،

دوسرا وعدہ: تین ہزار فرشتوں کی امداد کا اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ قریشی لشکر کے لئے مزید مدد آرہی ہے یعنی یہ پتہ چلا کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی امداد کے لئے کمک اور مدد لے کر آرہا ہے، اس خبر سے مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیت نازل فرمائی، جس میں تین ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے،

تیسرا وعدہ: پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا اس شرط پر تھا کہ اگر فریق مخالف نے یک وقت بڑا حملہ کردیا تو پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھی دی جائے گی۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس وعدہ میں تین شرطیں تھیں، ایک ثابت قدمی، دوسرے تقوی، تیسرے مخالف فریق کا یکبارگی حملہ، پہلی دو شرطیں تو صحابہ کرام میں موجود تھیں اور اس میدان میں اول سے آخر تک ان میں کہیں فرق نہیں آیا مگر تیسری شرط یکبارگی حملہ کی واقع نہیں ہوئی، اس لئے پانچ ہزار فرشتوں کے لشکر کے نزول کی نوبت نہیں آئی، اس لئے معاملہ ایک ہزار اور تین ہزار میں ہی دائر رہا(۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَدْرٍ قِيلَ لَهُ: عَلَيْكَ الْعِيرَ لَيْسَ دُونَهَا شَيْءٌ، قَالَ: فَنَادَاهُ الْعَبَّاسُ وَهُوَ فِي وَثَاقِهِ: لَا يَصْلُحُ، وَقَالَ: لِأَنَّ اللهَ وَعَدَكَ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ وَقَدْ أَعْطَاكَ مَا وَعَدَكَ، قَالَ: صَدَقْتَ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ پر قافلہ (کا تعاقب) لازم ہے (یعنی اب اس کے پیچھے چلتے ہیں) اس کے سامنے ایسی کوئی چیز نہیں جو آپ کے ساتھ مزاحمت کرے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جبکہ وہ زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے: یہ آپ کے لئے مناسب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا وعدہ کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ چیز عطا کردی ہے جس کا اس نے آپ سے وعدہ کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے سچ

---

(۱) معارف القرآن ۴/۱۹۱

(۲) مسند احمد ۱/۲۲۸

کہا ہے۔

ایک جماعت پر غلبہ کا وعدہ

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو یہ اطلاع ملی کہ قریشیوں کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے مکہ مکرمہ سے چل پڑا ہے، تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں ایک تجارتی قافلہ جس کو روایات میں "عیر" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسری یہ مسلح فوج جو مکہ سے چلی تھی جس کو "نفیر" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اس آیت "واذیعدکم اللہ احدی الطائفتین۔" میں یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر مکمل قبضہ ہو جائے گا کہ اس کے متعلق، جو تم چاہو گے، کر سکو گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اور آپ ﷺ بدر سے فارغ ہو گئے، تو کچھ مسلمانوں کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ اس تجارتی قافلہ پر بھی قبضہ ہونا چاہئے، پہلے یہ قافلہ ہاتھ سے نکل گیا تھا، اب اس کا دوبارہ تعاقب کرنا چاہئے، بظاہر وہاں کوئی مزاحمت بھی نہیں ہوگی، یوں مسلمانوں کو بہت سامان حاصل ہو جائے گا، اس میں ایک ہزار اونٹ، پچاس ہزار دینار اور قریش کے تیس یا چالیس یا ساٹھ آدمی اس میں تھے، مسلمانوں کی بات سن کر حضرت عباس ؓ نے آپ سے عرض کیا، وہ اس وقت کافر تھے، اور زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے، ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ ایک جماعت پر غلبہ کا وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا ہو گیا کہ غزوہ بدر میں فتح عطا فرمادی، چنانچہ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے، جن میں ابوجہل بھی تھا، اور ستر ہی گرفتار ہو گئے، اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی، اور مشرکین مکہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں، یوں اسلام کا سچ اور کفر کا باطل ہونا واضح ہو گیا۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ لِأُمَّتِي {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} [الأنفال: 33] فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيهِمُ الِاسْتِغْفَارَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لئے دو امان کی چیزیں (قرآن میں) نازل کی ہیں: "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون" ۱۔آپ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کریں گے۔ ۲۔اگر یہ لوگ مغفرت مانگتے ہوں گے تو ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا، لہذا جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا تو استغفار کو قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔

عذاب عام سے دو امر مانع ہیں

روایت میں ہے کہ نضر بن حارث اور ابوجہل وغیرہ نے کہا: "اللهم ان كان هذا هو الحق من عندنا فأمطر علينا حجارة من السماء أو ائتنا بعذاب اليم" اے اللہ! اگر یہ قرآن مجید آپ کی طرف سے حق ہے تو ہم پر پتھر برسا دیجئے یا کوئی دوسرا سخت عذاب نازل کر دیجئے؟

قرآن مجید نے اس کا جواب دیا "و ماكان الله ليعذبهم و انت فيهم و ماكان الله معذبهم و هم يستغفرون"، اس جواب میں عذاب نازل نہ ہونے کی دو وجہ بتائی گئی ہیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں موجود ہونا۔

۲۔ لوگوں کا استغفار کرنا۔

ابن جریر وغیرہ نے فرمایا کہ "و ماكان الله ليعذبهم و انت فيهم" آیت کا یہ حصہ اس وقت نازل ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں موجود تھے، اور پھر ہجرت مدینہ کے بعد آیت کا دوسرا حصہ یہ نازل ہوا: "و ما كان الله معذبهم و هم يستغفرون" یعنی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرنے والے نہیں جبکہ وہ استغفار کرتے ہیں۔

اس میں "يستغفرون" سے مسلمان مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بھی عذاب کا ایک مانع یہ رہا کہ بہت سے ضعفاء مسلمان جو ہجرت نہ کر سکتے تھے، وہ مکہ میں رہ گئے تھے، وہ اللہ جل شانہ سے توبہ واستغفار کرتے رہتے تھے، ان کی خاطر اور ان کے استغفار کی برکت سے اہل مکہ پر عذاب نازل نہیں کیا گیا۔

پھر جب ان سب حضرات نے ہجرت کر لی اور مکہ مکرمہ سے چلے گئے، تو اگلی آیت نازل ہوئی: "و مالهم الا يعذبهم الله و هم يصدون عن المسجد الحرام" یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اب مانع عذاب دونوں سبب رفع ہو چکے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہے، اور نہ استغفار کرنے والے مسلمان مکہ میں باقی رہے، تو اب عذاب آنے سے کوئی رکاوٹ باقی نہیں، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ان کافروں پر عذاب نازل کیا گیا، ان میں بعض مارے گئے، بعض نکالے گئے اور باقی مغلوب ہو گئے۔

اس تفسیر کے مطابق "وانت فيهم" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں قیام ہے، اور "يستغفرون" سے مسلمانوں کا استغفار مراد ہے، اور عذاب سے فتح مکہ کے وقت کفار کا مغلوب ہونا مراد ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں موجود ہونا عذاب سے مانع ہے، صرف مکہ میں موجود ہونا مراد نہیں، اور "يستغفرون" سے کافر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کے اعمال بد کا تقاضا تو یہی تھا کہ ان پر آسمان سے پتھر

برسائے جائیں، مگر دو چیزیں اس عذاب سے مانع ہوئیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں موجود ہونا، کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی روضہ میں زندہ ہیں گو اس زندگی کی صورت سابق زندگی سے مختلف ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ کی رسالت کا قیامت تک قائم رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک دنیا میں ہیں، اس لئے یہ امت قیامت تک عذاب عام سے محفوظ رہے گی،

۲۔ اہل مکہ کا استغفار کرنا، اہل مکہ اس وقت اگرچہ مشرک اور کافر تھے تاہم طواف وغیرہ کے وقت وہ لوگ "غفرانک غفرانک" کا وظیفہ کیا کرتے تھے، ان کا یہ استغفار کفر کے ساتھ ان کے لئے آخرت میں اگرچہ نافع نہیں ہوگا مگر دنیا میں انہیں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ لوگ دنیوی عذاب سے بچ گئے، اس صورت میں اس آیت: "وما لهم ان لا يعذبهم الله" سے آخرت کا عذاب مراد ہوگا،

مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ یہ لوگ دنیا کے عذاب سے بچ گئے تاہم آخرت کا عذاب ان کو ضرور دیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ: "وما كان الله ليعذبهم" سے جس عذاب کی نفی کی گئی ہے، اس سے عذاب دنیا مراد ہے، اور "وما لهم الا يعذبهم الله" سے جس عذاب کو ثابت کیا گیا ہے، اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے (۱)۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ عَلَى المِنْبَرِ: [وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ] [الأنفال: 60] قَالَ: أَلَا إِنَّ القُوَّةَ الرَّمْيُ - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - أَلَا إِنَّ اللَّهَ سَيَفْتَحُ لَكُمُ الأَرْضَ، وَسَتُكْفَوْنَ المُؤْنَةَ، فَلَا يَعْجِزَنَّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَلْهُوَ بِأَسْهُمِهِ.

حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر یہ آیت پڑھی: "واعدوا لهم ما استطعتم به من قوة" (کافروں سے مقابلے کے لئے جہاں تک ہو سکے ایک قوت تیار کرو) پھر تین مرتبہ فرمایا: جان لو کہ قوت سے تیر اندازی مراد ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین پر فتوحات عطا کرے گا، اور عنقریب محنت ومشقت سے تمہاری کفایت کر دی جائے گی، لہذا تم میں سے کوئی اس بات سے ہرگز عاجز نہ ہو کہ وہ اپنے تیروں سے کھیلے (یعنی تیر اندازی میں سستی نہ کرنا)

جہاد کے لئے اسلحہ اور سامان حرب کی تیاری فرض ہے

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس بات کو فرض قرار دیا ہے کہ کفار سے مقابلے کے لئے اپنی طاقت کے بقدر سامان جنگ کی تیاری کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، تیر اندازی، نیزے اور تلوار کا استعمال تھا،

(۱) تفسیر طبری ۶۸۳/۲، تفسیر کبیر ۱۵۹/۱۵

آج کے زمانے میں اس میں بہت سی جدید چیزیں آگئی ہیں، ان تمام میں مہارت اوران کی تیاری مسلمانوں پر ضروری ہے، اور قرآن مجید کی اس آیت میں ''من قوۃ'' میں قوت کالفظ عام اختیار فرماکر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ قوت ہر زمانہ اور ہر ملک ومقام کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، لہذا آج کے اسلامی ملکوں پر لازم ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت کے بقدر ایٹمی طاقت، ٹینک، لڑاکا طیارے، آبدوزیں، میزائل، اور ڈرون ٹیکنالوجی وغیرہ حاصل کریں، یہ تمام چیزیں ''قوت'' کے مفہوم میں داخل ہیں، اوراس کے لئے جس علم وفن کو سیکھنے کی ضرورت پڑے، وہ سب اگراس نیت سے ہوکہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کا اور کفار کے مقابلے کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے۔

اسلام کا دفاع جس طرح اسلحہ اور سامان جنگ کی تیاری سے ضروری ہے، اسی طرح زبان وقلم سے اگر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ، سازش اور کفار کی طرف سے آئے دن لگائے جانے والے الزامات اور شکوک وشبہات کا جواب اوردفاع کیا جائے تو یہ بھی جہاد ہے، آج ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات، رسائل، انٹرنیٹ، ٹی وی اور سی ڈیز وغیرہ میں ایک منصوبہ کے تحت جو اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی جارہی ہے، اسے ایک دہشت گرد مذہب ثابت کرنے کی مختلف طریقوں سے باتیں کی جاتی ہیں، قرآن وسنت میں اپنی طرف سے تحریفیں کی جاتی ہیں، ان تمام کے خلاف حکمت کے ساتھ آواز اٹھانا یہ بھی بلاشبہ بہت بڑا جہاد ہے، یہ ایک وقت کا تقاضا اور ضرورت ہے، علماء کرام کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے، اگر اس میدان کو خالی چھوڑ دیا گیا تو بے دینی کا سیلاب نہایت جلد ہمارے گھروں میں داخل ہوجائے گا، اور اس کے انتہائی بھیانک نتائج رونما ہوں گے، جن کا برداشت کرنا ایک مؤمن کے بس میں نہیں ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ سُودِ الرُّءُوسِ مِنْ قَبْلِكُمْ، كَانَتْ تَنْزِلُ نَارٌ مِنَ السَّمَاءِ فَتَأْكُلُهَا قَالَ سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ: فَمَنْ يَقُولُ هٰذَا إِلَّا أَبُو هُرَيْرَةَ الْآنَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَقَعُوا فِي الْغَنَائِمِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ لَهُمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ} [الأنفال:68]۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے کسی کالے سر والے کے لئے یعنی کسی انسان کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا، (اس وقت یہ دستور تھا کہ) آسمان سے آگ اترتی اوراسے کھاجاتی (یعنی جلادیتی) سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کے علاوہ یہ بات اس وقت کون کہہ سکتا ہے، چنانچہ جب غزوہ بدر ہوا تو لوگ غنیمتوں کے جمع کرنے میں لگ گئے قبل اس کے کہ اموال غنیمت ان کے لئے حلال کئے جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی: ''لو لا کتاب.....'' (اگر ایک بات نہ ہوتی جس کو اللہ تعالیٰ پہلے سے لکھ چکا تو تمہیں مال لینے میں بڑا عذاب پہنچتا)

نوشتہ تقدیر سے کیا مراد ہے

قرآن مجید کی اس آیت: "لو لا کتاب من اللہ ـ" میں اس نوشتہ تقدیر سے کیا مراد ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے تین قول درج ذیل ہیں:

۱۔ مذکورہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، حالانکہ ابھی تک ان کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "لو لا کتب من اللہ سبق ـ" کہ مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آ جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا جائے گا، اس لئے مسلمانوں کی اس خطا پر عذاب نازل نہیں کیا گیا۔

۲۔ بعض روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عذاب الٰہی بالکل سامنے آچکا تھا، اللہ نے اپنے فضل سے روک دیا اور اگر عذاب آ جاتا تو سوائے عمر بن خطاب، اور سعد بن معاذ کے کوئی اس سے نہ بچتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبب عتاب غزوہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا تھا، جبکہ ترمذی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب مال غنیمت کا جمع کرنا ہے، مگر حقیقت میں ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ قیدیوں سے فدیہ لینا بھی مال غنیمت کا حصہ ہی ہے (۱)۔

۳۔ ان قیدیوں میں سے کئی سارے لوگوں کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ اسلام کو قبول کرلیں گے، اس لئے ان پر عذاب نہیں آیا (۲)۔

سود الرؤوس: سیاہ سروں والے، اس سے انسان مراد ہیں کہ اس کے بال بھی کالے ہوتے ہیں۔

قال الاعمش: فمن یقول ھذا الا ابو ھریرۃ الان، یہ جملہ معترضہ ہے، اس سے سلیمان اعمش اپنے استاذ ابو صالح کی مدح اور تعریف کر رہے ہیں کہ ان کا علم وسیع اور ان کی روایات بہت زیادہ ہیں، یہ روایت انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے، اور کہتے ہیں کہ اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ اب کون روایت کرسکتا ہے انہوں نے آپ ﷺ سے براہ راست یہ روایت سنی ہے، اس جملے سے صرف اپنے استاذ کی علمی صلاحیت کی مدح وثناء کرنا پیش نظر ہے اس سے دوسروں کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے (۳)۔

---

(۱) عارضۃ الاحوذی ۲۲۳/۱۱، قولہ تعالیٰ: لو لا کتاب من اللہ، معارف القرآن ۲۸۵/۴، سورۃ الانفال۔
(۲) تفسیر عثمانی (ص: ۲۴۶)
(۳) الکوکب الدری ۱۴۵/۴

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَجِيءَ بِالأَسَارَى، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَقُولُونَ فِي هٰؤُلَاءِ الأَسَارَى - فَذَكَرَ فِي الحَدِيثِ قِصَّةً - فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْفَلِتَنَّ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِلَّا سُهَيْلَ ابْنَ بَيْضَاءَ فَإِنِّي قَدْ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الإِسْلَامَ قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَمَا رَأَيْتُنِي فِي يَوْمٍ أَخْوَفَ أَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ مِنِّي فِي ذٰلِكَ اليَوْمِ، حَتَّى قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِلَّا سُهَيْلَ ابْنَ البَيْضَاءِ، قَالَ: وَنَزَلَ القُرْآنُ بِقَوْلِ عُمَرَ: {مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ} [الأنفال:67] إِلَى آخِرِ الآيَاتِ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب قیدیوں کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ تم لوگ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ پھر راوی نے حدیث میں قصہ ذکر کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان قیدیوں میں کوئی بھی فدیہ یا اپنی گردن دیئے بغیر ہرگز نہیں چھوٹ سکے گا، عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ سوائے سہیل بن بیضاء کے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ اسلام کو یاد کرتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خاموش رہے،

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اس دن سے زیادہ کسی دن خوف میں مبتلی نہیں دیکھا کہ خواہ مجھ پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سہل بن بیضاء کے علاوہ، راوی یہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر کے قول کے مطابق قرآن نازل ہوا: ”ما کان لنبی ...“ (کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ ان کا خون زمین پر بہائے یعنی قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑنا نبی کی شان سے بعید ہے)

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار

بدر کے معرکہ میں مکہ مکرمہ سے جو کفار مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کے لئے آئے تھے، ان میں سے ستر کفار قریش قتل کر دیئے گئے تھے، اور ستر ہی گرفتار کر لئے گئے تھے، جب ان قیدیوں کو مدینہ منورہ لایا گیا تو اب نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، قتل کر دیا جائے یا ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے، کیونکہ ابھی تک نبی کریم ﷺ کو قیدیوں کے بارے میں بذریعہ وحی کچھ نہیں بتایا گیا تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

(۱) مسند احمد ۱/۳۸۳

ترمذی میں ہی حضرت علی کی روایت ہے کہ اس موقع پر حضرت جبرائیل امین نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور یہ حکم سنایا کہ آپ صحابہ کرام کو دو چیزوں میں اختیار دے دیجئے:

۱۔ ان قیدیوں کو قتل کر دو تا کہ دشمن کی شان وشوکت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

۲۔ یا ان سے فدیہ یعنی کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔

لیکن اس دوسری صورت میں اللہ کے امر سے یہ طے شدہ ہے کہ اس کے بدلہ میں اگلے سال مسلمانوں کے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے جتنے قیدی آج مال لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے، یہ صورت اگرچہ اختیار کی تھی اور صحابہ کرام کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا گیا تھا مگر دوسری صورت میں ستر مسلمانوں کی شہادت کا فیصلہ ذکر کرنے میں اس طرف ایک خفیف اشارہ ضرور موجود تھا کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں کیونکہ اگر یہ پسند ہوتی تو ستر مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا۔

صحابہ کرام کے سامنے جب یہ دونوں صورتیں بطور اختیار کے پیش ہوئیں، تو بعض صحابہ کرام کا خیال یہ ہوا کہ اگر ان لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ یہ سب یا بعض کسی وقت مسلمان ہو جائیں جو اصلی فائدہ اور مقصد جہاد ہے، دوسرا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمان اس وقت افلاس اور تنگدستی کی حالت میں ہیں اگر ستر آدمیوں کا مالی فدیہ ان کو مل گیا تو ان کی تکلیف بھی دور ہو جائے گی اور آئندہ کے لئے جہاد کی تیاری میں بھی مدد مل جائے گی، رہا ستر مسلمانوں کا شہید ہونا سو وہ مسلمانوں کے لئے خود ایک نعمت اور بہت بڑی سعادت ہے، اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

ان خیالات کے پیش نظر حضرت صدیق اکبر اور اکثر صحابہ کرام نے یہی رائے دی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے، صرف حضرت عمر بن خطاب، سعد بن معاذ اور عبداللہ بن رواحہ نے اس رائے سے اختلاف کیا، ان حضرات نے یہ رائے دی کہ ان تمام گرفتار لوگوں کو قتل کر دیا جائے، تا کہ دشمن کی طاقت کو کچل دیا جائے، اور یہ خیال کہ ممکن ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیں گے، یہ محض ایک وہم ہے، مگر یہ گمان غالب ہے کہ اگر ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو پھر یہ لوگ واپس ہو کر پہلے سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے خلاف سرگرمی کا سبب بنیں گے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق کی رائے کو قبول کر کے یہ فیصلہ فرمایا کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے کہ اس میں ان کے لئے آسانی اور سہولت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس فیصلے کے بعد دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ بہت رو رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے بھی بتا دیجئے تا کہ میں بھی روؤں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھیوں پر رو رہا ہوں جنہوں نے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا۔ (کیونکہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تھی) اور آپ ﷺ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مجھے اس درخت سے بھی زیادہ قریب سے ان کا عذاب دکھایا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی رائے کے موافق یہ آیت نازل فرمائی: "وما کان لنبی ان یکون له اسری حتی

یثخن فی الارض "۔

جن صحابہ کرامؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی تھی اگرچہ ان کی رائے میں ایک جز خالص دینی تھا یعنی آزادی کے بعد ان لوگوں کے مسلمان ہوجانے کی امید، مگر ساتھ ہی دوسرا جزاپنی ذاتی منفعت کا بھی تھا کہ ان کو مال ہاتھ آجائے گا، اور ابھی تک کسی نص صریح سے اس مال کا جائز ہونا بھی ثابت نہ تھا، اس لئے انسانوں کا وہ معاشرہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت اس پیمانہ پر بنایا جارہا تھا کہ ان کا مرتبہ فرشتوں سے بھی آگے ہو، ان کے لیے مال کی طرف اس قدر دھیان بھی ایک قسم کی معصیت سمجھی گئی، اس لئے صحابہ کرامؓ کا یہ عمل قابل عتاب قرار دیا گیا،

اور اس عتاب کا اللہ تعالیٰ نے یوں اظہار فرمایا کہ "تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ، واللہ عزیز حکیم"، یعنی تم لوگ دنیا کو چاہتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طلب گار بنو۔

اس مقام پر عتاب کے طور پر ان صحابہ کے صرف اس عمل کا ذکر کیا گیا جو ناراضی کی وجہ تھی، دوسرا سبب یعنی "قیدیوں کے مسلمان ہونے کی امید" اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کرام جیسی پاکباز مخلص جماعت کے لئے ایسی مشترک نیت جس میں کچھ دین کا جز ہو، کچھ اپنے دنیوی نفع کا، یہ بھی قابل قبول نہیں،

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عتاب اور تنبیہ کا خطاب براہ راست صحابہ کرام کو کیا ہے اگرچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی رائے کو قبول فرما کر ایک گونہ ان کے ساتھ شرکت کرلی تھی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل خالص آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مظہر تھا کہ صحابہ میں اختلاف رائے ہونے کی صورت میں آپ نے اس صورت کو اختیار فرمالیا جو قیدیوں کے حق میں سہولت اور شفقت والی تھی، اس بناء پر عتاب کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی گئی(۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کے متعلق حتمی فیصلے سے پہلے فرمایا کہ کسی بھی قیدی کو یوں ہی نہیں چھوڑا جائے گا، اسے یا تو قتل کردیا جائے گا یا فدیہ لے کر اسے چھوڑا جائے گا، مجلس میں موجود حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان قیدیوں میں سہیل بن بیضاء بھی ہیں جو مخلص مسلمان ہیں، میں نے مکہ مکرمہ میں انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا انہیں رہا کر دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن کر خاموش رہے، اس دوران ابن مسعود بہت پریشان ہوگئے کہ میں نے شان اقدس میں گویا گستاخی کردی ہے کہ مجھ پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الا سھیل بن بیضاء"، چنانچہ پھر انہیں رہا کردیا گیا، پھر وہ مدینہ منورہ میں رہے اور وہیں پر ان کی وفات ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی(۲)۔

---

(۱) معارف القرآن ۲۸۳/۴

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱۶۲/۳، السین بعدھا الھاء

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو پسند کرنے کا اختیار دے دیا گیا تھا اور اسی اختیار کی وجہ سے انہوں نے ایک چیز کو پسند کر لیا تو پھر ان پر عتاب کیوں نازل ہوا، یہ عتاب بظاہر اس اختیار کے منافی ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ دو باتوں میں اختیار دیا تھا لیکن یہ اختیار بطور امتحان اور آزمائش کے تھا، کہ دیکھیں یہ لوگ اس صورت کو اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، یا اس کو جو ان کے دل کی خواہش کے موافق ہے، کیونکہ فدیہ والی صورت اختیار کرنے پر ستر مسلمانوں کی شہادت کا فیصلہ ذکر کرنے میں ایک خفیف اشارہ ضرور موجود تھا کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند نہیں اگر یہ پسند ہوتی تو ستر مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا، اس لئے ان پر عتاب نازل ہوا(۱)۔

۲۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیدیوں کے بارے میں حکم نازل ہونے سے پہلے بعض صحابہ کرام کے دل میں فدیہ کی تمنا اور خواہش ہوئی، بعض نے اس بارے میں آپس میں گفتگو بھی کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر اور عتاب نازل ہوا، ان میں سے کوئی صورت اختیار کرنے پر عتاب نازل نہیں ہوا(۲)۔

بہر حال صحابہ کرام سے یہ ایک اجتہادی غلطی ہوئی، جس پر اگرچہ عتاب ہوا، تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلطی کو معاف فرما دیا۔

بَاب: وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ

سورۂ توبہ

حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: مَا حَمَلَكُمْ أَنْ عَمَدْتُمْ إِلَى الأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِي وَإِلَى بَرَاءَةٌ وَهِيَ مِنَ الْمِئِينَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوا بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَوَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ، مَا حَمَلَكُمْ عَلَى ذَلِكَ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِي عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ، فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ: ضَعُوا هَؤُلَاءِ الآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا وَإِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الآيَةُ فَيَقُولُ: ضَعُوا هَذِهِ الآيَةَ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا، وَكَانَتِ الأَنْفَالُ مِنْ أَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً بِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا مِنْهَا، فَقُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا

---

(۱) شرح الطیبی ۱۹/۸ کتاب الجہاد، باب حکم الأسراء

(۲) الجامع لأحکام القرآن ۴۸/۸، ط: بیروت

أَنَّهَا مِنْهَا، فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، فَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے سورہ انفال جو کہ مثانی میں سے ہے اور سورہ براءۃ یعنی توبہ کا جو کہ مئین میں سے ہے، قصد کیا اور آپ نے ان دونوں کو ملایا، اور ان دونوں کے درمیان آپ نے بسم اللہ بھی نہیں لکھی، اور آپ نے سورہ انفال کو سات لمبی سورتوں میں لکھ دیا ہے، کس چیز نے آپ کو اس پر آمادہ کیا ہے یعنی اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر (بسا اوقات) یوں زمانہ گذرتا (کہ آپ پر کچھ بھی نازل نہ ہوتا اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح کا زمانہ آتا کہ) آپ پر چند سورتیں نازل ہوتیں، تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ نازل ہوتا تو آپ کسی کاتب کو بلاتے اور اسے فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھ دو جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے، اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ فرماتے ان آیات کو اس سورت میں شامل کر دو جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے، اور سورہ انفال ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئیں، اور سورہ براءۃ (نزول کے اعتبار سے) آخری سورتوں میں سے ہے، اور سورہ انفال کا بیان سورہ توبہ کے مشابہ ہے (یعنی دونوں کے احکام ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) چنانچہ میں نے گمان کیا کہ سورہ توبہ سورہ انفال کا ہی حصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن ہمیں یہ نہیں بتایا کہ سورہ براءۃ سورہ انفال کا حصہ ہے یا نہیں، اس وجہ سے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی اور ان کو میں نے سات لمبی سورتوں کے ساتھ ذکر کر دیا۔

سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ

قرآن مجید کی سورتوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ سورت بقرہ سے سورہ یونس تک کی سورتوں کو "طوال" کہتے ہیں، طوال کے معنی "لمبے" کے ہیں اور قرآن مجید کی ابتدائی سات سورتیں چونکہ لمبی ہیں، اس لئے ان کو "سبع طوال" کہا جاتا ہے، سورہ یونس سے سورہ شعراء تک کی سورتوں کو "مئین" کہا جاتا ہے، مئین مائۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: سو، اور یہ سورتیں چونکہ زیادہ تر سو آیتوں پر مشتمل ہیں یا سو کے قریب ہیں، اس لئے ان سورتوں کو "مئین" کہا جاتا ہے، اور سورہ شعراء سے سورہ حجرات تک کی سورتوں کو "مثانی" کہتے ہیں، ان سورتوں کی آیتیں سو سے کم ہیں، اور ان کے مضمون اور واقعات چونکہ مکرر بیان ہوئے ہیں، اس بناء پر ان کو مثانی کہتے ہیں، اور سورہ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتوں کو "مفصلات" کہا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے جو سوال کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ سورہ انفال "مثانی"

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب: من جهر بها

میں سے ہے کیونکہ وہ سو آیتوں سے کم ہے، اور سورۂ توبہ و براءۃ "مئین" میں سے ہے کہ اس کی آیتوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے، لہذا آپ نے مصحف عثمانی میں قرآن کو جمع اور نقل کراتے وقت ان دونوں سورتوں کو ایک ساتھ "طوال" میں کیوں رکھا، چاہئے تو یہ تھا کہ "سورہ انفال" کو "مثانی" میں اور سورہ توبہ کو "مئین" میں شامل کرتے، نیز ان دونوں سورتوں کے درمیان آپ نے بسم اللہ بھی نہیں لکھوائی؟

حضرت عثمان غنیؓ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ارشاد فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھ دیں، لیکن سورہ توبہ کے متعلق آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ ان آیات کو کس سورت میں درج کیا جائے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مستقل سورت ہے، کسی سورت کا جزء نہیں، لیکن آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اس سے پہلے بسم اللہ لکھو یا نہ لکھو، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی الگ سورہ نہیں کیونکہ عام قاعدہ یہی تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے امتیاز کے لئے "بسم اللہ" ذکر کی جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے،

لیکن چونکہ ان دونوں سورتوں کے احکام اور مضامین ایک جیسے ہیں، نیز نزول کے اعتبار سے سورہ انفال مقدم اور سورہ توبہ مؤخر ہے، اس لئے میں نے ان دونوں سورتوں کو ایک ساتھ "طوال" میں رکھا اور سورہ انفال کو پہلے اور سورہ توبہ کو بعد میں لکھا، اور بسم اللہ نہیں لکھی، کیونکہ یہ امکان ہے کہ سورۂ توبہ سورہ انفال کا جزء ہو، اس احتمال کی وجہ سے بسم اللہ لکھنا درست نہیں، اور دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ دونوں سورتیں، دو الگ الگ سورتیں ہوں، اس لئے ان دونوں کے درمیان فاصلہ رکھا گیا ہے (۱)۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ ثُمَّ قَالَ: أَيُّ يَوْمٍ أَحْرَمُ، أَيُّ يَوْمٍ أَحْرَمُ، أَيُّ يَوْمٍ أَحْرَمُ؟ قَالَ: فَقَالَ النَّاسُ: يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ، وَلَا يَجْنِي وَالِدٌ عَلَى وَلَدِهِ، وَلَا وَلَدٌ عَلَى وَالِدِهِ، أَلَا إِنَّ الْمُسْلِمَ أَخُو الْمُسْلِمِ، فَلَيْسَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ إِلَّا مَا أَحَلَّ مِنْ نَفْسِهِ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ غَيْرَ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، أَلَا وَإِنَّ كُلَّ دَمٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ دَمٍ وُضِعَ مِنْ دَمِ الْجَاهِلِيَّةِ دَمُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِي بَنِي لَيْثٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، أَلَا وَإِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱۰/۵، کتاب فضائل القرآن، باب اختلاف القراءات، شرح الطیبی ۲۹۹/۴، تحفۃ الأحوذی ۴۶۲/۸

حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ، فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَا وَإِنَّ حَقَّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ(۱)۔

حضرت عمرو بن احوص فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی، اور وعظ و نصیحت کی، پھر فرمایا: کونسا دن زیادہ حرمت و عظمت والا ہے؟ (تین مرتبہ آپ نے یہ سوال کیا) لوگوں نے جواب دیا: حج اکبر کا دن یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا دن، تمہارے اس شہر اور مہینے میں؛

آگاہ ہو جاؤ: کوئی جنایت کرنے والا اپنے نفس کے علاوہ کسی اور پر جنایت نہیں کرتا، کوئی والد اپنے بیٹے پر اور کوئی بیٹا اپنے والد پر جنایت نہیں کرتا، آگاہ ہو جاؤ کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، لہذا کسی مسلمان کے لئے اس کے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں مگر وہی چیز جو اس کے لئے اس کا بھائی اپنی خوشی سے مباح اور حلال کر دے، آگاہ ہو جاؤ زمانہ جاہلیت کے تمام سود باطل ہیں، تمہارے لئے صرف تمہارے اصل مال ہی حلال ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے، سوائے عباس بن عبد المطلب کے سود کے کہ وہ سارا کا سارا معاف ہے (یعنی سود اور اصل رقم دونوں ہی معاف ہیں) جان لو زمانہ جاہلیت کا ہر خون معاف ہے، (یعنی اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا) اور زمانہ جاہلیت کے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں (یعنی اس کا قصاص نہیں لیتا) وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے، وہ بنی لیث میں دودھ پیتے تھے کہ انہیں ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔

آگاہ ہو جاؤ: تم عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں، تم ان پر کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتے حسن سلوک کے سوا، مگر یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کر لیں، لہذا اگر وہ ایسا کر لیں تو تم انہیں اپنے بستروں سے الگ کر دو، اور ان کو ایسی مار دو جو تکلیف دہ نہ ہو (یعنی اس کی ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹنے پائے) اور اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو پھر تم ان پر الزام کا راستہ تلاش نہ کرو، آگاہ ہو جاؤ بے شک تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تم پر تمہاری عورتوں کے حق ہیں، ان عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو تمہارے بستروں کے قریب نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اور تمہارے گھروں میں ان لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم اچھا نہیں سمجھتے، آگاہ ہو جاؤ تم پر ان عورتوں کا حق یہ ہے کہ ان کے کھانے اور لباس میں اچھا سلوک کرو۔

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَوْمِ الحَجِّ الأَكْبَرِ فَقَالَ: يَوْمُ النَّحْرِ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے حج اکبر کے متعلق پوچھا کہ یہ کس دن ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نحر کا دن ہے (یعنی دس ذی الحجہ)

---

(۱) مسند احمد ۴۲۶/۳

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: يَوْمُ الحَجِّ الأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حج اکبر کا دن، قربانی کا دن ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ :۔ ذکر: (کاف کی تشدید کے ساتھ) وعظ و نصیحت کی۔ أی یوم احرم: اس میں لفظ "احرم" دو طرح سے پڑھا گیا ہے، ۱۔ صیغہ اسم تفضیل، اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے: کونسا دن زیادہ عظمت و حرمت والا ہے۔ ۲۔ باب تفعیل سے مضارع معروف اور متکلم کا صیغہ ہے، معنیٰ یہ ہیں: میں حرمت و عظمت بیان کر رہا ہوں۔ ما أحل من نفسه: وہ چیز جسے وہ خوشدلی سے مباح قرار دے دے۔ موضوع: معاف ہے، باطل ہے۔ مسترضعا: مرضعہ سے دودھ پینے والا بچہ۔ استوصوا: تم لوگ وصیت کو قبول کرو یعنی حسن سلوک کرو۔ عوان: عانیۃ کی جمع ہے: قیدی۔ غیر ذلک: یعنی غیر الاستیفاء: حسن سلوک کے علاوہ۔ فاحشة مبينة: کھلم کھلا بے حیائی، اس سے زنا اور اس طرح کی بری عادات مراد ہیں۔ مضاجع: مضجع کی جمع ہے: بستر۔ مبرح: (را مشدد اور زیر کے ساتھ) مشقت، اور تکلیف والی مار اور غیر مبرح سے ایسی ضرب مراد ہے جس سے ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹے۔ لاتبغوا عليهن سبيلا: تم ان پر الزام کا راستہ تلاش نہ کرو یعنی ان کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار نہ کرو کہ ناجائز ان کو مارو یا ان سے اپنے بستر بلاوجہ الگ کرلو۔ لا يوطئن: وہ روندنے نہ دیں یعنی آنے نہ دیں۔ فرش: فراش کی جمع ہے: بستر، بچھونے۔ ولا يأذن: اور وہ اجازت نہ دیں۔

خطبہ حجۃ الوداع سے ثابت ہونے والے امور

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں جو بلاشبہ دین کا خلاصہ ہیں، اس خطبہ سے ثابت ہونے والے بعض امور کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور حرمت تم پر لازم ہے، جس طرح حج کا یہ دن اس شہر مکہ میں محترم ہے، کہ اس میں کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو سے تعرض کرنا جائز نہیں، اسی طرح سال کے دیگر ایام میں بھی یہ چیزیں قابل احترام ہیں، لہذا ان سے تعرض کرنا شرعاً حرام ہے۔

۲۔ جو شخص کوئی جرم یا گناہ کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا باپ کے جرم کی سزا بیٹے کو یا بیٹے کے جرم کی سزا باپ پر یا کسی اور رشتہ دار پر نہیں ہوگی، زمانہ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ جرم ایک کرتا لیکن سزا اس کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار کو دی جاتی، یہ طریقہ ظاہر ہے کہ ہر اعتبار سے غلط تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔

۳۔ کسی مسلمان کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

۴۔ زمانہ جاہلیت میں جو سودی معاملے کئے گئے، میں ان تمام کو باطل اور کالعدم قرار دیتا ہوں، ہاں جتنی اصل رقم تم نے لگائی تھی صرف وہ تمہارے لئے حلال ہے۔

۵۔ حضرت عباس جو آپ ﷺ کے عم محترم تھے، ایام جاہلیت میں سود کا لین دین کرتے تھے، اس وقت ان کا بہت زیادہ سود لوگوں کے ذمہ باقی تھا، اسے بھی نبی کریم ﷺ نے معاف فرما دیا۔

"فانه موضوع كله" حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اسلوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس کا سود اور اصل رقم دونوں ہی معاف فرما دیئے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پہلے زمانہ جاہلیت کے سود کو معاف کیا اور اصل سرمایہ کو ان کے لئے برقرار رکھا اور ان کے لئے جائز قرار دیا اور پھر استثناء کیا: غیر ربا العباس فانه موضوع كله، اس استثناء کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا حکم پہلے سے الگ ہے اور وہ یہی ہے کہ حضرت عباس کا سود اور اصل رأس المال دونوں ہی معاف قرار دیئے جائیں، تاہم عام شارحین حدیث مثلاً امام نووی، ملا علی قاری اور صاحب بذل المجہود وغیرہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ رأس المال سے زائد جو سود ہے وہ معاف ہے، رأس المال یعنی اصل رقم معاف نہیں، اس مسلک کے اعتبار سے حدیث میں مذکور استثناء کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہوگا(۱)۔

۶۔ جاہلیت کے تمام خون معاف قرار دیتا ہوں، لہذا اس وقت جس نے کوئی قتل کیا ہے تو اس پر کوئی قصاص، دیت اور کفارہ نہیں، اور سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے اپنے خاندان کے ایک بچے کا قصاص معاف کیا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ "حارث" آپ ﷺ کے چچا اور عبد المطلب کے بیٹے تھے، ان کے بیٹے ربیعہ کا ایک شیر خوار بچہ تھا جس کا نام ایاس بن ربیعہ تھا، عرب کے دستور کے مطابق ایاس کو دودھ پلانے کے لئے قبیلہ بنی سعد میں دے دیا گیا تھا، اتفاقاً ان دنوں قبیلہ بنی سعد اور قبیلہ ہذیل کے درمیان لڑائی چل رہی تھی، اسی لڑائی کے دوران قبیلہ ہذیل کے کسی شخص نے ایاس کو پتھر مارا جس سے وہ شیر خوار بچہ مر گیا، ایاس چونکہ نبی کریم ﷺ کے چچا کا پوتا تھا، اس لئے اس کے قتل کا بدلہ لینے کا حق حضور ﷺ کو حاصل تھا، مگر نبی کریم ﷺ نے اس کا خون معاف کر دیا۔

۷۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، وہ تمہارے ماتحت ہیں، ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کا بندوبست کرنا، اسی طرح عورتوں پر لازم ہے کہ جائز امور میں اپنے شوہروں کی اطاعت کریں، کوئی فریق کسی پر ظلم نہ کرے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اور دنیاوی اعتبار سے بھی اس کے بڑے نقصانات رونما ہوتے ہیں۔

۸۔ "یوم الحج الاکبر" سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل معارف ترمذی جلد دوم ابواب الفتن باب ما جاء فی تحریم الدماء والاموال میں گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَرَاءَةٍ مَعَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُبَلِّغَ هَذَا إِلَّا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِي فَدَعَا عَلِيًّا فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کے ساتھ (عہد سے) براءت بھیجی،

(۱) الکوکب الدری ۱۷۷/۷

پھر انہیں بلایا اور فرمایا کہ میری اہل کے فرد کے علاوہ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عہد سے براءت کا پیغام پہنچائے، پھر آپ نے حضرت علی کو بلایا اور انہیں وہ براءت عطا فرما دی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ بِهَؤُلَاءِ الكَلِمَاتِ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ عَلِيًّا، فَبَيْنَا أَبُو بَكْرٍ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ إِذْ سَمِعَ رُغَاءَ نَاقَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ القَصْوَاءِ، فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَزِعًا فَظَنَّ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ عَلِيٌّ، فَدَفَعَ إِلَيْهِ كِتَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يُنَادِيَ بِهَؤُلَاءِ الكَلِمَاتِ فَانْطَلَقَا فَحَجَّا، فَقَامَ عَلِيٌّ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ، فَنَادَى: ذِمَّةُ اللهِ وَرَسُولِهِ بَرِيئَةٌ مِنْ كُلِّ مُشْرِكٍ، فَسِيحُوا فِي الأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، وَلَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَنَّ بِالبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَلَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ. وَكَانَ عَلِيٌّ يُنَادِي، فَإِذَا عَيِيَ، قَامَ أَبُو بَكْرٍ، فَنَادَى بِهَا.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو (براءت... کے ساتھ) بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ (حج کے موقع پر) ان کلمات کو پڑھ کر لوگوں کو سنائیں، پھر حضرت علی کو ان کے پیچھے بھیجا، ابھی ابوبکر راستہ میں ہی تھے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قصوی اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی تو حضرت ابوبکر خوف زدہ ہو کر نکلے، انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں، لیکن دیکھا تو وہ حضرت علی تھے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کا خط صدیق اکبر کو دیا اور آپ ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ ان کلمات کا لوگوں کے سامنے اعلان کریں، پھر وہ دونوں چل پڑے، اور حج ادا کیا، پھر ایام تشریق میں حضرت علی کھڑے ہوئے اور اعلان کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہر مشرک سے بری الذمہ ہیں، لہذا تم لوگ صرف چار ماہ تک زمین پر گھوم پھر لو، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی شخص برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے، اور جنت میں صرف ایمان والا ہی داخل ہو سکے گا، حضرت علی اس کا اعلان کرتے پھر جب وہ تھک جاتے تو ابوبکرؓ کھڑے ہو جاتے اور ان کلمات کا اعلان کرنے لگتے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ يُثَيْعٍ، قَالَ: سَأَلْنَا عَلِيًّا، بِأَيِّ شَيْءٍ بُعِثْتَ فِي الحَجَّةِ؟ قَالَ: بُعِثْتُ بِأَرْبَعٍ: أَنْ لَا يَطُوفَ بِالبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَهُوَ إِلَى مُدَّتِهِ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَهْدٌ فَأَجَلُهُ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ، وَلَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ، وَلَا يَجْتَمِعُ المُشْرِكُونَ وَالمُسْلِمُونَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا(۱)۔

حضرت زید بن یثیع کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی سے پوچھا کہ حج میں کس چیز کا اعلان کرنے کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے چار چیزوں کے ساتھ بھیجا گیا۔ ۱۔ کوئی شخص برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے، ۲۔ جس کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو وہ اپنی مدت تک ہی قائم رہے گا، جس کا کوئی عہد نہ ہو تو

(۱) سنن دارمی، کتاب المناسک، باب: لا یطوف بالبیت عریان

اس کی مدت چار ماہ ہے، ۳۔ اور جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہو سکے گا، ۴۔ اس سال کے بعد مسلمان اور مشرک (حج میں) جمع نہیں ہوں گے۔

مشکل الفاظ کے معانی: ـ ینادی: اعلان کردیں۔ رغاء: اونٹ کی آواز، بلبلاہٹ۔ قصواء: حضور ﷺ کی اونٹنی کا نام ہے۔ فزعاً: خوف زدہ ہوکر، گھبرا کر۔ عیی: وہ تھک جاتے۔

۹ھ میں حج کے موقع پر کفار سے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان عام

۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان دس سال کے لئے صلح کا معاہدہ ہوا، اس وقت مکہ مکرمہ میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل عرب بھی آباد تھے، اس لئے اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں سے جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حلیف ہو کر آپ کے ساتھ ہو جائے، چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے نبی کریم ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا اور آپ کے ساتھ ہو گئے، اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونا اختیار کرلیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہوگی نہ کسی جنگ کرنے والے کو کسی جانب سے مدد دی جائے گی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے وہ بھی اسی حکم میں سمجھا جائے گا کہ اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کی مدد کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

اس معاہدے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کر دیا اور قریش نے بھی بنی بکر کی ہتھیاروں اور اپنے افراد سے خوب مدد کی، اس خلاف ورزی کی وجہ سے امن اور صلح کا یہ معاہدہ ٹوٹ گیا، پھر آپ ﷺ تیاری کر کے ۱۰ رمضان ۸ھ میں مدینہ طیبہ سے صحابہ کرام کی بڑی تعداد کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے نکلے، بالآخر مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ۹ھ میں حج کے موقع پر حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی کو مکہ مکرمہ میں بھیجا تا کہ وہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات کے عام اجتماعات میں اس معاہدے کے خاتمے اور براءت کا اعلان کر دیں، اس کا ذکر سورہ توبہ کی تیسری آیت میں اس طرح آیا "واذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ـــ"

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاہدے سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے پہلے حضرت صدیق اکبر کو مکہ مکرمہ بھیجا، ابھی وہ راستہ میں ہی تھے کہ حضرت علی بھی ان کے پیچھے پہنچ گئے، نبی کریم ﷺ نے ایسا اس لئے کیا کہ عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کرنا چاہتا تو وہ خود براہ راست یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اس کے خاتمہ کا اعلان کرتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے، اس لئے آپ ﷺ نے اعلان کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو بھیجا، براءت کے اس اعلان میں چار چیزوں کا ذکر تھا،

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہر مشرک سے بری ہے، لہذا سابقہ معاہدہ ختم، پس اب تمہیں صرف چار ماہ کی مہلت ہے۔
۲۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔
۳۔ اور نہ ہی کسی کو برہنہ طواف کرنے کی اجازت ہے۔
۴۔ اور جنت میں صرف اہل ایمان ہی داخل ہوں گے،

فتح مکہ کے وقت مشرکین کی چار قسمیں اور ان کے احکام

جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو مکہ اور اطراف مکہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو جان و مال کا امان دے دیا گیا، لیکن اس وقت ان غیر مسلموں کے حالات مختلف تھے، اس لحاظ سے ان کی چار قسمیں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قریش مکہ، جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تھا، پھر انہوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا، یہی فتح مکہ کا سبب ہوا۔

ان کا حکم سورہ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے: "فاذا انسلخ الاشھر الحرم۔" جس کا حاصل یہ ہے کہ چار محترم مہینوں کے بعد یا تو وہ جزیرہ عرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ ہوگی۔

۲۔ کچھ ایسے لوگ تھے جن سے صلح کا معاہدہ ایک خاص مدت کے لئے کیا گیا اور پھر وہ اس معاہدے پر برقرار رہے جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج، جن سے ایک مدت کے لئے صلح ہوئی تھی، اور سورہ براءۃ کے نازل ہونے کے وقت بقول خازن کے ان کی مدتِ صلح کے نو مہینے باقی تھے۔

ان کا حکم سورہ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا: "الا الذین عاھدتم من المشرکین۔" لہذا انہیں صلح کی مدت جو کہ نو ماہ باقی تھی، پورا کرنے کی مہلت دے دی گئی۔

۳۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہی ہوا تھا۔
۴۔ بعض لوگ وہ تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

ان دونوں قسم کے لوگوں کا ایک ہی حکم آیا، جو سورہ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ انہیں بھی صرف چار ماہ کی مہلت مل گئی، اس کے بعد یا اسلام قبول کر لیں، یا جزیرہ عرب سے نکل جائیں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

چنانچہ حدیث کے اس جملے: "و من لم یکن لہ عھد فأجلہ أربعۃ أشھر" میں تیسری اور چوتھی دونوں قسم کے لوگ داخل ہیں(۱)۔

---

(۱) معارف القرآن ۴/۳۱۰،

روافض کا ایک غلط استدلال اور اس کا رد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت کا اعلان کرنے کے لئے حضرت صدیق اکبر کو بھیجا تھا لیکن پھر اس اعلان کے لئے حضرت علی کو روانہ فرمایا، اس سے بقول خازن کے روافض اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو گویا امارت کے منصب سے معزول کر دیا، لہذا اس سے حضرت علی کی حضرت صدیق اکبر پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس بات سے وہ لوگ درحقیقت یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی کا ہے حضرت صدیق اکبر اس کے اہل نہیں۔

لیکن ان کا یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو "امیر حج" کے منصب سے معزول نہیں فرمایا بلکہ حضرت صدیق اکبر بدستور اس سفر میں امارت کے منصب پر فائز رہے، اس کی تصریح حضرت جابر کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: امیر او رسول فقال: بل أرسلني رسول الله ﷺ ببراءة أقرؤها على الناس، پوچھا کہ آپ امیر حج کی حیثیت سے آئے ہیں یا فقط قاصد اور پیغام رساں ہیں تو حضرت علیؓ نے جواب میں عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کے سامنے مشرکین سے براءت کا اعلان کر دوں۔

اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر بدستور اس سفر میں "امیر حج" کے منصب پر برقرار رہے۔

۲۔ براءت کے اعلان کے لئے خاص طور پر حضرت علی کو اس لئے بھیجا گیا کہ عرب کی یہ عادت اور دستور تھا کہ نقض عہد اور براءت کا اعلان یا تو وہ شخص براہ راست خود ہی کرتا یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اعلان کرتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے، اس لئے انہیں اس کام پر مامور کیا گیا، تاکہ عرب کے عرف کے مطابق یہ اعلان ہو جائے۔

لہذا اس واقعہ سے روافض کا استدلال کسی بھی طرح درست نہیں (۱)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: {إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ} [التوبة: 18] (۲)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "انما يعمر مساجد الله من امن بالله واليوم الآخر" (اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے

---

(۱) تحفة الاحوذی ۲۷۱/۸

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب المساجد، باب: لزوم المساجد وانتظار الصلاة

ہیں)

مساجد کی آبادی مؤمن سے ہے

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد کی اصل عمارت اور آبادی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے احکام الٰہی کے پابند ہوں، اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، کافر اور مشرک مساجد کو آباد کرنے کے اہل نہیں، لہذا کفار مکہ کا یہ دعویٰ کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی، نگہبان اور ان کے آباد کرنے والے ہیں، درست نہیں اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت، ذکر اللہ، نماز یا علم دین اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہے، اس کے یہ اعمال اس کے مؤمن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ} [التوبة: 34] قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: أُنْزِلَتْ فِي الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، لَوْ عَلِمْنَا أَيُّ المَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهُ؟ فَقَالَ: أَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ، وَقَلْبٌ شَاكِرٌ، وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِينُهُ عَلَى إِيمَانِهِ(۱)۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ـــ فبشرھم بعذاب الیم" (اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں ایک دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے) نازل ہوئی، تو ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ کے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ سونے اور چاندی کے متعلق حکم تو اتار دیا گیا (یعنی ان کو جمع کرنے کی مذمت کو بیان کر دیا گیا) اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ کونسا مال بہتر ہے تو ہم صرف وہی جمع کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بہترین مال خدا کو یاد کرنے والی زبان، شکر گذار دل، اور مومن بیوی ہے جو شوہر کی اس کے ایمان یعنی دین پر مدد دے۔

بہترین مال

ایسا مال جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ انسان کے لئے آخرت میں عذاب کا باعث بنے گا، لیکن اگر مال و دولت کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر مال کو جمع کر کے رکھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں ایسا مال بتا دیں جسے جمع اور ذخیرہ کرنا ہمارے لئے افضل ہے تو آپ ﷺ نے جواب میں تین چیزیں ارشاد فرمائیں کہ یہ سب سے افضل مال ہیں:

۱۔ ایسی زبان جو اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب: فضل أفضل النساء

۲۔ ایسا دل جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

۳۔ ایمان والی بیوی جو شوہر کو دین پر عمل کرنے میں مدد فراہم کرے، نماز روزے وغیرہ کی تلقین کرے، اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے اسے منع کرتی رہے(۱)۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ. فَقَالَ: يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الوَثَنَ، وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةٌ: {اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ} [التوبة: 31]، قَالَ: أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ.

حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جبکہ میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنے سے دور کر دو، پھر میں نے نبی کریم ﷺ کو سورہ توبہ کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: "اتخذوا احبارھم ورھبانھم أربابا من دون الله" (یہود و نصاری نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے) آپ ﷺ نے (اس آیت کی تفسیر میں) فرمایا: وہ لوگ ان علماء کی عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن اگر وہ لوگ ان کے لئے کسی (حرام) چیز کو حلال قرار دے دیتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے اور جب وہ کسی (حلال) چیز کو ان پر حرام قرار دے دیتے تو وہ بھی اسے حرام ہی سمجھتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اطرح: تم پھینک دو۔ وثن: بت۔ احبار: حبر (حاء کے نیچے زیر کے ساتھ) ماہر عالم، پوپ، یہودیوں کا بڑا عالم، مذہبی پیشوا۔ رھبان: راھب کی جمع ہے: نصرانی زاہد، عیسائی عبادت گذار۔ أرباب: رب کی جمع ہے: پروردگار۔ استحلوہ: وہ لوگ اس چیز کو حلال قرار دیتے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء و زہاد کی گمراہی

مذکورہ آیت اور حدیث میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور عبادت گذاروں کی گمراہی کا ذکر ہے کہ وہ دنیا کا مفاد اور مال و دولت کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام میں تحریف اور تبدیلی کرتے رہتے تھے، ایک چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے، اسے وہ حرام قرار دے دیتے، ایسے ہی ایک چیز شریعت میں حرام ہوتی اسے وہ حلال قرار دے دیتے، یہود و نصاریٰ کے عوام نے اللہ اور رسول کے احکام کو بالکل نظر انداز کر کے خود غرض پیشہ ور علماء یا جاہل عبادت گذاروں کے قول و فعل کو اپنا دین بنا لیا تھا، اس آیت میں اس کی مذمت کی گئی ہے، چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان علماء اور عبادت گذاروں کو اپنا رب بنانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر حال میں ان کی پیروی کرتے تھے، اگرچہ ان کا قول اللہ اور رسول کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، وہ لوگ اگر کسی

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۴۷۵

حرام چیز کو حلال کہتے تو ان کے پیروکار بھی اسے حلال ہی قرار دے دیتے اور جب کسی حلال چیز کو حرام بتاتے تو وہ لوگ اسے حرام ہی سمجھنے لگتے، یہ ان کے اندر اطاعت کا غلو پایا جاتا، ظاہر ہے کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ اللہ ورسول کے فرمان کے خلاف بھی کہے تو اس کی اطاعت نہ چھوڑے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو اپنا رب اور معبود کہے، جو کھلا ہوا کفر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور زاہدوں کو اللہ کے علاوہ اپنا معبود بنا رکھا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ جس کی وجہ سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، ناجائز اور حرام ہے۔

کیا آئمہ اربعہ کی تقلید گمراہی ہے؟

حضرت عدی بن حاتم کی مذکورہ حدیث اور آیت سے غیر مقلدین اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنا اسی طرح کی ضلالت اور گمراہی ہے جس طرح کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا، ان کی ہر بات کو سند کا درجہ دیتے تھے، اور وہ پیشہ ور علماء مال و متاع اور جاہ و منصب کی ہوس میں احکام شرع میں تحریف اور تبدیلی کرتے رہتے تھے، اس آیت اور حدیث میں ان کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور بقول غیر مقلدین کے ان آئمہ کی تقلید بھی چونکہ اسی طرح کی جاتی ہے کہ قرآن وسنت کو پس پشت چھوڑ دیا جاتا ہے، اور ان آئمہ کی بات کی اتباع کی جاتی ہے، اس لئے ان اماموں کی تقلید بھی درست نہیں، بلکہ ضلالت و گمراہی ہے؟

لیکن یہ استدلال درست نہیں، جس کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ کسی امام اور مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے بذات خود واجب الاطاعت سمجھ کر اتباع کی جارہی ہے، یا اسے شارع یعنی شریعت بنانے والے کا درجہ دے کر اس کی ہر بات کو واجب الاتباع سمجھا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ پیروی تو قرآن وسنت کی مقصود ہے، لیکن قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنے کے لئے بحیثیت شارح قانون، ان کی بیان کی ہوئی تشریح و تعبیر پر اعتماد کیا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت کے قطعی احکام میں کسی امام یا مجتہد کی تقلید ضروری نہیں سمجھی گئی، کیونکہ وہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اصل مقصد اس کے بغیر باسانی حاصل ہوجاتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ پاکستان میں جو قانون نافذ ہے، وہ حکومت نے کتابی صورت میں شائع کر رکھا ہے، لیکن کوئی بھی شخص اسے براہ راست سمجھنے کی جرأت اور صلاحیت نہیں رکھتا خواہ اس کی کتنی ہی اعلیٰ تعلیم ہو، بلکہ کسی ماہر قانون دان کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں، بالکل یہی معاملہ قرآن وسنت کے احکام کا ہے کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے آئمہ مجتہدین کی طرف رجوع اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے، بس اسی کا نام "تقلید" ہے، لہذا تقلید کرنے والے کو یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ وہ قرآن وسنت کے بجائے آئمہ مجتہدین کی اتباع کر رہا ہے۔

۲۔ مذکورہ حدیث سے غیر مقلدین کا استدلال درست نہیں کیونکہ اس حدیث سے آئمہ مجتہدین کی تقلید کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جن اہل کتاب کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حلال وحرام کا اختیار اپنے علماء اور راہبوں کو دے رکھا تھا انہوں نے واقعۃً ان علماء اور پاپاؤں کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا، ان کو وہ شریعت ساز اور ہر قسم کی خطا سے معصوم سمجھتے تھے، اور تحریم وتحلیل کا مکمل اختیار ان لوگوں نے اپنے پاپاؤں کو دے رکھا تھا جبکہ مقلدین اپنے امام کی صرف اس حد تک اتباع کرتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں جو احکام مستنبط کر کے انہیں بتاتے ہیں وہ اس پر عمل کرتے ہیں، انہیں وہ نہ تو خدا کا درجہ دیتے ہیں، اور نہ ہی انہیں معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آئمہ کی تقلید اور یہود ونصاریٰ کے طریقہ کار میں بہت بڑا فرق ہے، ایسے میں حضرت عدی بن حاتم کی حدیث سے تقلید کے خلاف استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ہاں البتہ اگر کوئی شخص تقلید جامد کی اس حد پر پہنچ جائے جس پر یہود و نصاریٰ پہنچے ہوئے تھے اور آئمہ مجتہدین کے بارے میں وہی عقائد رکھے جو یہود ونصاریٰ کے اس حدیث میں بیان فرمائے گئے ہیں، تو پھر بلاشبہ وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہوگا۔

۳۔ جو حضرات تقلید کے مخالف ہیں، عملاً وہ خود کسی نہ کسی درجہ پر کسی نہ کسی حیثیت سے تقلید ضرور کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ غیر مقلد حضرات میں سے ہر فرد ماں کے پیٹ سے مجتہد بن کر پیدا نہیں ہوتا، اور نہ ہر شخص عالم ہوتا ہے، اور اگر عالم بھی ہو تو ہر عالم کو ہر مسئلہ میں ہر وقت کتاب وسنت کے پورے ذخیرے کی طرف رجوع کرنے کا موقع نہیں ہوتا، چنانچہ ان حضرات میں سے جو عالم نہیں ہوتے، وہ علماء اہل حدیث سے مسئلہ پوچھ کر ان کی تقلید کرتے ہیں، اسی مقصد کے لئے غیر مقلد علماء کے فتاویٰ کے مجموعے شائع شدہ موجود ہیں، ایک عام آدمی ان کے فہم وفراست پر اعتماد کر کے ان فتاویٰ پر عمل کرتا ہے، اسی کا نام ''تقلید'' ہے۔

یہ حضرات علماء متقدمین کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، حنفی یا شافعی مسلک کی کتابوں کے بجائے علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن حزم، علامہ ابن قیم اور قاضی شوکانی جیسے حضرات کی کتابیں دیکھتے ہیں اور ہر مسئلے میں ان کی بیان کی ہوئی تحقیق کو اپنی ذاتی تحقیق سے جانچنے کا موقع نہیں پاتے بلکہ اس اعتماد پر ان کے اقوال اختیار کر لیتے ہیں کہ یہ حضرات قرآن وحدیث کے اچھے عالم ہیں اور ان کے اقوال عموماً قرآن وسنت سے معارض نہیں ہوتے۔

اور اگر بالفرض کسی خاص مسئلے میں ان حضرات کو قرآن وحدیث کے اصل ذخیرے کی تحقیق کرنی پڑے تو کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے لئے ان کے پاس ذاتی تحقیق کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال تقلیداً اور صرف تقلیداً اختیار کریں، یہ سارا طرز عمل تقلید نہیں تو اور کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ماہرین فن کی تقلید سے زندگی کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے، اور اگر اس کو مطلقاً ''شجر ممنوعہ'' قرار دے دیا جائے تو پھر دین ودنیا کا کوئی کام بھی نہیں چل سکے گا(۱)۔

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تقلید کی شرعی حیثیت (ص:۱۱۷-۱۲۶)

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ حَدَّثَهُ، قَالَ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الغَارِ: لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ يَنْظُرُ إِلَى قَدَمَيْهِ لَأَبْصَرَنَا تَحْتَ قَدَمَيْهِ، فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ، اللهُ ثَالِثُهُمَا(۱).

حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بتایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا جبکہ ہم غار میں تھے، کہ اگر ان کفار میں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے گا تو وہ ہمیں اپنے قدموں کے نیچے سے دیکھ لے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! ان دو آدمیوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ جل شانہ ہو۔

غار ثور میں اللہ کی مدد و نصرت کا ظہور

اس حدیث میں ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق اکبر کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے، آپ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا، جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے، اور آپ کے رفیق غار حضرت صدیق اکبر خطرہ محسوس کرنے لگے کہ اگر یہ لوگ بیٹھ کر دیکھیں گے تو ہم نظر آ جائیں گے، تو آپ ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے، آپ غمگین اور پریشان نہ ہوں۔

اسی توکل کا نتیجہ تھا کہ اللہ جل شانہ نے ہجرت کے تمام سفر میں آپ کی معجزانہ طریقے سے ہر قدم پر حفاظت فرمائی، دشمنوں کو پتہ نہ چل سکا یہاں تک کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے ﷺ (۲)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، يَقُولُ: لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ دُعِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهِ، فَقَامَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا وَقَفَ عَلَيْهِ يُرِيدُ الصَّلَاةَ تَحَوَّلْتُ حَتَّى قُمْتُ فِي صَدْرِهِ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَعَلَى عَدُوِّ اللهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ القَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا؟ - يَعُدُّ أَيَّامَهُ - قَالَ: وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ، حَتَّى إِذَا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ: أَخِّرْ عَنِّي يَا عُمَرُ إِنِّي قَدْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، قَدْ قِيلَ لِي: {اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ} [التوبة:80] لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي لَوْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ غُفِرَ لَهُ لَزِدْتُ، قَالَ: ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهِ وَمَشَى مَعَهُ، فَقَامَ عَلَى قَبْرِهِ حَتَّى فُرِغَ مِنْهُ، قَالَ: فَعُجِبَ لِي وَجُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَوَاللهِ مَا كَانَ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتْ هَاتَانِ الآيَتَانِ: {وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ} [التوبة:84] إِلَى آخِرِ الآيَةِ.

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: مناقب المہاجرین

(۲) تحفۃ الاحوذی ۲۷۸/۸

قَالَ: فَمَا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ عَلَى مُنَافِقٍ وَلَا قَامَ عَلَى قَبْرِهِ حَتَّى قَبَضَهُ اللّٰهُ(۱)۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو نبی کریم ﷺ کو اس کی نماز جنازہ کے لئے بلایا گیا، آپ ﷺ تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو میں پھرا یہاں تک کہ میں آپ کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، جس نے فلاں فلاں دن ایسا ایسا کہا، پھر حضرت عمر اس کی گستاخیوں کے دن گن گن کر بیان کرنے لگے، حضرت عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے، یہاں تک کہ جب میں نے آپ ﷺ سے بہت کچھ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمر! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، مجھے اختیار دیا گیا ہے، لہذا میں نے اس کے لئے مغفرت مانگنا اختیار کیا ہے، مجھے کہا گیا ہے کہ: "استغفر لهم ــــ فلن يغفر الله لهم"، (آپ ان کے لئے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں، اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشیں گے) اگر میں جانتا کہ میرے ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے پر اسے معاف کر دیا جائے گا تو میں زیادہ کر دیتا، پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے جنازے کے ساتھ چلے گئے، پھر آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ اس کام سے فراغت ہوگئی (یعنی اسے دفن کر دیا گیا)۔

عمر کہتے ہیں کہ مجھے اپنی جرأت پر تعجب ہو رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کی تھی، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، اللہ کی قسم پھر تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں: "ولا تصل على احد منهم مات ابدا ــــ" (اگر منافقین میں سے کوئی مرجائے تو ان پر ہرگز نماز جنازہ نہ پڑھیے) حضرت عمر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو اٹھا لیا یعنی آپ کی وفات ہوگئی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ مَاتَ أَبُوهُ فَقَالَ: أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ، وَصَلِّ عَلَيْهِ، وَاسْتَغْفِرْ لَهُ، فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَقَالَ: إِذَا فَرَغْتُمْ فَآذِنُونِي، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ جَذَبَهُ عُمَرُ وَقَالَ: أَلَيْسَ قَدْ نَهَى اللّٰهُ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ؟ فَقَالَ: أَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ {اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ} [التوبة:80] فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: {وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ} [التوبة:84] فَتَرَكَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِمْ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی مرا تو اس کے بیٹے عبداللہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب: مایکرہ من الصلاۃ علی المنافقین

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب: الکفن فی القمیص

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنا کرتہ مجھے عنایت کر دیجئے تا کہ میں اس میں اپنے باپ کو کفن دوں اور اس کی نماز جنازہ پڑھیے اور اس کے لئے استغفار بھی کر دیجئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی قمیص دے دی اور فرمایا کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا (یعنی جب غسل اور کفن وغیرہ سے فارغ ہو جائیں) پھر جب نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ کیا تو عمر نے آپ ﷺ کو کھینچ لیا اور عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں ــــ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں کریں گے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: "و لا تصل علی احد منهم"، پھر نبی کریم ﷺ نے منافقین پر نماز پڑھنا چھوڑ دی۔

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا مسئلہ

عبداللہ بن ابی جو منافقین کا سردار تھا، ذیقعدہ ۹ھ میں غزوہ تبوک کے بعد اس کی وفات ہوئی، غزوہ تبوک میں یہ شریک نہیں ہوا تھا، قرآن کریم کی یہ آیت: "لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالا" عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھ غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والے دوسرے منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ فضلائے صحابہ میں سے تھے، غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے، یہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنی قمیص انہیں عنایت کر دیں، وہ اس کو اپنے والد کا کفن بنائیں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں قمیص دے دی، پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیں تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ مخلص صحابہ میں سے تھے، ان کا باپ اگرچہ منافق تھا لیکن مخلص بیٹے نے باپ کے معاملے کو ظاہر اسلام پر محمول کر کے آپ سے اس کے متعلق مذکورہ دو درخواستیں کیں، بعض روایات میں ہے کہ اس منافق نے خود اس پر اصرار کیا اور اپنے بیٹے کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا کہ آپ اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے دے دیں، اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لائے جب وہ بیمار تھا تو اس نے خود حضور ﷺ سے یہ دونوں سوال کئے۔

اس نے یہ سوال اس لئے نہیں کئے تھے کہ وہ نفاق سے تائب ہو چکا تھا، بلکہ یہ سوال اس لئے کئے تا کہ مرنے کے بعد لوگ اس کے بیٹے اور قبیلہ کو نفاق کا طعنہ نہ دیں، وہ دل سے اب بھی منافق ہی تھا اور نفاق کی حالت میں ہی مرا چنانچہ قرآن کریم نے

آگے اس کی تصریح کردی: "انهم کفروا بالله و رسوله و ماتوا و هم فاسقون"، حضور اکرم ﷺ نے اس کی مذکورہ دونوں درخواستیں قبول کرلیں۔

چند اشکالات اوران کا جواب

یہاں ایک سوال تو یہ ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا، جس کا نفاق مختلف اوقات میں ظاہر بھی ہو چکا تھا، اس کے باوجود آپ نے اپنی قمیص مبارک اس کے کفن کے لئے دی اور اس کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیا، اس کی آخر کیا وجہ ہے؟

علماء فرماتے ہیں کہ اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں:

۱۔　اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عبداللہ جو مخلص صحابہ میں سے تھے، ان کی دلجوئی کی خاطر آپ ﷺ نے قمیص عنایت فرمائی۔

۲۔　غزوہ بدر کے موقع پر جب کچھ قریشی سردار گرفتار کئے گئے، توان میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے، آپ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر کرتہ نہیں تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو قمیص پہنادی جائے، حضرت عباس ؓ دراز قد تھے، عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کی قمیص انہیں فٹ نہیں آرہی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے قمیص لے کر اپنے چچا کو پہنائی، اس کے اس احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص اس کو عطا فرمادی۔

دوسرا سوال: نماز جنازہ کے متعلق ہوتا ہے کہ آپ نے اس منافق کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی؟ یہی وجہ ہے کہ جب اس کی نماز جنازہ کے لئے آپ کھڑے ہوئے تو حضرت عمر فاروق اٹھے اور آپ کا دامن پکڑ کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے حالانکہ آپ کے رب نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے آپ کو منع کیا ہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہاں سے کہدی جبکہ اس سے پہلے کسی آیت میں صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا، ظاہر یہی ہے کہ حضرت عمر فاروق نے سورہ توبہ کی مذکورہ آیت سے سمجھا ہوگا، آیت میں ہے: "استغفر لهم او لا تستغفر لهم، ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم"، حضرت عمر فاروق نے آیت کے اسلوب سے سمجھ لیا کہ اس میں "او" تخییر کے لئے نہیں ہے بلکہ تسویہ کے لئے ہے یعنی ان منافقین کے حق میں استغفار اور عدم استغفار دونوں برابر ہیں، اسی طرح "سبعين مرة" کا عدد تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ آپ اس کے لئے استغفار کی کثرت ہی کیوں نہ کردیں تاہم اللہ جل شانہ اس کو معاف نہیں فرمائیں گے، اور چونکہ نماز جنازہ سے ایک بڑا مقصد میت کے لئے دعائے مغفرت ہوتا ہے اس لئے حضرت عمر نے اس آیت سے استنباط کر کے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافق کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا ہے، چنانچہ حضرت سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباس کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روکا ہے کہ آپ اس کی نماز جنازہ

پڑھائیں تواس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کہاں مجھے روکا ہے"؟ تو حضرت فاروق اعظم نے مذکورہ آیت استدلال میں پیش کی۔

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی اور اس کے لئے استغفار کیوں کیا؟ جب کہ آیت کے سیاق وسباق اور خود اس منافق کی منافقانہ حرکتوں کا تقاضا تو وہی تھا جو حضرت عمر کی رائے تھی، اور بعد میں آیت بھی حضرت عمر کی تائید میں اتری: "ولا تصل علی أحد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ بھی آیت کا مفہوم وہی سمجھتے تھے جو حضرت عمر فرما رہے تھے کہ منافق کی مغفرت تو بہر حال ہوگی نہیں، خواہ آپ کتنی ہی بار استغفار کرلیں تاہم آیت میں صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کو استغفار سے روکا بھی نہیں گیا تھا لیکن چونکہ نماز جنازہ پڑھانے سے دیگر مصالح اسلامیہ حاصل ہونے کی توقع اور امید تھی اور نماز پڑھانے کی صراحت کے ساتھ ممانعت بھی نہیں تھی، اس لئے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

کرتہ دینے اور نماز پڑھانے میں مصلحتیں یہ تھیں کہ ایک تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ کی دلجوئی پیش نظر تھی اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ اس منافق کا خاندان نبی کریم ﷺ کا یہ رویہ دیکھ کر اس میں جو لوگ اسلام سے قریب نہیں تھے، ان کے اسلام کے قریب تر ہونے کی توقع تھی، چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرا کرتہ اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا مگر میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ مجھے اس عمل سے اس کی قوم کے ہزار آدمیوں کے مسلمان ہونے کی امید ہے، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ اس واقعہ کو دیکھ کر قبیلہ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوگئے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر کی طرح رسول اللہ ﷺ بھی اس عمل کو فی نفسہ مفید نہیں سمجھتے تھے مگر مذکورہ مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے یہ عمل کیا۔

یہاں ایک اور اشکال بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اس کے لئے استغفار کروں گا، اور آپ نے استغفار کیا بھی، جبکہ اس واقعہ سے بہت پہلے قرآن کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی: "ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی" اس آیت میں مشرکین کے لئے استغفار کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہ آیت ابو طالب کے قصہ میں نازل ہوئی تھی، جب ان کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "لأستغفرن لک ما لم انه عنک" (میں ابو طالب کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے منع نہ کردیا جائے) چنانچہ اس آیت میں آپ کو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا گیا، حضرت ابو طالب کی وفات بالاتفاق ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی، اور عبداللہ بن ابی کا یہ واقعہ سن ۹ ہجری کا ہے، تو اس آیت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے اس منافق کے لئے کیونکر دعاء مغفرت کی، جبکہ حقیقت میں یہ بھی کافر ہی تھا؟

اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا کہ آیت مذکورہ میں مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کرنے کی ممانعت ہے، منافقین کے لئے

دعاء مغفرت کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ منافقین بہرحال ظاہراً اپنے مسلمان ہونے کا اعلان اور اظہار تو کرتے ہیں، اس لئے وہ اس آیت کے ذیل میں نہیں آتے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا عمل اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کی خوشدلی اور دلجوئی کے لئے کیا تھا اور اس وجہ سے بھی تاکہ اس کا قبیلہ خزرج اسلام سے قریب ہوجائے، جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے(۱)۔

القائل یوم کذا کذا و کذا، اس سے اس منافق کے ان کاموں کی طرف اشارہ ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کیا کرتا تھا، اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جیسے غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں جب مہاجرین وانصار کے درمیان تھوڑا جھگڑا اور اختلاف ہوگیا تو اس منافق نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقع غنیمت پایا اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مؤمنین میں سے صرف زید بن ارقم موجود تھے۔ اس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا کہ تم نے ان کو اپنے وطن میں بلاکر اپنے سروں پر مسلط کیا، اپنے اموال وجائیداد ان کو تقسیم کرکے دے دیئے، یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے تمہارے ہی مقابلہ پر آگئے ہیں، اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کردیں گے، اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ مال سے ان کی مدد نہ کرو تو خود ہی ادھر ادھر بھاگ جائیں گے اور اب تمہیں چاہیے کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے،

اس کی مراد ''عزت والے'' سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے، اور ''ذلیل'' سے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ مراد تھے(۲) اس کی مزید تفصیل سورہ منافقین میں ہے۔

''ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبسم'' یہاں ''تبسم'' سے ہنسنا مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندہ پیشانی کے ساتھ حضرت عمر فاروق کی بات کو ماننے سے معذرت کردی، سخت انداز سے ان کی بات کو رد نہیں کیا تا کہ حضرت عمر فاروق کی دل شکنی نہ ہو(۳)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: تَمَارَى رَجُلَانِ فِي المَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: هُوَ مَسْجِدُ قُبَاءَ، وَقَالَ الآخَرُ: هُوَ مَسْجِدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ مَسْجِدِي هَذَا(۴)۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں میں اس مسجد (کی تعیین) کے بارے میں بحث مباحثہ ہوا، جس کی

---

(۱) فتح الباری ۸/۴۲۵-۴۳۳، کتاب التفسیر باب: استغفر لهم او لا تستغفر لهم

(۲) معارف القرآن ۸/۴۵۱، تحفة الاحوذی ۸/۴۷۹۔

(۳) فتح الباری ۸/۴۲۹

(۴) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب: بیان ان المسجد الذی أسس علی التقوی

بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، ایک کہنے لگا کہ وہ مسجد قباء ہے، اور دوسرا کہنے لگا کہ وہ مسجد نبوی ہے، (ان کی بحث سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری یہ مسجد ہے (یعنی مسجد نبوی)

لمسجد اسس علی التقوی سے کونسی مسجد مراد ہے

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کی تعیین کے بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ اس آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے "مسجد قباء" مراد ہے، جس میں اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، اور بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ اس سے "مسجد نبوی" مراد ہے۔

کیونکہ مسجد نبوی جس کی بنیاد وحی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون مطہر ہوسکتا ہے۔

لہٰذا اس مسجد سے مسجد قباء اور مسجد نبوی دونوں ہی مراد ہیں کیونکہ دونوں کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے (۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ فِي أَهْلِ قُبَاءَ {فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ} [التوبة:108] قَالَ: كَانُوا يَسْتَنْجُونَ بِالْمَاءِ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ فِيهِمْ (۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ آیت اہل قباء کے متعلق نازل ہوئی: "فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین" (اس مسجد قباء میں ایسے اچھے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والے کو پسند کرتا ہے) راوی کہتے ہیں کہ وہ لوگ پانی سے استنجاء کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی۔

اہل قباء کی فضیلت

اس حدیث میں مسجد قباء کے نمازیوں کی فضیلت اور تعریف کی گئی ہے کہ اس مسجد کے نمازی ایسے لوگ ہیں جو طہارت کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ وہ پانی سے استنجاء کرتے تھے اس لئے ان کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی۔

طہارت کے مفہوم میں اس جگہ عام نجاسات اور گندگیوں سے پاکی بھی داخل ہے اور گناہوں اور بُرے اخلاق سے پاکی

(۱) معارف القرآن ۴/۴۶۴، درس ترمذی ۱۰۹/۲، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی المسجد الذی اسس علی التقوی

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب: الاستنجاء بالماء

بھی چنانچہ مسجد قباء اور مسجد نبوی کے نمازی عموماً ان تمام اوصاف سے آراستہ تھے (۱)۔

مسئلہ: ٹشو پیپر اور مٹی کے ڈھیلے سے استنجاء کرنا جائز ہے جبکہ نجاست اچھی طرح زائل ہو جائے، ایسے میں بعد میں پانی سے دوبارہ استنجا کرنا ضروری نہیں بلکہ افضل اور بہتر ہے، لیکن اگر نجاست اس طرح پھیلی ہوئی ہو کہ جو پانی کے بغیر صاف نہ ہو سکتی ہو تو ایسی صورت میں پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ، فَقُلْتُ لَهُ: أَتَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْكَ وَهُمَا مُشْرِكَانِ؟ فَقَالَ: أَوَلَيْسَ اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ} [التوبة: 113] (۲)۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے ہوئے سنا تو میں نے اس سے کہا کہ کیا تم اپنے والدین کے لئے استغفار کر رہے ہو حالانکہ وہ تو مشرک تھے۔ تو وہ جواب میں کہنے لگا کہ کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والد کے لئے استغفار نہیں کیا، میں نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: "ما كان للنبی و الذین امنوا" (نبی کریم ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں)

کافر و مشرک کے لئے دعاء مغفرت جائز نہیں

مذکورہ آیت کا صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق شانِ نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے مگر عمر بھر رسول اللہ ﷺ کی حمایت و حفاظت کرتے رہے، اور اس معاملہ میں برادری کے کسی فرد کا کہنا نہیں مانا، رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کسی طرح یہ کلمہ اسلام پڑھ لیں، اور ایمان لے آئیں تو شفاعت کا موقع مل جائے گا، اور یہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے،

مرض وفات میں جب ان کا آخری وقت ہوا تو نبی کریم ﷺ کو بڑی فکر تھی کہ اس وقت بھی وہ کلمہ شریف پڑھ لیں تو کام ہو جائے، چنانچہ اس حالت میں آپ ﷺ ان کے پاس پہونچے مگر ابو جہل، اور عبد اللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ میرے چچا! کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں تو میں آپ کی بخشش کے لئے کوشش کر سکوں گا، فوراً ابو جہل بول اٹھا کہ کیا آپ عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ پھر اپنا کلام دہرایا مگر ہر مرتبہ ابو جہل یہی بات کہہ دیتا، یہاں تک کہ آخری کلام میں ابو طالب نے یہی کہا کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں، اسی حالت میں اس کی وفات ہوگئی تو رسول اللہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۸۶/۸

(۲) سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب: النہی عن الاستغفار للمشرکین

ﷺ نے قسم کھائی کہ میں آپ کے لئے برابر استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے، اس پر یہ ممانعت کی آیت نازل ہوئی، جس میں رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کرنے سے منع فرمادیا، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں(۱)۔

اس پر بعض مسلمانوں کو شبہہ ہوا جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے کافر باپ کے لئے دعاء کی تھی، اس کے جواب میں دوسری آیت نازل ہوئی: "وما كان استغفار ابراهيم لأبيه"، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے والد کے لئے دعاء کی تھی، اس کا معاملہ یہ ہے کہ شروع میں جب تک ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ آخر تک کفر ہی پر قائم رہے گا، اسی پر مرے گا، تو اس کا دوزخی ہونا یقینی نہیں تھا، اس وقت انہوں نے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ میں آپ کے لئے دعاء مغفرت کروں گا: "سأستغفر لک ربی"، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، یعنی کفر ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہے، تو اس سے بے تعلقی اختیار کرلی اور اس کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

لہذا قرآن مجید کے مختلف مواقع میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے دعاء مغفرت کرنا منقول ہے، اسکا مطلب یہی ہے کہ ان کو ایمان واسلام کی توفیق دے تا کہ ان کی مغفرت ہو سکے۔

اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ غزوہ احد میں جب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو کفار نے زخمی کردیا تو آپ ﷺ چہرہ سے خون صاف کرتے ہوئے یہ دعا فرمارہے تھے: "اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون" (یااللہ میری قوم کی مغفرت فرمادے وہ بے سمجھ اور ناداں ہیں) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کفار کے لئے دعاء مغفرت کی ہے؟

اس اشکال کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان واسلام کی توفیق عطا فرمادے تا کہ وہ مغفرت کے قابل ہوجائیں، چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ زندہ کافر کے لئے اس نیت سے دعاء مغفرت کرنا جائز ہے کہ اس کو ایمان کی توفیق ہوجائے اور یہ مغفرت کا مستحق ہوجائے(۲)۔

۲۔ یہ بھی ممکن کہ یہ دعا آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی ہو کہ جب تک کفار کے لئے استغفار کی حرمت کا حکم نازل نہ ہوا ہو۔

۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ یہ دعا آپ ﷺ نے اس وقت کی ہے جب کفار کے لئے استغفار کی حرمت کا حکم نازل ہو چکا تھا جیسا کہ مذکورہ آیت کے سبب نزول سے معلوم ہوتا ہے تو پھر اس دعا کی یہ تاویل کی گئی

(۱) فتح الباری ۲۸۴/۳، کتاب الجنائز، باب اذاقال للمشرک عندالموت: لاالہ الااللہ

(۲) معارف القرآن ۴۷۲/۴، تفسیر قرطبی ۲۴۹/۸، سورہ توبہ، آیت: ۱۱۴

ہے کہ آپ ﷺ نے ایک گذشتہ نبی کی اس دعا کو "حکایت" کے طور پر نقل کیا ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی بھی گویا کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک نبی کی حکایت بیان فرمارہے تھے، جسے ان کی قوم نے بہت مارا اور وہ نبی اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے یہ دعا فرمارہے تھے: "رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون"(۱)۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا حَتَّى كَانَتْ غَزْوَةُ تَبُوكَ إِلَّا بَدْرًا، وَلَمْ يُعَاتِبِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا تَخَلَّفَ عَنْ بَدْرٍ، إِنَّمَا خَرَجَ يُرِيدُ الْعِيرَ فَخَرَجَتْ قُرَيْشٌ مُغَوِّثِينَ لِعِيرِهِمْ فَالْتَقَوْا عَنْ غَيْرِ مَوْعِدٍ كَمَا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَعَمْرِي إِنَّ أَشْرَفَ مَشَاهِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ لَبَدْرٌ، وَمَا أُحِبُّ أَنِّي كُنْتُ شَهِدْتُهَا، مَكَانَ بَيْعَتِي لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ حَيْثُ تَوَاثَقْنَا عَلَى الإِسْلَامِ، ثُمَّ لَمْ أَتَخَلَّفْ بَعْدُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَتْ غَزْوَةُ تَبُوكَ، وَهِيَ آخِرُ غَزْوَةٍ غَزَاهَا، وَآذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ بِالرَّحِيلِ - فَذَكَرَ الحَدِيثَ بِطُولِهِ - قَالَ: فَانْطَلَقْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَحَوْلَهُ الْمُسْلِمُونَ وَهُوَ يَسْتَنِيرُ كَاسْتِنَارَةِ الْقَمَرِ، وَكَانَ إِذَا سُرَّ بِالأَمْرِ اسْتَنَارَ، فَجِئْتُ فَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ: أَبْشِرْ يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ بِخَيْرِ يَوْمٍ أَتَى عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَمِنْ عِنْدِ اللَّهِ أَمْ مِنْ عِنْدِكَ؟ قَالَ: بَلْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ تَلَا هَؤُلَاءِ الآيَاتِ: {لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ} قَالَ: وَفِينَا أُنْزِلَتْ أَيْضًا: {اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} [التوبة: 119] قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ لَا أُحَدِّثَ إِلَّا صِدْقًا، وَأَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي كُلِّهِ صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، فَقُلْتُ: فَإِنِّي أُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِي بِخَيْبَرَ، قَالَ: فَمَا أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ نِعْمَةً بَعْدَ الإِسْلَامِ أَعْظَمَ فِي نَفْسِي مِنْ صِدْقِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ صَدَقْتُهُ أَنَا وَصَاحِبَايَ، وَلَا نَكُونُ كَذَبْنَا فَهَلَكْنَا كَمَا هَلَكُوا، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ اللَّهُ أَبْلَى أَحَدًا فِي الصِّدْقِ مِثْلَ الَّذِي أَبْلَانِي مَا تَعَمَّدْتُ لِكَذْبَةٍ بَعْدُ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَحْفَظَنِي اللَّهُ فِيمَا بَقِيَ(۲).

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جتنے غزوات میں شرکت فرمائی میں ان سب میں بجز غزوۂ تبوک کے آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہا سوائے غزوہ بدر کے مگر جو لوگ غزوہ بدر سے پیچھے رہے ان میں سے کسی

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۴۸۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب: حدیث کعب بن مالک

سے بھی نبی کریم ﷺ ناراض نہیں ہوئے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ قافلہ قریش کے ارادے سے نکلے تھے، (جنگ کا ارادہ نہیں تھا، اور نہ ہی اس کے لئے اعلان کیا گیا) کہ قریش اپنے قافلے کی مدد کے لئے نکل آئے، اتنے میں دونوں لشکر بغیر کسی (سابقہ) وعدہ کے مڈبھیڑ ہو گئے (یعنی اچانک دونوں لشکروں میں لڑائی چھڑ گئی) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے (اس آیت کی طرف اشارہ ہے: اذ انتم بالعدوۃ الدنیا و ھم بالعدوۃ القصوی ــــ") میری جان کی قسم: بے شک رسول اللہ ﷺ کے غزوات میں سب سے عمدہ صحابہ کرام کی نظر میں غزوہ بدر ہے لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں بیعت عقبہ میں حاضری کے بجائے جنگ بدر میں شریک ہوتا، کیونکہ اس دن ہم نے ایک دوسرے سے اسلام (اور جہاد) پر عہد و پیمان لیا، پھر اس کے بعد میں کسی بھی غزوہ میں نبی کریم ﷺ سے پیچھے نہیں رہا، یہاں تک غزوہ تبوک کا موقع آگیا، اور یہ وہ آخری غزوہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ شریک ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں (اس غزوہ میں شرکت کے لئے) کوچ کرنے کا اعلان کرا دیا، پھر اس بارے میں انہوں نے ایک طویل حدیث ذکر کی۔

کہتے ہیں کہ (جب میری توبہ قبول ہوگئی تو) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے اردگرد مسلمان تھے اور آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا، اور آپ جب کسی بات سے خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک اسی طرح چمکنے لگتا تھا، میں آیا اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا آپ ﷺ نے فرمایا: اے کعب بن مالک تمہیں آج دنوں میں سے بہتر دن کی بشارت ہو جو تم پر گذرے ہیں جب سے تمہیں تمہاری ماں نے جنا ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی: یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یا آپ کی جانب سے؟ فرمایا: بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی: "لقد تاب اللہ علی النبی و المھاجرین ــــ" (اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین و انصار کے حال پر توجہ فرمائی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا جب ان کے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل پیدا ہو گیا تھا، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، اور وہ بلاشبہ ان سب پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ہمارے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی: "اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو)۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی: یہ بھی میری توبہ میں سے ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا، اور یہ کہ میں اپنے تمام مال سے نکل جاؤں اسے اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کر کے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھ لو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا: میں اپنے پاس وہ حصہ رکھ لیتا ہوں جو

غزوہ خیبر میں مجھے ملا ہے، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت کے بعد مجھ پر میری نظر میں اس سے بڑا کوئی انعام نہیں فرمایا کہ میں نے اور میرے دونوں ساتھیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولا اور ہم نے جھوٹ نہیں بولا، ورنہ ہم بھی ہلاک ہو جاتے جیسا کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچائی میں کسی کو اتنا نہیں آزمایا ہوگا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آزمایا ہے، میں نے اس کے بعد قصداً کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لم اتخلف: میں پیچھے نہیں رہا۔ لم یعاقب: ناراض نہیں ہوئے۔ عیر: کفار کا تجارتی قافلہ جو شام سے مکہ جا رہا تھا۔ معونین: مدد و نصرت کرنے والے۔ التقوا: دونوں لشکر آپس میں مڈبھیڑ ہو گئے یعنی ان میں لڑائی چھڑ گئی۔ غیر موعد: بغیر وعدہ کے۔ مشاھد: مشھد کی جمع ہے: غزوات۔ تواثقنا: ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے اسلام پر عہد و پیمان کیا، ہم نے بیعت کی۔ اذن: اعلان کیا۔ رحیل: کوچ کرنا، سفر کرنا۔ انطلقت: میں گیا، میں چلا۔ یستنیر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اذا سر بالامر: جب آپ کسی بات پر خوش ہوتے۔ ان انخلع: یہ کہ میں نکل جاؤں یعنی میں صدقہ کر دوں۔ امسک: تو اپنے پاس روک کر رکھ لے۔ سھمی: میرا حصہ۔

حضرت کعب بن مالک کا غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب غزوہ تبوک کے لئے اعلان عام اور تمام مسلمانوں کو اس میں چلنے کا حکم ہوا تو زمانہ سخت گرمی کا تھا، اور مسافت دور دراز کی تھی، اور ایک باقاعدہ بڑی حکومت کی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ تھا، جو اسلام کی تاریخ میں پہلا ہی واقعہ تھا، یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے اس حکم کے متعلق لوگوں کے حالات مختلف ہو گئے، چنانچہ لوگوں کی پانچ قسمیں ہو گئیں:

۱۔ ایک طبقہ ان مخلص مسلمانوں کا تھا جو یہ حکم سنتے ہی بغیر کسی تردد کے جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کا ذکر سورہ توبہ کی اس آیت میں ہے: "اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ"۔

۲۔ بعض لوگ ابتداءً کچھ تردد میں رہے لیکن بعد میں وہ بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے، ان کا بیان اس آیت کے اس جملے میں ہے: "من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم"۔

۳۔ بعض وہ حضرات تھے جو واقعی طور پر معذور تھے، اس لئے وہ نہ جا سکے ان کا ذکر آیت: "لیس علی الضعفاء" میں آیا ہے۔

۴۔ بعض لوگ منافق تھے جو نفاق کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔

۵۔ بعض مخلص مؤمن تھے جو اگرچہ محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے جہاد میں نہ گئے، مگر بعد میں وہ نادم اور تائب ہو گئے اور

بالآخران سب کی توبہ قبول ہوگئی۔

مگران میں پھر دو قسمیں ہوگئیں، یہ کل دس آدمی تھے جن میں سے سات آدمیوں نے تو رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت و توبہ کا اظہار اس شان سے کیا کہ اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا کہ جب تک ہماری توبہ قبول نہ ہوگی، ہم بندھے رہیں گے، ان کی آیت توبہ تو اسی وقت نازل ہوگئی، البتہ تین حضرات حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں، انہوں نے یہ عمل نہیں کیا، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بائیکاٹ کا حکم دے دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام وکلام نہ کرے، جس کی وجہ سے یہ حضرات سخت پریشان ہوگئے، ان کا ذکر اس آیت: "وعلى الثلثة الذين خلفوا" میں ہوا ہے، پچاس دن کے بعد بالآخر ان کی توبہ قبول ہوگئی، یہ آیت نازل ہوئی: "لقد تاب الله على النبي والمهجرين والانصار —" اس کے ساتھ ہی ان سے مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ کا حکم ختم کر دیا گیا۔

آیت توبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی نبی کریم ﷺ اور ان مہاجرین وانصار کی جنہوں نے تنگی اور تکلیف کے وقت نبی کریم ﷺ کا اتباع کیا" یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ توبہ تو کسی گناہ اور معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ اس سے معصوم ہیں، ان کی توبہ قبول کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے علاوہ وہ مہاجرین وانصار صحابہ جو ابتداء میں ہی جہاد کے لئے تیار ہوگئے، انہوں نے بھی کوئی قصور نہیں کیا تھا، ان کی توبہ بھی قبول کرنے کے کیا معنی ہیں؟

اس سوال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو گناہ سے بچا دیا، اسی کو توبہ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

۲۔ ان تمام حضرات کو اللہ تعالیٰ نے تواب بنا دیا، اس میں گویا اس طرف اشارہ ہے کہ توبہ سے کوئی بھی شخص بے نیاز اور مستغنی نہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مخصوص صحابہ بھی۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے جو بعض لوگوں کو غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے کی اجازت دی یا آپ ﷺ نے جو مشرکین کے لئے استغفار کیا تو اس وجہ سے توبہ کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف بھی کر دی۔

حدیث کعب بن مالک کے بعض جملوں کی تشریح

حتی کانت غزوة تبوک الا بدرا، اس کا مطلب یہ ہے کہ غزوہ تبوک سے پہلے جتنے معرکے اور غزوات ہوئے تھے، حضرت کعب اس میں شریک تھے، البتہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے لیکن اس میں شریک نہ ہونے والوں سے آپ ﷺ ناراض نہیں ہوئے، کیونکہ غزوہ بدر اچانک ہی پیش آ گیا تھا آپ ﷺ تجارتی قافلے کے ارادے سے تشریف لے گئے تھے کہ اسے اپنی تحویل میں لے لیں، وہ تو بچ کر نکل گیا اور جو کافر اس قافلے کی مدد و نصرت کے لئے مکہ سے آئے تھے ان کے ساتھ مقام بدر پر مڈبھیڑ ہوگئی، اس جنگ کا پہلے کوئی وقت طے نہیں تھا،

"وما أحب انی کنت شهدتها مکان بیعتی لیلة العقبة حیث تواثقنا علی الاسلام"

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں حاضری کے بجائے بیعت عقبہ کی حاضری مجھے زیادہ محبوب ہے، یہ حضرت کعب کی ذاتی رائے ہے، ورنہ دیگر صحابہ وتابعین اور سب علماء کی نظر میں غزوہ بدر کا مقام اور درجہ بیعت عقبہ سے زیادہ ہے؛ چنانچہ احادیث سے بھی بدر کی فضیلت زیادہ معلوم ہوتی ہے، اور شرکاء بدر کے فضائل بھی بیعت عقبہ کے شرکاء سے زیادہ ہیں، لیکن حضرت کعب کی رائے یہ ہے کہ بیعت عقبہ کا واقعہ اگر پیش نہ آتا تو بدر کی نوبت بھی نہ آتی، اس لئے ان کے نزدیک بیعت عقبہ میں حاضری غزوہ بدر میں شرکت سے افضل ہے۔

بیعت عقبہ اور حضرات انصار

"عقبہ" پہاڑ کے حصے کو کہا جاتا ہے، اس جگہ وہ عقبہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرہ عقبہ کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے، آج کل حجاج کی کثرت کی وجہ سے پہاڑ کا یہ حصہ صاف کر کے میدان بنالیا گیا ہے صرف "جمرة" رہ گیا ہے

اس عقبہ میں مدینہ منورہ سے حضرات انصار تین مرتبہ تشریف لائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ حج کے موقع پر مختلف قبائل کے سرداروں کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے، چنانچہ نبوت کے گیارہویں سال جب موسم حج آیا تو خزرج کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی، تو سب نے اٹھنے سے پہلے اسلام قبول کرلیا، یہ چھ حضرات تھے، ان میں اسعد بن زرارہ بھی تھے، اس دفعہ بیعت نہیں ہوئی، اس کو "لیلة العقبة الاولیٰ" کہا جاتا ہے۔

پھر اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال میں مدینہ طیبہ سے بارہ افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور رات کے وقت منیٰ میں اسی گھاٹی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ انصار کی پہلی بیعت تھی، اسے "بیعت عقبہ اولیٰ" کہتے ہیں، حضرت عبادہ بن صامت اس بیعت میں شریک تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کے وقت حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ بھیج دیا، تاکہ وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دے سکیں۔ اس کے بعد نبوت کے تیرہویں سال مدینہ منورہ سے انصار کے ستر آدمی حاضر ہوئے، ان میں عورتیں بھی تھیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ بیعت اسلام کے اصولی عقائد اور اعمال پر کی گئی، خصوصاً کفار سے جہاد پر اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہونچیں تو وہ لوگ آپ کی حفاظت وحمایت کریں گے، اس بیعت کو "بیعت عقبہ ثانیہ" کہتے ہیں، حضرت عبادہ بن صامت اس میں بھی شریک تھے (۱)۔

"ابشر یا کعب بن مالک بخیر یوم اتی علیک منذ ولدتک أمک"

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت کعب کے لئے زندگی کا بہترین دن تو وہ ہونا چاہئے، جس دن وہ اسلام لائے تھے، تو پھر یہاں توبہ قبول ہونے کے دن کو ان کی عمر کا بہترین دن کیسے قرار دیا؟

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۶۰/۲، کتاب التوبة باب حدیث توبة کعب بن مالک

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے اسلام لانے کا دن اس سے مستثنیٰ ہے اگرچہ یہاں صراحت نہیں ہے لیکن مراد یہی ہے کہ اسلام قبول کرنے والے دن کے علاوہ باقی دنوں میں توبہ کا یہ دن سب سے زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔

۲۔ اور بعض حضرات نے یوں کہا کہ جس دن انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اس دن سعادت کی ابتداء تھی اور جس دن اللہ جل شانہ نے ان کی توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا، اس دن ان کی سعادت کی تکمیل ہوئی، اس اعتبار سے یہ دن ان کے لئے زیادہ محترم و مکرم اور باعث خیر و برکت ہے (۱)۔

"فی ساعة العسرة" اس مشکل گھڑی سے غزوہ تبوک کا زمانہ مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو "غزوة العسرة" بھی کہا جاتا ہے، اس غزوہ میں کئی طرح کی مشکلات تھیں، سخت گرمی، طویل سفر، کھجور پکنے کا موسم، اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی، پھر ظاہری بے سروسامانی ایسی کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی، اور آخر میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے، پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آگئی، سواری کا اس قدر قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک اونٹ پر باری باری اترتے چڑھتے چلے جارہے تھے، یہی وہ جذبہ ایثار تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا (۲)۔

قال: "و فینا أنزلت أیضا" حضرت کعب فرماتے ہیں کہ یہ آیت: "یاایها الذین امنوا اتقوا اللّٰه و کونوا مع الصادقین" ہمارے بارے میں نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی جو توبہ قبول ہوئی یہ سب ان کے تقویٰ اور خوف خدا کا نتیجہ تھا، اس لئے اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقویٰ کے مطابق زندگی گذارنے کی ہدایت فرمائی گئی، اور یہ تقویٰ ابھی وقت حاصل ہوگا جب انسان صالحین اور صادقین کی صحبت میں رہے، اور ان کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی گذارے، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: "و کونوا مع الصادقین"۔

ان من توبتی الا أحدث الا صدقا

حضرت کعب نے توبہ کے شکرانے کے طور پر دو باتیں کیں:

۱۔ اب کے بعد میں ہمیشہ سچ بولوں گا، کیوں کہ سچ بولنے کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے۔

۲۔ اور میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں، لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ سارا مال صدقہ نہ کرو، کچھ اپنے پاس بھی روک کر رکھ لو، اس سے معلوم ہوا کہ سارا مال صدقہ نہیں کرنا چاہئے تاکہ انسان کو احتیاج نہ ہو جائے۔

---

(۱) فتح الباری ۸/۱۵۴، کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک قدیمی کتب خانہ

(۲) تفسیر عثمانی (ص: ۲۷۲) سورہ توبہ

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، حَدَّثَهُ قَالَ: بَعَثَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ فَقَالَ: إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَدْ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ يَوْمَ الْيَمَامَةِ، وَإِنِّي لَأَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا فَيَذْهَبَ قُرْآنٌ كَثِيرٌ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ: كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ عُمَرُ: هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ يُرَاجِعُنِي فِي ذَلِكَ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ عُمَرَ، وَرَأَيْتُ فِيهِ الَّذِي رَأَى، قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ، قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ، قَالَ: فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ يُرَاجِعُنِي فِي ذَلِكَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَهُمَا: صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْعُسُبِ وَاللِّخَافِ - يَعْنِي الْحِجَارَةَ الرِّقَاقَ، وَصُدُورِ الرِّجَالِ، فَوَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ بَرَاءَةَ مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ} (۱)۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ اہل یمامہ کے قتل کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے کسی شخص کو میری طرف مجھے بلانے کے لئے بھیجا، میں ان کے پاس حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: عمر میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے قاریوں کی شہادت کا حادثہ یمامہ کی لڑائی کے دن سخت گرم ہوا (یعنی یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری شہید ہو گئے ہیں) اور میں یہ خطرہ محسوس کر رہا ہوں کہ مختلف جنگوں میں قاریوں کی شہادت اسی کثرت سے ہوتی رہی تو قرآن کا بہت بڑا حصہ جاتا رہے گا، میرا خیال ہے کہ آپ قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دے دیں، حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا: میں وہ کام کیسے کروں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمر نے عرض کیا: اللہ کی قسم اس میں خیر ہے وہ بار بار مجھ سے اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس چیز کے لئے کھول دیا جس کے لئے عمر کا سینہ کھولا تھا، اور مجھے بھی اس میں وہی مصلحت نظر آئی جو عمر نے دیکھی ہے (یعنی جمع قرآن بہتر ہے، اگر اسے جمع نہ کیا گیا تو کہیں قرآن کا ذخیرہ ضائع نہ ہو جائے)۔

زید کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوبکر نے (مجھ سے) فرمایا: تم ایک عقلمند جوان ہو اور ہم تمہیں کسی چیز میں متہم نہیں پاتے کیونکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے، لہذا تم ہی قرآن مجید کی آیات تلاش کرو، (اور اس کو مصحف میں جمع کرو) حضرت زید فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر یہ لوگ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: لقد جاء کم رسول

کرنے کا مجھے حکم دیتے تو یہ کام مجھ پر قرآن کو جمع کرنے کے مقابلہ میں زیادہ دشوار نہ ہوتا حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ وہ کام کس طرح کریں گے جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، ابو بکر نے فرمایا: اللہ کی قسم یہی بہتر ہے، پھر صدیق اکبرؓ مجھ سے اس سلسلے میں برابر گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اسی طرح کھول دیا جس طرح کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کا سینہ کھول دیا تھا، چنانچہ میں نے قرآن مجید کو تلاش کرنا شروع کردیا، میں اسے کاغذات، کھجور کے پتوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا، اور سورہ توبہ کا آخری حصہ میں نے ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، وہ یہ آیات ہیں: "لقد جاء کم رسول من انفسکم ۔۔۔ وھو رب العرش العظیم" (تم لوگوں کے پاس ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں، جنہیں تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے، وہ تمہاری منفعت کے بہت خواہش مند رہتے ہیں، اور ایمانداروں کے ساتھ بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں، پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا، اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ قد استحر: تحقیق گرم ہوا یعنی شدید اور زیادہ ہوا۔ مواطن: موطن کی جمع ہے: کفار کے ساتھ لڑائی کی جگہیں اور مواقع ۔ فلم یزل یراجعنی فی ذلک: وہ مجھ سے اس سلسلے میں بار بار گفتگو کرتے رہے۔ لا نتھمک: ہم آپ کو متہم نہیں پاتے یعنی آپ پر کسی قسم کا کوئی الزام اور تہمت نہیں۔ لو کلفونی: اگر وہ مجھے مکلف بناتے، مجھے حکم کرتے۔ تتبعت: میں تلاش کرنے لگا۔ رقاع: رقعۃ کی جمع ہے: کاغذ کا ٹکڑا جس پر لکھا جائے۔ لحاف: لحفۃ کی جمع ہے: سفید پتھر۔ من صدور الرجال: لوگوں کے سینوں سے یعنی حفاظ سے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں جمع قرآن

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے، ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات اور بعض صحابہ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کردیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت نے مذکورہ حدیث میں بیان فرمائی ہے۔

حضرت زید بن ثابت نے جمع قرآن کے سلسلے میں بہت ہی محتاط طریقے اختیار فرمائے، جب یہ ذمہ داری ان کو سونپ

دی گئی تو اعلان کر دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زید کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:

۱۔ سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی تصدیق کرتے، کیونکہ وہ خود بھی حافظ قرآن تھے۔

۲۔ حضرت عمر بھی حافظ قرآن تھے، وہ بھی اس آیت کو گہری نظر سے دیکھتے اور جانچتے تھے، پھر یہ دونوں حضرات اس آیت کو وصول کر لیتے تھے۔

۳۔ کسی بھی آیت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جاتا تھا جبتک کہ دو قابل اعتبار گواہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔

۴۔ اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ نے تیار کر رکھے تھے۔

حضرت ابوبکر کے زمانے میں جمع قرآن کا یہ طریقہ کار ذہن میں رہے تو حضرت زید بن ثابت کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ "سورہ براءۃ کی آخری آیات "لقد جاء کم رسول من انفسکم۔" مجھے صرف حضرت ابو خزیمہ کے پاس ملیں، انکے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملیں"

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے سوا کسی اور کو یاد نہیں تھیں یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں اور ان کے سوا کسی کو ان کا جزء قرآن ہونا معلوم نہ تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی لکھوائی ہوئی متفرق آیتیں لے لے کر آرہے تھے ان میں سے یہ آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ملیں،

ورنہ جہاں تک ان آیات کے جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی کیونکہ سینکڑوں صحابہ کو یاد بھی تھی اور جن حضرات کے پاس قرآنی آیات کے مکمل مجموعے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی بھی تھیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملیں، کسی اور کے پاس نہیں۔

بہرکیف حضرت زید بن ثابت نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ قرآنی آیات کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا، اس نسخہ کو "ام" کہا جاتا ہے، اور اسکی خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ اس نسخہ میں آیات قرآنی تو نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں لیکن سورتیں مرتب نہیں تھیں بلکہ ہر سورت الگ الگ صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔

۲۔ اس نسخہ میں قرآن کریم کے ساتوں حروف اور قراءتیں جمع تھیں۔

۳۔ اس میں وہ تمام آیتیں جمع کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکر کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر کے پاس رہے، حضرت

عمر کی شہادت کے بعد انہیں ام المؤمنین حضرت حفصہ کے پاس منتقل کر دیا گیا، پھر حضرت حفصہ کی وفات کے بعد مروان بن حکم نے اسے اس خیال سے نذر آتش کر دیا کہ اس وقت حضرت عثمان کے تیار کرائے ہوئے مصاحف تیار ہو چکے تھے، اور اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ان مصاحف کی پیروی لازم ہے اور ایسا کوئی نسخہ نہ رہنا چاہئے جو اس رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو(۱)۔

مقتل اهل اليمامة

''یمامہ'' یمن کے ایک شہر کا نام ہے، اس میں جھوٹی نبوت کا دعویدار مسیلمہ کذاب اور اس کے ہم نوا رہتے تھے، حضرت صدیق اکبر نے اپنے دور خلافت میں حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں ایک لشکر وہاں بھیجا، ان کے ساتھ بہت سخت لڑائی ہوئی، جس سے مسیلمہ کذاب مارا گیا، ادھر مسلمانوں کے لشکر کا بھی بہت زیادہ نقصان ہوا، اس میں ایک روایت کے مطابق سات سو حفاظ شہید ہو گئے اور دوسری روایت میں شہداء کی تعداد بارہ سو ہے، حفاظ کی اتنی بڑی تعداد جب شہید ہوئی تو پھر حضرت عمر فاروق نے حضرت صدیق کو جمع قرآن کا مشورہ دیا، جس کی تفصیل اوپر گذری ہے(۲)۔

''انک شاب عاقل ـــ'' اس میں حضرت صدیق اکبر نے حضرت زید بن ثابت کی چار صفات ذکر کی ہیں۔ ۱۔ تم ایک نوجوان آدمی ہو، زیادہ چستی کے ساتھ تم یہ کام کر سکتے ہو۔ ۲۔ تم ایک عقلمند انسان ہو، لہذا دانشمندی کے ساتھ تم یہ کام سر انجام دے سکتے ہو۔ ۳۔ کوئی تہمت اور الزام بھی تم پر نہیں۔ ۴۔ اور آپ حضور ﷺ کی وحی بھی لکھا کرتے تھے، گویا آپ کو اس میں خوب ممارست اور تجربہ بھی ہے،

یہ چار صفات حضرت زید میں پائی جاتی ہیں، اس لئے حضرت صدیق اکبر نے ان کو جمع قرآن کے لئے نامزد فرمایا(۳)۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ حُذَيْفَةَ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّامِ فِي فَتْحِ أَرْمِينِيَةَ وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَرَأَى حُذَيْفَةُ اخْتِلَافَهُمْ فِي الْقُرْآنِ، فَقَالَ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ كَمَا اخْتَلَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، فَأَرْسَلَ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ، فَأَرْسَلَتْ حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ بِالصُّحُفِ، فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنِ انْسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ، وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ: مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ، فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ، حَتَّى نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ، بَعَثَ عُثْمَانُ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِنْ تِلْكَ

(۱) علوم القرآن (ص: ۱۸۱)

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۰۱/۵، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث

(۳) تحفۃ الاحوذی ۴۹۳/۸

الْمَصَاحِفِ الَّتِي نَسَخُوا قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَحَدَّثَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، قَالَ: فَقَدْتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الأَحْزَابِ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا {مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ} [الأحزاب: 23] فَالْتَمَسْتُهَا فَوَجَدْتُهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ فَأَلْحَقْتُهَا فِي سُورَتِهَا.

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَاخْتَلَفُوا يَوْمَئِذٍ فِي التَّابُوتِ وَالتَّابُوهِ، فَقَالَ الْقُرَشِيُّونَ: التَّابُوتُ، وَقَالَ زَيْدٌ: التَّابُوهُ فَرُفِعَ اخْتِلَافُهُمْ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ: اكْتُبُوهُ التَّابُوتُ فَإِنَّهُ نَزَلَ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، كَرِهَ لِزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ نَسْخَ الْمَصَاحِفِ وَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ أُعْزَلُ عَنْ نَسْخِ كِتَابَةِ الْمُصْحَفِ وَيَتَوَلَّاهَا رَجُلٌ وَاللَّهِ لَقَدْ أَسْلَمْتُ وَإِنَّهُ لَفِي صُلْبِ رَجُلٍ كَافِرٍ - يُرِيدُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ - وَلِذَلِكَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ اكْتُمُوا الْمَصَاحِفَ الَّتِي عِنْدَكُمْ وَغُلُّوهَا فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: {وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ} [آل عمران: 161] فَالْقُوا اللَّهَ بِالْمَصَاحِفِ قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَبَلَغَنِي أَنَّ ذَلِكَ كَرِهَهُ مِنْ مَقَالَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رِجَالٌ مِنْ أَفَاضِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(۱).

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضرت عثمان ارمینیہ اور آذربیجان کی جنگ کو فتح کرنے کے لئے اہل شام اور اہل عراق کو سامان جہاد سے لیس کر رہے تھے، پھر حذیفہ نے قراءت قرآن کے بارے میں لوگوں میں اختلاف دیکھا (تو بہت پریشان ہوئے) اور حضرت عثمان سے عرض کیا: اس امت کو پالو قبل اس کے کہ وہ کلام اللہ میں اختلاف کرنے لگیں جیسا کہ یہود و نصاری نے اختلاف کیا، حضرت عثمان نے ان کی بات سن کر حضرت حفصہ کو پیغام بھیجا کہ آپ وہ صحیفے (جو ابوبکر نے جمع کرائے تھے) ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم انہیں مصاحف میں نقل کرلیں، پھر ہم آپ کو وہ صحیفے واپس کردیں گے، چنانچہ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے حضرت عثمان کی طرف بھیج دیئے،

حضرت عثمان نے (انصار میں سے) زید بن ثابت اور (قریش میں سے) حضرت سعید بن عاص، عبدالرحمن بن حارث بن ہشام اور عبداللہ بن زبیر کو پیغام بھیجا کہ وہ ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کریں، اور حضرت عثمان نے قریش کے تینوں حضرات سے فرمایا: اگر قرآن کے لغات میں کسی جگہ تم میں اور زید بن ثابت میں اختلاف ہوجائے، تو وہاں تم قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، کیونکہ قرآن مجید لغت قریش میں نازل ہوا ہے، یہاں تک کہ ان حضرات نے ان صحیفوں کو کئی مصاحف میں نقل کردیا، اور پھر حضرت عثمان نے تمام اطراف میں ان لکھے ہوئے مصاحف میں سے ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب: قول الله: من المؤمنین رجال صدقوا

زہری کہتے ہیں کہ خارجہ بن زید نے مجھ سے زید بن ثابت کا قول نقل کیا کہ سورہ احزاب کی ایک آیت گم ہوگئی جو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا (وہ آیت یہ ہے): "من المؤمنین رجال صدقوا...." میں نے اسے تلاش کیا تو میں نے اسے خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ کے پاس پایا، تو پھر میں نے اس آیت کو اس کی سورت کے ساتھ ملا دیا (یعنی اس میں اسے شامل کردیا)

زہری کہتے ہیں کہ اس موقع پر ان لوگوں میں لفظ "تابوت" اور تابوہ میں بھی اختلاف ہوا، قریشی حضرات اسے تابوت اور حضرت زید تابوہ کہتے تھے، ان کا یہ اختلاف حضرت عثمان کے سامنے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس لفظ کو "تابوت" لکھو، کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ و کان یغازی اھل الشام مع أھل العراق: حضرت عثمان شام اور عراق لوگوں کو سامان جہاد سے تیار کررہے تھے، انہیں اسلحہ سے لیس کررہے تھے، اس صورت میں کان یغازی میں ضمیر فاعل حضرت عثمان کی طرف اور اہل الشام اس کا مفعول بہ ہے، اور ایک نسخہ میں لفظ "اھل الشام" مرفوع ہے جو یغازی کا فاعل ہے، اور "کان" میں ضمیر "ضمیر شان" ہے، ملا علی قاری نے اس ترکیب کو "و ھو الصواب" کہا ہے (۱)۔ أدرک: تم پالو۔ صحف و مصاحف: صحف جمع ہے صحیفۃ کی اور مصاحف جمع ہے مصحف کی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ صحف سے وہ اوراق مراد ہیں جن پر عہد صدیقی میں قرآن مجید لکھا گیا، ان میں ہر سورت ترتیب کے بغیر الگ الگ لکھی ہوئی تھی، اسے صحیفہ کہا جاتا ہے، پھر جب ان سورتوں کو مرتب کرکے ایک جگہ لکھا گیا تو اسے مصحف کہا جاتا ہے (۲)۔ فألحقتھا: چنانچہ میں نے اس آیت کو شامل کردیا۔

حضرت عثمان غنی کے عہد میں جمع قرآن

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن کا پس منظر یہ ہے کہ جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر روم اور اردگرد کے دوسرے ممالک اور علاقوں تک پھیل گیا اور اسلام میں داخل ہونے والے لوگ ان مجاہدین، تاجروں اور مبلغین سے قرآن سیکھنے لگے، جن کی بدولت انہیں اسلام نصیب ہوا تھا، تو قراءتوں کے اختلاف کی وجہ سے عام مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہونے لگا، چونکہ قرآن کریم سات لغات میں نازل کیا گیا تھا، اور صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے مختلف لغات کے ساتھ قرآن پڑھا تھا، لہذا ہر صحابی اپنے شاگردوں کو اسی لغت کے مطابق قرآن پڑھاتا رہا، جس کے مطابق اس نے خود نبی کریم ﷺ سے پڑھا تھا، حضرات صحابہ کو تو چونکہ معلوم تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس لئے ان میں تو اختلاف کا اندیشہ نہیں تھا لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے کی حقیقت ان میں پوری طرح

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۰۵، کتاب فضائل القرآن، باب اختلاف القراءات

(۲) فتح الباری ۹/۲، کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن

مشہور نہ ہوسکی تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کے سامنے اسی چیز کا تذکرہ کیا، اختلاف کی یہ نوعیت چونکہ مسلمانوں میں فتنہ کا سبب بن رہی تھی اس لئے اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ قرآن کریم کے ایسے نسخے عالم اسلام میں پھیلائے اور عام کئے جائیں، جن میں اختلاف کی مذکورہ شکل ختم ہوجائے۔

چنانچہ حضرت عثمان نے چار صحابہ کو مستقل طور پر لغت قریش کے مطابق قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا جن میں حضرت زید بن ثابت انصاری تھے، اور باقی تین حضرات سعید بن العاص، حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ھشام اور حضرت عبداللہ بن زبیر قریشی تھے، اور حضرت عثمان نے انہیں یہ تاکید فرمائی تھی کہ جب تمہارے اندر لغت کے بارے میں اختلاف ہوجائے تو پھر اسے قریش کی لغت کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان کے مطابق نازل ہوا ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ حدیث میں اسی جمع قرآن کا سبب اور پس منظر بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے عہد عثمانی میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا۔

مصحف عثمانی کی خصوصیات

حضرت عثمانؓ کے دور میں جو قرآن مجید کے مصاحف تیار کئے گئے، ان کی خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ عہد صدیقی میں جو مصحف تیار کیا گیا تھا، اس میں سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، جبکہ عہد عثمانی کے مصاحف میں سورتیں مرتب کردی گئیں۔

۲۔ ان مصاحف میں صرف وہی چیز درج کی گئی جس کے قرآن ہونے کا قطعی یقین ہوگیا تھا، اس لئے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو عہد صدیقی میں لکھے گئے تھے، اس کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے وہی طریق کار اختیار فرمایا جو عہد صدیقی میں اختیار کیا گیا تھا، اس مرتبہ سورہ احزاب کی یہ آیت ''من المؤمنین رجال صدقوا'' صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آیت کسی اور کو یاد نہ تھی، یا کسی اور نے انفرادی طور پر اسے لکھا ہوا نہیں تھا، یہ سب کچھ تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملی، کسی اور کے پاس نہیں۔

۳۔ قرآن مجید کی آیات اس طرح لکھی گئیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لئے ان پر نہ نقطے لگائے اور نہ زبر زیر پیش تا کہ اسے تمام قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے مثلاً ''سرھا'' لکھا تا کہ اسے ننشرھا اور ننشزھا دونوں طرح پڑھا جاسکے، کیونکہ یہ دونوں قراءتیں درست ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی نگرانی میں جو مصاحف تیار کرائے تھے، ان کی تعداد میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ پانچ نسخے تیار کئے گئے تھے، بعضوں نے چار مصاحف کا قول اختیار کیا ہے، لیکن ابوالحاتم سجستانی رحمہ اللہ نے ان نسخوں کی تعداد سات نقل کی

ہے، جن میں ایک نسخہ مدینہ منورہ رکھا گیا، اور ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا۔

پھر ان نسخوں سے بے شمار نسخے مسلمانوں نے نقل کیے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیگر تمام نسخوں کو جن میں لغات کا اختلاف موجود تھا، انہیں تلف اور نذر آتش کرنے کا حکم دیا تا کہ مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف اس بارے میں باقی نہ رہے۔

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کا حکم

صحیح بخاری کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے کہ حضرت عثمان نے دوسرے ان تمام مصاحف کو جو دوسری لغات کے مطابق لکھے گئے تھے، جلانے کا حکم دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے اوراق اگر بوسیدہ اور نا قابل قراءت ہو جائیں تو انہیں جلا دینے کی گنجائش ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان مصاحف کو پہلے پانی کے ساتھ دھویا گیا تھا اور پھر انہیں جلایا گیا تھا(۱)۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اوراق کو کسی پاک جگہ پر دفن کر دیا جائے، یا انہیں صاف پانی میں ڈال دیا جائے، اور اگر ان میں سے کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر انہیں نذر آتش کرنے کی گنجائش ہے(۲)۔

قَالَ: الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ كَرِهَ لِزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ نَسْخَ الْمَصَاحِفِ وَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ: أُعْزَلُ عَنْ نَسْخِ كِتَابَةِ الْمَصَاحِفِ، وَيَتَوَلَّاهَا رَجُلٌ وَاللهِ لَقَدْ أَسْلَمْتُ وَإِنَّهُ لَفِيْ صُلْبِ رَجُلٍ كَافِرٍ يُرِيْدُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَلِذَالِكَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ اكْتُمُوْا الْمَصَاحِفَ الَّتِيْ عِنْدَكُمْ وَغُلُّوْهَا فَإِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَالْقُوا اللهَ بِالْمَصَاحِفِ قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَبَلَغَنِيْ أَنَّ ذٰلِكَ كَرِهَ مِنْ مَقَالَةِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

(امام ترمذی فرماتے ہیں کہ) ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے مجھے بتایا کہ عبد اللہ بن مسعود کو زید بن ثابت کا قرآن لکھنا ناگوار گذرا، اور انہوں نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت: مصاحف کے لکھنے سے مجھے الگ تھلگ رکھا گیا اور اس کا ایک ایسا شخص ذمہ دار ہوا جو اس وقت کافر کی پشت میں تھا جب میں نے اسلام لایا، ان کی مراد اس شخص سے زید بن ثابت ہے، اس لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: اے عراق والو: تم اپنے مصاحف چھپالو، جو تمہارے پاس ہیں اور ان کو مخفی رکھو (جلانے کے لئے نہ دو) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی چیز چھپائے گا تو وہ قیامت کے دن اسے لے کر اللہ کے سامنے حاضر ہوگا لہذا تم لوگ اپنے اپنے مصاحف کے ساتھ اللہ جل شانہ سے ملاقات کرنا۔

---

(۱) فتح الباری ۲۵/۹، کتاب فضائل القرآن

(۲) عمدة القاری ۱۹/۲۰، امداد الاحکام ۲۴۹/۱، کتاب العلم، سوال نمبر ۲۱

زہری کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ خبر پہونچی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی یہ بات بڑے بڑے صحابہ کو ناگوار گذری۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کا مصحف

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا جو کارنامہ انجام دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود اس سے خوش نہیں تھے، اسی وجہ سے انہوں نے اپنا مصحف بھی نذر آتش نہیں ہونے دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود کے اعتراض کی وجہ کیا تھی؟

دراصل حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضرت عثمان کے کام پر دو اعتراض تھے:

۱۔ کتابت قرآن کے کام میں انہیں کیوں شریک نہیں کیا گیا، اسی اعتراض کو مذکورہ عبارت میں امام زہری کے حوالے سے امام ترمذی نے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو یہ شکوہ تھا کہ کتابت قرآن کا کام ان کے حوالے کیوں نہیں کیا گیا، جبکہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت کے مقابلے میں زیادہ طویل عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے استفادہ کیا تھا۔

حافظ ابن حجر اس اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس معاملے میں حضرت عثمان کا عذر یہ تھا کہ انہوں نے یہ کام مدینہ طیبہ میں شروع کیا تھا اور حضرت ابن مسعود اس وقت کوفہ میں تھے، اور حضرت عثمان ان کے انتظار میں یہ کار خیر موخر فرمانا نہیں چاہتے تھے،

اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہ کام حضرت زید بن ثابت ہی کو سونپا تھا، اس لئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ جمع و ترتیب کا یہ کام بھی انہی کے ہاتھوں انجام پائے کہ یہی اس کے لئے زیادہ موزوں ہیں (۱)۔

۲۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان نے یہ نئے مصاحف تیار کرنے کے بعد باقی تمام انفرادی مصاحف کو نذر آتش کرنے کا حکم کیوں دیا؟ وہ اپنا مصحف جلانے کے لئے تیار نہیں تھے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان انہیں سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے لیکن انہوں نے فرمایا کہ:

"خدا کی قسم میں یہ مصحف ان کے حوالے نہیں کروں گا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر سے زیادہ سورتیں سکھائی ہیں، پھر میں یہ مصحف انہیں دے دوں؟ خدا کی قسم میں نہیں دوں گا"

جن حضرات نے کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے مصحف کے مطابق اپنے مصاحف لکھ رکھے تھے، حضرت ابن مسعود نے انہیں بھی یہی ترغیب دی کہ وہ اپنے مصاحف اپنے پاس ہی چھپا کر رکھیں، اور جلانے کے لئے نہ دیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کا مصحف حضرت عثمان کے مصاحف سے ترتیب میں بہت مختلف تھا، مثلاً اس میں سورہ نساء پہلے اور سورہ آل عمران بعد میں تھی، ممکن ہے کہ انہوں نے اسی ترتیب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سیکھا

---

(۱) فتح الباری ۹/۲۳ کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن

ہو، اس لیے ان کی خواہش تھی کہ یہ مصحف اسی ترتیب پر باقی رہے، معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں بنیادی فرق سورتوں کی ترتیب کا تھا، اس کے علاوہ ہوسکتا ہے کہ رسم الخط کا فرق بھی ہو اور اس میں ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا ہو، جس میں عثمانی مصاحف کی طرح تمام قراءتوں کی گنجائش نہ ہو۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ بات مجھ تک باوثوق ذرائع سے پہونچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بات کو جلیل القدر صحابہ کرام نے ناپسند کیا، کیونکہ جمہور صحابہ کی تائید حضرت عثمان کو حاصل تھی، اور ان کے جمع قرآن کے اس عظیم الشان کارنامے کو بہت ہی سراہا گیا(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ يُونُسَ

یہ باب سورہ یونس کے بارے میں ہے

عَنْ صُهَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: {لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ} [يونس: 26] قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نَادَى مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللهِ مَوْعِدًا يُرِيدُ أَنْ يُنْجِزَكُمُوهُ، قَالُوا: أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوهَنَا وَيُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ قَالَ: فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ قَالَ: فَوَاللهِ مَا أَعْطَاهُمُ اللهُ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ(۲)۔

حضرت صہیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ" (جو لوگ نیک اعمال کرتے ہیں، ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور اس پر زیادہ) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے، تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے ایک وعدہ کر رکھا ہے اور اب وہ اس وعدے کو پورا کرنا چاہتے ہیں، وہ کہیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا، جہنم سے ہمیں نجات عطا فرمائی اور جنت میں داخل کر دیا (اللہ نے اپنا وعدہ تو پورا کر دیا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر (خالق اور مخلوق کے درمیان حائل ہونے والا) پردہ ہٹا دیا جائے گا، (چنانچہ وہ اللہ جل جلالہ کا براہ راست دیدار کریں گے) فرمایا: اللہ کی قسم: انہیں اللہ جل شانہ نے ایسی کوئی چیز عطا نہیں کی، جو انہیں اللہ کی طرف دیکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہو۔

اللہ جل شانہ کی رویت کا ذکر

اس حدیث میں قرآن مجید کی اس آیت "للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ" کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ "زیادۃ"

---

(۱) علوم القرآن ص: ۱۵۰

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: اثبات رؤیۃ المؤمنین

سے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رویت مراد ہے، کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا کریں گے۔

اس کی مزید تفصیل معارف ترمذی جلد دوم ابواب صفۃ الجنۃ، "باب ما جاء فی رؤیۃ الرب تبارک وتعالیٰ" میں گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ: لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا قَالَ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْهَا، فَقَالَ: مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ أُنْزِلَتْ، هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهُ(۱)۔

ایک مصری شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء سے اس آیت: "لهم البشرى فى الحياة الدنيا" (ان کے لئے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے) کی تفسیر پوچھی، انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے اس آیت کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے پوچھی ہے، مجھ سے کسی نے اس کے متعلق نہیں پوچھا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے تمہارے علاوہ کسی اور نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی (آپ ﷺ نے فرمایا) اس بشارت سے مؤمن کا نیک خواب مراد ہے جسے وہ خود دیکھتا ہے یا اس کے لئے کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔

"بشریٰ" سے کیا مراد ہے

قرآن مجید کی اس آیت میں "بشریٰ" سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اس سے نیک خواب مراد ہے جسے انسان خود دیکھے یا دوسرا کوئی اس کے بارے میں دیکھے، جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے۔

۲۔ دنیا میں بشارت سے لوگوں کا "ذکر خیر" اور آخرت میں اس سے جنت مراد ہے، اس کا ذکر صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔

۳۔ قتادہ اور زہری نے فرمایا کہ "بشریٰ" سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے فرشتے نازل ہوں(۲)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا أَغْرَقَ اللهُ فِرْعَوْنَ قَالَ: {آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ} [یونس:90] "فَقَالَ جِبْرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ فَلَوْ رَأَيْتَنِي وَأَنَا آخُذُ مِنْ حَالِ الْبَحْرِ فَأَدُسُّهُ

(۱) مسند احمد ۶/۴۴۵

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۵۰۳

فِي فِيهِ مَخَافَةَ أَنْ تُدْرِكَهُ الرَّحْمَةُ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو (بحر قلزم میں) غرق کیا تو وہ کہنے لگا: میں اس بات پر ایمان لایا کہ اس اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے" جبرائیل نے عرض کیا: کاش اے محمد ﷺ آپ مجھے اس وقت دیکھتے جب میں نے سمندر کی کالی مٹی کو لیا اور پھر اس کے منہ میں ڈال رہا تھا، اس اندیشہ سے کہ کہیں (اس کی اس نیت کی وجہ سے) اللہ کی رحمت اسے پا نہ لے (یعنی اس کے ایمان کو قبول نہ کر لے)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّ جِبْرِيلَ جَعَلَ يَدُسُّ فِي فِي فِرْعَوْنَ الطِّينَ خَشْيَةَ أَنْ يَقُولَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَيَرْحَمَهُ اللهُ، أَوْ خَشْيَةَ أَنْ يَرْحَمَهُ اللهُ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذکر کیا جبرائیل علیہ السلام فرعون کے منہ میں مٹی ڈالنے لگے، اس اندیشہ سے کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ سکے اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم نہ کر دے یا یوں فرمایا کہ اس اندیشہ سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم نہ کر دے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔لو رأیتنی: کاش مجھے آپ دیکھتے۔حال البحر: سمندر کی کالی مٹی۔فأدسه: پھر میں اس مٹی کو ڈال رہا تھا۔مخافة ان تدرکه الرحمة: اس خوف اور اندیشہ سے کہ کہیں اسے اس بات کی وجہ سے رحمت الٰہی پا نہ لے اور اپنے آغوش میں نہ لے لے یعنی اس کا ایمان قبول نہ کر لے۔

فرعون کا ایمان قبول نہیں

خدائی کا دعویٰ کرنے والا وہ سرکش "فرعون" جب بحر قلزم کی موجوں میں ڈوبنے لگا تو اس وقت اس نے محض جان بچانے کے لئے یہ کہا: امنت أنه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو ایمان لانے کی بات کرتا ہے جبکہ اس سے پہلے چار سو سال کا عرصہ تجھے دیا، جلیل القدر انبیاء نے تجھے مختلف طریقوں سے ایمان کی دعوتیں دیں، تو مسلسل انکار کرتا رہا، بلکہ طرح طرح کے فسادات میں مبتلی رہا، اس کفر کی اسے یہ سزا دی گئی کہ اس وقت اس کا ایمان قبول نہیں کیا گیا بلکہ حضرت جبرائیل امین نے اللہ کے امر سے اس وقت اس کے منہ میں سمندر کی کالی مٹی ڈال دی تا کہ وہ ایمان کی بات نہ کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی رحمت جوش میں آجائے اور اس کا ایمان قبول ہو جائے(۳)۔

---

(۱) مسند احمد ۱/۲۴۵

(۲) مسند احمد ۱/۲۴۰

(۳) الکوکب الدری ۴/۱۶۴، تحفة الاحوذی ۸/۵۰۷

مسئلہ یہ ہے کہ موت کے وقت جب نزع کی کیفیت شروع ہوجائے، اور عذاب سامنے نظر آنے لگے اس وقت کا ایمان "ایمان غرغرہ" یا "ایمان بأس" یا "ایمان یأس" کہلاتا ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ایمان نافع اور مقبول نہیں (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ هُودٍ

یہ باب سورہ ہود کے بارے میں ہے

عَنْ عَمِّهِ أَبِي رَزِينٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ خَلْقَهُ؟ قَالَ: كَانَ فِي عَمَاءٍ، مَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ، وَمَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ، وَخَلَقَ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ.

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ: قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: الْعَمَاءُ: أَيْ لَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ (۲)۔

حضرت ابو رزین کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ہمارا رب اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عماء میں تھا، اس کے نیچے بھی کچھ نہیں تھا اور نہ اس کے اوپر کچھ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا۔

احمد بن منیع کہتے ہیں کہ یزید "عماء" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ جل شانہ کہاں تھے

اس حدیث میں حضرت رزین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ جل شانہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ "عماء" میں تھے، اس "عماء" سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اگر یہ لفظ "عماء" (الف ممدودہ کے ساتھ) ہو تو امام ترمذی نے حضرت یزید بن ہارون کا قول ذکر کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں: "لیس معه شیء" یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، اللہ تعالیٰ بالکل اکیلا تھا، لیکن عربی لغات اور شارحین حدیث نے اس کے معنی ذکر کیے ہیں: بادل، وہ معنی یعنی "لیس معه شیء" نقل نہیں کیے۔

اس معنی کے لحاظ سے "کان فی عماء" کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے یہاں تک کہ عرش اور پانی کو بھی پیدا کرنے سے پہلے ایک سفید قسم کے بادل کے اوپر تھے، اس کے اوپر بھی کچھ نہیں تھا اور نہ نیچے کچھ تھا، اس حدیث میں "ما تحته هواء وما فوقه هواء" میں لفظ "ما" برائے نفی ہے، اور اگر یہ "ما" موصولہ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اس بادل کے اوپر بھی ہوا تھی یعنی خلا تھا اور اس کے نیچے بھی خلا ہی تھا، بس صرف اللہ جل شانہ موجود تھے، اللہ کے علاوہ کچھ نہیں تھا، بس ہر طرف

---

(۱) تفسیر عثمانی سورہ یونس (ص: ۲۸۹)

(۲) سنن ابن ماجة، مقدمة، باب: فيما أنكرت الجهمية

خلا ہی خلا تھا۔

اس بادل پر اللہ جل شانہ کس کیفیت کے ساتھ تھے یہ معلوم نہیں، بس اس پر ایمان لانا ہے اگر چہ اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

۲۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ "عمی" (الف مقصورہ کے ساتھ) ہے، اس کے دو معنی ہیں:

- "لیس معه شیء" یعنی صرف اللہ تعالیٰ موجود تھے، اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی، نہ اس کے اوپر کچھ تھا اور نہ اس کے نیچے کچھ تھا،
- ابن الاثیر کہتے ہیں کہ وہ امر جو انسانی سمجھ اور اس کی عقل سے بالاتر ہو، اس کی سمجھ میں نہ آتا ہو اسے "عمی" کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق سے پہلے موجود تھے، اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی، اس کی کیا کیفیت اور صورت تھی، ان امور کا انسان کی عقل چونکہ احاطہ اور ادراک نہیں کر سکتی اس لئے اسے لفظ عمی سے تعبیر کیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: "این کان ربنا" میں ایک مضاف محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے: "این کان عرش ربنا؟" تو اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کان فی عماء"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر یہ لفظ "عمی" الف مقصور کے ساتھ ہو تو پھر مذکورہ حدیث کی مراد بالکل واضح ہے کہ اللہ ہی موجود تھے، اللہ کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں تھی، اور اگر یہ لفظ "عماء" الف ممدودہ کے ساتھ ہو جس کے معنی "بادل" کے ہیں تو اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے تاہم جو بھی لفظ ہو، اس پر ایمان لانا ضروری ہے اگر چہ ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں (۱)۔

و خلق عرشه علی الماء

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پانی کو اور پھر عرش کو پیدا کیا گیا، اور بعض روایات میں اولیت کی نسبت جو قلم کی طرف کی گئی ہے یہ نسبت حقیقی نہیں ہے بلکہ اضافی ہے، معنی یہ ہیں کہ پانی، عرش اور ہوا کے علاوہ دیگر مخلوقات کی بنسبت قلم کو پہلے پیدا کیا گیا ہے (۲)۔

اس بحث کی مزید تفصیل معارف ترمذی، جلد اوّل، ابواب القدر، "سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا گیا" کے عنوان کے تحت گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يُمْلِي - وَرُبَّمَا قَالَ: يُمْهِلُ - لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ، ثُمَّ قَرَأَ: {وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى} [هود: 102] الآيَةَ (۳)۔

---

(۱) الکوکب الدری ۱۶۷/۴، تحفۃ الاحوذی ۵۰۸/۸

(۲) فتح الباری ۳۵۵/۶، کتاب بدء الخلق باب ما جاء فی قول اللہ و هو الذی یبدأ الخلق ثم یعیده۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: و کذلک أخذ ربک اذا أخذ القری

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ ظالم کو ڈھیل اور مہلت دیتے ہیں (اور آپ ﷺ "یملی" کی جگہ کبھی "یمھل" کا لفظ بیان فرماتے تھے) یہاں تک کہ جب اسے پکڑتے ہیں تو پھر اسے نہیں چھوڑتے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "و کذالک أخذ ربک اذا أخذ القری و ھی ظالمة" اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی (سخت) ہوتی ہے جب وہ کسی ظالم بستی والوں کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے)

اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے

بسا اوقات اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ اسے ڈھیل اور مہلت دیتے ہیں کہ شاید وہ اپنے ظلم سے باز آجائے، اور اس گناہ سے سچی توبہ کرلے، لیکن جب وہ ظلم وستم میں بڑھتا ہی چلا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں، اور اللہ کی پکڑ واقعی بہت سخت ہے، اس پکڑ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ {فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ} [هود: 105] سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، فَعَلَى مَا نَعْمَلُ؟ عَلَى شَيْءٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ، أَوْ عَلَى شَيْءٍ لَمْ يُفْرَغْ مِنْهُ؟ قَالَ: بَلْ عَلَى شَيْءٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ وَجَرَتْ بِهِ الْأَقْلَامُ يَا عُمَرُ، وَلٰكِنْ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ.

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت "فمنھم شقی و سعید" نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: ہم کس چیز کے موافق عمل کرتے ہیں؟ کیا ہم ایسی چیز کے موافق عمل کرتے ہیں جس سے فراغت ہو چکی ہے (یعنی جس کی تقدیر لکھی جا چکی ہے) یا ایسی چیز کے موافق کہ جس سے فراغت نہیں ہوئی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم ایسی چیز کے موافق عمل کرتے ہو کہ جس سے فراغت ہو چکی ہے، اور اس پر قلم چل چکے ہیں اے عمر لیکن ہر شخص کے لئے اس چیز کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

تقدیر میں سب کچھ طے ہو چکا ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اس دنیا میں آنے کے بعد جو بھی عمل کرتا ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا، کفر ہو یا اسلام، یہ سب کچھ ازل میں طے ہو چکا ہے، اور اسے لکھا جا چکا ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس لکھنے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی برے کام پر یا کفر پر لگائیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے، اسے ہر چیز کا مکمل علم حاصل

ہے، وہ ہر انسان کے مزاج کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ وہ کیا کام کرے گا، اپنے اختیار کو اچھے کاموں میں صرف کرے گا یا برے کام میں یا ساری عمر کفر میں ہی گذارے گا، تو انسان نے دنیا میں آنے کے بعد جس طرح اپنے اختیار کو استعمال کرنا تھا اسے اللہ تعالیٰ علم غیب کی بنیاد پر پہلے سے ہی جانتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی یہ بتا دیتا ہے کہ یہ مسلمان ہوگا، جنت میں جائے گا یا یہ کافر ہوگا اور جہنم میں جائے گا، پہلے سے بتانے اور طے کرنے کے یہ معنیٰ نہیں کہ اسے کسی کام پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَإِنِّي أَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُونَ أَنْ أَمَسَّهَا، وَأَنَا هَذَا، فَاقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: لَقَدْ سَتَرَكَ اللهُ لَوْ سَتَرْتَ عَلَى نَفْسِكَ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَأَتْبَعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا، فَدَعَاهُ فَتَلَا عَلَيْهِ {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ} [هود: 114] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: هَذَا لَهُ خَاصَّةً؟ قَالَ: لَا، بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً(۱).

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ: میں نے مدینہ کے کنارے پر ایک عورت سے دل لگی کر لی ہے اور جماع کے علاوہ میں نے اس سے سب کچھ کر لیا ہے، اب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں لہذا آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرما دیں، حضرت عمر نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا گناہ چھپایا تھا لہذا تمہیں بھی چاہیے تھا کہ اسے پردے میں ہی رہنے دیتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ شخص چل دیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا اور اسے بلوایا، (جب وہ آ گیا تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں: "أقم الصلوة طرفی النھار ـ للذاکرین" (دن کے دونوں کنارے یعنی صبح و شام اور رات کے وقت نماز قائم کر، اس لئے کہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، یہ نصیحت یاد رکھنے والوں کے لئے ہے) قوم میں سے ایک شخص نے عرض کیا: کیا یہ حکم اس شخص کے لئے خاص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةَ حَرَامٍ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ كَفَّارَتِهَا، فَنَزَلَتْ {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ} [هود: 114] فَقَالَ الرَّجُلُ: أَلِي هَذِهِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: لَكَ وَلِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي(۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا جو کہ حرام تھا، پھر وہ نبی کریم

(۱) مسند احمد ۱/۴۰۶

(۲) صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب: الصلاۃ کفارۃ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور آپ ﷺ سے اس گناہ کا کفارہ پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "اقم الصلوۃ" اس نے عرض کیا یا رسول اللہ: کیا یہ حکم میرے لئے خاص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حکم تمہارے لئے اور میری امت میں سے ہر اس شخص کے لئے ہے جو اس پر عمل کرے۔

عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا لَقِيَ امْرَأَةً وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا مَعْرِفَةٌ فَلَيْسَ يَأْتِي الرَّجُلُ شَيْئًا إِلَى امْرَأَتِهِ إِلَّا قَدْ أَتَى هُوَ إِلَيْهَا إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُجَامِعْهَا؟ قَالَ: فَأَنْزَلَ اللهُ {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ} [هود: 114] فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ وَيُصَلِّيَ. قَالَ مُعَاذٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَهِيَ لَهُ خَاصَّةً أَمْ لِلْمُؤْمِنِينَ عَامَّةً؟ قَالَ: بَلْ لِلْمُؤْمِنِينَ عَامَّةً(۱)۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ: اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت سے ملے جس سے اس کی کوئی جان پہچان نہ ہو اور پھر وہ اس کے ساتھ ہر وہ کام کرے جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ جماع نہ کرے تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اقم الصلوۃ طرفی النہار" پھر آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور نماز پڑھے، معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: کیا یہ حکم اس شخص کے لئے خاص ہے یا تمام مومنوں کے لئے عام ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ یہ حکم تمام مومنوں کے لئے عام ہے۔

عَنْ أَبِي اليَسَرِ، قَالَ: أَتَتْنِي امْرَأَةٌ تَبْتَاعُ تَمْرًا، فَقُلْتُ: إِنَّ فِي البَيْتِ تَمْرًا أَطْيَبَ مِنْهُ، فَدَخَلَتْ مَعِي فِي البَيْتِ، فَأَهْوَيْتُ إِلَيْهَا فَتَقَبَّلْتُهَا، فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ قَالَ: اسْتُرْ عَلَى نَفْسِكَ وَتُبْ وَلَا تُخْبِرْ أَحَدًا، فَلَمْ أَصْبِرْ فَأَتَيْتُ عُمَرَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: اسْتُرْ عَلَى نَفْسِكَ وَتُبْ وَلَا تُخْبِرْ أَحَدًا، فَلَمْ أَصْبِرْ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: أَخَلَفْتَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فِي أَهْلِهِ بِمِثْلِ هَذَا حَتَّى تَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ أَسْلَمَ إِلَّا تِلْكَ السَّاعَةَ حَتَّى ظَنَّ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ. قَالَ: وَأَطْرَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيلًا حَتَّى أَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ} [هود: 114] - إِلَى قَوْلِهِ - {ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ} [هود: 114]. قَالَ أَبُو اليَسَرِ: فَأَتَيْتُهُ فَقَرَأَهَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلِهَذَا خَاصَّةً أَمْ لِلنَّاسِ عَامَّةً؟ قَالَ: بَلْ لِلنَّاسِ عَامَّةً۔

حضرت ابو یسر کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت کھجور خریدنے کے لئے آئی تو میں نے اس سے کہا کہ گھر میں اس سے زیادہ اچھی کھجوریں ہیں، وہ میرے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو میں اس کی طرف مائل ہو گیا اور میں نے اس کا بوسہ

(۱) مسند احمد ۵/۲۴۴

لے لیا، پھر میں حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور ان کے سامنے یہ سارا قصہ ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: تم اپنے گناہ کو چھپاؤ، توبہ کرو اور کسی کو یہ بات نہ بتاؤ، لیکن میں نے صبر نہیں کیا پھر میں حضرت عمر کے پاس آیا اور ان کو یہ ساری بات بتائی تو انہوں نے فرمایا: تم اپنے گناہ کو چھپاؤ، توبہ کرو اور کسی کو یہ بات نہ بتاؤ لیکن میں نے صبر نہیں کیا پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو یہ واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اللہ کی راہ میں جانے والے غازی کے اہل خانہ میں اس طرح کے کام کے ساتھ پیچھے رہا ہے؟ (یعنی ان کے گھر والوں کے ساتھ تم نے یہ کام کیا) یہاں تک کہ اس نے آرزو کی کہ کاش میں ابھی اس وقت ہی اسلام لایا ہوتا اور اسے گمان ہوا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے کافی دیر سر جھکائے رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی: "اقم الصلوة طرفی النهار ــ ذلک ذکری للذاکرین"

ابوالیسر کہتے ہیں کہ پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ نے مجھے یہ آیت پڑھ کر سنائی، صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ: کیا یہ حکم اس شخص کے لئے خاص ہے، یا سب کے لئے عام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ یہ حکم سب کے لئے عام ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔عالجت: میں نے دل لگی کی، میں نے اسے بوس و کنار کیا۔ أصبت منها: میں اس عورت کو پہنچا یعنی اس سے استمتاع کیا۔ دون ان امسها: بغیر اس کے کہ میں اس سے جماع کروں یعنی میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا۔ زلفا: زلفة کی جمع ہے: حصہ، رات کی ساعات، رات کے حصے۔ أهویت الیها: میں اس عورت کی طرف مائل ہوا۔ أخلفت: (ہمزہ برائے استفہام) کیا آپ پیچھے رہے ہیں۔ أطرق: آپ ﷺ نے سر جھکایا۔

نیک کام سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

مذکورہ احادیث سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اگر آدمی سے کوئی گناہ ہو جائے تو لوگوں کے سامنے اسے ذکر نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دل سے معافی مانگے۔

۲۔ "زلفا من اللیل" سے جمہور مفسرین حسن بصری، مجاہد، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کے نزدیک نماز مغرب اور عشاء مراد ہیں، اس معنی کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے اور طرفی النهار سے فجر اور عصر کی نماز مراد ہے، اور ظہر کی نماز کا ذکر اس آیت یعنی "اقم الصلوة لدلوک الشمس" میں ہے۔

۳۔ "ان الحسنات یذهبن السیئات" بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، سیئات سے "صغیرہ گناہ" مراد ہیں۔

مگر قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے: "ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیاتکم" یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کردیں گے،

اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں جو ان کے درمیان صادر ہوں جبکہ یہ شخص کبائر یعنی بڑے گناہوں سے بچتا رہا ہو"

مذکورہ آیت اور حدیث کی وجہ سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نیکیوں سے صغیرہ گناہ اس وقت معاف ہوتے ہیں جب وہ کبیرہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو۔

لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نیکیوں کی وجہ سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں بشرطیکہ وہ ان پر نادم ہو، اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا ارادہ کرے ان پر اصرار نہ کرے، خواہ اس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں یا نہ کئے ہوں(۱)۔

- "ولیس بینهما معرفة" یعنی ان دونوں کے درمیان نہ تو ازدواج کا رشتہ تھا اور نہ وہ عورت اس کی باندی تھی، بلکہ وہ اس پر حرام تھی۔
- "فلیس یاتی الرجل شیئاً الی امرأته الا قد أتی هو الیها" اس آدمی نے اس عورت کے ساتھ ہر وہ کام کیا جو ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے، مگر اس کے ساتھ جماع نہیں کیا۔
- "ان رجلاً أصاب من امرأة قبلة حرام" اس "رجل" سے کون مراد ہیں: مختلف نام منقول ہیں: عمرو بن غزیہ، کعب بن عمرو، نبہان تمار، اور بعض نے عامر بن قیس کا نام لکھا ہے۔
- أخلفت غازیا فی سبیل الله فی أهله بمثل هذا"، اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرمایا کہ تم نے راہ خدا میں جانے والے ایک غازی کی بیوی کے ساتھ یہ کیا، تم اس کام کے لئے پیچھے رہے ہو، وہ صحابی تمنا کرنے لگے کہ اے کاش میں نے ابھی اسلام قبول کیا ہوتا کہ میں اس گناہ سے بری ہوتا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہوتے، وہ اپنے کئے پر انتہائی نادم تھے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ يُوسُفَ

یہ باب سورہ یوسف کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْكَرِيمَ ابْنَ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ ثُمَّ جَاءَنِي الرَّسُولُ أَجَبْتُ ثُمَّ قَرَأَ {فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ} [يوسف: 50] قَالَ وَرَحْمَةُ اللهِ عَلَى لُوطٍ إِنْ كَانَ لَيَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، إِذْ قَالَ: {قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ

(۱) تفسیر ابن کثیر (۵۶۰/۳) سورہ ہود آیۃ: ۱۱۴، مکتبۃ القرآن والسنۃ

آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ} [هود:80] فَمَا بَعَثَ اللهُ مِنْ بَعْدِهِ نَبِيًّا إِلَّا فِي ذِرْوَةٍ مِنْ قَوْمِهِ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، وَعَبْدُ الرَّحِيمِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، نَحْوَ حَدِيثِ الفَضْلِ بْنِ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: مَا بَعَثَ اللهُ بَعْدَهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي ثَرْوَةٍ مِنْ قَوْمِهِ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو: الثَّرْوَةُ: الكَثْرَةُ وَالمَنَعَةُ(۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں، پھر فرمایا: اگر میں جیل میں ہوتا جتنی مدت یوسف قید میں رہے، پھر میرے پاس بادشاہ کا قاصد آتا تو میں (جیل سے باہر آنے کی بات) مان لیتا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "فلما جاء الرسول قال ارجع ـــ" (جب یوسف کے پاس بادشاہ کا قاصد آیا تو انہوں نے اسے کہا کہ اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ، اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، میرا رب ان عورتوں کے مکر وفریب کو اچھی طرح جانتا ہے) پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لوط پر رحمت ہو، وہ تمنا کرتے تھے کہ کسی مضبوط قلع میں پناہ حاصل کریں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ اسی قوم میں سے اعلیٰ نسب کا ہوتا۔

محمد بن عمرو کے طریق میں بھی اسی طرح منقول ہے مگر اس میں یوں الفاظ ہیں: "ما بعث الله بعده نبيا الا في ثروة من قومه"، اس میں ذروة کی جگہ "ثروة" ہے، محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ثروہ کے معنیٰ الكثرة والمنعة یعنی کثرت اور قوت کے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔ذروة: (ذال پر پیش اور زیر کے ساتھ) فلان ذروة النسب۔ فلاں اعلیٰ نسب والا ہے۔ثروة: کثرت، کثیر تعداد، قوت، مطلب ان دونوں الفاظ کا ایک ہی ہے۔ المنعة: طاقت وقوت۔

جیل سے حضرت یوسف کا جواب

بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکال کر دربار میں لایا جائے، پیغام سن کر حضرت یوسف نے قاصد سے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ، اور پہلے یہ دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، کیا اس واقعہ میں وہ مجھے مشتبہ سمجھتے ہیں اور میرا کوئی قصور قرار دیتے ہیں، یہ ایک پیغمبر کا جواب ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بلند مقام اور اونچا حوصلہ عطا فرماتے ہیں جسے دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے ورنہ موقع تو بظاہر یہ تھا کہ فوراً حضرت یوسف جیل سے باہر آجاتے لیکن انہوں نے صبر کیا تاکہ میرے اوپر جو ایک الزام ہے اس کی صفائی سب کے سامنے آجائے۔

---

(۱) الأدب المفرد للبخاری (ص:۱۷۷)۔

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اگر میں اتنی مدت جیل میں رہتا جتنا یوسف علیہ السلام رہے ہیں اور پھر مجھے رہائی کے لئے بلایا جاتا تو میں فوراً قبول کر لیتا'' اس مصیبت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل کو افضل قرار دیا گیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں فرمار ہے ہیں کہ میں ایسا نہ کرتا بلکہ میں مفضول کو اختیار کر لیتا جو بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں؟ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ تمام انبیاء میں افضل ہیں لہذا اگر کسی نبی کو کوئی جزوی فضیلت حاصل ہو تو وہ اس کے منافی نہیں جیسے حضرت یوسف کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کی چار پشتوں سے نبوت کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کی وجہ سے یوں فرمایا،

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی اس طرح کے ابتلا میں مبتلی ہو جائے تو اسے جس قدر ممکن ہو، جیل سے رہائی کی صورت کو اختیار کر لینا چاہئے، کیونکہ حکمرانوں کے مزاج کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، ایسے موقع پر شرطیں لگانا یا دیر کرنا عام لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کی رائے بدل جائے اور یہ جیل کی مصیبت بدستور قائم رہے، کیونکہ یہ امکان ہے کہ یوسف علیہ السلام کو تو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہو کہ اس تاخیر سے کچھ نقصان نہیں ہوگا لیکن عام لوگوں کو تو یہ مقام حاصل نہیں، امت کو یہ درس دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جیل سے رہائی کا یہ موقع ملتا تو میں باہر آنے میں دیر نہ کرتا۔

۴۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ تمام انبیاء میں افضل ہیں۔

''ورحمة اللہ علی لوط ان کان لیأوی الی رکن شدید''

اللہ تعالیٰ حضرت لوط پر رحم فرمائے انہوں نے ایک ''رکن شدید'' کی طرف پناہ لینے کی تمنا کی تھی، اس ''رکن شدید'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ ''رکن شدید'' سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ سے زیادہ اور رکن شدید کون ہوسکتا ہے، اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: ''ورحمة اللہ علی لوط'' بطور مدح کے ہوگی کہ ان کا مقام کتنا بڑا تھا، کیسے کیسے مصائب آئے لیکن حضرت لوط نے کبھی غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف انہوں نے رجوع اختیار کیا، اللہ تعالیٰ کی ان پر خصوصی رحمت ہے۔

۲۔ اس ''رکن شدید'' سے خاندان اور قبیلہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ تمنا کی کہ میرا کوئی مضبوط قبیلہ اور خاندان یہاں ہوتا تو ان کی جرأت نہ ہوتی، یہ لوگ مجھے خوار اور ذلیل اس لئے کر رہے ہیں کہ میں اکیلا اور تنہا ہوں، کیونکہ لوط علیہ السلام کو شام کے علاقے ''سدوم'' کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جبکہ ان کا تعلق اور ان کا خاندان سارا عراق میں تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شام کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو ان کے ساتھ حضرت لوط بھی تشریف لے آئے تھے، پھر ادھر ہی ان کو

نبی بنا کر "اہل سدوم" کی طرف مبعوث کردیا گیا تھا۔

اگر "رکن شدید" سے خاندان اور قبیلہ مراد ہو تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا: "رحمۃ اللہ۔ "حضرت لوط کے ایک تسامح کو بیان کرنے کے لئے ہے، ان سے گویا بتقاضائے بشریت یہ لغزش ہوئی کہ اس موقع پر انہیں اپنا خاندان یاد آ گیا، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے، اور اپنی رحمت ان پر نازل فرمائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں تو ان میں سے ہر نبی کو ایک مضبوط اور طاقتور قبیلے میں سے بھیجا تاکہ انہیں یہ کہنے کی نوبت نہ آئے کہ کاش میرا خاندان ہوتا تو میری مدد کے لئے آتا(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الرَّعْدِ

یہ باب سورہ رعد کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَقْبَلَتْ يَهُودُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، أَخْبِرْنَا عَنِ الرَّعْدِ مَا هُوَ؟ قَالَ: مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ، مَعَهُ مَخَارِيقُ مِنْ نَارٍ، يَسُوقُ بِهَا السَّحَابَ حَيْثُ شَاءَ اللهُ، فَقَالُوا: فَمَا هَذَا الصَّوْتُ الَّذِي نَسْمَعُ؟ قَالَ: زَجْرُهُ بِالسَّحَابِ إِذَا زَجَرَهُ حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى حَيْثُ أُمِرَ قَالُوا: صَدَقْتَ. فَقَالُوا: فَأَخْبِرْنَا عَمَّا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ؟ قَالَ: اشْتَكَى عِرْقَ النَّسَا فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا يُلَائِمُهُ إِلَّا لُحُومَ الإِبِلِ وَأَلْبَانَهَا فَلِذَلِكَ حَرَّمَهَا قَالُوا: صَدَقْتَ(۲).

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ابو القاسم ہمیں "رعد" کے متعلق بتائیے کہ وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جسے بادل پر مامور کیا گیا ہے، اس کے پاس آگ کے کچھ آلے یا آگ کی تلواریں ہیں جن کے ذریعہ وہ بادلوں کو ہانکتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، پھر وہ کہنے لگے تو پھر یہ آواز جو ہم سنتے ہیں یہ کس کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کی بادلوں کی ڈانٹ کی آواز ہے، جب وہ ان کو ہانکنے کے وقت ڈانٹتا ہے تاکہ وہ اس جگہ تک پہنچ جائیں جہاں کا انہیں حکم دیا گیا ہے، یہ سن کر انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کونسی چیز حرام کی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں عرق النسا کا مرض ہو گیا تھا اور انہوں نے اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں پائی جو ان کے مناسب اور موافق ہو، اس لئے انہوں نے اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام کرلیا، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

---

(۱) فتح الباری ۶/۴۱۵، کتاب احادیث الانبیاء باب ولوطا اذقال لقومه

(۲) مسند احمد ۱/۲۷۴

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مخاریق: مخراق کی جمع ہے: اس کے اصل معنی ہیں کہ وہ رومال یا کپڑے جس کو لپیٹ کر بچے ایک کھیل کھیلتے ہیں اور آپس میں اس سے ایک دوسرے کو مارتے یا ڈراتے ہیں، یہاں حدیث میں اس سے آلہ یا تلوار مراد ہے جس کے ذریعہ وہ فرشتہ بادلوں کو ادھر ادھر ہانک کر لے جاتا ہے۔ یسوق: وہ فرشتہ ہانکتا ہے۔ زجرۃ: ڈانٹ۔ حتی ینتھی: تاکہ وہ بادل پہنچ جائیں۔ حیث أمر: (صیغہ مجہول) جہاں کا انہیں حکم دیا گیا۔ اسرائیل: یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، عبرانی زبان میں اس کے معنی ہیں: عبداللہ۔ اشتکی: مریض ہو گئے۔ عرق النسا: یہ ایک بیماری ہے جس میں کولہے کے جوڑ سے ایک درد شروع ہوتا ہے پھر وہ ران سے ہوتے ہوئے جوڑوں میں پھیل جاتا ہے۔ عرق کے معنی: رگ کے ہیں، اور لفظ "نسا" (نون پر زبر اور الف مقصورہ کے ساتھ) کولہے کی وہ رگ یا پٹھا جو ٹخنے تک ہوتا ہے، اس میں جب درد پیدا ہو جائے تو اس بیماری کو عرق النسا کہا جاتا ہے۔

"رعد" اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی منت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال

مذکورہ حدیث میں یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سوال کئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب دیئے تو وہ کہنے لگے کہ آپ نے سچ فرمایا ہے، وہ سوال یہ ہیں:

۱۔ یہود نے "رعد" کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک فرشتہ ہے جسے بادلوں پر مامور کیا گیا ہے، اس کے پاس آگ کا ایک آلہ یا تلوار ہوتی ہے، اس کے ذریعہ وہ بادلوں کو ان جگہوں کی طرف ہانکتا ہے جس جگہ کا انہیں حکم ہوتا ہے، اور ہانکتے وقت وہ فرشتہ ان کو ڈانٹتا ہے تاکہ وہ مخصوص جگہ پر پہنچ جائیں، اس زجر کی آواز ہمیں سنائی دیتی ہے۔

۲۔ یہ بتایئے کہ اسرائیل یعنی حضرت یعقوب نے اپنے اوپر کیا چیز حرام کی تھی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النسا کی بیماری میں مبتلی ہو گئے تھے، تو انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس مرض سے شفا عطا فرمادیں تو اپنا پسندیدہ کھانا اور پسندیدہ مشروب چھوڑ دوں گا، کھانوں میں انہیں اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ پسند تھا، ان کو جب شفاء ہو گئی تو انہوں نے منت کے مطابق ان دونوں چیزوں کو ترک کر دیا، ان کی شریعت میں اس طرح منت کے ذریعہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کیا جا سکتا تھا، جبکہ شریعت محمدیہ میں اس طرح کرنا جائز نہیں، اگر کوئی اس طرح کی قسم کھالے تو اس پر لازم ہے کہ وہ قسم کو توڑے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یوں منت مانی کہ اگر مجھے شفا ہو گئی تو یہ دونوں چیزیں نہ میں استعمال کروں گا اور نہ ہی میری اولاد، پھر یہ تحریم جو منت سے ہوئی تھی بنی اسرائیل میں وحی کے حکم کی وجہ سے برقرار رہی، البتہ باقی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں(۱)۔

(۱) الکوکب الدری ۱۷۵/۴، تحفۃ الاحوذی ۵۲۱/۸، معارف القرآن ۱۱۲/۲

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الأُكُلِ} [الرعد: 4] قَالَ: الدَّقَلُ وَالفَارِسِيُّ وَالحُلْوُ وَالحَامِضُ.

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے اس آیت: "و نفضل بعضها علی بعض فی الاکل" (ہم بعض پھلوں کو بعض پر لذت اور ذائقے میں فوقیت اور فضیلت دیتے ہیں) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اس سے ردی اور عمدہ کھجوریں، میٹھا اور ترش مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أکل: (ہمزے اور کاف پر پیش کے ساتھ) ذائقہ، لذت۔ دقل: (دال اور قاف پر زبر) ردی کھجور۔ فارسی: عمدہ قسم کی کھجور۔ حلو: (حاء پر پیش اور لام ساکن) میٹھا۔ حامض: ترش، کھٹا۔

اللہ کی قدرت کا ایک شاہکار

قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے پہلے زمین کے مختلف قطعے اور باغات کا ذکر ہے کہ یہ سارے باغات کے پھل اگرچہ ایک ہی زمین سے پیدا ہوتے ہیں، ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں اور مختلف قسم کی ہوائیں بھی ان سب کو یکساں پہونچتی ہیں، مگر پھر بھی ان کے رنگ اور ذائقے مختلف اور چھوٹے بڑے کا نمایاں فرق ہوتا ہے، اور پھلوں کو ایک دوسرے پر فضیلت یہ ہے کہ بعض پھل ایک شکل اور ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں لیکن بعض کا مزہ عمدہ، بعض کا ردی، بعض کا میٹھا اور بعض کا ترش ہوتا ہے، یہ سارا کچھ رب کریم کی کمال قدرت کا ایک عظیم شاہکار اور بہت بڑا کارنامہ ہے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہ باب سورہ ابراہیم کے بارے میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ عَلَيْهِ رُطَبٌ، فَقَالَ: {مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا} [إبراهيم: 25]، قَالَ: هِيَ النَّخْلَةُ {وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ} [إبراهيم: 26] قَالَ: هِيَ الحَنْظَلُ۔ قَالَ: فَأَخْبَرْتُ بِذَلِكَ أَبَا العَالِيَةِ، فَقَالَ: صَدَقَ وَأَحْسَنَ.

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کھجور کی ڈنڈیوں سے بنی ہوئی ٹرے لائی گئی، جس پر پکی ہوئی تازہ کھجور تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مثل کلمہ طیبہ ـــ (کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں اونچائی میں جا رہی ہوں، وہ درخت خدا کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہو) آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے، (اور گندے کلمہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین

کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اس کو زمین میں کچھ ثبات نہ ہو) وہ ایلوا ہے،

شعیب بن حجاب راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوالعالیہ کو سنائی تو انہوں نے فرمایا: حضرت انس نے سچ فرمایا اور انہوں نے نیکی کی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔قناع: کھجور کی ڈنڈیوں سے بنا ہوا طشت رٹرے جس میں کھانا یا پھل رکھا جاتا ہے۔رطب: تازہ پختہ کھجور۔أصلها ثابت: اس کی جڑ مضبوط ہے،فرعها: اس کی شاخیں۔اکلها: (ہمزے اور کاف پر پیش) اپنا پھل۔اجتثت: اسے اکھیڑ دیا جائے۔قرار: ثبات، استحکام۔حنظل: ایلوا، پنجابی زبان میں اسے ''تمّا'' + کہتے ہیں۔کلمة طيبة: پاکیزہ کلمہ اس سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ یعنی ایمان مراد ہے،شجرة طيبة: پاکیزہ درخت، اس سے کھجور کا درخت مراد ہے۔کلمة خبيثة: کلمات کفر اور افعال کفر۔شجرة خبيثة: اس سے ایلوا مراد ہے اور بعض نے لہسن کہا ہے۔

مؤمن اور کافر کی مثال

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیات سے مؤمن اور کافر کی مثالیں ذکر فرمائی ہیں:

مؤمن اور اس کے اعمال کی مثال ایک ایسے درخت سے دی گئی ہے جس کا تنہ مضبوط اور بلند ہو اور اس کی جڑیں زمین میں گہری گئی ہوئی ہوں اور زیر زمین پانی کے چشموں میں سیراب ہوتی ہوں، گہری جڑوں کی وجہ سے اس درخت کو استحکام اور مضبوطی بھی حاصل ہو کہ ہوا کے جھونکوں سے گر نہ جائے، اور سطح زمین سے دور ہونے کی وجہ سے اس کا پھل گندگی سے پاک صاف رہے، دوسری صفت اس درخت کی یہ ہے کہ اس کی شاخیں بلندی پر آسمان کی طرف ہوں، تیسری صفت اس درخت کی یہ ہے کہ اس کا پھل ہر وقت ہر حال میں کھایا جاتا ہو۔

اس درخت سے کھجور کا درخت مراد ہے، اور اس درخت سے مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں ایمان اس کی جڑ ہے، جو بہت مستحکم اور مضبوط ہے، دنیا کے حوادث اس کو ہلا نہیں سکتے، دوسری وجہ ان کی طہارت و نظافت ہے کہ دنیا کی گندگیوں سے متاثر نہیں ہوتے، جیسے بڑے درخت پر سطح زمین کی گندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ دو وصف تو ''اصلها ثابت'' کی مثال ہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کے درخت کی شاخیں بلند آسمان کی طرف ہوتی ہیں اسی طرح مؤمن کے ایمان کے ثمرات یعنی اعمال بھی آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں، چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا پھل ہر وقت، ہر حال، ہر موسم میں شب و روز کھایا جاتا ہے مؤمن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت ہر موسم اور ہر حال میں صبح و شام جاری ہیں اور جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کارآمد ہے مؤمن کا ہر قول و فعل اور حرکت و سکون اور اس سے پیدا ہونے والے آثار پوری دنیا کے لئے نافع اور مفید ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ مؤمن کامل اور اسلامی تعلیمات کا پابند ہو۔

اس کے بالمقابل دوسری مثال کفار کی شجرہ خبیثہ سے دی گئی ہے اور کلمہ خبیثہ سے کلمات کفر اور کفر کے اعمال مراد ہیں، اس

درختِ خبیث یعنی ایلوے کی جڑیں زمین کے اندر زیادہ نہیں ہوتیں، اس لئے جب کوئی چاہے اس درخت کے پورے جثہ کو زمین سے اکھاڑ سکتا ہے، یہ تشبیہ اس لئے دی ہے کہ کفار کے عقائد کی کوئی جڑ نہیں ہوتی، ذرا دیر میں متزلزل ہوجاتے ہیں، دوسرے دنیا کی گندگی سے متاثر ہوتے ہیں تیسرے ان کے درخت کے پھل پھول یعنی اعمال وافعال اللہ جل شانہ کے ہاں کارآمد نہیں(۱)۔

عَنِ الْبَرَاءِ، عنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي قَوْلِ اللهِ: يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الآخرة (ابراهيم: ۲۷) قَالَ: فِي الْقَبْرِ، إِذَا قِيلَ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ، وَمَا دِينُكَ، وَمَنْ نَبِيُّكَ؟(۲)

حضرت براء اس آیت: "یثبت الله الذين امنوا ...." (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا میں اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے) کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ قبر میں ہو گا، جب اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟

حدیث سے دو باتوں کا ثبوت

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ عالم برزخ یعنی قبر میں مؤمن سے جب مذکورہ سوال ہوں گے تو وہ ثابت قدمی کے ساتھ درست جواب دے گا، اس وجہ سے قبر اس کے لئے جنت کا ایک باغ ثابت ہوگی، اور کافر ومنافقین درست جواب نہیں دے سکیں گے، اس لئے انہیں عذاب ہوگا۔

۲۔ قبر میں عذاب اور ثواب دونوں کا ثبوت قرآن وسنت سے ہے، مذکورہ حدیث اور اس میں مذکورہ آیت بھی اس پر شاہد ہیں، اسی طرح تقریباً چالیس صحابہ کرام سے ستر احادیث قابل اعتبار اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی منقول ہیں، جن کو امام ابن کثیر نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے، ان سب حضرات صحابہ نے آیت مذکورہ میں "آخرت" سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب اور ثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا، قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول اللہ ﷺ کی ستر متواتر احادیث میں بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں کسی مسلمان کو شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں،

لہذا خوارج، معتزلہ اور بعض دوسرے حضرات کا عذاب قبر سے انکار کرنا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں، قرآن وسنت میں اس نظریئے کے خلاف دلائل موجود ہیں، اس لئے ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں(۳)۔

---

(۱) معارف القرآن ۲۴۵/۵، سورہ ابراہیم
(۲) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء من عذاب القبر
(۳) تکملۃ فتح الملہم ۲۳۹/۶ کتاب الجنۃ، مسئلۃ عذاب القبر، معارف القرآن ۲۴۸/۵، تفسیر ابن کثیر ۶۴/۳ ط: پشاور

عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: تَلَتْ عَائِشَةُ هٰذِهِ الآيَةَ {يَوْمَ تُبَدَّلُ الأَرْضُ غَيْرَ الأَرْضِ} [ابراهيم: 48] قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَأَيْنَ يَكُونُ النَّاسُ؟ قَالَ: عَلَى الصِّرَاطِ(۱).

حضرت مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے اس آیت: "یوم تبدل الارض غیر الارض" (قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس میں موجودہ زمین بھی بدل دی جائے گی) کی تلاوت کی اور پوچھا کہ یارسول اللہ اس وقت لوگ پھر کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پل صراط پر ہوں گے۔

قیامت کے دن آسمان وزمین کی تبدیلی

قیامت کے دن آسمان وزمین کے تبدیل ہونے کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں:

۱۔ ان کی صفات اور شکل وصورت بدل دی جائے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث میں ہے کہ پوری زمین ایک سطح مستوی بنادی جائے گی، جس میں نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی، نہ درخت وغیرہ کی، نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا نہ غار اور گہرائی، چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: "لاترٰی فیھا عوجاولا اُمتا" یعنی تعمیرات اور پہاڑوں کی وجہ سے جو آج کل راستے اور سڑکیں مڑ کر گذرتی ہیں، اور کہیں اونچائی ہے کہیں گہرائی، یہ صورت نہ رہے گی بلکہ سب صاف میدان ہوجائے گا،

۲۔ اس زمین کے بدلے میں دوسری زمین اور اس آسمان کی جگہ دوسرے آسمان بنادیئے جائیں۔

قیامت کے دن آسمان وزمین کی تبدیلی سے متعلق جو روایات حدیث منقول ہیں ان میں بھی بعض سے صرف صفات کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے، جبکہ دیگر بعض سے ذات کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے(۲)۔

بعض حضرات مثلاً حضرت تھانوی وغیرہ نے فرمایا کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلے نفخہ کے وقت اسی موجودہ زمین کی صفات تبدیل کی جائیں اور پھر حساب کتاب کے لئے ان کو کسی دوسری زمین کی طرف منتقل کیا جائے،

تفسیر مظہری میں حضرت عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، اس اثر کا ترجمہ یہ ہے: یہ زمین سمٹ جائے گی اور اس کے پہلو میں ایک دوسری زمین ہوگی جس پر لوگوں کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔

نیز ترمذی کی مذکورہ روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمین سے پل صراط کے ذریعہ دوسری طرف منتقل کئے جائیں گے، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں متعدد صحابہ وتابعین کے یہ اقوال نقل کئے ہیں کہ اس وقت موجودہ زمین اور اس کے تمام دریا آگ ہوجائیں گے، گویا یہ سارا علاقہ جس میں اب دنیا آباد ہے، اس وقت جہنم کا علاقہ ہوجائے گا،

(۱) صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین باب: فی البعث والنشور

(۲) تکملة فتح الملھم ۱۱۶/۶، کتاب صفة القیامة، باب فی البعث والنشور وصفة الارض یوم القیامة

اس سے معلوم ہوا کہ محشر کی زمین اس موجودہ زمین کے علاوہ کوئی اور ہوگی اور جس تبدیلی کا ذکر اس آیت میں ہے، اس سے ذات کی تبدیلی مراد ہے، اور حقیقتِ حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، بندے کا کام بس یہ ہے کہ ان تمام امور پر ایمان لائے(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الحِجْرِ

یہ باب سورۃ الحجر کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَتِ امْرَأَةٌ تُصَلِّي خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْنَاءُ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ، فَكَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ يَتَقَدَّمُ حَتَّى يَكُونَ فِي الصَّفِّ الأَوَّلِ لِئَلَّا يَرَاهَا، وَيَسْتَأْخِرُ بَعْضُهُمْ حَتَّى يَكُونَ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ، فَإِذَا رَكَعَ نَظَرَ مِنْ تَحْتِ إِبْطَيْهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ}[الحجر: 24](۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی، وہ حسین ترین لوگوں میں سے ایک بہت ہی خوبصورت عورت تھی، بعض لوگ آگے بڑھتے تاکہ وہ پہلی صف میں کھڑے ہوں اور اس عورت کو نہ دیکھ سکیں اور بعض لوگ پیچھے رہتے تاکہ وہ پچھلی صف میں کھڑے ہوں، چنانچہ جب وہ رکوع کرتے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے اس عورت کی طرف دیکھتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "و لقد علمنا المستقدمین ــ" (اور ہم ہی جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھ جانے والوں کو اور ہم جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جعفر بن سلیمان اس حدیث کو عمرو بن مالک سے اور وہ ابو جوزاء سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لیکن اس میں ابن عباس کا ذکر نہیں، اور یہ طریق نوح کی حدیث سے صحت کے زیادہ قریب ہے۔

مستقدمین اور مستاخرین کی چند تفسیریں

قرآن مجید کی اس آیت میں مستقدمین اور مستاخرین سے کیا مراد ہے؟ اس کی چند تفسیریں صحابہ و تابعین سے منقول ہیں:

۱۔ ایک تفسیر ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ کچھ لوگ صف اوّل میں کھڑے ہونے کے بجائے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے تاکہ اس عورت کو دیکھ سکیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اس میں مستقدمین سے صف اول میں کھڑے ہونے والے اور مستاخرین سے پچھلی صف میں کھڑے ہونے والے مراد ہیں۔

---

(۱) تفسیر مظہری ۲۸۳/۵ سورۃ ابراہیم/مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، بیان القرآن ۱۳۴/۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، معارف القرآن ۲۷۳/۵، تحفۃ الاحوذی ۵۲۶/۸

(۲) سنن نسائی، کتاب الامامۃ، باب: المنفرد خلف الصف

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی دوسری سند جس میں ابن عباس کا ذکر نہیں وہ زیادہ صحیح ہے، یہ ابوالجوزاء کا قول ہے۔

۲۔ مستقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اب تک پیدا ہو چکے ہیں اور مستاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔

۳۔ مستقدمین سے مرے ہوئے لوگ اور مستاخرین سے زندہ لوگ مراد ہیں۔

۴۔ مستقدمین سے امت محمدیہ سے پہلے کے لوگ مراد ہیں جبکہ مستاخرین سے امت محمدیہ مراد ہے۔

۵۔ مستقدمین سے اطاعت گذار اور نیکوکار مراد ہیں اور مستاخرین سے گنہگار اور غافل لوگ مراد ہیں۔

ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں، سب جمع ہو سکتے ہیں(۱)۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلَى أُمَّتِي أَوْ قَالَ: عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے ہے جو میری امت پر یا فرمایا امت محمد پر تلوار اٹھائیں گے۔

جہنم کے سات دروازے

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ جہنم کے سات دروازے ہیں۔

۲۔ ان میں سے ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے ہوگا جو میری امت پر تلوار چلائیں گے، یہ گویا اس امت کی خصوصیت ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ أُمُّ الْقُرْآنِ وَأُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي(۳)۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورہ فاتحہ، ام القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی (دہرائی جانے والی سات آیتیں) ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ مِثْلَ أُمِّ الْقُرْآنِ،

(۱) تفسیر قرطبی ۱۰/۲۰، مکتبہ دار الکتاب العربی

(۲) مسند احمد ۲/۹۴

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب و لقد اتینا سبعا من المثانی

وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَهِيَ مَقْسُومَةٌ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ(۱)۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں ام القرآن کی طرح کوئی سورت نازل نہیں کی، اور یہی سبع مثانی ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) یہ سورت میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم کی گئی ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ چیز ہے جو وہ مانگے گا۔

سورہ فاتحہ کے چند نام

مذکورہ احادیث میں سورہ فاتحہ کی خصوصیت، فضیلت اور اس کے چند نام مذکور ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ام القرآن، عربی زبان میں لفظ "ام" کے ایک معنیٰ "بنیاد" اور "اصل" کے آتے ہیں، اور سورہ فاتحہ میں قرآن مجید کے تمام بنیادی مضامین اجمالاً جمع ہیں، یہ گویا پورے قرآن مجید کی اصل اور بنیاد ہے اور پورا قرآن اس کی شرح اور تفصیل ہے، اس لئے اسے ام القرآن کہا جاتا ہے۔

۲۔ ام الکتاب، سورہ فاتحہ کا یہ نام ایک تو اس وجہ سے ہے کہ وہ مصاحف کی ابتداء میں لکھی جاتی ہے، دوسری اس لئے کہ نماز میں بھی اس کی قراءت سے ابتداء کی جاتی ہے، یہ گویا بنیاد اور اصل ہے اس وجہ سے اسے ام الکتاب کہا جاتا ہے، مذکورہ وجہیں سورہ فاتحہ نام رکھنے کی بھی ہیں(۲)۔

۳۔ سبع مثانی: یعنی یہ سات آیات ہیں، اس لئے مثانی ہیں، مثانی جمع ہے مثناۃ کا، اسے مثانی ایک تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسے نماز میں بار بار پڑھا جاتا ہے، دوسری اس وجہ سے کہ اس کے ذریعہ بار بار اللہ جل شانہ کی حمد وثناء کی جاتی ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ سورت اس امت پر نازل ہوئی ہے، اس سے پہلے کسی امت پر یہ سورت یا اس کے مثل نازل نہیں ہوئی، اس بناء پر اسے مکرر پڑھا جاتا ہے(۳)۔

"وهي مقسومة بيني وبين عبدي" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا ابتدائی نصف اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی عظمت پر مشتمل ہے اور باقی نصف میں بندے کی دعا کا ذکر ہے جو وہ اللہ جل شانہ سے مانگتا ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ، ثُمَّ قَرَأَ: {إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ} [الحجر:75]:

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور

---

(۱) سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب تاویل اللہ تعالیٰ: ولقد اتینک سبعا من المثانی

(۲) عمدۃ القاری ۸۰/۱۸

(۳) فتح الباری، ۱۹۷/۸، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب

سے دیکھتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "ان فی ذلک لایت للمتوسمین" (یقیناً اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم سے منقول ہے کہ متوسمین کے معنی "متفرسین" کے ہیں یعنی سمجھدار اور فہم و فراست والے لوگ۔

مؤمن کی فراست سے بچو

مذکورہ حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ جو شخص صحیح معنی میں مؤمن ہو، تقوی اور خوف خدا کے زیور سے آراستہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ ایک خاص قسم کی فہم وفراست اور بصیرت عطا فرماتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ کئی سارے معاملات کو بتائے بغیر بھی سمجھ جاتا ہے، یہ اس کا نور ایمان اور اس کی فراست ہوتی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس فراست کے دو مطلب ہیں:

- اللہ تعالیٰ مؤمن کو ایسی فراست عطا فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کے احوال کرامت وغیرہ کی وجہ سے جان لیتا ہے۔
- یا اس سے مراد تجربہ ہے کہ وہ اپنے تجربے کی بنیاد پر پہچان لیتا ہے۔

۲۔ اس آیت میں "متوسمین" کے معنی امام مجاہد کے نزدیک متفرسین کے ہیں یعنی فہم وفراست اور بصیرت رکھنے والے لوگ (۱)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [الحجر:93] قَالَ: عَنْ قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

حضرت انس بن مالک قرآن مجید کی اس آیت: "لنسألنهم اجمعین عما کانوا یعملون" (ہم ضرور ان تمام سے ان کے اعمال کے متعلق قیامت کے دن پوچھیں گے) کی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ" کے کلمہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

محشر میں سوال کس چیز کا ہوگا

آیت مذکورہ میں اللہ جل شانہ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ان سب اگلوں اور پچھلوں سے ضرور سوال اور باز پرس ہوگی۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸/۵۳۳

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ سوال لا الہ الا اللہ سے متعلق ہوگا کہ ایک انسان نے ایمان لاکر اس کلمے کے تقاضوں پر کتنا عمل کیا، کتنا وہ گناہوں اور نافرمانیوں سے بچا رہا، اللہ کے احکام کے مطابق اس نے زندگی گزاری ہے؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تمام انسانوں سے سوال ہوگا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر کیونکہ لفظ عام ہے، اس لئے عموم کے معنی ہی مراد ہوں گے، کافر سے سوال ہوگا کہ تم کفر پر کیوں رہے اور مؤمن سے سوال ہوگا کہ تم نے کلمہ طیبہ کے تقاضوں کے مطابق زندگی گذاری ہے یا اپنے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتے رہے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ النَّحْلِ

یہ باب سورہ نحل کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِهِنَّ فِي صَلَاةِ السَّحَرِ. قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلَيْسَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يُسَبِّحُ اللهَ تِلْكَ السَّاعَةَ، ثُمَّ قَرَأَ {يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ} [النحل: 48] الآيَةَ كُلَّهَا.

حضرت عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زوال کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا اجر تہجد کی نماز پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "یتفیو اظلله ......" (پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: کیا لوگوں نے اللہ کی ان پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے جھکے جاتے ہیں اور وہ نہایت عاجز ہیں)

زوال کی چار رکعتوں کی فضیلت

مذکورہ حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ زوال کے فوراً بعد اگر چار رکعت نفل پڑھے جائیں تو ان کا اجر وثواب نماز تہجد کی چار رکعت کے برابر ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان چار رکعت میں عموم ہے لہذا ظہر کی سنتیں بھی اس میں داخل ہیں ان کا اجر وثواب بھی گویا تہجد کی نماز کے برابر ہے (۲)

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۳۲/۸

(۲) الکوکب الدری ۱۷۷/۴

۲۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تسبیح کرتی ہے، کائنات کی ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے، سورج چاند کا اپنے مقام پر چلنا، شب وروز کا وقت کے مطابق آنا اور درختوں کا سایہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف جھکنا۔ یہ سب اللہ کے حکم کی اطاعت کے مظاہر ہیں۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ أُصِيبَ مِنَ الْأَنْصَارِ أَرْبَعَةٌ وَسِتُّونَ رَجُلًا، وَمِنَ الْمُهَاجِرِينَ سِتَّةٌ مِنْهُمْ حَمْزَةُ، فَمَثَّلُوا بِهِمْ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: لَئِنْ أَصَبْنَا مِنْهُمْ يَوْمًا مِثْلَ هَذَا لَنُرْبِيَنَّ عَلَيْهِمْ قَالَ: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ} [النحل: 126] فَقَالَ رَجُلٌ: لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُفُّوا عَنِ الْقَوْمِ إِلَّا أَرْبَعَةً.

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ جب غزوہ احد ہوا تو اس میں انصار کے چونسٹھ اور مہاجرین کے چھ آدمی شہید ہوئے، ان میں حمزہ بھی ہیں، تو کفار نے ان شہداء کا مثلہ کر دیا تھا یعنی ان کے ناک، کان وغیرہ کاٹ دیئے تھے، حضرات انصار کہنے لگے کہ اگر ہم پھر اس دن کی طرح ان کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئے تو ہم ان کے اس سے دگنے آدمیوں کے ناک کان وغیرہ کاٹیں گے، راوی کہتے ہیں کہ جب فتح مکہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وان عاقبتم فعاقبوا۔۔۔" (اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت اچھی بات ہے) چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ آج کے بعد قریش نہیں رہیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار آدمیوں کے علاوہ کسی کو قتل نہ کرو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أصیب: مصیبت پہنچائے گئے یعنی شہید ہوئے۔ مثلوا: (صیغہ مجہول) ان کا مثلہ کیا گیا یعنی ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ لنربین: یہ ارباء سے ہے: ہم ضرور اضافہ کریں گے، دگنا کر دیں گے۔ کفوا: کف سے صیغہ امر ہے: تم رک جاؤ یعنی قتل نہ کرو۔ عاقبتم: تم بدلہ لینا چاہو۔

مذکورہ آیت کا شان نزول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کی طرف سے تعمیل حکم

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت: "وان عاقبتم۔۔۔" مدنی ہے، غزوہ احد میں ستر صحابہ کی شہادت اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے مثلہ کرنے کے واقعہ میں نازل ہوئی، صحیح بخاری کی روایت میں اسی طرح ہے۔

جبکہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انصاری صحابہ نے یہ عزم کیا تھا کہ اب جب ہمیں کفار سے لڑائی کا موقع ملا تو ہم دگنی تعداد میں ان کا مثلہ کریں گے، فتح مکہ کے موقع پر اگر وہ چاہتے تو بدلہ لے سکتے تھے لیکن اس آیت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کا راستہ اختیار کیا، انتقام نہیں لیا، چنانچہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار آدمیوں کے سوا کسی کو قتل نہ کیا جائے، ان چار کے نام یہ ہیں: عکرمہ بن ابی جہل، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی اسرح،

اور یہ کچھ بعید نہیں کہ ان آیات کا نزول مکرر ہوا ہو، پہلے غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی ہوں اور پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ نازل ہوئی ہوں(۱)۔

فتح مکہ کے دن کچھ لوگوں کو قتل کرنے کا حکم

فتح مکہ کے موقع پر چند حضرات ایسے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں مارنے اور قتل کرنے کا حکم دیا، ان کی تعداد میں اصحاب سیر کی روایات مختلف ہیں، عام اہل سیر نے دس، ابن اسحاق نے آٹھ، ابوداؤد، دارقطنی اور ترمذی کی مذکورہ روایت میں چھ افراد کا ذکر ہے، اور حافظ مغلطای نے مختلف حوالوں سے پندرہ نام ذکر کئے ہیں۔ ان پندرہ میں سے آٹھ نے تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی اور اسلام قبول کرلیا، پانچ قتل کئے گئے، ایک بھاگ کر نجران گیا، اور وہیں کفر کی حالت میں مرا اور ایک کے اسلام لانے یا قتل کئے جانے کے بارے میں اختلاف ہے، اس طرح یہ کل پندرہ افراد ہو گئے۔

جو آٹھ حضرات نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تھے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، یہ اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے، اور اپنے باپ ابوجہل کی طرح اسلام کے خلاف ہر سازش میں پیش پیش رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، یہ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث نے اسلام قبول کیا، اور دربار نبوی میں حاضر ہو کر حضور ﷺ سے اپنے شوہر کے لئے امان طلب کی، ادہر حسن اتفاق سے حضرت عکرمہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب وہ یمن کے ساحل سے کشتی پر سوار ہوئے، تو طوفان نے دریا میں کشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، عکرمہ نے مدد کے لئے لات وعزی کو پکارا، کشتی میں موجود لوگوں نے کہا: اللہ کو پکارو، یہاں لات وعزی کچھ کام نہیں آئیں گے، یہ بات حضرت عکرمہ کے دل پر لگی، انہوں نے کہا کہ اگر دریا میں یہ کام نہیں آتے تو خشکی میں بھی کام نہیں آئیں گے، اور اسی وقت عزم کرلیا کہ اگر اللہ نے اس طوفان سے نجات دی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لاؤں گا۔

حضرت عکرمہ کی بیوی ام حکیم اپنے شوہر کی تلاش میں یمن کی جانب نکلیں اور ساحل پر ان کے پاس پہنچ گئیں، عکرمہ سے کہا کہ آپ کے لئے میں نے رسول اللہ ﷺ سے امان حاصل کرلیا ہے، حضرت عکرمہ ان کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے،

اور پھر اسلام کے لئے انہوں نے بڑی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں، پوری عمر اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد

(۱) معارف القرآن ۵/۴۴۴

میں گذاری، اسلامی تاریخ کی مشہور جنگ یرموک میں انہوں نے اعلان کیا کہ کون میرے ہاتھ پر موت پر بیعت کرتا ہے؟ چار سو مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر موت پر بیعت کی، ان مجاہدین نے دشمن کی فوج پر زبردست حملہ کیا، حتی کہ سب کے سب شہید ہوگئے، بعد میں جب دیکھا گیا تو حضرت عکرمہ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے ستر سے زیادہ زخم تھے (۱)۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح یہ پہلے مسلمان ہوگئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی تھے، لیکن پھر مرتد ہوکر مکہ مکرمہ آگئے تھے، یہ حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے، فتح مکہ کے بعد حضرت عثمان ان کو آپ کی خدمت میں لائے اور دوبارہ مشرف باسلام ہوگئے۔

انہوں نے بھی بعد میں اسلام کے لئے بڑی قربانیاں دیں، حضرت عثمان کے زمانے میں جہاد افریقہ میں انہوں نے زبردست مجاہدانہ کردار ادا کیا، حضرت معاویہ کے زمانہ میں ان کی وفات ہوئی (۲)۔

۳۔ کعب بن زہیر، یہ عرب کے مشہور شاعر تھے، اسلام سے پہلے نبی کریم ﷺ کی مذمت اور ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے، یہ مکہ مکرمہ سے بھاگ گئے تھے، بعد میں مدینہ منورہ آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے، پھر آپ ﷺ کی مدح میں اپنا وہ شہرۂ آفاق قصیدہ کہا جس سے آج تک ادب عربی کی فضا گونجتی ہے، یہ قصیدہ ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہے۔

۴۔ ھبار بن الاسود، انہوں نے حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو ان کی ہجرت کے وقت نیزہ مارا تھا، جس کی وجہ سے وہ پتھر پر گر گئیں، اس سے ان کا حمل ساقط ہوگیا تھا، بعد میں اسی بیماری میں ان کا انتقال بھی ہوگیا تھا، یہ بھی مباح الدم قرار دیئے گئے تھے، لیکن بعد میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کرکے ایک مخلص صحابی ہوگئے۔

۵۔ وحشی بن حرب، انہوں نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی سے شہید کیا تھا، یہ بھی فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوگئے تھے۔

۶۔ عبداللہ بن زبعری، یہ عرب کے مشہور شاعر تھے، آپ ﷺ کی مذمت میں شعر کہا کرتے تھے یہ بھی بھاگ کر نجران چلے گئے تھے تائب ہوکر حاضر خدمت ہوئے، اور اسلام قبول کرلیا۔

۷۔ ہندہ بنت عتبہ، یہ وہی ہندہ ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ کو شہید کرایا تھا، پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان کا سینہ چاک کرکے ان کا کلیجہ چبایا تھا، ان کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن اللہ نے ان کی قسمت میں اسلام کی ابدی سعادت لکھی تھی، چنانچہ وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور اسلام قبول کرلیا، یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔

۸۔ فرتنی (فاء اور راء پر زبر اور تاء ساکن)، یہ عبداللہ بن خطل کی باندی تھی، رسول اللہ ﷺ کے خلاف شعر پڑھا کرتی تھی،

---

(۱) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲/۴۴۳

(۲) الاصابۃ ۲/۹۴، حرف العین

یہ بھی مباح الدم قرار دی گئی تھی، فتح مکہ کے وقت بھاگ گئی تھی، بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائی، حضرت عمر یا حضرت عثمان کی خلافت میں اس کی وفات ہوئی(۱)۔

قتل کئے جانے والے مجرم

جن لوگوں کے خون کو مباح قرار دیا گیا تھا، ان میں سے پانچ افراد کو قتل کیا گیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ عبداللہ بن خطل، اس کا اصل نام عبدالعزی تھا، اس نے جب اسلام قبول کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھا، پھر اسے آپ ﷺ نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا، اس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا، راستے میں کسی منزل پر اس نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا، اور کھانا تیار نہیں کیا، ابن خطل نے غصے میں آ کر اسے قتل کر دیا اور صدقات کے اونٹ لے کر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ آ گیا، یہاں آ کر آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، اس کی دو باندیاں تھیں، ناچ گانے کی مجلسیں سجا کر ان سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشعار پڑھواتا تھا، ایک تو یہ خون ناحق کا مجرم تھا، دوسرا جرم ارتداد تھا، اور تیسرا جرم آپ کے خلاف اشعار کہنے کا تھا، ان تین میں سے ہر جرم کی سزا قتل ہے۔

فتح مکہ کے دن یہ کعبہ کے پردوں سے لپٹ گیا تھا، آپ کو اطلاع دی گئی کہ ابن خطل غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "اس کو وہیں قتل کر ڈالو" چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی اور حضرت سعد بن حریث نے جا کر اس کو قتل کیا۔

۲۔ مقیس بن صبابہ، یہ بھی پہلے مسلمان ہو گیا تھا، پھر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ آ گیا تھا، حضرت نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے اسے قتل کیا تھا۔

۳۔ حویرث بن نقید، یہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتا تھا، اس لئے اس کا خون حلال کر دیا گیا تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کیا۔

۴۔ حارث بن طلاطل، یہ بھی آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، اسے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

۵۔ قریبہ (تصغیر ہے قربۃ کی) یہ ابن خطل کی باندی تھی، رسول اللہ ﷺ کے خلاف شعر پڑھا کرتی تھی، فتح مکہ کے موقع پر اسے قتل کیا گیا(۲)۔

۶۔ مباح الدم قرار دیئے جانے والے پندرہ افراد میں سے "ہبیرہ بن وہب" بھی تھا، یہ فتح مکہ کے وقت نجران کی طرف بھاگ گیا تھا، پھر وہیں کفر کی حالت میں ہی مرا تھا۔

---

(۱) بذل المجہود ۲۲۹/۱۲، کتاب الجہاد، باب قتل الاسیر، الکامل لابن اثیر ۱۷۰/۲

(۲) بذل المجہود ۲۲۹/۱۲، السیرۃ الحلبیہ ۹۱/۳، الکامل لابن کثیر ۱۶۹/۲

۷۔ ان پندرہ میں سے "سارہ" نامی ایک خاتون بھی تھی، اس کے متعلق حمیدی کہتے ہیں کہ اسے بھی قتل کیا گیا تھا(۱)، جبکہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ عورت اسلام لے آئی تھی، اور حضرت عمر کے زمانے تک زندہ رہی، یہی وہ عورت تھی جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ مکرمہ جارہی تھی(۲)۔

اس طرح یہ کل پندرہ افراد ہوگئے، جن میں آٹھ مسلمان ہوئے، پانچ قتل کیے گئے، ایک کافر ہونے کی حالت میں مرا، اور ایک کے اسلام اور قتل کے متعلق روایات مختلف ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے موقع پر تقریباً پندرہ افراد کا خون مباح قرار دیا گیا تھا، لیکن ترمذی کی مذکورہ روایت میں صرف چھ افراد کا ذکر ہے چار مرد اور دو عورتیں، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- عدد اقل، عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا، اس لئے ایک روایت میں اگر چھ کا ذکر ہے تو اس سے زیادہ کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔
- آپ ﷺ نے ایک موقع پر چھ افراد کا ذکر کیا تو راوی نے اسے سن کر روایت کر دیا، پھر دوسرے موقع پر آپ نے زیادہ کا ذکر فرمایا تو راوی نے اس تعداد کو نقل کر دیا، اس لیے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں(۳)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

یہ باب سورہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حِينَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسَى - قَالَ فَنَعَتَهُ - فَإِذَا رَجُلٌ - حَسِبْتُهُ قَالَ - مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّأْسِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ. قَالَ: وَلَقِيتُ عِيسَى قَالَ فَنَعَتَهُ - قَالَ: رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ - يَعْنِي الحَمَّامَ - وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ. قَالَ: وَأُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ أَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَالآخَرُ فِيهِ خَمْرٌ. فَقِيلَ لِي: خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ، فَقِيلَ لِي: هُدِيتَ لِلْفِطْرَةِ - أَوْ أَصَبْتَ الفِطْرَةَ - أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ(۴)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مجھے رات کو معراج پر لے جایا گیا تو میری موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی صفت بیان کی (یعنی ان کا

---

(۱) الکامل لابن اثیر ۱۷۰/۲
(۲) فتح الباری ۱۴/۸، کتاب المغازی، باب: أین رکز النبی ﷺ الرأیة یوم الفتح
(۳) بذل المجہود ۲۳۰/۱۲، کتاب الجہاد، باب قتل الاسیر
(۴) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: وھل أتٰک حدیث موسیٰ

حلیہ بیان کیا) کہ وہ ایک ایسے آدمی ہیں عبدالرزاق راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: ذرا لمبے قد والے، جن کے سر کے بالوں پر تیل لگا ہوا تھا اور لٹک رہے تھے، گویا کہ وہ شنوءہ قبیلے کے لوگوں میں سے ہیں، پھر فرمایا: اور میں نے عیسیٰ سے ملاقات کی، راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کی صفت بیان کی (یعنی ان کا حلیہ) آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میانہ قد اور سرخ ہیں، گویا کہ وہ ابھی حمام سے نکلے ہیں، اور میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اور میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں، اور میرے پاس دو برتن لائے گئے ان میں سے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی، پھر مجھ سے کہا گیا کہ ان میں سے جونسا برتن چاہو لے لو؟ چنانچہ میں نے دودھ لیا اور اسے پی لیا، اس پر مجھ سے کہا گیا کہ آپ کی فطرت کی طرف رہنمائی کی گئی یا یوں فرمایا کہ آپ فطرت کو پہنچے، کیونکہ اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِالبُرَاقِ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ مُلْجَمًا مُسْرَجًا، فَاسْتَصْعَبَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ: أَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هَذَا؟ فَمَا رَكِبَكَ أَحَدٌ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ، قَالَ: فَارْفَضَّ عَرَقًا(۱)۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے اس رات براق لایا گیا جس میں رات کے وقت آپ ﷺ کو آسمان پر لے جایا گیا، اس براق کو لگام ڈالی گئی اور اس پر زین کسی ہوئی تھی، لیکن وہ براق آپ ﷺ پر دشوار ہونے لگا (یعنی وہ کچھ شوخی کرنے لگا) تو جبرائیل علیہ السلام نے اس سے فرمایا: کیا تو محمد ﷺ کے ساتھ ایسا کر رہا ہے؟ (آج تک) تجھ پر ایسا کوئی سوار نہیں ہوا جو محمد ﷺ کے مقابلے میں اللہ کے ہاں زیادہ معزز و مکرم ہو، راوی کہتے ہیں کہ پھر اسے پسینہ آ گیا۔

عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى بَيْتِ المَقْدِسِ قَالَ جِبْرِيلُ بِإِصْبَعِهِ، فَخَرَقَ بِهِ الحَجَرَ، وَشَدَّ بِهِ البُرَاقَ۔

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (شب معراج کے موقع پر) جب ہم بیت المقدس پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور اس سے پتھر میں سوراخ کیا اور براق کو اس سے باندھ دیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِي بَيْتَ المَقْدِسِ، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ(۲)۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قریش نے (معراج کے مسئلے میں) میری تکذیب کی، تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے لئے ظاہر کر دیا (یعنی اسے میرے

---

(۱) مسند احمد ۱۶۴/۳

(۲) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب: حدیث الاسراء

سامنے کردیا) تو میں بیت المقدس کی علامتیں انہیں بتانے لگا، اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ أسری بی: (صیغہ مجہول) مجھے رات کے وقت لے جایا گیا۔ حسبه قال: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ جملہ عبدالرزاق راوی کا ہے، مضطرب: ذرا لمبے قد والے، اور بعض نے کہا: ہلکے گوشت والے۔ رجل الرأس: (را پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) وہ شخص جس کے سر کے بالوں پر تیل لگا ہوا ہو اور لٹک رہے ہوں۔ شنوءة: (شین پر زبر اور نون پر پیش) یمن کا ایک قبیلہ ہے، جو شنو یعنی عبداللہ بن کعب کی طرف منسوب ہے، اس کا یہ لقب یعنی شنوءۃ اس وجہ سے ہوا کہ اس کی اپنی اہل کے ساتھ دشمنیاں اور نفرتیں تھیں، کیونکہ شنئان کے معنیٰ: دشمنی اور نفرت کے ہیں۔ ربعة: (را پر زبر اور با کے سکون اور زبر کے ساتھ) میانہ قد۔ دیماس: تہ خانہ، اندھیری سرنگ اور حمام، اس مقام پر یہی معنیٰ مراد ہیں، یہ تشبیہ اس بناء پر ہے کہ جس طرح غسل خانہ سے جب انسان نکلتا ہے تو نہایت صاف ستھرا اور تر و تازہ ہوتا ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نہایت صاف و شفاف اور تر و تازہ تھے۔ غوت: آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ براق: (با پر پیش) وہ سواری جس پر نبی کریم ﷺ معراج کی رات سوار ہوئے، یہ ایک نہایت تیز رفتار سواری ہے، اس پر تمام انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے رہے ہیں۔ ملجما: لگام لگائی گئی۔ مسرجا: اس پر زین کسی گئی۔ استصعب علیه: وہ براق آپ ﷺ پر دشوار ہونے لگا، یعنی بدکنے لگا گویا کہ وہ سوار ہونے کو پسند نہیں کر رہا تھا، شوخی کرنے لگا تھا، فارفض عرقا: پھر اسے پسینہ آ گیا، پسینہ بہ پڑا۔ خرق: چیر دیا، پھاڑ دیا، سوراخ کر دیا۔ وشدبه: اور اس کے ساتھ باندھ دیا۔ حجر: (حاء کے نیچے زیر اور جیم ساکن) حطیم، بیت اللہ سے باہر میزاب رحمت کے سامنے گول دیوار۔ جلی الله لی: اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ظاہر کر دیا۔ عن ایاته: بیت المقدس کی علامتیں اور نشانیاں۔

واقعہ معراج پر ایک نظر

نبی کریم ﷺ کو رات کے وقت مکہ مکرمہ سے معراج پر لے جایا گیا، آپ کا یہ سفر بیداری میں پیش آیا ہے، خواب میں نہیں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر براق پر ہوا، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ ایک روایت میں ہے، جب بیت المقدس کے دروازے پر پہنچے تو جبرائیل امین نے ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا، جس سے ایک سوراخ ہو گیا، اس سے اس براق کی لگام کو باندھ دیا اور آپ ﷺ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی۔

اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس کے ذریعہ آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے، اس کے بعد باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے، ہر آسمان پر وہاں کے فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے، مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے ان کا حلیہ یہ بیان فرمایا کہ وہ ذرا لمبے قد والے ہیں اور ان کے سر کے بال لٹکے ہوئے تھے اور ان پر تیل لگا ہوا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، وہ ایک درمیانہ قد کے سرخ انسان ہیں جو نہایت صاف ستھرے اور ہشاش بشاش ہیں اور حضرت ابراہیم سے ساتویں آسمان

پر ملاقات ہوئی، میری شکل وصورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت مشابہ ہے، پھر آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے، اور ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں تقدیر کے قلم کے لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، اور آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا، جس پر اللہ جل شانہ کے حکم سے سونے کے پروانے اور مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے، اور جسے اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا، اسی جگہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا، جن کے چھ سو بازو تھے، اور آپ نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جس کے پاس بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے، اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، جن کی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی، اور آپ نے جنت اور دوزخ کا بچشم خود معائنہ فرمایا، اس وقت آپ کی امت پر پہلے پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا، پھر کمی کر کے پانچ کر دی گئیں، اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی، وہ بھی آپ کے ساتھ اترے، گویا آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے، اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء کے ساتھ نماز ادا فرمائی، یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اس دن کی صبح کی نماز ہو۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امامت انبیاء کا یہ واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ یہ منقول ہے کہ آسمانوں پر انبیاء سے ملاقات کے وقت جبرائیل امین نے آپ کا تعارف کرایا، اگر یہ واقعہ پہلے ہو چکا ہوتا تو پھر یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی، چنانچہ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی بیت المقدس میں امامت کرائی، الغرض یوں تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کی فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں ہی مکہ معظمہ پہنچ گئے (۱)۔

اسراء اور معراج کا یہ حیرت انگیز واقعہ کب اور کس تاریخ میں پیش آیا، اس کے بارے میں مختلف روایات منقول ہیں:

۱۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ پہلے پیش آیا۔

۲۔ بعض روایات میں ہے کہ معراج کا واقعہ نبوت کے پانچ سال کے بعد ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کئی سال پہلے کا ہے۔

۳۔ حربی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔

۴۔ ابن قاسم ذہبی کہتے ہیں کہ بعثت سے اٹھارہ مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

تاہم یہ ذہن میں رہے کہ حضرات محدثین نے مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کن چیز نہیں لکھی، البتہ مشہور

---

(۱) تفسیر ابن کثیر (۱۱۴/۱۵ مکتبۃ القرآن والسنۃ) معارف القرآن ۴۴۰/۵

یہی ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب، شب معراج ہے(۱)۔

لما کذبتی قریش۔۔۔ معراج کا واقعہ جب نبی کریم ﷺ نے بتایا تو کفار مکہ نے اس کی تکذیب کی، کہنے لگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک رات میں اتنا طویل سفر بیت المقدس تک کا طے ہوجائے، آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں سوالات کرنے شروع ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کردیا، آپ اسے دیکھ کر ان کے سوالات کا جواب ارشاد فرمارہے تھے، لیکن صحیح جواب سن کر بھی وہ راہ راست پر نہ آئے کیونکہ گمراہی ان کا مقدر بن چکی تھی۔

معراج کے موقع پر آپ ﷺ کو کتنے برتن پیش کئے گئے

نبی کریم ﷺ کو معراج کے موقع پر کتنے برتن پیش کئے گئے، اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں:

۱۔ ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو برتن پیش کئے گئے، ایک دودھ کا تھا اور دوسرے میں شراب تھی۔

۲۔ اور بخاری کی بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے بیت المعمور میں لے جایا گیا اور پھر میرے سامنے ایک برتن شراب کا، ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا پیش کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ تین برتن پیش کئے گئے۔

۳۔ اور بعض روایات میں ہے کہ بیت المقدس میں امامت کرانے کے بعد میرے سامنے دودھ، شراب اور پانی کے برتن پیش کئے گئے، تو میں نے دودھ کا برتن لے لیا، اس میں بھی تین برتن کا ذکر ہے۔

یہ برتن کس مقام پر آپ ﷺ کو پیش کئے گئے؟ اس بارے میں بھی روایتیں مختلف ہیں، بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں یہ برتن پیش کئے گئے، جبکہ بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برتن آسمان میں پیش کئے گئے، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو برتن دو مرتبہ پیش کئے گئے ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس وقت آپ کو چاروں دریا یعنی دودھ، شراب، پانی اور شہد کے دریا دکھائے گئے، اور دوسری مرتبہ بیت المقدس میں یہ برتن پیش کئے گئے جب آپ ﷺ انبیاء کی امامت سے فارغ ہوگئے تھے۔

برتنوں کی تعداد کا یہ اختلاف حقیقی اختلاف نہیں، صرف ظاہری اختلاف ہے، دراصل یہ چار برتن تھے جن میں دودھ، پانی شراب اور شہد تھا، بعض راویوں نے دو کا ذکر کیا، بعض نے تین اور بعض نے چار برتنوں کا ذکر کیا، یہ چاروں دریا سدرۃ المنتہیٰ سے نکلتے ہیں(۲)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ} [الإسراء: 60] قَالَ: هِيَ

---

(۱) تفسیر قرطبی (۱۸۶/۱۰ مکتبہ دار الکتاب العربی) معارف القرآن ۴۴۲/۵

(۲) فتح الباری ۲۷۳/۷ کتاب مناقب الانصار، باب المعراج

رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ المَقْدِسِ. قَالَ: {وَالشَّجَرَةَ المَلْعُونَةَ فِي القُرْآنِ} [الإسراء:60] هِيَ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''وما جعلنا الرؤیا ـــ '' (اور ہم نے واقعہ معراج میں جو تماشا (بحالت بیداری) آپ کو دکھلایا تھا اور جس درخت کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے، ہم نے ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لئے موجب گمراہی کر دیا) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس (رؤیا) سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے جو نبی کریم ﷺ کو اس رات دکھایا گیا جس میں رات کے وقت آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا، اور فرمایا: قرآن کریم کی اس آیت: ''الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن'' میں اس درخت سے زقوم کا درخت مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ الرؤیا: عموماً اس کا ترجمہ ''خواب'' ہوتا ہے، لیکن مذکورہ آیت میں اس سے خواب کے معنی مراد نہیں، بلکہ اس سے بحالتِ بیداری آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔ رؤیا عین: آنکھ سے دیکھنا۔ ملعونۃ: وہ درخت جس پر قرآن کریم میں لعنت کی گئی ہے، زقوم: ایک تلخ اور بدبودار درخت جس کا پھل اہل دوزخ کی غذا ہے۔

معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کے دلائل

قرآن مجید کے ارشادات اور متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اسراء اور معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں، چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے ہی لفظ: ''سبحان' سے اس طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر معراج صرف روحانی بطور خواب کے ہوتی تو اس میں کونسی عجیب بات ہے، خواب تو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں آسمان پر گیا اور فلاں فلاں کام کئے۔

دوسرا اشارہ لفظ ''عبد'' سے ہے کیونکہ ''عبد'' یعنی بندہ صرف روح نہیں بلکہ جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے،

اور جب نبی کریم ﷺ نے معراج کا واقعہ لوگوں کو بتایا تو کفار مکہ نے تکذیب کی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور مذاق اڑایا، یہاں تک کہ بعض نومسلم یہ واقعہ سن کر مرتد ہو گئے، اگر معاملہ محض خواب کا ہوتا تو یہ معاملات رونما نہ ہوتے،

جمہور امت کے نزدیک قرآن مجید کی اس آیت: ''وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ'' میں ''رویا'' سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے، خواب مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کے سفر میں تمام مشاہدات اور مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، مگر اس دیکھنے کو تشبیہ کے طور پر لفظ ''رویا'' سے تعبیر کیا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خواب دیکھ لے۔

اس آیت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں مگر جمہور امت کے نزدیک مذکورہ تفسیر ہی راجح ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: وما جعلنا الرؤیا التی أریناک

اور کفار نے شجرہ زقوم کی تکذیب اس بناء پر کی کہ دوزخ کے اندر آگ میں کوئی درخت کیسے رہ سکتا ہے، اگر ہو بھی تو جل جائے گا، حالانکہ نہ ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا عقلاً محال ہے، نہ آسمان پر جانا ناممکن ہے اور آگ کے اندر درخت کا پایا جانا انہیں بڑا عجیب محسوس ہوا حالانکہ یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ کسی درخت کا مزاج ہی اللہ تعالیٰ ایسا بنادیں کہ وہ پانی کے بجائے آگ سے ہی پرورش پائے، اس طرح تکذیب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام ہوئے (۱)۔

سوال یہ ہے کہ ''والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن'' سے معلوم ہوتا ہے کہ زقوم پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے تو درخت پر لعنت کرنے سے کیا مراد ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اس درخت پر لعنت اس لحاظ سے ہے کہ اسے کافر کھائیں گے اور کافروں پر لعنت کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقام پر ہے، گویا اس درخت کی طرف لعنت کی نسبت مجازاً ہے۔

۲۔ لعنت کے معنیٰ اللہ کی رحمت سے دوری کے ہیں، اور یہ درخت چونکہ جہنم کی تہ میں ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے، اس لئے اس کی طرف لعنت کی نست کی گئی ہے (۲)۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ قَوْلِهِ: وَقُرْآنَ الْفَجْرِ، إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً (الاسراء: ۷۸)، قَالَ: تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ۔ (۳)

حضرت ابوہریرہؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''وقرآن الفجر'' (اور صبح کی نماز بھی ادا کریں، بے شک صبح کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صبح کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

پانچ نمازوں کا حکم

قرآن مجید کی اس آیت ''اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر'' میں جمہور مفسرین کے نزدیک پانچوں نمازوں کا حکم ہے کیونکہ ''دلوک'' کے معنیٰ زوال آفتاب کے ہیں، اور غسق اللیل کے معنیٰ ہیں: رات کی تاریکی، اس طرح ''دلوک الشمس الی غسق اللیل'' میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور قرآن الفجر سے نماز فجر مراد

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱۵۸/۴ تا ۱۵۹، مکتبۃ فاروقیہ پشاور، الکوکب الدری ۱۸۰/۴، معارف القرآن ۴۳۸/۵، تحفۃ الاحوذی ۵۴۳/۸، ۴۵۵

(۲) الکوکب الدری ۱۸۱/۴

(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب الصلاۃ، باب وقت صلاۃ الفجر

ہے، اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"کان مشھودا" اس کے معنی یہ ہیں کہ فجر کی نماز میں فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے رات اور دن کے فرشتوں کا تبادلہ ہوتا ہے کہ رات کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن کے آجاتے ہیں۔

اس آیت میں پانچ نمازوں کا ذکر نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ آیا ہے، اس کی صحیح ترتیب اور تفصیل نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وفعل سے بتلائی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِ اللهِ: {يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ} [الإسراء: 71] قَالَ: يُدْعَى أَحَدُهُمْ فَيُعْطَى كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، وَيُمَدُّ لَهُ فِي جِسْمِهِ سِتُّونَ ذِرَاعًا، وَيُبَيَّضُ وَجْهُهُ، وَيُجْعَلُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ يَتَلَأْلَأُ، فَيَنْطَلِقُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَيَرَوْنَهُ مِنْ بُعْدٍ فَيَقُولُونَ: اللَّهُمَّ ائْتِنَا بِهَذَا وَبَارِكْ لَنَا فِي هَذَا، حَتَّى يَأْتِيَهُمْ فَيَقُولُ لَهُمْ: أَبْشِرُوا لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْكُمْ مِثْلُ هَذَا، قَالَ: وَأَمَّا الكَافِرُ فَيُسَوَّدُ وَجْهُهُ وَيُمَدُّ لَهُ فِي جِسْمِهِ سِتُّونَ ذِرَاعًا عَلَى صُورَةِ آدَمَ فَيُلْبَسُ تَاجًا، فَيَرَاهُ أَصْحَابُهُ فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ هَذَا، اللَّهُمَّ لَا تَأْتِنَا بِهَذَا، قَالَ: فَيَأْتِيهِمْ فَيَقُولُونَ: اللَّهُمَّ أَخْزِهِ، فَيَقُولُ: أَبْعَدَكُمُ اللهُ فَإِنَّ لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْكُمْ مِثْلَ هَذَا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت: "یوم ندعو کل اناس بامامھم" (جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے نامہ اعمال کے ساتھ بلائیں گے) کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور اس کا جسم ساٹھ گز لمبا کر دیا جائے گا، اور اس کا چہرہ روشن کیا جائے گا، اور اس کے سر پر موتیوں کا ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جو چمک رہا ہوگا، پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف جائے گا تو وہ اسے دور ہی سے دیکھ کر کہیں گے کہ یا اللہ ہمیں بھی ایسی نعمتیں عطا فرما، اور ہمارے لئے اس میں برکت ڈال دے، یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آئے گا اور ان سے کہے گا کہ تم خوش ہو جاؤ، تم میں سے ہر ایک کے لئے اس کے مثل نعمتیں ہیں،

اور کافر کا منہ سیاہ ہوگا اور اس کا جسم ساٹھ گز تک بڑھا دیا جائے گا، جیسے حضرت آدم کا قد و جسم تھا، اور اسے بھی ایک تاج پہنایا جائے گا، جسے اس کے دوست دیکھیں گے تو کہیں گے: ہم اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اے اللہ ہمیں یہ چیز نہ دینا، راوی کہتے ہیں پھر وہ ان کے پاس آئے گا تو اس کے دوست کہیں گے: اے اللہ اسے ہم سے دور کر دے، وہ کہے گا: اللہ تمہیں دور کرے، تم میں سے ہر شخص کے لئے اسی کے مثل ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یمد لہ: (صیغہ مجہول) اس کو دراز کیا جائے گا، اس کا جسم پھیلا دیا جائے گا۔ یتلألأ: چمک رہا ہوگا، جگمگا رہا ہوگا۔ ینطلق: وہ جائے گا۔ یسود: سیاہ ہوگا۔ اللھم اخرہ: اے اللہ اسے مؤخر کر دے، یعنی دور کر دے، اور ترمذی کے بعض نسخوں میں یہ لفظ "زا" کے ساتھ ہے: أخزہ، اس کے معنی ہیں: اے اللہ اسے تو ذلیل اور رسوا کر دے۔

لفظ "امام" کی راجح تفسیر

قرآن مجید کی اس آیت: "یوم ندعو کل اناسٍ بامامھم" میں لفظ "امام" سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے دو قول ہیں:

۱۔ حضرت علی، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ لفظ "امام" کے معنی مقتدا اور پیشوا کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے مقتدا اور رہنما کا نام لے کر پکارا جائے گا خواہ وہ مقتدا انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب مشائخ اور علماء ہوں یا گمراہی اور معصیت کی طرف دعوت دینے والے پیشوا ہوں۔

۲۔ جمہور مفسرین کے نزدیک لفظ "امام" کی راجح تفسیر "نامۂ اعمال" ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا، اہل ایمان کو دائیں ہاتھ میں یہ دیا جائے گا خواہ وہ متقی اور پرہیز گار ہو یا گنہگار ہو وہ اس سے خوش ہوگا، اس کے سر پر موتیوں کا ایک تاج ہوگا، (وہ اپنے رشتہ دار اور دوستوں کو بھی یہ دکھاتا پھرے گا، جبکہ کافر کو یہ نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا، اس کا چہرہ حسرت وافسوس کی وجہ سے سیاہ ہوگا۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا} [الإسراء:79] وَسُئِلَ عَنْهَا قَالَ: هِيَ الشَّفَاعَةُ(۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت: "عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا" (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا) کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے شفاعت مراد ہے۔

مقام محمود

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقام محمود سے شفاعت کبریٰ مراد ہے، چنانچہ میدان حشر میں جس وقت تمام انسان جمع ہوں گے اور ہر نبی اور پیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام اس سے معذرت کر دیں گے، صرف نبی کریم ﷺ کو یہ شرف عطا ہوگا کہ تمام انسانوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ عَامَ الفَتْحِ وَحَوْلَ الكَعْبَةِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّونَ نُصُبًا، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْعَنُهَا بِمِخْصَرَةٍ فِي يَدِهِ - وَرُبَّمَا قَالَ بِعُودٍ - وَيَقُولُ:

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱۶۴/۴، مکتبہ فاروقیہ پشاور

(۲) مسند احمد ۴۴۱/۲

{جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا} [الإسراء:81] {جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ} [سبأ:49] (۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے آس پاس تین سو ساٹھ پتھر (یعنی بت) تھے، نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنی اس چھڑی سے مارنا شروع کر دیا جو آپ کے ہاتھ میں تھی، اور کبھی عبداللہ راوی ایک لکڑی کا لفظ بیان کرتے، (آپ ﷺ ان بتوں کو مارتے) اور فرماتے: جاء الحق وزهق الباطل۔ (حق آگیا اور باطل گیا گذرا ہوا، واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہتی ہے، دین حق آگیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا یعنی محض گیا گذرا ہوا)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نصبا: (نون پر پیش اور صاد کے سکون اور پیش کے ساتھ) وہ پتھر جو اللہ کو چھوڑ کر عبادت کے لئے نصب کیا جائے، بت، اس کی جمع انصاب ہے۔ یطعنها: ان بتوں کو مارنے لگے۔ مخصرة: (میم کے نیچے زیر اور خاء ساکن) لاٹھی، چھڑی وغیرہ جس پر ٹیک لگائی جائے، وہ چھڑی جس سے تقریر اور گفتگو کے دوران اشارہ کیا جائے، عموماً بادشاہ اور مقررین اسے استعمال کرتے تھے۔ زهق: گیا گذرا ہوا۔

شرک وکفر اور باطل کی رسوم

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین کے بت اور دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے اور تمام وہ آلات باطلہ جو صرف اللہ کی نافرمانی میں ہی استعمال ہوتے ہوں، ان کا مٹانا بھی اسی حکم میں ہے، لہٰذا تصویریں اور مجسمے جو لکڑی اور پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں ہیں (۲)، افسوس کہ آج مسلمانوں کے گھر، دفتر اور پارک وغیرہ میں بہت سے بت نمائش کے لئے نصب ہوتے ہیں، جو شرعی لحاظ سے بالکل ہی درست نہیں، یہ سب غیر مسلموں کے طور طریقے ہیں جو مسلم معاشرہ میں رائج ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ ثُمَّ أُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَنَزَلَتْ عَلَيْهِ {وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا} [الإسراء:80] (۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، تو یہ آیت آپ پر نازل ہوئی: "وقل رب ادخلني مدخل صدق ـــ" (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے اللہ مجھے

(۱) صحیح بخاری، کتاب المظالم باب: هل تکسر الدنان التي فيها خمر۔
(۲) تفسیر قرطبی ۱۰/۲۷۳، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان
(۳) مسند احمد

خوبی کے ساتھ پہنچایئے، اور مجھے خوبی کے ساتھ لے جایئے، اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا فرما دیجئے جس کے ساتھ مدد و نصرت ہو)

ہجرتِ مدینہ کا حکم

کفار مکہ نے جب آپس میں یہ مشورہ کرلیا کہ یا تو اس رسول کو قتل کر دیا جائے یا اسے بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا جائے یا اسے جلاوطن کر دیا جائے۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا، اور ساتھ ہی یہ آیت بھی نازل ہوئی: "وقل رب ادخلنی۔"

"مدخل" یعنی داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینہ منورہ اور "مخرج" یعنی خارج ہونے کی جگہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے، مطلب یہ ہے کہ یا اللہ مدینہ میں میرا داخلہ خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے، وہاں کوئی خلاف طبع اور ناگوار صورت پیش نہ آئے، اور مکہ مکرمہ سے نکلنا خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے کہ وطن اور گھر بار کی محبت میں دل الجھا نہ رہے، یہ اس آیت کی راجح تفسیر ہے۔

ترتیب کا تقاضہ یہ تھا کہ پہلے نکلنے کی جگہ پھر داخل ہونے کی جگہ کا ذکر ہوتا مگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ اس کا الٹ ذکر فرمایا، اس سے شاید اس طرف اشارہ ہو کہ مکہ مکرمہ سے نکلنا خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ بیت اللہ کو چھوڑنا انتہائی صدمہ کی چیز تھی، البتہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک امن کی جگہ کو تلاش کرنا مقصد تھا، اس لئے جو مقصد تھا اس کو پہلے ذکر کیا گیا۔

اہم مقاصد کے لئے ایک مقبول دعا

اللہ تعالیٰ نے جس وقت نبی کریم ﷺ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ دعا بھی تلقین فرمادی: "رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا" اس دعا کا یہ اثر ہوا تھا کہ ہجرت کے وقت تعاقب کرنے والے کفار کی زد سے اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پر آپ کو بچایا، اور مدینہ طیبہ کو ظاہراً و باطناً آپ کے اور سب مسلمانوں کے لئے سازگار بنایا، اسی لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کو اپنے تمام مقاصد کے شروع میں اس دعا کو یاد رکھنا چاہئے، کیونکہ ہر مقصد کے لئے یہ دعا بہت مفید ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ منصب رسالت کے فرائض کی ادائیگی اور دشمنوں کے نرغے میں کام کرنا اپنے بس کا نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے غلبہ اور نصرت کی دعا فرمائی، جو قبول ہوئی اور اس کے آثار سب کے سامنے آگئے(۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ قُرَيْشٌ لِيَهُودَ: أَعْطُونَا شَيْئًا نَسْأَلُ هَذَا الرَّجُلَ، فَقَالَ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَسَأَلُوهُ

(۱) معارف القرآن ۵/۵۲۱

عَنِ الرُّوحِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا} [الإسراء:85]، قَالُوا: أُوتِينَا عِلْمًا كَثِيرًا أُوتِينَا التَّوْرَاةَ، وَمَنْ أُوتِيَ التَّوْرَاةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا، فَأُنْزِلَتْ {قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ} [الكهف:109] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ(۱).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ قریش نے یہود سے فرمائش کی کہ ہمیں ایسی کوئی چیز بتاؤ کہ ہم اس کے متعلق اس آدمی یعنی نبی کریم ﷺ سے پوچھیں، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ان سے روح کے متعلق سوال کرو، راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روح کے متعلق پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی: "ویسئلونک عن الروح۔" (یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ کے حکم سے ہے، اور اس کے متعلق تمہیں صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے) وہ کہنے لگے ہمیں تو بہت علم دیا گیا ہے، ہمیں تورات عطا کی گئی ہے، اور جسے تورات دی گئی تو اسے خیر کثیر دیا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "قل لو کان البحر مدادا۔" (آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے، اگرچہ اس سمندر کی طرح اور سمندر بھی اس کی مدد کے لئے آجائیں)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ سَأَلْتُمُوهُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ فَإِنَّهُ يُسْمِعُكُمْ مَا تَكْرَهُونَ، فَقَالُوا لَهُ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنِ الرُّوحِ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً وَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ حَتَّى صَعِدَ الْوَحْيُ، ثُمَّ قَالَ: {الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا} [الإسراء:85](۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے ایک کھیت میں چل رہا تھا، آپ ﷺ کھجور کی ایک شاخ پر ٹیک لگا کر چل رہے تھے، آپ ﷺ کا گذر یہود کی ایک جماعت پر ہوا تو ان میں سے بعض کہنے لگے: اگر تم ان سے کوئی سوال کرو (تو بہت اچھا ہوگا) جبکہ انہی میں سے بعض کہنے لگے کہ ان سے کوئی سوال نہ کرو کیونکہ وہ تمہیں ایسا جواب سنائیں گے جو تمہیں برا لگے گا، اس کے باوجود وہ حضور ﷺ سے کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم ہمیں "روح" کے متعلق بتا دیجئے (کہ وہ کیا چیز ہے) تو آپ ﷺ تھوڑی دیر کھڑے رہے، اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی جا رہی ہے، یہاں تک کہ وحی اوپر ہوئی (یعنی اس کے آثار ختم ہوئے) تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "الروح من أمر ربی" (یعنی روح میرے رب کے حکم

(۱) مسند احمد ۱/۲۵۵

(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: قولہ وما أوتیتم من العلم الا قلیلا

سے ہے))۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔ حرث: (حاء پر زبر اور را ساکن) کھیت۔ یتو کأ: آپ ﷺ نے ٹیک اور سہارا لیا ہوا تھا۔ عسیب: کھجور کی شاخ جس میں کوئی گرہ نہ ہو۔ صعد الوحی: وحی اوپر ہوئی یعنی اس کے آثار ختم ہوگئے۔

روح کا سوال مکہ میں پیش آیا یا مدینہ میں

قرآن مجید کی مذکورہ آیت: "الروح من أمر ربی" کے شان نزول سے متعلق جو دو حدیثیں ابن عباس اور ابن مسعود کی امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں، ان میں سے ابن مسعود کی روایت کے مطابق سوال کا یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا، اس لئے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے، اگرچہ سورہ بنی اسرائیل کا اکثر حصہ مکی ہے، جبکہ ابن عباس کی روایت کا تعلق مکہ مکرمہ کے واقعہ سے ہے، اس لحاظ سے یہ آیت بھی پوری سورت کی طرح مکی ہی باقی رہتی ہے، اسی لئے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح قرار دیا ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ منورہ میں دوسری مرتبہ ہوا ہو، جسے ابن مسعود نے روایت کیا ہے(۲)۔

البتہ تفسیر مظہری میں ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دے کر اس واقعہ کو مدینہ منورہ کا اور اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے، جس کی انہوں نے دو وجہ بتلائی ہیں:

۱۔ ابن مسعود کی حدیث کو صحیحین نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حدیث ابن عباس کی سند سے زیادہ قوی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس حدیث میں خود اپنا واقعہ بیان کیا ہے؛ جبکہ ابن عباس کی حدیث میں ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی(۳)۔

یہاں روح سے کیا مراد ہے

جس روح کے متعلق یہود نے سوال کیا تھا، اس سے کونسی روح مراد ہے؟ اس سلسلے میں بہت سارے اقوال منقول ہیں:

۱۔ روح انسان۔ ۲۔ روح حیوان۔ ۳۔ جبرائیل۔ ۴۔ حضرت عیسیٰ۔ ۵۔ قرآن مجید۔ ۶۔ فرشتہ۔ ۷۔ ایک خاص مخلوق۔ ۸۔ وحی

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱۸۷/۴، ط: پشاور

(۲) فتح الباری ۵۱۲/۸، کتاب التفسیر، باب ویسئلونک عن الروح

(۳) تفسیر مظہری ۴۸۶/۵، ط: کوئٹہ

امام رازی، علامہ قرطبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ یہود کا سوال انسان کی روح سے متعلق تھا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ "روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے" یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے، اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لئے تو کیا، بڑے بڑے حکماء اور عقلاء کے لئے بھی آسان نہیں(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ: صِنْفًا مُشَاةً، وَصِنْفًا رُكْبَانًا، وَصِنْفًا عَلَى وُجُوهِهِمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ يَمْشُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ؟ قَالَ: إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلَى أَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُمْ عَلَى وُجُوهِهِمْ، أَمَا إِنَّهُمْ يَتَّقُونَ بِوُجُوهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَشَوْكٍ(۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو تین طرح سے جمع کیا جائے گا ایک قسم پیدل چل کر آنے والوں کی ہوگی، دوسری قسم سواروں کی اور تیسری قسم: اپنے چہروں کے بل گھسٹتے ہوئے آئیں گے، پوچھا گیا یا رسول اللہ: وہ اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس ذات نے انہیں پیروں پر چلایا وہ انہیں چہروں کے بل چلانے پر بھی قادر ہے، چنانچہ وہ اپنے چہروں سے ہی ہر بلند جگہ اور کانٹے سے بچ کر چلیں گے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ رِجَالًا وَرُكْبَانًا وَتُجَرُّونَ عَلَى وُجُوهِكُمْ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تم لوگ پیدل، سوار اور چہروں کے بل گھسٹتے ہوئے اکٹھے کئے جاؤ گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ اصناف: صنف کی جمع ہے: قسم، نوع۔ مشاۃ: (میم پر پیش) ماش کی جمع ہے: پیدل چلنے والے۔ رکبان: (راء پر پیش) راکب کی جمع ہے: سوار۔ حدب: (حاء اور دال پر پیش) بلند جگہ، ٹیلہ۔ شوک: کانٹے۔ رجال: (راء کے نیچے زیر) راجل کی جمع ہے: پیادہ۔ تجرون: (صیغہ مجہول) تم گھسیٹے جاؤ گے۔

محشر میں لوگ تین طرح سے جمع کئے جائیں گے

مذکورہ احادیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں لوگوں کو تین طرح سے جمع کیا جائے گا:

---

(۱) فتح الباری ۵۱۲/۸، کتاب التفسیر، باب: ویسئلونک عن الروح۔

(۲) مسند احمد ۳۵۴/۲

۱۔ بعض لوگ پیدل چل کر آئیں گے، یہ وہ اہل ایمان ہوں گے جنہوں نے برے اعمال بھی کئے ہوں گے، اور یہ کثیر تعداد میں ہوں گے۔

۲۔ بعض لوگ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے، اس طرح اعزاز کے ساتھ کامل ایمان والے لوگ آئیں گے۔

۳۔ اور کفار کو چہروں کے بل گھسیٹ گھسیٹ کر لایا جائے گا، یہ اپنے چہروں سے ہر بلند جگہ اور کانٹوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے، ان کے ساتھ یہ رویہ اس لئے اختیار کیا جائے گا تا کہ یہ لوگ اور زیادہ ذلیل وخوار ہوں کیونکہ انہوں نے دنیا میں اپنی پیشانی کو اللہ کے سامنے نہیں جھکایا، سجدہ ریز نہیں ہوئے۔

اما انهم يتقون بوجوههم كل حدب و شوك، اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر اپنے چہروں کے ذریعہ خود کو ٹیلوں اور کانٹوں سے محفوظ رکھیں گے، حالانکہ قیامت کے دن تو زمین ہموار اور برابر ہوگی، پھر اس دن کانٹوں اور ٹیلوں سے بچانے کے کیا معنی؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن کچھ ٹیلے اور کانٹے پیدا فرمادیں تا کہ کفار کو ان سے تکلیف اور اذیت پہنچے، جبکہ حشر کی زمین وسیع و عریض اور ہموار ہوگی(۱)۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مختلف قسم کے حشر ہوں گے، بعض میں زمین ہموار ہوگی اور بعض میں ہموار نہیں ہوگی، لہذا چہروں کے ذریعہ کفار کا اپنے آپ کو ٹیلوں اور کانٹوں سے بچانا، ممکن ہے کہ یہ اس حشر کے علاوہ اور کوئی حشر ہو جس میں زمین ہموار ہوگی، اور اس حشر میں زمین برابر اور ہموار نہ ہو ایسے میں یہ کافر چہروں کے ذریعہ اپنے آپ کو کانٹوں اور ٹیلوں سے بچائیں گے، یوں وہ ذلیل ہوں گے (۲)۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، أَنَّ يَهُودِيَّيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اذْهَبْ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ نَسْأَلُهُ، فَقَالَ: لَا تَقُلْ لَهُ نَبِيٌّ فَإِنَّهُ إِنْ سَمِعَهَا تَقُولُ نَبِيٌّ كَانَتْ لَهُ أَرْبَعَةُ أَعْيُنٍ، فَأَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَاهُ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ {وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ} [الإسراء: 101] فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَسْحَرُوا، وَلَا تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إِلَى سُلْطَانٍ فَيَقْتُلَهُ، وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا، وَلَا تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً، وَلَا تَفِرُّوا مِنَ الزَّحْفِ، - شَكَّ شُعْبَةُ - وَعَلَيْكُمُ الْيَهُودَ خَاصَّةً أَلَّا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا: نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ، قَالَ: فَمَا يَمْنَعُكُمَا أَنْ تُسْلِمَا؟ قَالَا: إِنَّ دَاوُدَ دَعَا اللَّهَ، أَنْ لَا يَزَالَ فِي ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ، وَإِنَّا نَخَافُ إِنْ أَسْلَمْنَا أَنْ

(۱) الکوکب الدری ۱۸۵/۴

(۲) فتح الباری ۴۶۲/۱۱، کتاب الرقاق باب الحشر، الکوکب الدری ۱۸۵/۴

تَقْتُلَنَا الیَهُودُ(۱)۔

یہ حدیث ابواب الاستیذان باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل میں گذر چکی ہے، اس کا ترجمہ، مشکل الفاظ کے معنی اور تشریح کے لئے دیکھئے: معارف ترمذی جلد دوم (ص:۵۶۶)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، {وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ} [الإسراء:110] بِهَا قَالَ: نَزَلَتْ بِمَكَّةَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ صَوْتَهُ بِالقُرْآنِ سَبَّهُ المُشْرِكُونَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ {وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ} فَيَسُبَّ القُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ {وَلَا تُخَافِتْ بِهَا} [الإسراء:110] عَنْ أَصْحَابِكَ بِأَنْ تُسْمِعَهُمْ حَتَّى يَأْخُذُوا عَنْكَ القُرْآنَ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیت "و لا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها" (اور آپ اپنی نماز میں زیادہ اونچی آواز سے قرآن نہ پڑھیے اور نہ ہی آہستہ آواز سے پڑھیے) مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، نبی کریم ﷺ جب بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تو مشرکین قرآن کریم کو اور اس ذات کو جس نے اسے اتارا یعنی اللہ تعالیٰ اور اس فرشتے کو برا بھلا کہتے جو قرآن مجید کو لے کر آیا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "و لا تجهر بصلاتک۔" نازل فرمائی کہ نہ قرآن اتنی بلند آواز سے پڑھیں کہ قرآن کو، اس کے اتارنے والے اور اسے لانے والے فرشتے کو برا بھلا کہا جانے لگے، اور نہ ہی اپنے صحابہ سے اس قدر آہستہ آواز سے پڑھیں کہ وہ سن ہی نہ سکیں، یعنی اتنی آواز سے ضرور پڑھیے تاکہ وہ سن سکیں اور آپ سے وہ لوگ قرآن مجید سیکھ سکیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ: {وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا} [الإسراء:110] قَالَ: نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ، فَكَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالقُرْآنِ، فَكَانَ المُشْرِكُونَ إِذَا سَمِعُوهُ شَتَمُوا القُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَقَالَ اللهُ لِنَبِيِّهِ: {وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ} أَيْ بِقِرَاءَتِكَ، فَيَسْمَعَ المُشْرِكُونَ فَيَسُبَّ القُرْآنَ، {وَلَا تُخَافِتْ بِهَا} عَنْ أَصْحَابِكَ {وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا} [الإسراء:110] (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن مجید کی اس آیت: "و لا تجهر بصلاتک۔" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں پوشیدہ طریقے سے دعوت دیتے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ جب اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے، مشرکین جب قرآن کو سنتے تو قرآن کو، اس کے نازل کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ کو اور اس کے لانے والے فرشتے کو برا بھلا کہنے لگتے، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے

(۱) مسند احمد ۲۳۹/۴

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: و لا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها

اپنے نبی کو حکم دیا کہ اتنی بلند آواز سے قرآن مت پڑھئے کہ مشرکین سن لیں اور اسے گالیاں دی جائیں، اور اتنی آہستہ آواز سے بھی نہ پڑھئے کہ صحابہ سن ہی نہ سکیں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیجئے۔ (یعنی درمیانی آواز سے قراءت کیجئے)

نماز میں درمیانی آواز سے قراءت کرنے کا حکم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ میں ابتداء اسلام میں نبی کریم ﷺ نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو مشرکین مکہ تمسخر اور استہزاء کرتے اور قرآن مجید، اللہ جل شانہ اور جبرائیل علیہ السلام کی شان میں سب وشتم اور گستاخانہ باتیں کہنا شروع کر دیتے تھے، اس پر قرآن مجید کی مذکورہ آیت: "ولا تجهر بصلاتك ـــ" نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو اس بات کی تلقین کی گئی کہ نہ تو آپ انتہائی اونچی آواز سے تلاوت کریں کہ مشرکین اسے سنکر استہزاء اور سب وشتم کرنے لگیں، اور نہ ہی بہت آہستہ آواز سے پڑھیں کہ آپ کے اپنے صحابہ بھی نماز میں نہ سن سکیں لہذا آپ جہری نمازوں میں درمیانی آواز سے قراءت کیا کیجئے تا کہ اسے صرف آپ کے ساتھ نماز میں شریک صحابہ سن سکیں اور کفار نہ سن سکیں تا کہ ان کی ایذاء رسانیوں سے حفاظت رہے(۱)۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، قَالَ: قُلْتُ لِحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ: أَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: أَنْتَ تَقُولُ ذَاكَ يَا أَصْلَعُ، بِمَ تَقُولُ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: بِالْقُرْآنِ. بَيْنِي وَبَيْنَكَ الْقُرْآنُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: مَنِ احْتَجَّ بِالْقُرْآنِ فَقَدْ أَفْلَحَ - قَالَ سُفْيَانُ: يَقُولُ فَقَدِ احْتَجَّ، وَرُبَّمَا قَالَ: قَدْ فَلَجَ - فَقَالَ: {سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى} [الإسراء: 1] قَالَ: أَفَتُرَاهُ صَلَّى فِيهِ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: لَوْ صَلَّى فِيهِ لَكُتِبَ عَلَيْكُمْ فِيهِ الصَّلَاةُ كَمَا كُتِبَتِ الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ حُذَيْفَةُ: قَدْ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَابَّةٍ طَوِيلَةِ الظَّهْرِ، مَمْدُودَةٍ. هٰكَذَا خَطْوُهُ مَدُّ بَصَرِهِ، فَمَا زَايَلَا ظَهْرَ الْبُرَاقِ حَتَّى رَأَيَا الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَوَعْدَ الْآخِرَةِ أَجْمَعَ، ثُمَّ رَجَعَا عَوْدَهُمَا عَلَى بَدْئِهِمَا. قَالَ: وَيَتَحَدَّثُونَ أَنَّهُ رَبَطَهُ، لِمَ؟ أَيَفِرُّ مِنْهُ وَإِنَّمَا سَخَّرَهُ لَهُ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ(۲)۔

حضرت زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے حذیفہ بن یمان سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں؟ (آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے) حذیفہ نے فرمایا: گنجے تم یہ بات کر رہے ہو تو تم کس دلیل سے یہ کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: قرآن مجید سے، میرے اور آپ کے

(۱) تفسیر مظہری ۵/۱ ۵۰ تا ۵۰۲، رشیدیہ کوئٹہ

(۲) مسند احمد ۵/۳۸۷

درمیان قرآن مجید ہے، حذیفہ نے فرمایا: جس نے قرآن سے دلیل لی تو وہ کامیاب ہوگیا، سفیان کہتے ہیں کہ کبھی راوی "فقد احتج" کہتے کہ جس نے قرآن سے دلیل لی تو اس نے واقعی دلیل پیش کی اور راوی کبھی "قد فلج" کہتے کہ وہ کامیاب ہوگیا پھر زر بن حبیش نے یہ آیت پڑھی: "سبحان الذی اسری۔۔۔" (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی) حذیفہ نے فرمایا: کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی ہے۔ (یعنی کیا اس میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے نماز پڑھی ہے) زر بن حبیش نے کہا: نہیں (اس آیت میں اس کی تصریح تو نہیں لیکن آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں نماز پڑھی ہے) حذیفہ نے فرمایا: اگر نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی ہوتی تو تم لوگوں پر بھی اس میں نماز پڑھنا واجب ہو جاتا جیسا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا واجب ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک لمبی پشت والا جانور لایا گیا جس کی پیٹھ اس طرح پھیلی ہوئی تھی، (ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا) اس کا قدم وہاں پڑتا جہاں اس کی نظر ہوتی، چنانچہ وہ دونوں یعنی نبی کریم ﷺ اور جبرائیل امینؑ اس براق کی پشت سے نہیں اترے یہاں تک کہ انہوں نے جنت، دوزخ اور آخرت سے متعلق ہونے والے وعدوں کی تمام چیزیں دیکھیں پھر وہ واپس ہوئے، حذیفہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس براق کو بیت المقدس میں باندھ دیا تھا، کس وجہ سے باندھا؟ کیا وہ ان سے بھاگ جاتا جبکہ اس براق کو عالم الغیب والشہادہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے مسخر کر دیا تھا (ایسی صورت میں پھر اسے باندھنے کی کیا ضرورت ہے)

مشکل الفاظ کے معنی: ۔أفلج: گنجا یعنی سر کے اگلے یا بیچ کے گرے ہوئے بالوں والا۔ احتج: اس نے صحیح دلیل لائی۔ أفلح: کامیاب ہوگیا، بعض نسخوں میں أملج (جیم کے ساتھ) ہے اس کے معنی ہیں: غالب آگیا، اس نے غلبہ حاصل کر لیا۔ **فقال: سبحان الذی۔۔۔:** اس میں قال کا فاعل حضرت زر بن حبیش ہیں۔ **أفتراہ قد صلی فیہ:** حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی ہے یعنی کیا اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے؟ حضرت زر بن حبیش نے فرمایا کہ تصریح تو نہیں۔ **خطوہ مد بصرہ:** اس کا قدم وہاں پڑتا جہاں اس کی نظر ہوتی۔ **ثم رجعا عودھما علی بدءھما:** یہ بطور محاورے کے ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات یعنی نبی کریم ﷺ اور جبرائیل امین پہونچنے کے فوراً بعد واپس لوٹ پڑے، نہایت جلد ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مناظر دکھا دیئے، **فما زایلا:** وہ دونوں حضرات نہیں ہٹے۔ **لِمَ؟** اصل عبارت اس طرح ہے: لای شیء ربط البراق: یعنی کس وجہ سے براق کو باندھا۔ **أیفر منہ:** کیا وہ آپ سے بھاگ کر چلا جاتا، اسے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مسخر کر دیا، تو پھر اسے باندھنے کی کیا ضرورت؟

حضرت حذیفہ اور زر بن حبیش کے درمیان ایک مکالمہ

مذکورہ حدیث میں حضرت حذیفہ اور حضرت زر بن حبیش کے درمیان دو چیزوں میں سوال و جواب اور مکالمہ ہوا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کے موقع پر بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی، جبکہ حضرت زر بن حبیش نے سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سے استدلال کر کے یہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی ہے، حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت سے استدلال تو بلاشبہ ایک صحیح استدلال ہوتا ہے، لیکن اس آیت میں کہیں صراحت نہیں کہ آپ نے وہاں نماز پڑھی ہے حضرت زر بن حبیش نے فرمایا کہ گو کہ اس آیت میں صراحت نہیں لیکن اس کے ظاہر اور اسلوب سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی ہے، اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی ہوتی تو پھر امت پر بھی وہاں پر نماز پڑھنا لازم ہو جاتا جیسا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا فرض قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ حضرت حذیفہؓ نے دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس براق کو بیت المقدس میں باندھا تھا، اس باندھنے کی کیا ضرورت ہے، حالانکہ اس کو اللہ جل شانہ نے آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا تو پھر اسے باندھنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

۱۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ کی یہ حدیث نافی ہے یعنی بیت المقدس میں آپ ﷺ کی نماز اور براق کو باندھنے سے نفی پر مشتمل ہے جبکہ دیگر کثیر روایات میں ان دونوں چیزوں کا ثبوت ہے، اس لئے وہ روایات جو ثابت کرنے والی ہیں وہ ان روایات پر مقدم ہوں گی جن میں ان دونوں چیزوں کی نفی ہے، کیونکہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ کے مقابلے میں وہ صحابہ جو ان دونوں چیزوں کے اثبات کے قائل ہیں اور جنہوں نے اسی مفہوم کی حدیثیں روایت کی ہیں وہ زیادہ علم والے ہیں اس لئے ان حضرات کی روایات کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے مطابق یہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں، انہوں نے اس مفہوم کی روایت نہ تو آپ ﷺ سے سنی ہے اور نہ ہی دوسرے صحابہ سے، اس لئے وہ ان دونوں چیزوں کی نفی کرتے ہیں، اگر ان کے سامنے اثبات پر مشتمل کوئی واضح روایت ہوتی تو ہرگز وہ ان امور کی نفی نہ فرماتے (۱)۔

قال سفیان: یقول: قد احتج و ربما قال: افلج۔

سفیان راوی کے اس جملے کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے قد افلح کے بجائے کبھی احتج فرمایا اور کبھی اُفلج فرمایا بلکہ

(۱) فتح الباری ۷/۲۶۴، کتاب مناقب الانصار باب المعراج

اس جملے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ نے جو یہ ارشاد فرمایا: من احتج بالقرآن فقد افلح، اس میں فقد افلح سے کیا مراد ہے؟ سفیان راوی اس کی تشریح میں کبھی فقد احتج اور کبھی افلح فرماتے، احتج کے معنیٰ ہیں: صحیح دلیل لی اور افلح کے معنیٰ ہیں: غالب آ گیا، کامیاب ہوگیا تو اب اس جملے: من احتج بالقرآن فقد افلح کے معنیٰ یہ ہوجائیں گے کہ جس نے قرآن مجید سے دلیل لی تو اس نے واقعی صحیح دلیل کو لایا یا یوں کہا کہ وہ غالب آ گیا، کامیاب ہوگیا، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ سفیان راوی کی طرف سے "فقد افلح" کی تشریح کے جملے ہیں، یہ حضرت حذیفہ کے مختلف جملے نہیں (۱)۔

لو صلی فیہ لکتب علیکم فیہ الصلاۃ،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت حذیفہ کے اس جملے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز سے فرض نماز مراد ہو تو یہ درست نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت پر بھی وہاں نماز پڑھنا فرض ہو جائے، اور اگر حضرت حذیفہ کی اس سے نفل نماز مراد ہے تو اس کی مشروعیت اب بھی باقی ہے (۲)۔

فما زایلا ظہر البراق، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ براق پر سوار ہوئے تھے (۳)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ، قَالَ: فَيَفْزَعُ النَّاسُ ثَلَاثَ فَزَعَاتٍ، فَيَأْتُونَ آدَمَ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ أَبُونَا آدَمُ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، فَيَقُولُ: إِنِّي أَذْنَبْتُ ذَنْبًا أُهْبِطْتُ مِنْهُ إِلَى الْأَرْضِ وَلَكِنْ ائْتُوا نُوحًا، فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُ: إِنِّي دَعَوْتُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ دَعْوَةً فَأُهْلِكُوا، وَلَكِنْ اذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: إِنِّي كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْهَا كَذِبَةٌ إِلَّا مَا حَلَّ بِهَا عَنْ دِينِ اللهِ. وَلَكِنْ ائْتُوا مُوسَى، فَيَأْتُونَ مُوسَى، فَيَقُولُ: إِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا، وَلَكِنْ ائْتُوا عِيسَى، فَيَأْتُونَ عِيسَى، فَيَقُولُ: إِنِّي عُبِدْتُ مِنْ دُونِ اللهِ، وَلَكِنْ ائْتُوا مُحَمَّدًا، قَالَ: فَيَأْتُونَنِي فَأَنْطَلِقُ مَعَهُمْ - قَالَ ابْنُ جُدْعَانَ: قَالَ أَنَسٌ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: فَآخُذُ بِحَلْقَةِ بَابِ الْجَنَّةِ فَأُقَعْقِعُهَا فَيُقَالُ: مَنْ هَذَا؟ فَيُقَالُ: مُحَمَّدٌ فَيَفْتَحُونَ لِي، وَيُرَحِّبُونَ بِي، فَيَقُولُونَ: مَرْحَبًا، فَأَخِرُّ سَاجِدًا، فَيُلْهِمُنِي اللهُ مِنَ الثَّنَاءِ وَالْحَمْدِ، فَيُقَالُ لِي: ارْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَقُلْ يُسْمَعْ لِقَوْلِكَ، وَهُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الَّذِي قَالَ اللهُ {عَسَى أَنْ

---

(۱) الکوکب الدری ۱۹۰/۴، تحفۃ الاحوذی ۵۵۹/۸

(۲) فتح الباری ۲۶۴/۷

(۳) تحفۃ الاحوذی ۵۵۹/۸

يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا} [الإسراء: 79] قَالَ سُفْيَانُ: لَيْسَ عَنْ أَنَسٍ، إِلَّا هَذِهِ الْكَلِمَةُ. فَآخُذُ بِحَلْقَةِ بَابِ الْجَنَّةِ فَأُقَعْقِعُهَا(۱)۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا، میں ان (انعامات) پر کوئی فخر نہیں کرتا، اور اس دن کوئی نبی نہیں ہوگا خواہ وہ حضرت آدم ہوں یا ان کے علاوہ اور کوئی مگر یہ کہ وہ تمام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کے لئے (بعثت کے وقت) سب سے پہلے زمین پھٹے گی، اور میں ان (انعامات) پر کوئی فخر نہیں کرتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ تین مرتبہ سخت گھبراہٹ میں مبتلی ہوں گے، چنانچہ وہ آدم کے پاس آئیں گے، اور عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، لہذا آپ ہی اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے، وہ کہیں گے: میں نے ایک گناہ کیا تھا، جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکال کر زمین پر اتار دیا گیا، (اس لئے میں سفارش نہیں کر سکتا) اور تم نوح کے پاس جاؤ پھر وہ نوح کے پاس آئیں گے، (اور یہی ان سے بھی گذارش کریں گے) تو حضرت نوح جواب میں فرمائیں گے: میں نے اہل زمین کے لئے ایک بددعا کی تھی، جس کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے، تم لوگ ابراہیم کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں گے، تو وہ ان سے جواب میں کہیں گے: میں نے تین جھوٹ بولے تھے (اس لئے میں بھی سفارش نہیں کر سکتا)۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا مگر اس کے ذریعہ وہ اللہ کے دین کی تائید اور دفاع کر رہے تھے، تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت موسیٰ کے پاس آئیں گے، تو وہ ان سے جواب میں فرمائیں گے: میں نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا، (اس لئے میں سفارش نہیں کر سکتا) تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، تو وہ فرمائیں گے: اللہ کے سوا میری عبادت کی گئی، لہذا تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ سب میرے پاس آئیں گے، تو میں ان کے ساتھ (دربار الٰہی میں) جاؤں گا،

ابن جدعان کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا: گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑوں گا اور پھر اسے کھٹکھٹاؤں گا، پوچھا جائے گا: کون ہے؟ بتایا جائے گا کہ محمد ﷺ ہیں، پھر وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے، وہ کہیں گے: مرحبا (خوش آمدید) پھر میں سجدے میں گر پڑوں گا، اور اللہ تعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد وثناء کے کلمات ڈالیں گے، پھر مجھے کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ، مانگو، تمہیں دیا جائے گا، سفارش کرو گے تو قبول کی جائے گی، اور کچھ کہو گے تو تمہاری بات کو سنا جائے گا، اور یہی مقام محمود ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عسی ان یبعثک (عنقریب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الزهد باب ذكر الشفاعة

مقام محمود عطا فرما دیں گے)

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ میں جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑوں گا اور پھر اسے کھٹکھٹاؤں گا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ تنشق: زمین پھٹے گی۔ فزعات: فزعة کی جمع ہے۔ گھبراہٹ۔ أهبطت منه: (صیغہ مجہول) مجھے اس گناہ کی وجہ سے جنت سے اتارا گیا۔ ماحل: دفاع کیا، تائید کی۔ انطلق معهم: میں ان کے ساتھ (دربارالٰہی میں) جاؤں گا۔ حلقة الباب: دروازہ کھٹکھٹانے کی زنجیر یا کڑا۔ اقعقعها: میں اسے کھٹکھٹاؤں گا، یو حبون: وہ مجھے خوش آمدید کہیں گے۔ أخر: میں گر پڑوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومناقب

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فضائل اور مناقب کا ذکر ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، یہ سب اللہ جل شانہ کی طرف سے مجھ پر انعامات ہیں، میں ان پر کوئی فخر نہیں کرتا،

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وجہ سے ارشاد فرمائی ہے:

❁ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ: واما بنعمة ربک فحدث، اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیا کرو، اس امر کی اطاعت کی وجہ سے یہ بات آپ نے ارشاد فرمائی۔

❁ یا اس وجہ سے تاکہ امت کے افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور آپ کے عالی مقام کو پہچان لیں، اور اسی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام کریں۔

۲۔ آپ کے پاس لواء الحمد یعنی اللہ کی حمد و ثناء کا جھنڈا ہوگا، اس ''لواء الحمد'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

❁ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن چونکہ تمام مخلوق کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخصوص کلمات سے حمد و ثناء کریں گے، آپ کے علاوہ کسی اور نبی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوگا، اس چیز کو ''لواء الحمد'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

❁ یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لواء الحمد ہو، جو آپ کو اللہ کی حمد و ثناء کی کثرت کی وجہ سے دیا جائے گا۔

۳۔ حضرت آدم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے۔

۴ بعثت کے وقت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین پھٹے گی۔

۵۔ جب انسان جہنم کو دھکتا ہوا دیکھیں گے تو تین مرتبہ سخت گھبراہٹ میں مبتلی ہو جائیں گے، پہلی دفعہ گھبرائیں گے پھر

خاموش ہو جائیں گے پھر دوسری بار سخت پریشانی میں مبتلی ہوں گے لیکن کسی نبی کی طرف نہیں جائیں گے، پھر تیسری بار گھبراہٹ ہوگی تو اس وقت انبیاء علیہم السلام کا رخ کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کریں کہ حساب و کتاب کا عمل شروع ہو جائے۔ ہر نبی اس کام سے کسی نہ کسی وجہ سے معذرت کر دے گا، آخر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں گے، آپ ﷺ ان کی سفارش فرمائیں گے، اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے مخصوص کلمات الہام کئے جائیں گے، ان سے آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے، اور پھر آپ سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش کو قبول فرمائیں گے، اسی کو مقام محمود کہا جاتا ہے، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

فیقول انی دعوت علی أهل الارض دعوة فأهلكوا

حضرت نوح علیہ السلام نے معذرت میں دو باتیں ذکر فرمائی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں، شاید شفاعت بھی اس ممانعت میں داخل ہو۔

۲۔ میری ایک دعا کا قبول ہونا یقینی تھا، اسے میں نے قوم کی ہلاکت کے لئے استعمال کر لیا، جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر میری قوم کو تباہ و برباد کر دیا، اس بددعا کا ذکر سورہ نوح میں ہے: رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا۔

ما منها کذبة الا ما حل بها عن دین الله، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جھوٹ نہیں بولا بلکہ توریہ کے طور پر کلام کر کے دین کا دفاع اور اس کی تائید کی، تواضع کے طور پر انہوں نے اس کو جھوٹ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْكَهْفِ

یہ باب سورہ کہف کے بارے میں ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى صَاحِبَ بني إسرائيل لَيْسَ بِمُوسَى صَاحِبِ الْخَضِرِ، قَالَ: كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، سَمِعْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَامَ مُوسَى خَطِيبًا فِي بني إسرائيل، فَسُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا أَعْلَمُ، فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ: أَيْ رَبِّ، فَكَيْفَ لِي بِهِ؟ فَقَالَ لَهُ: احْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَحَيْثُ تَفْقِدُ الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ فَتَاهُ وَهُوَ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ فَجَعَلَ مُوسَى حُوتًا فِي مِكْتَلٍ، فَانْطَلَقَ هُوَ وَفَتَاهُ يَمْشِيَانِ حَتَّى إِذَا أَتَيَا الصَّخْرَةَ، فَرَقَدَ مُوسَى وَفَتَاهُ فَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِكْتَلِ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الْمِكْتَلِ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ، قَالَ: وَأَمْسَكَ اللهُ عَنْهُ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۶۱/۸، الکوکب الدری ۱۹۰/۴۔

جِرْيَةَ الْمَاءِ، حَتَّى كَانَ مِثْلَ الطَّاقِ وَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا. وَكَانَ لِمُوسَى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتِهِمَا وَنَسِيَ صَاحِبُ مُوسَى أَنْ يُخْبِرَهُ،

فَلَمَّا أَصْبَحَ مُوسَى {قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا} [الكهف: 62] قَالَ: وَلَمْ يَنْصَبْ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ {قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا} قَالَ مُوسَى {ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا} [الكهف: 64] قَالَ: فَكَانَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا - قَالَ سُفْيَانُ: يَزْعُمُ نَاسٌ أَنَّ تِلْكَ الصَّخْرَةَ عِنْدَهَا عَيْنُ الْحَيَاةِ وَلَا يُصِيبُ مَاؤُهَا مَيِّتًا إِلَّا عَاشَ - قَالَ: وَكَانَ الْحُوتُ قَدْ أُكِلَ مِنْهُ، فَلَمَّا قُطِرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ عَاشَ، قَالَ: فَقَصَّا آثَارَهُمَا حَتَّى أَتَيَا الصَّخْرَةَ، فَرَأَى رَجُلًا مُسَجًّى عَلَيْهِ بِثَوْبٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى، فَقَالَ: أَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ؟ قَالَ: أَنَا مُوسَى، قَالَ: مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: يَا مُوسَى إِنَّكَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَكَهُ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ، وَأَنَا عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ، فَقَالَ مُوسَى: {هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا} [الكهف: 66] قَالَ لَهُ الْخَضِرُ: {فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا} [الكهف: 70] قَالَ: نَعَمْ، فَانْطَلَقَ الْخَضِرُ وَمُوسَى يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمَاهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسَى: قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَعَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا {لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا} [الكهف: 71] ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِينَةِ فَبَيْنَمَا هُمَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ وَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِيَدِهِ، فَقَتَلَهُ،

قَالَ لَهُ مُوسَى: {أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا} [الكهف: 74] قَالَ: وَهَذِهِ أَشَدُّ مِنَ الْأُولَى {قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ} [الكهف: 76] يَقُولُ: مَائِلٌ، فَقَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ هَكَذَا {فَأَقَامَهُ} [الكهف: 77] فَقَالَ لَهُ مُوسَى: قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُضَيِّفُونَا وَلَمْ يُطْعِمُونَا {لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا} [الكهف: 77] قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا أَنَّهُ كَانَ صَبَرَ حَتَّى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَخْبَارِهِمَا. قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

الْأُولَى كَانَتْ مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا. وَقَالَ: وَجَاءَ عُصْفُورٌ حَتَّى وَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ ثُمَّ نَقَرَ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا مِثْلَ مَا نَقَصَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنَ الْبَحْرِ. قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: وَكَانَ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقْرَأُ: وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا وَكَانَ يَقْرَأُ: وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا(۱)۔

حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ نوف بکالی کا زعم یہ ہے کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ وہ نہیں جن کا حضرت خضر کے ساتھ ایک قصہ ہے، انہوں نے فرمایا: اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے میں نے ابی بن کعب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا: لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ نے فرمایا: میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں، اس بات پر اللہ تعالیٰ نے ان سے ناراضگی کا اظہار فرمایا، کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ: دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر میرے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا ہے جس کے پاس آپ سے زیادہ علم ہے، موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار: اس بندے سے میری ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ کر چل پڑو، (راستے میں) جس جگہ پر تم اس مچھلی کو گم پاؤ گے تو اسی جگہ پر وہ شخص موجود ہوگا،

چنانچہ حضرت موسیٰ چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون بھی چل دیئے، اور موسیٰ نے ٹوکری میں مچھلی کو رکھا، وہ اور آپ کے خادم دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ وہ دونوں ایک چٹان کے پاس پہنچے تو موسیٰ اور آپ کے خادم دونوں ہی سو گئے، اس دوران وہ مچھلی ٹوکری میں کودنے لگی یہاں تک کہ وہ اس سے نکل گئی اور سمندر میں گر گئی، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے بہاؤ کو مچھلی کی چلنے کی جگہ پر ہی روک دیا، یہاں تک کہ اس جگہ کمان سا بن گیا، اور پانی کے اندر اس مچھلی کا راستہ بنا رہا، اور یہ چیز موسیٰ اور ان کے ساتھی کے لئے باعث تعجب تھی۔

پھر وہ دونوں اٹھ کر باقی دن اور رات چلتے رہے اور ان کے ساتھی بھول گئے کہ وہ حضرت موسیٰ کو مچھلی کے متعلق باخبر کریں، پھر جب حضرت موسیٰ نے صبح کی تو اپنے ساتھی سے فرمایا: دوپہر کا کھانا لائیے، ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ ہوگئی ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اس وقت تھکاوٹ ہوگئی ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اس وقت تھکاوٹ ہوئی جب وہ اس جگہ سے گذر گئے جس جگہ کا انہیں حکم دیا گیا تھا، ان کے ساتھی نے کہا: دیکھئے جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی بھول گیا تھا، اور یقیناً شیطان ہی نے مجھے یہ بات بھلا دی کہ میں اس کا تذکرہ آپ سے کروں، اور اس مچھلی نے عجیب طریقے سے سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا، حضرت موسیٰ نے فرمایا: وہی جگہ ہی تو ہم

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ما ذکر من ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر

تلاش کررہے تھے، چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پرواپس لوٹے، راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان تلاش کررہے تھے۔

سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اسی چٹان کے پاس آب حیات کا چشمہ ہے، جس مردے کو اس کا پانی پہنچ تو وہ زندہ ہوجائے، کہتے ہیں کہ اس مچھلی کا کچھ حصہ کھایا جاچکا تھا، جب اس پر اس پانی کے قطرے ڈالے گئے تو وہ زندہ ہو گئی، کہتے ہیں کہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اس چٹان کے پاس پہنچ گئے، وہاں پر حضرت موسیٰ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے آپ کو ایک کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا (اور لیٹا ہوا تھا) اسی حالت میں حضرت موسیٰ نے انہیں سلام کیا تو حضرت خضر نے کہا: تمہاری اس زمین پر سلام کہاں سے آگیا؟ انہوں نے فرمایا: میں موسیٰ ہوں، کہنے لگے: موسیٰ بنی اسرائیل؟ فرمایا: جی ہاں، پھر فرمایا: اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے کچھ علم آپ کو سکھایا ہے جسے میں نہیں جانتا اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے کچھ علم سکھایا ہے جسے آپ نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ نے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں تا کہ مجھے بھی آپ اپنے علم میں سے کچھ سکھائیں، انہوں نے فرمایا: آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے، اور آپ ایسی چیز پر کیسے صبر کرسکتے ہیں جو آپ کی واقفیت کے احاطہ سے باہر ہے، حضرت موسیٰ کہنے لگے کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، اور میں کسی بات میں آپ کے علم کے خلاف نہیں کروں گا، حضرت خضر نے ان سے فرمایا کہ آپ اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے اس وقت تک کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کیجئے گا جب تک کہ میں خود آپ کو نہ بتادوں، حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں ٹھیک ہے۔

چنانچہ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ دونوں ساحل سمندر پر چلنے لگے، اتنے میں ان کے پاس سے ایک کشتی گذری، انہوں نے اس کشتی والے سے بات کی کہ ہمیں بھی سوار کرلو، انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا، اس لئے ان دونوں کو انہوں نے کرائے کے بغیر سوار کرلیا، (سوار ہونے کے بعد) حضرت خضر نے اس کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ اکھیڑ دیا اس پر حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کرلیا آپ نے ان کی کشتی کا قصد کیا اور اسے پھاڑ کر اس میں سوراخ کردیا، تا کہ آپ تمام کشتی کے سوار لوگوں کو ڈبودیں، آپ نے بڑی بھاری بات کی، وہ کہنے لگے کہ میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ: آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے، اور میرے اس معاملے میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے۔

پھر دونوں کشتی سے اترے، ابھی وہ ساحل سمندر پر چل ہی رہے تھے کہ ایک بچہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، خضر نے اس کا سر پکڑا، اور اپنے ہاتھ سے اسے اکھیڑ دیا، اور اس کو قتل کردیا، حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا: آپ نے ایک بے

گناہ جان کو قتل کرڈالا، آپ نے بڑی بے جا حرکت کی، حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا، راوی کہتے ہیں کہ یہ بات پہلے سے زیادہ تعجب خیز تھی، حضرت موسیٰ نے فرمایا: اگر اس مرتبہ کے بعد میں آپ سے کسی امر کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے گا، آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں، پھر وہ دونوں آگے چل پڑے یہاں تک کہ جب ایک بستی کے پاس سے گذرے اور ان سے کھانے کے لئے کچھ مانگا تو انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا، اتنے میں ان کو وہاں ایک دیوار مل گئی جو گرنے ہی والی تھی، (بعض راویوں نے یرید ان ینقض کی تفسیر: مائل سے کی کہ وہ دیوار جھکی ہوئی تھی بالکل گرنے کے قریب پہنچ چکی تھی) خضر نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور (خرق عادت کے طور پر) اسے سیدھا کر دیا،

اس پر حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا: یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس ہم آئے لیکن انہوں نے نہ تو ہماری ضیافت کی اور نہ ہمیں کھانا کھلایا، اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت ہی لے لیتے، حضرت خضر نے کہا: یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے، اب میں ان چیزوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے، ہماری تو یہ چاہت ہے کہ موسیٰ کچھ دیر اور صبر کرتے تا کہ ہمارے لئے اپنی عجیب وغریب خبریں بیان کرتے،

راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ نے پہلا سوال تو بھول کر کیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ایک چڑیا آئی یہاں تک کہ وہ کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر اس نے سمندر میں چونچ سے پانی لیا اسے دیکھ کر حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم میں سے صرف اسی قدر کم کیا جتنا کہ اس چڑیا نے اس سمندر سے کم کیا ہے،

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس یہ آیت اس قراءت میں پڑھتے تھے: و کان أمامهم ملک یأخذ کل سفینة صالحة غصبا، اور یہ آیت اس طرح پڑھتے: "واما الغلام فكان كافراً"۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْغُلَامُ الَّذِي قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ يَوْمَ طُبِعَ كَافِرًا(۱)۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا وہ کافر پیدا ہوا تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرَ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَاهْتَزَّتْ تَحْتَهُ خَضْرَاءَ(۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا نام خضر اس لئے رکھا گیا کہ وہ ایک ایسی خشک زمین

(۱) صحیح مسلم، کتاب القدر، باب: معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ

پر بیٹھے جس پر کوئی گھاس نہیں تھی، پھر وہ ان کے نیچے سے سرسبز و شاداب ہوگئی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ عتب اللہ علیہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حوت: مچھلی۔ مکتل: (میم کے نیچے زیر) کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ٹوکری، ٹوکرا۔ فتاہ: حضرت موسیٰ کے نوجوان اور خادم یعنی یوشع بن نون جو بعد میں نبی بن گئے تھے۔ اضطوب الحوت: مچھلی بے چین ہوئی، کود پڑی، اچھلنے لگی۔ جریۃ الماء: (جیم کے نیچے زیر) پانی کا بہاؤ۔ مثل الطاق: طاق کی طرح یعنی کمان سا بن گیا۔ سربا: راستہ، سرنگ۔ لم ینصب: نہیں تھکے۔ عین الحیاۃ: آب حیات کا چشمہ۔ قصا اٰثارھما: وہ دونوں حضرات اپنے نشانات قدم تلاش کرنے لگے۔ رجلا مسجی علیہ بثوب: اس شخص نے اپنے آپ کو چادر سے لپیٹا ہوا تھا۔ نول: (نون پر زبر) کرایہ، اجرت۔ نزعہ: اس تختہ کو کھینچ کر نکالدیا۔ خرقتھا: تو نے اس کشتی کو توڑ دیا، پھاڑ دیا اور اس میں سوراخ کر دیا۔ اقتلعہ بیدہ: اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو اکھیڑ دیا۔ ان ینقض: وہ دیوار ٹوٹنے اور گرنے کے قریب تھی، بعض راویوں نے اس کے معنی یہ بیان کئے: مائل: یعنی وہ دیوار جھکی ہوئی تھی، بس گرنے کو تھی۔ ثم نقر فی البحر: پھر اس چڑیا نے اپنی چونچ سے سمندر سے پانی لیا۔ فروۃ: وہ خشک اور سفید زمین جس پر کوئی گھاس نہ ہو۔ اھتزت: وہ زمین سرسبز و شاداب ہوگئی۔ خضراء: سرسبز۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفرِ علم

مذکورہ آیات اور حدیث میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیان کے موقع پر ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں، یہ جواب اللہ جل جلالہ کو پسند نہیں آیا، اگرچہ یہ جواب اس لحاظ سے غلط بھی نہیں تھا کہ اس وقت روئے زمین پر حضرت موسیٰ ہی جلیل القدر پیغمبر تھے، اور پیغمبر کے پاس جتنا علم ہوتا ہے اتنا علم دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر ان سے ناراضگی کا اظہار فرمایا، یہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" والی بات ہے، حضرت موسیٰ کے شایان شان یہ بات تھی کہ وہ یوں کہتے کہ اللہ جل جلالہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ مجمع البحرین کے مقام پر ہمارا ایک بندہ ہے جسے خضر کہا جاتا ہے، آپ اس کے پاس جائیں وہ آپ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، چنانچہ اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی حضرت یوشع بن نون کے ساتھ وہاں کا سفر کیا، حضرت خضر سے ملاقات ہوئی، ان سے استفادہ کیا اور پھر واپس تشریف لے آئے، اس سفر کی مزید روداد کو مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت خضر کے ساتھ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ سے وہی مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد ہیں، نوف

بکالی کا کہنا یہ ہے کہ یہ وہ مشہور موسیٰ نہیں جن کا فرعون سے مقابلہ ہوا تھا بلکہ یہ کوئی دوسرے موسیٰ ہیں، بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے موسیٰ بن میشا کو اس کا مصداق قرار دیتے تھے،

نوف بکالی تابعی ہیں، شام کے باشندے تھے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ حضرت کعب احبار کے ربیب یعنی پروردہ تھے، ان کے پاس کچھ اسرائیلی روایات تھیں، جن کی وجہ سے وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس موسیٰ کا ذکر قرآن میں حضرت خضر کے ساتھ ہے، وہ معروف موسیٰ نہیں ہیں بلکہ یہ کوئی اور موسیٰ ہیں،

لیکن چونکہ ان کی یہ بات قرآن وسنت کے خلاف اور بغیر کسی دلیل کے تھی اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس نے بڑی سختی سے ان کی تردید فرمائی اور بڑے سخت الفاظ استعمال فرمائے کہ: کذب عدو اللہ کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔

اس لفظ "عدو اللہ" سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ نوف بکالی مسلمان نہیں تھے، یہ بات درست نہیں کیونکہ ان کا مسلمان ہونا سب کے نزدیک مسلّم امر ہے، لہذا یہاں جو ابن عباس نے عدو اللہ کے لفظ استعمال فرمائے ہیں یہ اس وجہ سے نہیں فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ ایک غلط بات سن کر غصہ کی وجہ سے ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے ہیں جیسا کہ اس طرح کے موقع پر عموماً ایک انسان کی زبان سے اس قسم کے سخت کلمات نکل جاتے ہیں۔

سفر میں جانے سے پہلے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اس بندے کا پورا پتہ اور نشان بتایا جائے تا کہ میں آسانی سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کر سکوں، اللہ نے فرمایا کہ ایک مچھلی فرائی کر کے اپنے ساتھ ٹوکرے میں رکھ لو، راستے میں اس میں سے کھاتے بھی رہو، جس جگہ پہونچ کر یہ مردہ مچھلی زندہ ہو کر گم ہو جائے، اسی جگہ وہ ہمارا بندہ موجود ملے گا۔

چنانچہ دونوں حضرات نے سفر شروع کر دیا، دوران سفر یہ حضرات اس مچھلی میں سے کھاتے رہے، اس کا نصف حصہ کھایا جا چکا تھا، جب یہ حضرات مجمع البحرین میں اس چٹان کے پاس پہونچے جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا، تو سو گئے، اس دوران بطور معجزہ یہ بھونی ہوئی اور آدھی کھائی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر عجیب طریقے سے سمندر میں چلی گئی۔

ابن عطیہ اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ مچھلی بعد میں کافی عرصہ زندہ رہی اور کئی لوگوں نے اسے دیکھا بھی ہے کہ اس کی صرف ایک کروٹ ہے اور دوسری کھائی ہوئی ہے، ابن عطیہ نے خود بھی اپنا دیکھنا بیان کیا ہے۔

اس مچھلی نے سمندر میں اپنا سرنگ نما ایک راستہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے اس راستے کو برقرار رکھا، اس جگہ پر پانی کا بہاؤ روک دیا، وہ جگہ ایک طاقچہ اور کمان کی طرح ہو گئی تھی۔

اس مچھلی کا اس انداز سے چلے جانا حضرت یوشع کو معلوم تھا انہوں نے سوچا کہ جب حضرت موسیٰ بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا لیکن وہ بتانا بھول گئے۔ مزید سفر شروع کر دیا ایک دن اور ایک رات کا سفر طے کرنے کے بعد جب بھوک اور تھکاوٹ کا احساس ہوا تو اس وقت حضرت یوشع کو یاد آیا کہ وہ مچھلی تو فلاں مقام پر زندہ ہو کر چلی گئی تھی، پھر وہ انہی قدموں پر لوٹے اور اس مقام پر

آئے جہاں انہیں جانا تھا، حضرت یوشع حضرت موسیٰ کو بیدار ہونے کے بعد بتانا بھول گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تکوینی طور پر یہی منظور تھا کہ اس طرح تھوڑی سی مشقت میں مبتلا کیا جائے مشقت کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے، اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ بھول گئے۔

موسیٰ وخضر کے درمیان تین موقعوں پر نوک جھوک

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تو اپنا آنے کا مقصد انہیں بتایا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تکوینی علم عطا فرمایا ہے جسے آپ زیادہ نہیں جانتے اور آپ کو علم شریعت سکھایا ہے جسے میں زیادہ نہیں جانتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں آپ سے یہ علم حاصل کر سکتا ہوں، حضرت خضر نے فرمایا کہ میرے ساتھ آپ چلیں جو کچھ بھی میں کروں آپ اس پر کوئی اعتراض اور کلام نہیں کر سکتے، جب تک کہ اس کی وجہ اور حکمت میں خود آپ کو نہ بتادوں، اس معاہدے کے ساتھ یہ حضرات چل پڑے، پھر تین امور پیش آئے:

۱۔ کشتی پر سفر شروع کر دیا، کشتی والوں نے ان سے کوئی کرایہ نہیں لیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت خضر نے کلہاڑی سے اس کشتی کا ایک تختہ توڑ کر نکال دیا،

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ یہ احسان کیا کہ بغیر کرائے کے ہمیں بٹھالیا، اور آپ ہیں کہ ان کی کشتی خراب کر دی تا کہ سب سوار پانی میں غرق ہو جائیں۔

حضرت خضر نے فرمایا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے بھول چوک ہو گئی ہے، لہٰذا آپ میری اس پر گرفت نہ کریں۔

۲۔ پھر وہ دونوں آگے چلے تو کچھ لڑکے کھیل رہے تھے تو ان میں ایک خوبصورت اور سمجھدار نابالغ لڑکا تھا اسے حضرت خضر نے سر سے پکڑا اور اسے قتل کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں بھی اعتراض کیا کہ آپ نے بے جا حرکت کی ہے کہ ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا ہے،

یہاں بھی حضرت خضر نے ان سے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب یہ شرط لگادی اگر میں نے اب آپ سے پوچھا تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، جدا کر دینا، آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں۔

۳۔ پھر وہ دونوں ایک ایسی بستی میں آئے جہاں ان لوگوں نے ان کی کوئی ضیافت نہیں کی بلکہ صاف انکار کر دیا، اس بستی میں ایک دیوار گرنے ہی لگی تھی کہ حضرت خضر نے اسے سیدھا کر دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بستی والوں نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کر دیا لہٰذا آپ ان سے دیوار ٹھیک کرنے پر کوئی اجرت لے لیتے،

اس بستی سے کون سی جگہ مراد ہے اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں: ایلہ، انطاکیہ، آذربیجان، برقہ، ناصرہ، اندلس کا کوئی جزیرہ وغیرہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کو مبہم رکھا ہے تو پھر اس میں تفصیل میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے،
حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے اور آپ کے درمیان اب جدائی کا وقت آ گیا ہے،

اور لیجئے اب میں آپ کو ان تین کاموں کی حکمت بتاتا ہوں جس کی وجہ سے میں نے یہ کام کئے ہیں:

۱۔ وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی، ان کے متعلق کعب احبار سے منقول ہے کہ وہ دس بھائی تھے جن میں پانچ اپاہج معذور تھے، اور پانچ محنت مزدوری کر کے سب کے لئے معاش کا انتظام کرتے تھے، اسی کشتی کے کرائے سے ان کا ذریعہ معاش وابستہ تھا، یہ کشتی جس طرف جارہی تھی وہاں ایک ظالم بادشاہ تھا جو ادھر سے گذرنے والوں کی کشتیاں زبردستی چھین لیتا تھا، میں نے اس کا تختہ اس لئے توڑا تاکہ وہ کشتی عیب دار ہو جائے اور وہ بادشاہ اس کشتی کو نہ لے تاکہ ان مساکین کا نقصان نہ ہو۔

۲۔ اس لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ اس کی طبیعت میں کفر اور والدین کے خلاف سرکشی تھی، والدین اس کے نیک اور صالح تھے، تو ہمیں خطرہ تھا کہ یہ لڑکا ماں باپ کو ستائے گا اور تکلیف پہونچائے گا، اور کفر میں مبتلی ہو کر ماں باپ کے لئے بھی ایک فتنہ کا باعث بنے گا، اس کی محبت کی وجہ سے ماں باپ کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا، تو ہم نے یہ چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان صالح ماں باپ کو اس لڑکے کے بدلے میں اس سے بہتر اولاد دے دے جو اعمال و اخلاق میں پاکیزہ بھی ہو اور والدین کے حقوق بھی ادا کرے۔

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے عطیہ سے روایت کیا ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا۔ سدی نے ذکر کیا ہے کہ اس نبی کا نام شمعون اور ان کی ماں کا نام حنہ تھا۔(۱)

اور ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت عطا فرمائی۔

۳۔ وہ دیوار اس لئے سیدھی کی کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا ایک خزانہ دفن تھا، اور ان کا باپ نیک تھا، جو مر چکا تھا، ان کے نیک ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کے مال کو محفوظ کرنا چاہا اگر دیوار ابھی گر جاتی تو لوگ یہ مال لوٹ کرلے جاتے، اور غالباً جو شخص ان یتیم لڑکوں کا سرپرست تھا اس کو تو اس خزانے کا علم ہوگا، لیکن اس وقت وہ یہاں موجود نہ ہوگا جو اس کا معقول انتظام کر لیتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ بچے بالغ ہو جائیں اور اپنا دفینہ نکال لیں،

حضرت خضر فرماتے ہیں کہ یہ سارے کام میں نے اللہ کے حکم سے کئے ہیں، ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ ہے حقیقت ان تمام باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

(۱) فتح الباری ۵۳۸/۸، کتاب التفسیر، باب فلما بلغا مجمع بینھما

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے رخصت ہو گئے۔

و کان تحته کنز لهما۔ یہ خزانہ جو یتیم بچوں کے لئے زیر دیوار دفن تھا، اس میں دو قول ہیں:

۱۔ امام ترمذی نے ایک حدیث کے بعد حضرت ابوالدرداء کی روایت ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ تھا۔

۲۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سونے کی ایک تختی تھی، جس پر نصیحت کے مندرجہ ذیل کلمات لکھے ہوئے تھے:

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

۲۔ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ غمگین کیونکر ہوتا ہے۔

۳۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے پھر ضرورت سے زیادہ مشقت اور فضول قسم کی کوشش میں کیوں لگتا ہے۔

۴۔ تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش و خرم کیسے رہتا ہے۔

۵۔ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب آخرت پر ایمان رکھتا ہے پھر غفلت کیسے برتتا ہے۔

۶۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اس کے انقلابات کو جانتا ہے، پھر کیسے اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے۔

۷۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (۱)۔

مجمع البحرین سے کیا مراد ہے

''مجمع البحرین'' سے جغرافیائی اعتبار سے کونسی جگہ مراد ہے، اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے بعض اقوال جغرافیائی حالات پر منطبق نہیں ہوتے مثلاً بعض نے کہا کہ اس سے بحر فارس اور بحر روم مراد ہیں، لیکن یہ کہیں جا کر ملتے ہی نہیں، لہٰذا وہاں مجمع البحرین کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔

لہٰذا اس میں صحیح قول اور تحقیقی بات یہ ہے کہ مجمع البحرین سے مراد ''خلیج عقبہ'' ہے، جو مصر اور اردن کے درمیان ہے، بحر قلزم یعنی بحر احمر آگے جا کر بحر اردن میں گر رہا ہے، اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے، تو خلیج عقبہ کا جو حصہ آگے جا کر بحر احمر کے ساتھ مل رہا ہے، اسے مجمع البحرین سے تعبیر کیا گیا ہے (۲)۔

---

(۱) تفسیر قرطبی ۱۱/۳۷، دار الکتاب العربی بیروت لبنان

(۲) اطلس القرآن (ص: ۸۳، ۸۲) دکتور شوقی ابو خلیل، ط: بیروت، دعوة الرسل علیہم السلام، (ص: ۳۴۴) مؤلف امجد احمد، بیروت، انعام الباری ۲/۲۰۲، کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا مسئلہ

حضرت خضر علیہ السلام کا نام کیا ہے؟ اس بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، البتہ "خضر" ان کا لقب تھا، اور اس کی وجہ امام ترمذی کی مذکورہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ کسی خشک زمین پر بیٹھ جاتے کہ جس پر کوئی گھاس نہ ہوتا، تو ان کی برکت سے وہ زمین سرسبز و شاداب اور زرخیز ہو جاتی، اس بناء پر انہیں خضر کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اگرچہ اس کی کہیں تصریح نہیں کہ خضر علیہ السلام پیغمبر تھے یا اولیاء اللہ میں سے کوئی فرد تھے؟ لیکن جمہور امت کے نزدیک ان کا نبی ہونا قرآن کریم میں ذکر کردہ واقعات سے ثابت ہے، کیونکہ خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت ہیں ان میں سے بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں، اور شرعی حکم سے استثناء وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور وحی پیغمبر اور نبی کے ساتھ ہی خاص ہے، چنانچہ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے واضح الفاظ میں فرمایا: "وما فعلته من أمري" کہ سارا کچھ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت سے کیا ہے۔

انہیں اللہ تعالیٰ نے علم تکوینی سے سرفراز فرمایا تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم شریعت عطا کیا گیا تھا(۱)۔

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟ اس بارے میں دونوں طرح کی روایات منقول ہیں، بعض روایات و آثار سے ان کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے جبکہ بعض سے اس کے برعکس حکم ثابت ہوتا ہے، اسی لئے اس معاملے میں ہمیشہ علماء کی آراء مختلف ہی رہی ہیں:

۱۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں، انہیں عمر طویل عطا کی گئی ہے، وہ اب بھی موجود ہیں گو کہ ہماری نظروں سے غائب ہیں، وہ خروج دجال تک زندہ رہیں گے، ان حضرات کا استدلال درج ذیل روایات و آثار سے ہے:

۱۔ مستدرک حاکم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ایک شخص سیاہ سفید داڑھی والے داخل ہوئے، اور لوگوں کے مجمع کو چیرتے ہوئے اندر پہنچے، اور رونے لگے، پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر کچھ کلمات کہے، جب یہ رخصت ہو گئے تو حضرت ابو بکر اور حضرت علی نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔

۲۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ دجال مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے ایک شخص اس کے مقابلے کے لئے نکلے گا، جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا، یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا، ابو اسحاق نے فرمایا کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ

(۱) تکملة فتح الملهم ۳۹/۵، ۴۰ کتاب الفضائل باب فضائل خضر علیه السلام، معارف القرآن ۶۱۱/۵

السلام ہوں گے۔

۳۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب الہواتف میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو خضر علیہ السلام نے ان کو ایک دعا بتلائی کہ جو اس کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرے، اس کے لئے بڑا ثواب اور مغفرت و رحمت ہے، وہ دعا یہ ہے:

"یَا مَنْ لَا یُشْغِلُهُ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ وَ یَا مَنْ لَا تُغْلِطُهُ الْمَسَائِلُ وَ یَا مَنْ لَا یَبْرَمُ مِنْ اِلْحَاحِ الْمُلِحِّیْنَ اَذِقْنِیْ بَرْدَ عَفْوِکَ وَ حَلَاوَۃَ مَغْفِرَتِکَ"

"اے وہ ذات جس کو ایک کلام کا سننا دوسرے کلام کے سننے سے مانع نہیں ہوتا، اور اے وہ ذات جس کو بیک وقت ہونے والے (لاکھوں کروڑوں) سوالات میں کوئی مغالطہ نہیں لگتا، اور اے وہ ذات جو دعاء میں الحاح واصرار کرنے اور بار بار کہنے سے ملول نہیں ہوتا، مجھے اپنے عفو و کرم کا ذائقہ چکھا دیجئے، اور اپنی مغفرت کی حلاوت نصیب فرمایئے"

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے حالات میں ایسی روایات ذکر کی ہیں جو ان کی حیات پر دلالت کرتی ہیں، اگرچہ ان روایات پر تھوڑا بہت کلام ہوا ہے۔

اولیاء امت میں سے بہت سے حضرات کی ملاقات کے واقعات حضرت خضر علیہ السلام سے منقول ہیں مثلاً ریاح بن عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ چل رہا تھا، جب وہ چلے گئے تو میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ یہ صاحب کون تھے؟ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: واقعی آپ نے دیکھا ہے پھر تو آپ ایک نیک آدمی ہیں، وہ میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام تھے، مجھے کچھ بشارت دینے آئے تھے۔

۲۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں، وہ زندہ نہیں، ان کا استدلال درج ذیل امور سے ہے:

ا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخر میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی اور پھر یہ فرمایا: "کیا تم اپنی آج کی رات کو دیکھ رہے ہو اس رات سے سو سال گذرنے پر ان میں سے کوئی شخص زندہ نہ رہے گا جو آج زمین کے اوپر ہے"

جمہور اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کا فناء ہونا مراد ہے جو زمین پر موجود ہوں اور عام لوگ ان کا مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہوں، اور حضرت خضر علیہ السلام چونکہ ان میں سے نہیں ہیں اور وہ اس وقت زمین پر تھے بھی نہیں، بلکہ سمندر کے اوپر تھے، اس لئے وہ اس حدیث کے حکم میں شامل نہیں۔

۲۔ یہ حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "لو کان موسی حیا لما وسعه الا اتباعی" اگر موسیٰ آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا (کیونکہ میرے آنے سے حضرت موسیٰ کا دین منسوخ ہو

چکا ہے) لہذا اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو وہ ضرور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی اتباع کرتے، حالانکہ اس طرح کا کوئی ثبوت نہیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ نہیں۔

جمہور علماء اس بات کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کسی روایت میں حضرت خضر کا حضور ﷺ کے پاس نہ آنا بھی ثابت نہیں، اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی آمد کے بعد وہ آپ ﷺ پر خدمت میں حاضری کے بغیر ہی ایمان لے آئے ہوں، اور حضور ﷺ کی نبوت کے بعد سے انہوں نے اپنا عمل شریعت محمدیہ کے مطابق شروع کر دیا ہو، اس لئے مذکورہ حدیث کی بنیاد پر حیاتِ خضر کی نفی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ قرآن کریم میں جو واقعہ حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام اس واقعہ کے بعد وفات پا گئے ہیں یا زندہ رہے (۱)۔

نیز حضرت خضر علیہ السلام کی موت وحیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں، اسی لئے قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت اور وضاحت نہیں کی گئی، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے میں توقف اور خاموشی اختیار کی جائے، اس میں بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے، مسئلہ کی وضاحت کے لئے مذکورہ تفصیل ذکر کر دی ہے (۲)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّدِّ قَالَ: يَحْفِرُونَهُ كُلَّ يَوْمٍ، حَتَّى إِذَا كَادُوا يَخْرِقُونَهُ قَالَ الَّذِي عَلَيْهِمْ: ارْجِعُوا فَسَتَخْرِقُونَهُ غَدًا، فَيُعِيدُهُ اللّٰهُ كَأَشَدِّ مَا كَانَ، حَتَّى إِذَا بَلَغَ مُدَّتَهُمْ وَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَهُمْ عَلَى النَّاسِ. قَالَ الَّذِي عَلَيْهِمْ: ارْجِعُوا فَسَتَخْرِقُونَهُ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاسْتَثْنَى، قَالَ: فَيَرْجِعُونَ فَيَجِدُونَهُ كَهَيْئَتِهِ حِينَ تَرَكُوهُ فَيَخْرِقُونَهُ، فَيَخْرُجُونَ عَلَى النَّاسِ، فَيَسْتَقُونَ الْمِيَاهَ، وَيَفِرُّ النَّاسُ مِنْهُمْ، فَيَرْمُونَ بِسِهَامِهِمْ فِي السَّمَاءِ فَتَرْجِعُ مُخَضَّبَةً بِالدِّمَاءِ، فَيَقُولُونَ: قَهَرْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ وَعَلَوْنَا مَنْ فِي السَّمَاءِ، قَسْوَةً وَعُلُوًّا، فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نَغَفًا فِي أَقْفَائِهِمْ فَيَهْلِكُونَ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ دَوَابَّ الْأَرْضِ تَسْمَنُ وَتَبْطَرُ وَتَشْكَرُ شَكَرًا مِنْ لُحُومِهِمْ (۳)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار (ذوالقرنین) کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں سوراخ کرنے کے قریب پہونچ جاتے ہیں، تو ان کا امیر ان سے

---

(۱) فتح الباری ۶/۵۳۵، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ، الاصابۃ ۲/۲۴۶، الخاء بعدھا الضاد
(۲) تکملۃ فتح الملہم ۵/۳۸، کتاب الفضائل باب من فضائل الخضر
(۳) سنن ابن ماجۃ، کتاب الفتن، باب: فتنۃ الدجال

کہتا ہے کہ ابھی واپس چلو، کل تم اس میں سوراخ کرلوگے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور درست کردیتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان کی مدت، پوری ہوجائے گی، اور اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ یاجوج ماجوج کو لوگوں پر بھیج دے (یعنی مسلط کردے) تو ان کا نگران ان سے کہے گا: ابھی واپس چلو، اگر اللہ نے چاہا تو تم کل اس میں سوراخ کرلوگے اور ساتھ ہی انشاء اللہ بھی کہے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ وہ دوسرے دن لوٹ کر آئیں گے تو اس دیوار کو اسی طرح پائیں گے جس طرح انہوں نے اسے چھوڑا ہوگا، پھر وہ اس میں سوراخ کرلیں گے (یہ ان شاء اللہ کہنے کی برکت ہوگی) اور لوگوں پر نکل آئیں گے، زمین کے تمام پانی پی کر ختم کردیں گے، اور لوگ ان سے بھاگیں گے، پھر وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے تو وہ خون سے لت پت ہوکر ان کے پاس لوٹیں گے، اس پر وہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں پر غالب آگئے اور آسمان والوں پر بھی چڑھائی کردی، وہ یہ بات دل کی سختی اور تکبر و غرور کی وجہ سے کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کردیں گے جس سے وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے: زمین کے جانور ان کا گوشت کھا کھا کر موٹے ہوجائیں گے، اتراتے اور مٹکتے پھریں گے، اور ان کا گوشت کھانے کی وجہ سے ان کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ سد: وہ دیوار جسے سکندر ذو القرنین نے یاجوج ماجوج کو روکنے کے لئے بنائی تھی۔ یخرقونہ: یاجوج ماجوج اس دیوار میں سوراخ کرلیں گے، اسے پھاڑ دیں گے۔ الذی علیھم: جو ان پر امیر اور نگران ہوگا۔ کامثل ما کان: پہلے سے زیادہ مضبوط۔ استثنی: وہ ان شاء اللہ کہے گا۔ یستقون المیاہ: زمین کے تمام پانی پی کر ختم کردیں گے۔ سھام: سھم کی جمع ہے: تیر۔ مخضبۃ بالدماء: خونوں سے لت پت ہوکر۔ قھرنا: ہم غالب آگئے، ہم نے دبالیا۔ علونا: ہم نے چڑھائی کردی۔ قسوۃ: دل کی سختی۔ علوا: تکبر و غرور۔ نغفا: (نو ر اور غین پر زبر) نغفۃ کی جمع ہے: بکریوں اور اونٹوں کے ناک کے کیڑے۔ أقفاء: قفا کی جمع ہے: گدی۔ تسمن: زمین کے جانور موٹے ہوجائیں گے۔ تبطر: اتراتے اور مٹکتے پھریں گے۔ تشکر: (یہ باب سمع سے ہے) مؤنث جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

قرب قیامت میں یاجوج ماجوج کا فتنہ رونما ہوگا، پھر اس کا اختتام یوں ہوگا کہ ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ ایک کیڑا پیدا کریں گے جس سے وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔

سد ذو القرنین کا محل وقوع کیا ہے؟ اس کی تفصیل اور یاجوج ماجوج سے متعلق مزید بحث کے لئے دیکھئے: معارف ترمذی

جلد دوم، ابواب الفتن، باب ماجاء فی خروج یاجوج وماج۔

عَنْ أَبِي سَعْدِ بْنِ أَبِي فَضَالَةَ الأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ مِنَ الصَّحَابَةِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ، نَادَى مُنَادٍ: مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ(۱)۔

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کریں گے، یہ وہ دن ہے جس کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں، تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا اپنے اس عمل میں جو اس نے اللہ کے لئے کیا تو اسے چاہیے کہ اس کا ثواب غیر اللہ سے ہی طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرکاء کے شرک سے بہت بے نیاز اور بے زار ہے۔

ریاکاری کی مذمت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث سورہ کہف کی آخری آیت: "فمن كان يرجو القاء ربه فليعمل عملاً صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا" (جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) کی تفسیر میں ذکر کی ہے۔

اس آیت کا شان نزول جو روایاتِ حدیث میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرک سے شرک خفی یعنی ریاکاری مراد ہے، شان نزول سے متعلق روایات:

۱۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کی یہ خواہش بھی ہوتی تھی کہ لوگوں میں اس کی بہادری اور مجاہدانہ عمل مشہور ہو جائے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں بعض اوقات کسی نیک کام کے لئے یا عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہوں، اور میرا مقصد اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر خاموشی اختیار فرمائی، یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جندب بن زہیر صحابی جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے، پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے ان کی تعریف کر رہے ہیں تو اس سے ان کو خوشی ہوتی اور اپنے اس عمل کو اور زیادہ کر دیتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة

ان روایات سے اور ایسے ہی امام ترمذی کی مذکورہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جس شرک سے منع کیا گیا ہے وہ شرک خفی یعنی ریاکاری ہے، اور یہ کہ عمل اگرچہ اللہ ہی کے لئے ہو مگر اس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض شہرت اور وجاہت کی بھی ہو تو یہ بھی ایک قسم کا شرک خفی ہے جو انسان کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس بعض دوسری صحیح احادیث سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، مثلاً:

۱۔　حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات اپنے گھر کے اندر اپنی جائے نماز پر (نماز میں مشغول) ہوتا ہوں، اچانک کوئی آدمی آ جائے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے مجھے اس حال میں دیکھا (تو کیا یہ ریاء ہوگی؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے، تمہیں اس وقت دو اجر ملتے ہیں: ایک خفیہ عمل کا جو پہلے سے کر رہے تھے۔ دوسرا اعلانیہ عمل کا جو اس آدمی کے آجانے کے بعد ہوگیا (اس لئے یہ ریا نہیں)

۲۔　حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں بیان فرمادیجئے کہ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، پھر وہ لوگوں کو سنے کہ وہ اس عمل کی تعریف اور مدح کر رہے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تلک عاجل بشری المؤمن'' یعنی یہ تو مومن کے لئے نقد بشارت ہے (کہ اس کا عمل اللہ کے نزدیک قبول ہوا، اس نے اپنے بندوں کی زبانوں سے اس کی تعریف کرادی)۔

ان دو روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل شرک خفی یعنی ریاکاری نہیں، بظاہر ان دو قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

تفسیر مظہری میں ان دو قسم کی روایتوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ وہ رروایات جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اس صورت میں ہیں جبکہ انسان اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ مخلوق کی رضا جوئی یا اپنی شہرت و وجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے، چنانچہ ایسا آدمی لوگوں کی تعریف کرنے پر اپنے اس عمل کو مزید بڑھا دیتا ہے، یہ بلاشبہ ریاء اور شرک خفی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوذر غفاری کی روایات اس صورت سے متعلق ہیں جبکہ اس نے وہ عمل خالص اللہ کے لئے کیا ہو، لوگوں میں اس کی شہرت یا ان کی مدح وثناء کی طرف کوئی التفات نہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مشہور کر دیں، اور لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف جاری فرما دیں تو اس کا ریا سے کوئی تعلق نہیں، یہ مومن کے لئے نقد بشارت اور خوشخبری ہے کہ اس کا عمل اللہ کے ہاں قبول ہوگیا ہے(۱)۔

حضرت ابوالدرداء نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں: "و کان تحته کنز لهما" (وہ دیوار جسے حضرت خضر نے صحیح کیا تھا، اس کے نیچے ان دو یتیموں کا خزانہ تھا) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ان خزانے سے سونا اور چاندی مراد ہے۔

اس حدیث کی تشریح اور اس کے متعلق تفصیلی بحث حضرت خضر علیہ السلام والی حدیث کے تحت گذر چکی ہے، اسے وہاں

(۱) تفسیر مظہری ۶/۱۷۷، معارف القرآن ۵/۶۶۱

دیکھ لیا جائے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ مَرْيَمَ

یہ باب سورۂ مریم کے بارے میں ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نَجْرَانَ، فَقَالُوا لِي: أَلَسْتُمْ تَقْرَءُونَ {يَا أُخْتَ هَارُونَ} [مريم:28] وَقَدْ كَانَ بَيْنَ عِيسَى وَمُوسَى مَا كَانَ، فَلَمْ أَدْرِ مَا أُجِيبُهُمْ. فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: أَلَا أَخْبَرْتَهُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَسَمُّونَ بِأَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِينَ قَبْلَهُمْ(۱)۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے نجران کے عیسائیوں کی طرف بھیجا، ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم لوگ یہ آیت: یا اخت ھارون (یعنی حضرت مریم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے ہارون کی بہن) اس طرح نہیں پڑھتے جبکہ موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے، (یہ ان لوگوں نے مجھ سے سوال پوچھا) لیکن میں ان کے سوال کا جواب نہیں جانتا تھا، پھر جب میں نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آیا تو میں نے آپ ﷺ کو یہ بات بتلائی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ان سے یہ نہیں کہا کہ وہ لوگ سابقہ انبیاء اور نیک لوگوں کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھا کرتے تھے۔

حضرت مریم کو "اخت ہارون" کس وجہ سے کہا گیا ہے؟

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے نجران کے نصاریٰ نے یہ سوال کیا کہ قرآن مجید میں تم پڑھتے ہو یا اخت ہارون، اس میں حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا زمانہ تو بہت پہلے گذر چکا تھا، حضرت مغیرہ کو اس کا جواب معلوم نہ تھا، جب واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اہل ایمان کی عادت یہ ہے کہ برکت کے لئے اپنے اور اپنی اولاد کے نام سابقہ انبیاء اور صلحاء کے ناموں پر رکھتے ہیں اور ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ حضرت مریم کی نسبت حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف اس لئے کر دی گئی کہ وہ ان کی نسل اور اولاد میں سے ہیں اگرچہ زمانہ کتنا ہی زیادہ گذر چکا ہو، جیسے عرب کی عادت ہے کہ قبیلہ تمیم کے آدمی کو یا اخا تمیم اور عرب کے آدمی کو یا اخا عرب بولتے ہیں۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس ہارون سے معروف نبی حضرت ہارون علیہ السلام مراد نہیں بلکہ حضرت مریم کے اپنے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النهی عن التکنی بأبی القاسم وبیان مایستحب من الاسماء (۲/۲۰۷، قدیمی کتب خانہ)

بھائی کا نام ہارون تھا جو تبرکا حضرت ہارون نبی کے نام پر رکھا گیا تھا، اس طرح مریم کو اخت ہارون کہنا اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے درست ہو گیا(۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے نام گذشتہ انبیاء اور صلحاء کے ناموں پر رکھنا ایک سنت اور پسندیدہ عمل ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الحَسْرَةِ} [مریم: 39] قَالَ: يُؤْتَى بِالمَوْتِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ حَتَّى يُوقَفَ عَلَى السُّورِ بَيْنَ الجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الجَنَّةِ فَيَشْرَئِبُّونَ، وَيُقَالُ: يَا أَهْلَ النَّارِ فَيَشْرَئِبُّونَ، فَيُقَالُ: هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هَذَا المَوْتُ، فَيُضْجَعُ فَيُذْبَحُ، فَلَوْلَا أَنَّ اللَّهَ قَضَى لِأَهْلِ الجَنَّةِ الحَيَاةَ فِيهَا وَالبَقَاءَ، لَمَاتُوا فَرَحًا، وَلَوْلَا أَنَّ اللَّهَ قَضَى لِأَهْلِ النَّارِ الحَيَاةَ فِيهَا وَالبَقَاءَ، لَمَاتُوا تَرَحًا(۲)۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "وأنذرهم يوم الحسرة" (اے نبی انہیں حسرت کے دن سے ڈرا دیجئے) اور فرمایا: موت کو سفید و سیاہ مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا، یہاں تک کہ اسے جنت وجہنم کے درمیان (اعراف کی) دیوار پر کھڑا کیا جائے گا، اور کہا جائے گا، اے جنت والو! وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے، اور پھر کہا جائے گا: اے دوزخ والو! وہ بھی سر اٹھا کر دیکھیں گے، تو کہا جائے گا کہ کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں یہ موت ہے، پھر اسے لٹایا جائے گا اور ذبح کر دیا جائے گا، اگر اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے لئے ہمیشہ کی زندگی نہ لکھی ہوتی تو وہ خوشی کے مارے مرجاتے، اور اگر دوزخ والوں کے لئے اس میں ہمیشہ رہنا نہ لکھا ہوتا تو وہ شدت غم سے بے تاب ہو کر مرجاتے۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔یوم الحسرة: افسوس کا دن، یہ بھی قیامت کا ایک نام ہے، اس دن ہر انسان حسرت اور افسوس کرے گا، کافر یہ حسرت کرے گا کہ کاش میں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا، گنہگار یہ تمنا کرے گا کہ اے کاش میں نے گناہ نہ کئے ہوتے، اور نیک انسان اس پر افسوس کرے گا کہ کاش میں نے اور نیکیاں اور اللہ کی عبادت کر لی ہوتی۔ کبش: مینڈھا۔ أملح: چتکبرا مینڈھا یعنی سفید سیاہ رنگ والا مینڈھا۔ سور: دیوار اس سے اعراف کی دیوار مراد ہے۔ یشرئبون: وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے۔ ترحا: (تاء اور را پر زبر کے ساتھ) غم وحزن۔

یوم الحسرة سے یوم الذبح مراد ہے

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) معارف القرآن ۲۷/۶، روح المعانی ۸۸/۹، مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب وانذرهم یوم الحسرة ۶۹۱/۲، مکتبہ سید احمد شہید

۱۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل عطا فرمادیں گے، اور اہل جنت اور اہل جہنم کے سامنے اسے ذبح کردیا جائے گا، ایسا اس لئے کیا جائے گا تاکہ لوگوں کو اطمینان اور یقین ہوجائے کہ واقعی موت ذبح ہوچکی ہے۔

۲۔ اہل جنت ہمیشہ کے لئے جنت میں اور اہل جہنم ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے، یہی جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

۳۔ موت کو ذبح ہوتے دیکھ کر اہل جنت بہت خوش ہوں گے، اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں ہمیشہ رہنا نہ لکھ دیا ہوتا تو وہ اس خوشی کی وجہ سے مرجاتے، ایسے ہی اہل جہنم کو اتنا غم ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا نہ لکھ دیا ہوتا تو وہ شدت غم سے بے تاب ہوکر مرہی جائے(۱)۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں یوم الحسرۃ سے یوم الذبح یعنی وہ دن مراد ہے کہ جس دن سب کے سامنے موت کو ذبح کردیا جائے گا اور سب حسرت وافسوس کریں گے، اہل جنت کو یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہم مزید اعمال خیر کرلیتے اور اہل جہنم یہ افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے بھی اسلام قبول کرلیا ہوتا تو آج ہمیں افسوس کا یہ برا دن نہ دیکھنا پڑتا، لیکن اس وقت کی حسرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا(۲)۔

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا عُرِجَ بِي رَأَيْتُ إِدْرِيسَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ(۳).

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج میں جب مجھے اوپر لے جایا گیا تو میں نے ادریس کو چوتھے آسمان پر دیکھا۔

اس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل میں گذر چکی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيلَ: مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا؟ قَالَ: فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا} [مريم: 64] إِلَى آخِرِ الآيَةِ(۴).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا: آپ کو کیا چیز منع کرتی ہے کہ آپ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ آیا کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''وما نتنزل الا بامر ربک'' (ہم آپ کے

---

(۱) اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف ترمذی ۳۹۶/۲ ابواب صفۃ الجنۃ باب ماجاء فی خلود اہل الجنۃ واہل النار

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۲۰۸/۶، کتاب الجنۃ، باب النار یدخلھا الجبارون

(۳) مسند احمد ۲۶۰/۳

(۴) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ

رب کے حکم ہی سے اترتے ہیں، ہمارے سامنے اور پیچھے جو کچھ بھی ہے اس کا ہے)

نزول جبرائیل اللہ کے حکم سے ہوتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ ذرا زیادہ آیا کرو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے، وہ اللہ کی ملک میں ہیں، اس کی منشا اور حکم کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرسکتے، اس لئے جبرائیل اللہ کے حکم کے بغیر زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی مرضی سے نہیں آسکتے(۱)۔

عَنِ السُّدِّيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ مُرَّةَ الهَمْدَانِيَّ، عَنْ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا} [مریم: 71] فَحَدَّثَنِي أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، حَدَّثَهُمْ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ يَصْدُرُونَ عَنْهَا بِأَعْمَالِهِمْ، فَأَوَّلُهُمْ كَلَمْحِ البَرْقِ، ثُمَّ كَالرِّيحِ، ثُمَّ كَحُضْرِ الفَرَسِ، ثُمَّ كَالرَّاكِبِ فِي رَحْلِهِ، ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ، ثُمَّ كَمَشْيِهِ.

سدی کہتے ہیں کہ میں نے مرہ ہمدانی سے اس آیت کی تفسیر پوچھی: وان منکم الا واردھا (تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو دوزخ پر سے نہ گذرے) تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ابن مسعودؓ نے ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ دوزخ پر سے گذریں گے پھر اس سے اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے، چنانچہ پہلا گروہ بجلی کی چمک کی طرح تیزی سے گذر جائے گا، پھر (دوسرا گروہ) ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی تیز رفتاری کی طرح پھر اونٹ کے سوار کی طرح پھر انسان کے بھاگنے کی طرح اور پھر اس کے چلنے کی طرح۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، {وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا} [مریم: 71] قَالَ: يَرِدُونَهَا ثُمَّ يَصْدُرُونَ بِأَعْمَالِهِمْ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن مجید کی اس آیت: "وان منکم الا واردھا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لوگ جہنم سے گذریں گے اور پھر اپنے اعمال کے حساب سے اس سے نجات پاتے جائیں گے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یرد: آئیں گے، گذریں گے، یصدرون عنها: جہنم سے نجات پاتے جائیں گے، کلمح البرق: بجلی کی چمک کی تیزی کی طرح، کحضر الفرس: (حاء پر پیش اور ضاد ساکن) گھوڑے کی تیز رفتاری کی طرح۔ فی رحلہ: یعنی علی راحلتہ: اپنے اونٹ پر۔ کشد الرجل: آدمی کے دوڑنے کی طرح۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۵۷۸/۸

(۲) سنن دارمی، کتاب الرقاق باب ورود النار

جہنم میں ہر شخص کا ''ورود'' ہوگا

قرآن مجید کی اس آیت: ''وان منکم الا واردھا'' میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بڑی تاکید سے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا جہنم پر ''ورود'' ہوگا، اس ''ورود'' سے کیا مراد ہے؟

اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اس سے جہنم کے پل یعنی پل صراط سے گذرنا مراد ہے، چنانچہ ہر نیک و بد، اور مؤمن وکافر کا اس سے گذر ہوگا، کیونکہ جنت میں جانے کا یہی راستہ ہوگا، اللہ سے ڈرنے والے اہل ایمان اپنے اپنے درجے کے مطابق وہاں سے صحیح سلامت گذر جائیں گے، وہ نہایت تیز رفتاری سے پل صراط کو عبور کرلیں گے، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے، اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے (العیاذ باللہ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے اعمال کے مطابق، نیز انبیاء، فرشتوں اور نیک لوگوں کی شفاعت سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہیں دوزخ سے نکال دیا جائے گا، صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور پھر دوزخ کا منہ بند کردیا جائے گا، ورود کے یہ معنی حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں منقول ہیں۔

۲۔ ''ورود'' سے دوزخ میں ''داخل ہونا'' مراد ہے، چنانچہ حضرت جابر کی ایک حدیث مرفوع سے یہ معنی ثابت ہیں، مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا، مگر متقی اور نیک مؤمنین کے لئے یہ آگ بردوسلام بن جائے گی جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے نارنمرود ٹھنڈی اور امن وسلامتی والی بنادی گئی تھی، اس کے بعد مؤمنین کو نجات دے کر جنت میں داخل کردیا جائے گا، اور کافر ہمیشہ کے لئے جہنم میں ہی رہیں گے۔

اہل ایمان کا جہنم پر ورود کس وجہ سے ہوگا؟ اس کی علماء کرام نے مختلف وجوہ لکھی ہیں:

۱۔ تاکہ جہنم کو دیکھ کر جب اہل ایمان اس سے نجات پاجائیں گے، تو اس سے انہیں زیادہ سرور اور خوشی حاصل ہو۔

۲۔ کافروں کو زیادہ حسرت اور افسوس ہو کہ مؤمن تو اس عذاب سے بچ گئے اور ہم ہمیشہ کے لئے اس میں پھنس گئے۔

۳۔ اس منظر کے بعد اہل ایمان جنت کی نعمتوں سے صحیح لطف اندوز ہوں گے (۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ: إِنِّي قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ: فَيُنَادِي فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ تَنْزِلُ لَهُ الْمَحَبَّةُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ، فَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا} [مريم: 96]، وَإِذَا أَبْغَضَ اللهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ: إِنِّي قَدْ أَبْغَضْتُ فُلَانًا، فَيُنَادِي فِي السَّمَاءِ ثُمَّ تَنْزِلُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ (۲)۔

---

(۱) تفسیر کبیر ۲۲۹/۷، تفسیر قرطبی ۱۲۴/۱۱، بیروت

(۲) الموطا للامام مالک، کتاب الشعر، باب ماجاء فی المتحابین اللہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو علی الاعلان جبرائیل امین سے کہتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، فرماتے ہیں: پھر وہ آسمان والوں میں اس کا اعلان کر دیتے ہیں، پھر زمین والوں کے دلوں میں اس کی محبت اتار دی جاتی ہے، یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا: "ان الذین امنوا و عملوا الصلحت سیجعل لہم الرحمن ودا" (جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیں گے) اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند کرتے ہیں، تو جبرائیل امین سے کہہ دیتے ہیں کہ میں فلاں کو ناپسند کرتا ہوں، پھر وہ آسمان والوں میں اس کا اعلان کر دیتے ہیں، پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کے بارے میں بغض، ناپسندیدگی اور نفرت اتار دی جاتی ہے۔

اللہ کے ہاں مقبول ہونے کی ایک دلیل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بندہ نیک اعمال میں مشغول رہے، اخلاص کے ساتھ اللہ کی محبت اور خوشنودی کو طلب کرتا رہے تو ایک عرصے کے بعد اسے شرف قبولیت حاصل ہو جاتا ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے تمام فرشتے، آسمان والے اور تمام زمین والے لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ان کے دلوں میں قدرتی طور پر اس کی چاہت والفت اور محبت ڈال دی جاتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو پھر ہر طرف اس کے لئے بغض اور نفرت کی فضا قائم کر دی جاتی ہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ لوگوں کے دلوں میں محبت اللہ کے ہاں قبولیت کی دلیل اس وقت ہوتی ہے جب اولاً نیک لوگ اس سے محبت کرنے لگیں، اور پھر لوگوں میں اسے قبول عام حاصل ہو جائے، اور اگر اس کا الٹ ہو کہ ابتداء عوام کے ہاں قبول عام ہو جائے اور پھر نیک لوگ کسی غلط فہمی وغیرہ کی وجہ سے اس کی طرف مائل ہو جائیں تو یہ اللہ کے ہاں قبول ہونے کی دلیل نہیں (۱)۔

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الأَرَتِّ، يَقُولُ: جِئْتُ العَاصَ بْنَ وَائِلٍ السَّهْمِيَّ أَتَقَاضَاهُ حَقًّا لِي عِنْدَهُ، فَقَالَ: لاَ أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ فَقُلْتُ: لاَ، حَتَّى تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ، قَالَ: وَإِنِّي لَمَيِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوثٌ فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَقَالَ: إِنَّ لِي هُنَاكَ مَالًا وَوَلَدًا فَأَقْضِيكَ. فَنَزَلَتْ: [أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا] [مريم: 77] (۲)

حضرت خباب بن ارت کہتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس آیا تا کہ میں اس سے اپنے حق کا مطالبہ کروں تو وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں تمہارا حق نہیں دوں گا یہاں تک کہ تو محمد ﷺ کے دین کا انکار کر دے، میں نے کہا: میں کبھی

(۱) تفسیر عثمانی (ص: ۴۱۶) سورہ مریم، آیت: ۹۶

(۲) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القیم والحداد

ایسا نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مرجائے اور پھر تمہیں زندہ کر دیا جائے، اس نے کہا: میں مروں گا اور پھر زندہ کیا جاؤ گا؟ میں نے کہا: جی ہاں (ایسا ہی ہوگا) اس پر وہ کہنے لگا: تو پھر وہاں میرا مال اور اولاد بھی ہوگی لہذا میں وہیں پہ تمہارا حق ادا کردوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: أفرأيت الذی کفر بایتنا۔۔۔ (بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے، اور (استہزاء کے طور پر) کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے)۔

ایک آیت کا شان نزول

حضرت خباب بن ارت مسلمان لوہار تھے، عاص بن وائل کافر نے ان سے ایک تلوار بنوائی تھی، رقم کی ادائیگی باقی تھی، اس مسلمان نے جب اپنے حق کا مطالبہ کیا تو یہ کافر کہنے لگا کہ اگر تم محمد ﷺ اور ان کے دین سے انکار کرو گے تب تمہیں ادائیگی کروں گا، مسلمان نے جواب دیا کہ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ تو مر کر دوبارہ زندہ کر دیا جائے، وہ کہنے لگا کہ اچھا کیا میں مر کر دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا، اگر ایسا ہی ہے تو بس تمہارا قرض بھی اس وقت چکا دوں گا جب دوبارہ زندہ ہوں گا، کیونکہ اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوں گے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ قرآن کریم نے اس احمق کے جواب میں فرمایا کہ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ دوبارہ زندہ ہونے کے وقت بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوں گے، کیا اس نے غیب کی باتوں کو جھانک لیا یا اللہ سے اس بارے میں کوئی معاہدہ کیا، ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں،

لہذا جس مال اور اولاد کا یہ ذکر کر رہا ہے آخرت میں ملنے کا معاملہ تو بہت دور ہے، دنیا میں بھی جو کچھ اس کو ملا ہوا ہے، اس کو بھی چھوڑنا پڑے گا، یہ تو خالی ہاتھ قبر میں جائے گا، اور اس مال وغیرہ کے وارث آخر کار ہم ہی ہوں گے یعنی یہ مال واولاد اس سے چھن کر بالآخر اللہ جل شانہ کی طرف لوٹ جائے گا(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ طه

یہ باب سورہ طہ کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْبَرَ أَسْرَى لَيْلَةً حَتَّى أَدْرَكَهُ الكَرَى أَنَاخَ فَعَرَّسَ، ثُمَّ قَالَ: يَا بِلَالُ اكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَةَ، قَالَ: فَصَلَّى بِلَالٌ، ثُمَّ تَسَانَدَ إِلَى رَاحِلَتِهِ مُسْتَقْبِلَ الفَجْرِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ أَحَدٌ مِنْهُمْ، وَكَانَ أَوَّلَهُمْ اسْتِيقَاظًا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيْ بِلَالُ، فَقَالَ بِلَالٌ: بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْتَادُوا، ثُمَّ أَنَاخَ فَتَوَضَّأَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ. ثُمَّ صَلَّى مِثْلَ صَلَاتِهِ لِلْوَقْتِ فِي تَمَكُّثٍ، ثُمَّ قَالَ: {وَأَقِمِ الصَّلَاةَ

(۱) معارف القرآن ۶/۵۴

لِذِكْرِي} [طه:14](۱)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر سے واپس لوٹے تو رات بھر سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ (جب) آپ ﷺ کو اونگھ آنے لگی تو آپ نے اونٹ کو بٹھا دیا اور رات کے آخری حصے میں نیند کے لئے ایک جگہ اتر گئے، پھر آپ نے فرمایا: اے بلال آپ ہمارے لئے رات کی حفاظت کریں (یعنی صبح ہو جائے تو ہمیں جگا دینا) راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت بلال نماز (تہجد) پڑھتے رہے، پھر اپنے کجاوے سے ٹیک لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے، (تا کہ صبح صادق ہوتے ہی آپ ﷺ کو جگا دوں) اسی بیچ ان کی آنکھوں میں نیند غالب آگئی تو وہ سو گئے؛ اور ان میں سے کوئی بھی جاگ نہ سکا، سب سے پہلے جاگنے والے نبی کریم ﷺ ہی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ہوا؟ بلال نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرے نفس پر بھی وہی چیز (یعنی نیند) غالب آگئی جو آپ کے نفس پر غالب آگئی تھی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہاں سے روانہ ہو جاؤ، پھر آپ ﷺ نے (تھوڑا چلنے کے بعد دوبارہ) اونٹ کو بٹھا دیا، پھر آپ نے وضو کیا اور حضرت بلال نے نماز کے لئے اقامت کہی، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھائی جیسے اس کے وقت میں ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھا کرتے تھے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "وأقم الصلوة لذكرى" (نماز کو میری یاد کے لئے پڑھو)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔أدركه: آپ کو پالیا۔ كرى: نیند، اونگھ۔ أناخ: اونٹ کو بٹھا دیا۔ عرس: رات کے آخری حصے میں آرام کے لئے پڑاؤ ڈالا، کسی جگہ اترے۔ اكلأ: ہمارے لئے خیال رکھیں، رات کی حفاظت کریں۔ تساند: حضرت بلال نے سہارا لگایا۔ راحلة: کجاوہ، سواری۔ اخذ بنفسي: میرے نفس پر غالب آگئی یعنی نیند۔ اقتادو: کجاوہ کسو یعنی روانہ ہو جاؤ۔ في تمكث: ٹھہر ٹھہر کر، اطمینان اور تسلی سے۔

حضور ﷺ کی غزوہ خیبر سے واپسی اور قضا نماز

غزوہ خیبر ماہ محرم سن ۷ ہجری میں پیش آیا، کئی دن محاصرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کے ہاتھ سے فتح عطا فرمائی، نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر سے واپسی کا سفر رات کو شروع کیا، خیبر کا علاقہ مدینہ منورہ سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر ہے، اس لئے مسلسل چلنے سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو تھکاوٹ ہو گئی، رات کے آخری حصے میں تھوڑی دیر آرام کے لئے ایک جگہ اترے، حضرت بلال کو صبح صادق دیکھنے پر مامور فرمایا، ان کی بھی آنکھ لگ گئی، یوں نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہ کرام کی نماز فجر قضا ہو گئی، جب سورج طلوع ہو گیا تو آپ ﷺ کی آنکھ کھلی اور صحابہ سے فرمایا کہ اس جگہ سے روانہ ہو جاؤ، وہاں نماز کی قضا نہ کی بلکہ تھوڑا آگے چل کر ٹھہرے اور باجماعت فجر کی نماز قضا کی گئی۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ

اس واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ممنوع اوقات میں قضاء نماز پڑھنا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ پر نماز فجر قضاء نہیں کی، بلکہ وہاں سے فوراً روانہ ہو گئے، ایک تو اس وجہ سے تاکہ ممنوع وقت ختم ہو جائے اور سورج صحیح طرح طلوع ہو جائے، اور دوسری وجہ آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ اس جگہ پر شیطان کے اثرات ہیں۔

۲۔ قضاء نماز جب باجماعت پڑھی جائے تو اذان و اقامت دونوں کہنے چاہئیں۔

چنانچہ مسلم کی روایت میں یہ منقول ہے کہ اس موقع پر فجر کی قضا نماز اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھی گئی ہے، لہذا ترمذی کی مذکورہ روایت میں: "فأقام الصلاة" کے معنی یہ ہیں کہ "انہوں نے نماز کے لئے اذان کے بعد تکبیر کہی۔

اور اگر صرف اقامت پر اکتفا کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

۳۔ قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ طلوع آفتاب کے وقت کیسے سو گئے حالانکہ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تنام عیناي و لا ینام قلبي" میری آنکھیں تو بظاہر سو رہی ہوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا، وہ بیدار ہوتا ہے، ایسے میں طلوع آفتاب کا آپ کو احساس کیوں نہ ہو سکا؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ آفتاب کے طلوع و غروب کو دیکھنا آنکھوں کا کام ہے، دل کا کام نہیں، دل کو درد، لذت، اور وضو کے ٹوٹ جانے کا پتہ چلتا ہے، لہذا دل کی بیداری کے باوجود صبح صادق اور سورج کے طلوع ہو جانے پر آپ ﷺ اس لئے مطلع نہیں ہوئے کہ آپ کی آنکھیں اس وقت سو رہی تھیں۔

۲۔ آپ ﷺ کا قلب مبارک عموماً بیدار رہتا تھا، لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا کہ آنکھوں کے سونے کے ساتھ آپ کا قلب مبارک بھی سو جاتا، اور ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کی یہی کیفیت ہو کہ دل بھی سو گیا ہو، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو نہ صبح صادق کا پتہ چل سکا اور نہ طلوع آفتاب کا احساس ہوا(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْأَنْبِيَاءِ

یہ باب سورہ انبیاء کے بارے میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَجُلًا قَعَدَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي مَمْلُوكِينَ يُكَذِّبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَنِي، وَأَشْتُمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ؟ قَالَ: يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ

(۱) مرقاة المفاتيح ۲/۳۵۳، کتاب الصلاة، باب تاخیر الاذان

وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوكَ وَعِقَابَكَ إِيَّاهُمْ، فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا، لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ اقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ. قَالَ: فَتَنَحَّى الرَّجُلُ فَجَعَلَ يَبْكِي وَيَهْتِفُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا تَقْرَأُ كِتَابَ اللهِ {وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا} [الأنبياء: 47] الآيَةَ. فَقَالَ الرَّجُلُ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَهُمْ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ، أُشْهِدُكُمْ أَنَّهُمْ أَحْرَارٌ كُلُّهُمْ(۱)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میرے دو غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، مجھ سے (میرے مال میں) خیانت کرتے ہیں، اور میری نافرمانی کرتے ہیں (یعنی میرے کہنے کے مطابق نہیں چلتے) اور میں انہیں گالیاں دیتا ہوں اور مارتا ہوں تو میں ان کی وجہ سے اللہ کے سامنے قیامت کے دن کیسے ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قدر انہوں نے تمہاری خیانت کی، اور تمہاری نافرمانی کی اور تم سے جھوٹ بولا، ان کا اور تم نے جوان کو سزا دی (یعنی تم نے جوان کو سب وشتم کیا اور مارا پیٹا) اس کا حساب کیا جائے گا (یعنی دونوں کو ترازو میں تولا جائے گا) اگر تمہاری سزا ان کے جرائم کے برابر ہوئی تو پھر تمہارا معاملہ برابر سرابر رہا، نہ تمہارا کوئی حق ان پر رہا اور نہ ان کا تم پر (یعنی نہ تمہیں اس امر میں کوئی ثواب ملے گا اور نہ تمہیں کوئی سزا ہوگی) اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم رہی تو وہ تمہارا ان پر احسان شمار ہوگا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے بڑھ گئی تو اس زیادتی کے بقدر تم سے ان کا انتقام اور قصاص لیا جائے گا،

راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص مجلس سے ذرا دور ہو گیا، رونے اور چیخ دپکار کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھتے: "ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا" (اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے اور کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا) اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ: اللہ کی قسم میں ان کے اور اپنے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتا کہ انہیں آزاد کردوں، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب (میری طرف سے) آزاد ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔یکذبوننی: وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، وہ میری تکذیب کرتے ہیں۔ فکیف انا منهم؟: میرا ان کی وجہ سے قیامت کے دن کیا ہوگا، یعنی میرے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا، یحسب: حساب کیا جائے گا یعنی تولا جائے گا۔ کان کفافا: یہ معاملہ برابر سرابر رہا۔ لا لک و لا علیک: نہ تمہارا کوئی حق ان پر رہا اور نہ ان کا تم پر، اس صورت میں تمہیں نہ تو کوئی اجر وثواب ملے گا اور نہ کوئی سزا ہوگی۔ کان فضلا لک: یہ تمہارا ان پر ایک احسان ہوگا جس کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ تنحی الرجل: وہ شخص مجلس سے الگ ہو گیا، ذرا دور ہو گیا۔ یهتف: چیخ دپکار کرنے لگا۔ موازین: میزان کی جمع ہے: ترازو۔ مفارقتهم:

---

(۱) مسند احمد ۷/۳۹۸ حدیث: ۲۵۸۶۹

ان سے جدائی اختیار کرنا یعنی انہیں آزاد کرنا۔ أشهد کم: یہ "اشهاد" سے متکلم کا صیغہ ہے، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں۔

قیامت میں وزنِ اعمال ہوگا

قرآن مجید کی اس آیت "ونضع الموازين القسط" میں موازین کا لفظ جمع استعمال کیا گیا ہے، اس سے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وزن اعمال کے لئے بہت سی ترازو استعمال کی جائیں گی، خواہ ہر شخص کے لئے الگ الگ ترازو ہو یا خاص خاص اعمال کے لئے الگ الگ میزانیں ہوں مگر جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ترازو ایک ہی ہوگی، اس کو جمع کے لفظ سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک ترازو درحقیقت بہت سی ترازوؤں کا کام دے گی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ ہوں گے، ان سب کے اعمال کو یہی ترازو تولے گی۔

چنانچہ حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جو ترازو اعمال کو وزن کرنے کے لئے رکھی جائیں گی وہ اس قدر بڑی اور وسیع ہوں گی کہ اس میں آسمان وزمین کو تولنا چاہیں تو وہ بھی اس میں سما جائیں(۱)۔

وزن کس چیز کا اور کیسے ہوگا؟ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، اس میں تین قول ہیں:

۱۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس ترازو میں اعمال نامے تولے جائیں گے۔

اس کی تائید حدیث بطاقہ سے ہوتی ہے کہ ایک شخص کے ننانوے رجسٹر گناہوں سے لبریز ہوں گے، اس ترازو پر یہ غالب ہوں گے، وہ اس مایوسی میں کھڑا ہوگا کہ اب تو میرے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا کہ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ٹھہر جاؤ، ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے، ہم کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتے، چنانچہ ایک چٹ لائی جائے گی جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا، جب اسے اس ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو یہ بھاری ہو جائے گا اور گناہوں کا پلڑا اوپر ہو جائے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس آدمی کے بارے میں جنت کا اعلان ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال نامے تولے جائیں گے۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صاحب اعمال یعنی اشخاص اور افراد کو تولا جائے گا۔

ان کا استدلال صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ بڑے قد آور اور موٹے آدمی قیامت کے دن ایسے ہوں گے کہ اللہ کی نظر میں ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا"۔

لیکن اس پر صاحب جمل فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مذکورہ استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں وزن کا بتانا مقصود

---

(۱) تفسیر قرطبی ۱۱/۲۵۷/بیروت، تفسیر خازن ۳/۲۲۷/مکتبۃ المعارف پشاور، روح المعانی ۹/۵۳، الجزء السابعه عشر مکتبہ امدادیہ

نہیں بلکہ منشا یہ ہے کہ اس آدمی کی اللہ کی نظر میں مچھر کے برابر بھی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں، وزن کرنا مراد نہیں (۱)۔

۳۔ جمہور علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اعمال کو تولا جائے گا، ان کو اللہ تعالیٰ وہاں ایک شکل اور صورت عطا فرمائیں گے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نیک اعمال کو خوبصورت شکل وصورت اور برے اعمال کو گندی شکل دے دی جائے گی اور پھر انہیں اس ترازو پر تولا جائے گا۔

اس قول کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے مثلاً:

۱۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جن کی ادائیگی زبان پر بہت آسان ہے، لیکن ترازو میں ان کا وزن بڑا بھاری ہوگا، اور اللہ کو یہ کلمات بہت پسند ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ ترازو کے آدھے پلڑے کو اور الحمد للہ پورے ترازو کو بھر دیتا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت نوح نے وفات کے وقت اپنے دو بیٹوں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ میں تمہیں "لا الہ الا اللہ" پر یقین رکھنے اور اعتقاد رکھنے کی تاکید کرتا ہوں، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ کہ ان میں ہے، ان تمام کو اگر اس ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں "لا الہ الا اللہ" کو رکھا جائے تو "لا الہ الا اللہ" والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

ان کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث ہیں جن سے اس قول کی تائید ہوتی ہے (۲)۔

کفار کا وزن اعمال کس طرح ہوگا؟

کافر نے کفر کے ساتھ ساتھ کوئی اچھا کام کیا ہوگا یا نہیں اس لحاظ سے اس کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ وہ ساری زندگی کفر اور برائیوں میں ہی مصروف رہا، نیکی کا کوئی کام نہیں کیا، اس کے کفر کو ترازو میں تولنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں اس لئے بغیر حساب کے ہی اس کافر کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۲۔ اگر اس نے کافر ہونے کے باوجود نیکی کا کوئی کام کر دیا، کسی کے ساتھ حسن سلوک کر دیا، کوئی غلام آزاد کر دیا، کسی قیدی کو رہا کرا دیا، یا مالی تعاون کر دیا، یا کوئی بھی رفاہی کام کر دیا جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہو۔

ان نیکیوں کی وجہ سے اس کا کفر اور اس کا عذاب تو ختم نہیں ہوگا، ہاں اس کافر نے دنیا میں اگر کسی پر کوئی ظلم اور حق تلفی کی ہوگی تو ان نیکیوں سے اس کا ازالہ کیا جائے گا، یوں معاملہ ختم ہو گیا تو پھر اسے صرف کفر کی ہی سزا ہوگی، لیکن اگر اس کی یہ نیکیاں ختم ہو

(۱) حاشیۃ الجمل علی الجلالین ۱۲۲/۲ ط: قدیمی کراچی

(۲) تفسیر مظہری ۷۳/۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جائیں اور ابھی لوگوں کے حقوق اس کے ذمے میں باقی ہوں تو پھر اس کے عذاب میں مزید اضافہ ہوگا، اور اگر کوئی کافر کفر کے ساتھ نیکیاں کرتا رہا، کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی تو پھر ان کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی جیسا کہ حضرت ابو طالب کے ساتھ عذاب میں تخفیف ہوگی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا بہت خیال رکھا تھا، اور آپ کے ساتھ کفار کے شرور سے بچنے میں بہت تعاون کیا تھا(۱)۔

اعمال کا محاسبہ

اس حدیث سے مسلمانوں کو اس بات پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر ایک انسان کے ماتحت کوئی ملازم اور غلام وغیرہ ہوں تو ان کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک رکھا جائے، ان کو بلاوجہ ڈانٹنا، سزا دینا یا ان کے جرم اور غلطی سے زیادہ برا بھلا کہنا یا سزا دینا یہ اللہ کے ہاں ایک جرم ہے، جسے قیامت کے دن تولا جائے گا، اور وہاں صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا، اس لئے دنیا میں اپنے اعمال کا جائزہ اور محاسبہ کرتے رہنا چاہئے تاکہ قیامت کے دن کی ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے، حساب وکتاب کے اسی خوف کی وجہ سے اس صحابی نے یہ حدیث سن کر اپنے ان دونوں غلاموں کو آزاد کر دیا تاکہ قیامت کے دن میں ان کی وجہ سے گرفت میں نہ آ جاؤں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الوَيْلُ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ يَهْوِي فِيهِ الكَافِرُ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ قَعْرَهُ.

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ویل" جہنم میں ایک وادی ہے، کافر اس کی گہرائی میں پہنچنے سے پہلے اس میں چالیس برس تک گرتا رہے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔یھوی: گرتا رہے گا۔ خریفا: سال۔ قعرہ: اس کی گہرائی اور تہ۔

ویل جہنم کی ایک وادی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہنم کی ایک انتہائی گہری وادی ہے، جسے "ویل" کہا جاتا ہے، کافر کو اس میں ڈالا جائے گا، اس کی گہرائی کا یہ عالم ہے کہ اس کی تہ تک پہنچنے میں کافر کو چالیس برس کا طویل عرصہ لگے گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عذاب جہنم سے محفوظ رکھے، آمین(۲)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ:

---

(۱) فتح الباری ۱۳/۶۵۸، کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ: ونضع الموازین القسط

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۵

قَوْلِهِ: {إِنِّي سَقِيمٌ} [الصافات: 89] وَلَمْ يَكُنْ سَقِيمًا، وَقَوْلُهُ لِسَارَةَ: أُخْتِي، وَقَوْلِهِ: {بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا} [الأنبياء:63](۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے تھے، ایک یہ کہ کافروں سے کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ وہ بیمار نہیں تھے، دوسرا جب انہوں نے (اپنی بیوی) سارہ کو اپنی بہن بتایا اور تیسرا جب ان سے بتوں کو توڑنے والے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ تو ان کے بڑے کا کام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کرنے کی حقیقت

مذکورہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جو تین جھوٹ منسوب کئے گئے ہیں وہ حقیقت میں جھوٹ نہیں بلکہ ان مواقع میں انہوں نے توریہ کا استعمال کیا ہے۔

توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے الفاظ بولے جائیں کہ جن کے دو مفہوم ہو سکیں، سننے والا ان سے ایک مطلب سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم اور مطلب کی ہو، ظلم اور شر سے بچنے کے لئے تمام فقہاء کے نزدیک توریہ کے طریقہ کو اختیار کرنا جائز ہے، یہ شیعوں کے تقیہ سے بالکل الگ چیز ہے، تقیہ میں تو صریح جھوٹ بولا جاتا ہے، اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، جبکہ توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ بولنے والا بالکل صحیح اور سچ بول رہا ہوتا ہے(۲)۔

ان تین باتوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں عید کے اجتماع میں جانے کا کہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا: "انی سقیم" کہ میں بیمار ہوں، اب اس لفظ کے دو مطلب ہیں ایک جسمانی بیماری اور دوسرے معنی رنجیدہ و غمگین اور قلبی پریشانی کے ہیں، سننے والوں نے اس جملے سے بیماری کے معنی سمجھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں دوسرے معنی تھے کہ میں اس غم اور پریشانی میں ہوں کہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کر رہے ہیں، بتوں اور ستاروں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ ایک ایسی بستی پر گذر ہوا جہاں کا بادشاہ ایک انتہائی ظالم اور بدکار تھا، سہیلی نے اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن سباذ کر کیا ہے، یہ مصر کا بڑا تھا، اور ابن قتیبہ نے اس کا نام صادوف بتایا ہے، یہ اردن کا حکمران تھا، اس بدکار کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی شخص کے ساتھ اس کی بیوی کو دیکھتا تو بیوی کو پکڑ لیتا اور

(۱) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب: شراء المملوک من الحربی

(۲) معارف القرآن ۶/۱۹۹، سورۃ الانبیاء

اس سے بدکاری کرتا، مگر یہ معاملہ اس صورت میں نہ کرتا تھا جبکہ کوئی بیٹی اپنے باپ کے ساتھ یا بہن اپنے بھائی کے ساتھ ہو،

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ جب اس بستی میں پہنچے تو اس ظالم بادشاہ کے سامنے ان کی مخبری کردی گئی، تو اس نے حضرت سارہ کو گرفتار کر کے اپنے پاس بلوالیا، پکڑنے والوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ عورت رشتہ میں تم سے کیا تعلق رکھتی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے ظالم کے شر سے بچنے کے لئے یہ فرمادیا کہ یہ "میری بہن ہے" اسی چیز کو حدیث میں جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، مگر بہن بتانے کے باوجود وہ پکڑ کر لے گئے، ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو بھی بتادیا کہ میں نے تم کو اپنی بہن بتایا ہے، تم بھی اس کے خلاف نہ کہنا، اور وجہ یہ ہے کہ اسلامی رشتہ سے تم میری بہن ہو، کیونکہ اس وقت روئے زمین پر ہم دو ہی مسلمان ہیں، اور ہم اسلامی اخوت کا تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چونکہ مقابلے پر قدرت نہ تھی، اس لئے اللہ کے سامنے الحاح وزاری کے لئے نماز پڑھنا شروع کردی، حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو یہ ظالم بری نیت سے ان کی طرف بڑھا تو قدرت نے اس کو اپاہج اور معذور کردیا، اس پر اس نے حضرت سارہ سے درخواست کی کہ تم اللہ سے دعا کردو کہ میری یہ معذوری دور ہوجائے میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا، ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو صحیح سالم کردیا مگر اس نے عہد شکنی کی، اور پھر بری نیت سے ان پر ہاتھ ڈالنا چاہا، پھر اللہ نے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا، اسی طرح تین مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا تو اس نے حضرت سارہ کو واپس کردیا، اور ساتھ ہی یہ حکم جاری کردیا کہ ان کو فوراً میری مملکت سے باہر نکال دو اور ایک ہاجرہ نامی خادمہ بھی دے دی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بستی سے تشریف لے گئے (۱)۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس تہوار کے دن جب سب لوگ اس میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے پیچھے سے موقع پا کر ایک کلہاڑے کے ذریعہ تمام چھوٹے بتوں کو توڑ دیا اور آخر میں وہ کلہاڑا بڑے بت کے مونڈھے پر یا اس کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا۔

اب جب ان کی قوم کے لوگ اپنی تہوار سے فارغ ہو کر اپنے خداؤں کے پاس آئے تو یہ سارا منظر دیکھا تو فوراً آپس میں مشورہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے آئے، اور ان سے اقرار لینے کے لئے سوال کیا کہ کیا آپ نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ: "بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون" بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا ہے، تم خود ان سے دریافت کرلو اگر یہ بول سکتے ہوں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کیا تھا پھر اس سے انکار اور ان کے بڑے کی طرف منسوب کرنا بظاہر خلاف واقعہ ہے، جس کو جھوٹ کہا جاتا ہے، حضرت خلیل اللہ کی شان اس سے بالا وبرتر ہے۔

اس کے جواب میں حضرات مفسرین نے بہت سے احتمالات ذکر کئے ہیں، ہم یہاں صرف دو کو ذکر کرتے ہیں ان سے

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۴/۵ کتاب الفضائل، باب فضائل ابراہیم علیہ السلام

بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے:

ا۔ حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب بطور فرض کے تھا یعنی تم یہ کیوں نہیں فرض کر لیتے کہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہوگا، تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا، کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کرڈالتے ہیں، اس لئے ہمارے درمیان فیصلہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں ہی سے دریافت کرلو کہ یہ سارا کچھ کس طرح ہوا، اگر یہ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملے میں بول کر ہمارے سچ جھوٹ کا فیصلہ نہیں کریں گے، اس جواب سے دراصل ان کو اپنے غلط عقیدے پر آگاہ کیا جارہا ہے کہ تم کس قدر جاہل اور بے وقوف ہو کہ اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کو اپنے خدا کا درجہ دے رکھا ہے اور انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہو۔

یہ جواب الزامی ہے جو بحث ومباحثہ اور مناظرہ میں دیا جاتا ہے، اسے جھوٹ نہیں کہہ سکتے، ہاں بظاہر جھوٹ کی صورت معلوم ہوتی ہے، اسی لئے بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب استعمال کیا گیا ہے (۱)۔

۲۔ تفسیر قرطبی اور روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ یہ اسنادِ مجازی ہے جو کام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا اس کو بڑے بت کی طرف مجازاً منسوب کردیا کیونکہ یہی سبب بنا تھا وہ لوگ اس بت کی زیادہ تعظیم وتکریم کرتے تھے، اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی چور کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹ دے اور پھر کہے کہ یہ میں نے نہیں کاٹا بلکہ تیرے عمل اور تیری گمراہی نے ہاتھ کاٹا ہے، کیونکہ ہاتھ کاٹنے کا سبب اس کا عمل ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول جھوٹ نہیں بلکہ توریہ ہے جسے درج ذیل مصلحتوں کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے:

- دیکھنے والوں کو اس طرف توجہ ہوجائے کہ شاید اس بڑے بت کو اس پر غصہ آگیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے، ایسے میں مسئلہ توحید ان پر کھل جائے گا کہ جب ایک بڑا بت اپنے ساتھ چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت کیسے گوارا کرے۔
- تاکہ وہ یہ سوچیں کہ جن کو ہم اپنا خدا اور مختار کل کہتے ہیں اگر یہ ایسے ہی ہوتے تو پھر ان کو توڑنے پر کوئی کیسے قادر ہوتا۔

حاصل یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل کو جو بڑے بت کی طرف مجازاً منسوب فرمایا ہے اس میں کسی جھوٹ اور خلاف واقعہ کا شبہ نہیں رہتا، بس صرف یہ ایک قسم کا توریہ ہے (۲)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) بیان القرآن ۲/ ۴۹۲ ادارہ تالیفات اشرفیہ، تفسیر عثمانی (ص: ۴۳۶) سورۃ الانبیاء

(۲) تفسیر قرطبی ۱۱/ ۲۶۳ بیروت، تفسیر روح المعانی ۹/ ۶۶ الجزء السابع عشر/ امدادیہ، معارف القرآن ۶/ ۱۹۷، سورۃ الانبیاء۔

"چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا، اس لئے بقاعدہ: "حسنات الابرار سیئات المقربین" حدیث میں اس کو "ذنب" (یعنی گناہ) قرار دیا گیا، واللہ اعلم (۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَوْعِظَةِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ عُرَاةً غُرْلًا، ثُمَّ قَرَأَ {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا} [الأنبياء: 104] إِلَى آخِرِ الآيَةِ. قَالَ: أَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ القِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، وَإِنَّهُ سَيُؤْتَى بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ: رَبِّ أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ العَبْدُ الصَّالِحُ: {وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ} [المائدة: 118] إِلَى آخِرِ الآيَةِ، فَيُقَالُ: هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ (۲).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا: اے لوگو! تمہیں قیامت کے دن اللہ کے سامنے برہنہ جسم اور بغیر ختنے کے اٹھایا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، کما بدأنا..... (جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم ضرور پورا کریں گے) اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، اور میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور انہیں بائیں جانب (جہنم کی طرف) کردیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار: یہ میرے صحابہ ہیں، تو جواب دیا جائے گا: یقیناً آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی باتیں ایجاد کی ہیں پھر میں عرض کروں گا جس طرح کہ اللہ کے نیک بندے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) نے عرض کیا تھا: "وکنت علیھم شھیدا....." (جب تک میں ان میں موجود تھا ان کے حال سے واقف تھا پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگہبان تھے، اور آپ ان کا حال اچھی طرح جانتے ہیں لہذا اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں اور اگر آپ انہیں معاف کردیں تو آپ بہت ہی زبردست اور حکمت والے ہیں) تو کہا جائے گا کہ جس دن آپ ان سے جدا ہوئے ہیں، اس دن سے یہ لوگ مسلسل اپنی ایڑیوں پر پیچھے کی طرف لوٹتے رہے (یعنی وہ مرتد عن الاسلام ہوگئے تھے)۔

---

(۱) تفسیر عثمانی (ص: ۵۹۸) سورۃ الصفت

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ: واذکر فی الکتب مریم

لم یزالوا مرتدین علی أعقابھم کا مطلب

حدیث کے اس جملے سے کیا مراد ہے؟ نیز اس حدیث سے متعلق دیگر تمام مباحث کے لئے دیکھئے: معارف ترمذی جلد دوم ابواب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی شأن الحشر میں اس عنوان کے تحت: ''حشر کی کیفیت''۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الحَجِّ

یہ باب سورہ حج کے بارے میں ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَتْ {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ} [الحج:1]- إِلَى قَوْلِهِ- {وَلَكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيدٌ} [الحج:2]، قَالَ: أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الآيَةُ وَهُوَ فِي سَفَرٍ، فَقَالَ: أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ ذَلِكَ؟ فَقَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذَلِكَ يَوْمَ يَقُولُ اللهُ لِآدَمَ: ابْعَثْ بَعْثَ النَّارِ، فَقَالَ: يَا رَبِّ وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: تِسْعُ مِائَةٍ وَتِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ إِلَى النَّارِ وَوَاحِدٌ إِلَى الجَنَّةِ، قَالَ: فَأَنْشَأَ المُسْلِمُونَ يَبْكُونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ إِلَّا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهَا جَاهِلِيَّةٌ، قَالَ: فَيُؤْخَذُ العَدَدُ مِنَ الجَاهِلِيَّةِ فَإِنْ تَمَّتْ وَإِلَّا كَمُلَتْ مِنَ المُنَافِقِينَ وَمَا مَثَلُكُمْ وَالأُمَمِ إِلَّا كَمَثَلِ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الدَّابَّةِ أَوْ كَالشَّامَةِ فِي جَنْبِ البَعِيرِ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الجَنَّةِ فَكَبَّرُوا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الجَنَّةِ فَكَبَّرُوا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الجَنَّةِ فَكَبَّرُوا قَالَ: وَلَا أَدْرِي؟ قَالَ: الثُّلُثَيْنِ أَمْ لَا؟

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ جب یہ آیت آپ ﷺ پر نازل ہوئی: ''یایھا الناس اتقوا ربکم ــــ ولکن عذاب اللہ شدید'' (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی، جس روز تم لوگ اسے دیکھو گے اس دن تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچہ کو بھول جائیں گی، اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی، اور تجھ کو اے مخاطب لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب ہی سخت چیز ہے) تو آپ ﷺ سفر میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زلزلہ قیامت کس دن میں ہوگا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ دن ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمائیں گے کہ: جہنم میں جانے والوں کو اٹھایئے، آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ وہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا،

مسلمان یہ بات سن کر رونے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمام امور میں میانہ روی اختیار کرو اور استقامت کے ساتھ سیدھی راہ پر رہو، اس لئے کہ ہر نبوت کے آنے سے پہلے جاہلیت کا زمانہ تھا، لہذا زمانہ جاہلیت سے یہ عدد لیا جائے گا، اگر یہ تعداد مکمل ہوگئی تو ٹھیک ورنہ اسے منافقین سے مکمل کیا جائے گا، اور تمہاری اور گذشتہ امتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جانور کے ہاتھ کے اندر ایک سیاہ داغ ہو یا جیسے اونٹ کے پہلو میں ایک تل ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی ہوگے اس پر تمام صحابہ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہوگے، اس پر بھی سب نے (شکر کے طور پر) اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کے نصف ہوگے، اس پر بھی سب نے اللہ اکبر کہا، راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے دو تہائی فرمایا یا نہیں۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَتَفَاوَتَ بَيْنَ أَصْحَابِهِ فِي السَّيْرِ فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَهُ بِهَاتَيْنِ الآيَتَيْنِ {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ} [الحج: 1] - إِلَى قَوْلِهِ - {وَلَكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيدٌ} [الحج: 2] فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ أَصْحَابُهُ حَثُّوا الْمَطِيَّ وَعَرَفُوا أَنَّهُ عِنْدَ قَوْلٍ يَقُولُهُ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ ذَلِكَ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذَلِكَ يَوْمٌ يُنَادِي اللهُ فِيهِ آدَمَ فَيُنَادِيهِ رَبُّهُ فَيَقُولُ: يَا آدَمُ ابْعَثْ بَعْثَ النَّارِ، فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ، وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ فَيَقُولُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعُ مِائَةٍ وَتِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ إِلَى النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الجَنَّةِ فَيَئِسَ القَوْمُ، حَتَّى مَا أَبَدَوْا بِضَاحِكَةٍ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بِأَصْحَابِهِ قَالَ: اعْمَلُوا وَأَبْشِرُوا فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ إِلَّا كَثَّرَتَاهُ، يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَمَنْ مَاتَ مِنْ بَنِي آدَمَ وَبَنِي إِبْلِيسَ قَالَ: فَسُرِّيَ عَنِ القَوْمِ بَعْضُ الَّذِي يَجِدُونَ، فَقَالَ: اعْمَلُوا وَأَبْشِرُوا فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ فِي النَّاسِ إِلَّا كَالشَّامَةِ فِي جَنْبِ البَعِيرِ أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الدَّابَّةِ(۱)۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ صحابہ کرامؓ چلنے میں آگے پیچھے ہوگئے، آپ ﷺ نے بلند آواز سے یہ دو آیتیں پڑھیں: "یایھا الناس اتقوا ــــ ولکن عذاب اللہ شدید" تک، جب صحابہ نے آپ کی آواز سنی تو انہوں نے اپنی سواریوں کو تیز دوڑایا، اور وہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کوئی بات ارشاد فرمانے لگے ہیں،

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زلزلہ قیامت کس دن ہوگا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ آدم کو پکاریں گے وہ اپنے رب

(۱) مسند احمد ۴/۴۳۲

کو جواب دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: اے آدم: جہنم میں جانے والوں کو اٹھایئے، آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ دوزخ میں جانے والے کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار آدمیوں میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں ہوگا، اس بات سے وہ (جنت میں جانے سے) مایوس ہوگئے یہاں تک کہ وہ ہنستے وقت دکھائی دینے والا دانت بھی ظاہر نہ کر سکے (یعنی وہ مسکرا نہ سکے)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو افسردہ اور غمگین دیکھا تو فرمایا: اعمال کرتے رہو اور خوش ہو جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، بے شک تم (اس دن) ایسی دو مخلوقوں کے ساتھ ہوگے کہ وہ جب کسی چیز کے ساتھ ہوں تو وہی تعداد میں غالب اور اکثر رہیں گے ایک یاجوج ماجوج اور دوسری اولاد آدم اور شیطان کی اولاد (یعنی سرکش انسان جو کفر پر مر گئے) راوی کہتے ہیں یہ بات سن کر ان لوگوں کا تھوڑا سا غم زائل ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرتے رہو اور خوش ہو جاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی اونٹ کے پہلو میں تل ہو یا جیسے کسی جانور کے ہاتھ کے اندر ایک سیاہ سفید داغ ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔قاربوا: تم میانہ روی اختیار کرو، اعتدال پہ رہو۔ سددوا: تم سیدھے راستے پر استقامت سے رہو۔ کملت: (میم پر تشدید) اس تعداد کو پورا کیا جائے گا۔ رقمة: (را پر زبر اور قاف ساکن) جانور کی کہنی کے اندر یعنی اگلے پاؤں کے اندر سیاہ یا سفید داغ، راوی کہتے ہیں کہ: یہ ایک گول چیز ہوتی ہے جس پر کوئی بال نہیں ہوتے، مہر کی طرح (۱)، ذراع الدابة: جانور کی کہنی یعنی اگلا پیر۔ شامة: تل، مسا۔ جنب البعیر: اونٹ کے پہلو میں۔ تفاوت بین اصحابه فی السیر: صحابہ کرام چلنے میں آگے پیچھے ہوگئے۔ حثوا: دوڑایا، تیز کر دیا، اکسایا۔ المطی: مطیة کی جمع ہے: سواریاں، سواری والے جانور۔ ابعث بعث النار: آپ دوزخ میں جانے والوں کو اٹھایئے۔ یئس القوم: لوگ مایوس ہوگئے۔ ما أبدوا: ظاہر نہ کر سکے۔ ضاحكة: ہنسنے کے وقت دکھائی دینے والا دانت۔ ابشروا: یہ لفظ باب سمع یا باب افعال سے ہے: خوش ہو جاؤ۔ مع خلیقتین: دو مخلوقوں کے ساتھ۔ الا کثرتاہ: مگر یہ کہ وہ دونوں مخلوقیں اس پر غالب رہیں گی۔ بنی ابلیس: شیطان کی اولاد یعنی وہ سرکش انسان جو کفر پر ہی مر گئے، اس سے شیطان کی اپنی ذریت مراد نہیں۔ سری: (صیغہ مجہول) زائل ہوگیا۔ بعض الذی یجدون: بعض وہ جس کو وہ پاتے تھے یعنی مایوسی کی کیفیت ختم ہوگئی، ما انتم فی الناس الا کالشامة فی جنب البعیر: دوسری امتوں کے ساتھ تمہاری تعداد ایسی ہے جیسے اونٹ کے پہلو میں تل ہو۔

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۴۷۳، کتاب الرقاق باب الحشر۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

مذکورہ احادیث کے راوی حضرت عمران بن حصین خزاعی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نام: عمران بن حصین بن عبید خزاعی ہے۔

جس سال خیبر فتح ہوا اس وقت یہ اسلام لائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریک رہے، ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ فتح مکہ کے دن قبیلہ خزاعہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا،

بعد میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ بصرہ منتقل ہو گئے تھے، ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمران وہ پہلے صحابی ہیں جو بصرہ میں آئے، یہ فقہاء صحابہ میں سے تھے، اس لئے کچھ عرصہ بصرہ کے قاضی بھی رہے ہیں،

زہد وتقویٰ اور عبادت میں بہت معروف تھے، اہل بصرہ ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اپنے ساتھ موجود حفاظت کے فرشتوں کو دیکھتے اور ان سے بات بھی کرتے تھے، پھر وفات سے تقریباً دو سال پہلے بیمار ہوئے، اور علاج کے لئے اپنے جسم پر داغ لگوایا تو پھر یہ کیفیت ختم ہوگئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی روایات سنیں اور انہیں آگے روایت کیا، اور مشاجرات صحابہ میں بالکل یکسو رہے، کسی بھی فتنہ میں مبتلی نہیں ہوئے۔

ان کی وفات ۵۲ یا ۵۳ ھ میں ہوئی(۱)۔

زلزلہ قیامت کب ہوگا

مذکورہ آیت اور حدیث میں قیامت کے جس زلزلہ کا ذکر ہے، یہ کب ہوگا؟ کیا قیامت ہونے سے پہلے ہوگا یا قیامت اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد، اس میں مفسرین کے دو قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ زلزلہ، قیامت واقع ہونے سے پہلے اس دنیا میں ہوگا، اور یہ قیامت کی آخری علامات میں ہے، جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں ہے مثلاً: "اذا زلزلت الارض زلزالها، و حملت الارض و الجبال فدكتا دكة واحدة، اذا رجت الارض رجا" وغیرہ۔

۲۔ بعض حضرات نے مذکورہ احادیث سے استدلال کر کے یہ فرمایا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت قائم ہونے کے بعد حشر ونشر اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں باتوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، کیونکہ قیامت سے پہلے زلزلہ کا آنا بھی قرآن مجید کی

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۵۸۴/۲، حرف العین

آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور قیامت کے بعد زلزلہ کا ثبوت جامع ترمذی کی مذکورہ احادیث سے ہے (۱)۔

دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا حل

حضرت عمران بن حصین کی مذکورہ دونوں احادیث میں ہے کہ نو سو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا، جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت منقول ہے، جس میں سو کا لفظ ہے کہ ہر سو میں سے ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے کہ حدیث عمران سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہزار میں سے ایک جنت میں جائے گا، اور حدیث ابی ہریرہ کے لحاظ سے ہزار میں سے دس آدمی جنت میں جائیں گے۔

اس تعارض کے حل میں شارحین حدیث نے درج ذیل توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ امام کرمانی فرماتے ہیں کہ یہاں کوئی خاص عدد مراد نہیں، مقصود ان تمام روایات سے یہ ہے کہ جہنم میں مؤمنین کی تعداد کفار کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہوگی۔

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس تعارض کے حل میں یوں کہا جائے کہ حضرت عمران بن حصین کی روایت تمام اولاد آدم کے اعتبار سے ہے جس میں یاجوج ماجوج بھی شامل ہے، کہ ہزار میں سے ایک جنت میں جائے گا اور حدیث ابو ہریرہ یاجوج ماجوج کے علاوہ دوسرے انسانوں کے اعتبار سے ہے کہ ان کے ہزار میں سے دس آدمی جنت میں جائیں گے۔

۳۔ حضرت عمران کی روایت تمام مخلوق کے اعتبار سے ہے اور حدیث ابو ہریرہؓ میں امت محمدیہ کا ذکر ہے (۲)۔

انکم لمع خلیقتین ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روز تم ایسی دو مخلوقوں کے ساتھ ہوگے کہ وہ جب کسی جماعت کے ساتھ ہوں تو وہی تعداد میں غالب اور اکثر رہیں گے ایک یاجوج ماجوج اور اولاد آدم میں سے وہ سرکش انسان جو کفر پر ہی مر گئے، اس لئے نو سو ننانوے میں بڑی تعداد انہی کی ہوگی۔

''بنی ابلیس'' اس سے سرکش انسان جو شیطان کی پیروی کرتے تھے، جن کی وفات کفر پر ہی ہوگئی وہ مراد ہیں، ان سے شیطان کی اپنی اولاد مراد نہیں، کیونکہ جنات کا حساب انسانوں کے بعد ہوگا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مؤمن جنات اور انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات سے فرمائیں گے کہ: ''کونوا ترابا'' کہ تم مٹی ہو جاؤ، اور اس وقت کافر کہے گا: ''یا لیتنی کنت ترابا'' اے کاش میں مٹی ہو جاتا،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جنات کا حساب انسانوں کے ساتھ نہیں ہوگا، بلکہ انسانوں کے بعد ہوگا، کیونکہ ان کا

---

(۱) تفسیر قرطبی ۱۲/۸۷، بیروت لبنان۔

(۲) فتح الباری ۱۱/۴۷۵، کتاب الرقاق، باب قول اللہ: ان زلزلة الساعة شیئ عظیم

انسانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ان کے باپ آدم علیہ السلام نہیں، ان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، جبکہ حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے(۱)۔

ما انتم فی الناس الا کالشامۃ فی جنب البعیر او کالرقمۃ فی ذراع الدابۃ۔

مطلب یہ ہے کہ اس امت کی مثال دوسری امتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے اونٹ کے پہلو میں تل ہو یا جانور کے اگلے پاؤں کے اندر ایک گول سا سیاہ یا سفید داغ ہو، تو جس طرح اونٹ کے پورے جسم کے مقابلے میں وہ تل انتہائی چھوٹا ہے اور جس طرح جانور کے اگلے پاؤں میں وہ سفید یا سیاہ داغ پورے جسم کے مقابلے میں چھوٹا سا ہوتا ہے، اسی طرح مشرکین اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد جہنم میں بہت کم ہوگی۔

انی لارجو ان تکونوا ربع اھل الجنۃ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی دفعہ یہ تعداد بیان نہیں فرمائی بلکہ پہلے چوتھائی پھر تہائی اور پھر نصف بیان فرمایا، اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تعداد پھر دوسری اطلاع دی گئی اس لئے آپ نے اس طرح بیان فرمایا۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تعداد مختلف اوقات کے اعتبار سے ہو، ابتداء میں اس امت کی تعداد جنت میں چوتھائی کے برابر ہوگی پھر ایک زمانہ آئے گا کہ اہل جنت کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا تو تعداد تہائی اور پھر ایک زمانہ میں نصف ہو جائے گی، ترمذی میں ابواب صفۃ الجنۃ، باب کم صف اھل الجنۃ میں گذر چکا ہے کہ جنت میں ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں اسی صفین اس امت کی ہوں گی اور چالیس بقیہ امتوں کی ہوں گی، اس سے معلوم ہوا کہ امت کی تعداد نصف سے بڑھ کر دو تہائی ہو جائے گی(۲)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا سُمِّيَ الْبَيْتَ الْعَتِيقَ لِأَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ عَلَيْهِ جَبَّارٌ(۳)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیت اللہ کا نام "عتیق" (آزاد) اس لئے رکھا گیا کہ اس پر (آج تک) کوئی سرکش ظالم غالب نہیں آسکا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

حضرت عبداللہ کے والد محترم حضرت زبیر بن العوام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کے بیٹے اور حضرت صدیق اکبر کے داماد ہیں، حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء ان کے نکاح میں تھیں، بڑی قدر و منزلت والے صحابی ہیں۔

---

(۱) فتح الباری ۶/۳۲۵، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الجن وثوابھم، الکوکب الدری ۴/۲۱۰

(۲) فیض الباری ۴/۲۰۹

(۳) للمستدرک علی الصحیحین للحاکم ۲/۴۹۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الحج، حدیث: ۳۵۱۵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ ہجرت کی تو سن ایک ہجری میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے، حضرت صدیق اکبر نے ان کے کان میں اذان دی، پھر حضرت اسماء ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں، اور آپ کی مبارک گود میں انہیں دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگائی، اسے منہ میں چبایا اور پھر اپنا مبارک لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا، اس کو عربی میں "تحنیک" کہا جاتا ہے، یوں ان کے پیٹ میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک لعاب ہی داخل ہوا، اور آپ نے ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نہایت متقی، پرہیزگار اور پاکباز انسان تھے، روزے اور نوافل کثرت سے پڑھا کرتے تھے، صلہ رحمی کا بہت خیال رکھتے تھے، بہت بہادر اور زبردست کمانڈر تھے، ان کی جرأت و شجاعت کی داستانیں پورے جزیرہ عرب میں ضرب المثل تھیں، حق گوئی میں کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے تھے، اچھے مبلغ اور خطیب تھے، بہت سے حضرات نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت معاویہ کے بعد ان کے بیٹے یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، پھر جب یزید مر گیا تو مکہ مکرمہ میں انہوں نے سن ۶۴ ھجری میں خلافت کا اعلان کر دیا، عام لوگوں سے بیعت شروع کر دی، اور بہت جلد شام کے بعض مقامات کے علاوہ پورے عالم اسلام نے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا، اور تقریباً نو سال تک حجاز، عراق، یمن اور خراسان وغیرہ ممالک ان کی خلافت کے تحت رہے، پھر جمادی الاولیٰ ۷۲ ھجری میں حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، کئی ماہ تک محاصرہ اور لڑائی کا سلسلہ چلتا رہا بالآخر حجاج غالب آ گیا، اور حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو گئے، حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، کافی دنوں کے بعد پھر اس نے انہیں دفن کرنے کی اجازت دی(۱)۔

"بیت اللہ" کا ایک نام "بیت عتیق"

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو "بیت عتیق" کہنے کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر سرکش ظالم و جابر اور کافر کے غلبہ، تسلط اور قبضہ سے آزاد کر دیا ہے اس لئے اس کو بیت عتیق کہا جاتا ہے کیونکہ عتیق کے معنیٰ آزاد کے ہیں، کسی کافر کو یہ مجال اور ہمت نہیں کہ وہ اس پر قبضہ یا غلبہ حاصل کر سکے۔ اصحاب فیل کا واقعہ اس پر شاہد ہے(۲)۔

اور حجاج بن یوسف نے جو مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تھا اس سے اس کا مقصد حضرت عبداللہ بن زبیر کو راستے سے ہٹا کر اقتدار پر

---

(۱) الاصابة فی تمیز الصحابة ۷۸/۴، حرف العین نمبر ۴۷۰۰ مرقاة المفاتیح ۳۷۹/۱۱، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، مظاہر حق ۸۵۶/۵ خ مناقب کا جامع بیان

(۲) تحفة الاحوذی ۱۶/۹

قبضہ کرنا تھا، تاکہ اہل مکہ وغیرہ بھی میرے ماتحت ہوجائیں، اس کاروائی سے براہ راست بیت اللہ پر حملہ یا اس کی توہین مقصود نہیں تھی، کیونکہ بیت اللہ تو ان کے ہاں بھی قابل تعظیم ہی تھا(۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا أُخْرِجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَخْرَجُوا نَبِيَّهُمْ لَيَهْلِكُنَّ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى {أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ} [الحج: 39] الآيَةَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: لَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ سَيَكُونُ قِتَالٌ(۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکالا گیا تو ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکال دیا ہے، یہ ضرور ہلاک ہوجائیں گے (یا ضرور ان کو ہلاک کردیا جائے گا اس صورت میں یہ لفظ باب افعال سے صیغہ مجہول ہوگا،) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اذن للذین یقاتلون ـــ" (ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ عنقریب (مسلمانوں اور کافروں میں) لڑائی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ اس وقت میں پیدا ہوئے جب بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے، ان کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی جب وفات ہوئی تو اس وقت ابن عباس کی عمر تیرہ یا چودہ یا دس سال تھی، اس عرصہ میں انہوں نے آپ ﷺ سے علوم و معارف حاصل کئے، حضرت عبداللہ بن عباس کی چند ممتاز خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ ان کے لئے دعا فرمائی، ایک بار آپ ﷺ نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور یہ دعا دی: "اللھم علمه الحکمة" (اے اللہ انہیں حکمت یعنی دینی فہم و بصیرت عطا فرما) اور دوسری دعا اس وقت آپ نے ان کے لئے فرمائی جب ابن عباس نے آپ ﷺ کے لئے اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں طہارت اور وضو کے لئے پانی رکھا، آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے یہ دعا فرمائی: "اللھم فقهه فی الدین و علمه التاویل" (اے اللہ انہیں دین میں فقاہت و بصیرت اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرمادے)۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی دعا کا اثر تھا کہ وہ اس امت کے جلیل القدر عالم تھے، ان کے علم و فضل اور حکمت و دانشمندی کا بڑے

(۱) الکوکب الدری ۲۱۱/۴

(۲) نسائی، کتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد، المستدرک علی الصحیحین ۲/۲۹۷

بڑے صحابہ کرام نے اعتراف اور اقرار کیا ہے، عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود بڑے صحابہ کی مجالس میں ان کو بٹھایا جاتا تھا کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں ایک خاص دینی بصارت اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرمایا تھا۔

۳۔ انہوں نے دو بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا ہے، اور جبرائیل امین نے ان کے لئے برکت اور خیر کثیر کی دعا کی، یہ شرف ان کو حاصل ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے دور خلافت میں طائف میں ۷۱ سال کی عمر میں وفات پائی، وفات سے پہلے یہ نابینا ہو گئے تھے، ان کی وفات کے بعد دفن سے پہلے دو اہم واقعے پیش آئے ایک یہ کہ جب ان کو کفن میں لپیٹا گیا تو ایک سفید پرندہ ان کے کفن میں داخل ہو کر غائب ہو گیا، لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کا انہیں کوئی سراغ نہ مل سکا، دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ جب ان کا جسم قبر میں رکھ دیا گیا تو غائب سے ایک تلاوت کرنے والے کی آواز آئی جو یہ آیت پڑھ رہا تھا: "یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة" (اے اطمینان والے نفس اپنے رب کی طرف واپس لوٹ جا تو اس سے اور وہ تم سے راضی ہے) یہ گویا اللہ جل شانہ کی طرف سے ان کے لئے ایک بشارت ہے کہ اللہ تعالی ان سے راضی ہے (۱)۔

کفار کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار کی طرف سے بہت ظلم ہوتا تھا، کوئی دن ایسا نہ گذرتا کہ جس میں کسی کو زخم یا چوٹ نہ آتی ہو، جب مکہ میں مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی تو مسلمان نبی کریم ﷺ سے کفار کے مقابلے میں جہاد کی اجازت مانگتے تھے، نبی کریم ﷺ جواب میں فرماتے کہ صبر کرو، مجھے ابھی تک جہاد کی اجازت نہیں دی گئی، یہ سلسلہ دس سال تک اسی طرح چلتا رہا۔

جس وقت نبی کریم ﷺ مکہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے تو صدیق اکبر آپ کے ساتھ تھے، جس کا ذکر امام ترمذی کی مذکورہ حدیث میں ہے،

یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے قتال کرنے کی اجازت دے دی گئی، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ اس سے پہلے ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال کو ممنوع قرار دیا گیا تھا (۲)۔

---

(۱) الاصابة ۱۲۱/۴، حرف العین، مرقاۃ المفاتیح ۳۰۴/۱۱، ۳۱۲، کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ

(۲) تفسیر قرطبی ۶۶/۱۲، دار الکتاب العربی، بیروت

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْمُؤْمِنُونَ

یہ باب سورہ مؤمنون کے بارے میں ہے

عَنْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سمِعَ عِنْدَ وَجْهِهِ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَأَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا، ثُمَّ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُنْزِلَ عَلَيَّ عَشْرُ آيَاتٍ، مَنْ أَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ، ثُمَّ قَرَأَ: {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ} [المؤمنون: 1] حَتَّى خَتَمَ عَشْرَ آيَاتٍ(۱)۔

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرے کے پاس (آس پاس والوں کے کان میں) شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دیتی، چنانچہ ایک دن آپ پر وحی نازل کی گئی (یعنی آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی) تو ہم آپ کے پاس ایک گھڑی ٹھہر گئے، پھر وحی کی کیفیت سے فراغت ہوئی تو آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور یہ دعا کرنے لگے: "اے اللہ ہمیں اور زیادہ دے، کم نہ کر، ہماری عزت بڑھا، ذلیل نہ کر، ہمیں عطا کر، محروم نہ کر، ہمیں دوسروں پر ترجیح دے، ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے، تو ہمیں راضی کر دے اور خود بھی ہم سے راضی ہو جا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی مجھ پر ایسی دس آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص ان پر پورا پورا عمل کرے گا تو وہ (سیدھا) جنت میں جائے گا پھر آپ نے سورہ مؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں پڑھیں یعنی "قد افلح المؤمنون"۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ دوی النحل: (دال پر زبر، واؤ کے نیچے زیر اور یا پر تشدید) شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز۔ سری عنه: (صیغہ مجہول) آپ سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی۔ و لا تهنا: ہماری توہین نہ کر، ہمیں ذلیل نہ کر۔ اثرنا: تو ہمیں دوسروں پر ترجیح دے، غالب کر۔ لا تؤثر علينا: ہم پر دوسروں کو ترجیح اور غلبہ نہ دے۔ من أقامهن: جو شخص ان آیات میں مذکور صفات پر پورا پورا عمل کرے گا۔

اہل ایمان کے اوصاف

مذکورہ حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

❁ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ شروع ہوتا تو آپ کے پاس سننے والوں کو یوں آواز سنائی دیتی جیسے شہد کی مکھیوں کی

(۱) مسند احمد ۵۶/۱

بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔

سورہ مؤمنون کی ابتدائی دس آیات نازل ہوئیں جن میں اہل ایمان کے اوصاف کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان تمام اوصاف پر پورا پورا عمل کرے گا تو وہ جنت میں جائے گا، وہ اوصاف یہ ہیں:

۱۔ نماز میں خشوع کرنا۔ ۲۔ لغو اور بے فائدہ کاموں سے اعراض کرنا۔ ۳۔ اگر زکوۃ فرض ہو تو اسے ادا کرنا۔ ۴۔ ناجائز جگہ سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا۔ ۵۔ امانت کا حق ادا کرنا۔ ۶۔ عہد کو پورا کرنا۔ ۷۔ پابندی سے نماز ادا کرنا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ النَّضْرِ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ ابْنُهَا حَارِثَةُ بْنُ سُرَاقَةَ أُصِيبَ يَوْمَ بَدْرٍ، أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَأَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: أَخْبِرْنِي عَنْ حَارِثَةَ لَئِنْ كَانَ أَصَابَ خَيْرًا احْتَسَبْتُ وَصَبَرْتُ، وَإِنْ لَمْ يُصِبِ الْخَيْرَ اجْتَهَدْتُ فِي الدُّعَاءِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي جَنَّةٍ، وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلَى وَالْفِرْدَوْسُ رَبْوَةُ الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُهَا وَأَفْضَلُهَا(۱).

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ربیع بنت نضر نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں، (یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب) ان کے بیٹے حارثہ بن سراقہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے، انہیں ایسا تیر لگا جس کے مارنے والے کا پتہ نہیں چل سکا، کہنے لگیں یا رسول اللہ مجھے حارثہ کے متعلق بتا دیجئے، اگر تو اس نے خیر (یعنی جنت) کو پا لیا ہے تو میں ثواب کی امید رکھوں اور صبر کروں اور اگر اس نے خیر کو نہیں پایا تو پھر میں اس کے لئے دعا میں خوب کوشش کروں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام حارثہ جنت میں بہت سے درجات ہیں، اور تمہارے بیٹے نے فردوس اعلیٰ کو حاصل کر لیا ہے، اور فردوس جنت کی سب سے بلند زمین ہے، اور جنت کے درمیان ہے اور جنت کے درجات میں سب سے افضل ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ اصیب: مبتلائے مصیبت ہوئے یعنی انہیں شہید کر دیا گیا۔ سهم غرب: غیبی تیر یعنی ایسا تیر جس کا مارنے والا معلوم نہ ہو۔ اصاب خیرا: اس نے خیر یعنی جنت کو پا لیا۔ جنان: جنة کی جمع ہے: باغات، درجات۔ ربوة: بلند زمین، ٹیلہ۔

حضرت انس بن مالک ؓ

حضرت انس بن مالک بن نضر خزرجی مدینہ منورہ کے باشندے اور نبی کریم ﷺ کے خادم خاص تھے، نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت یہ دس سال کے تھے، ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی باب فضل من شهد بدراً

آپ کی خدمت میں ان کو پیش کیا تو آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور انہیں اپنا خادم بنالیا، تقریباً دس سال تک انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت کی، اس دوران آپ سے بہت سی احادیث حاصل کیں، جنہیں وہ آگے اپنے شاگردوں سے بیان کیا کرتے تھے،

ایک دفعہ ان کی والدہ ام سلیم نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرے بیٹے انس کے لئے دعا فرمادیں، تو آپ نے ان کے لئے یہ دعا مانگی: "اللهم اكثر ماله و ولده و بارك له فيه و ادخله الجنة" (اے اللہ ان کے مال اور اولاد کو بڑھا دے اور اس میں برکت ڈال دے، اور انہیں جنت میں داخل کر دے)

اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ دعا قبول فرمائی، چنانچہ مال میں برکت کا یہ عالم تھا کہ ان کے باغ سال میں دومرتبہ پھل دیا کرتے تھے اور اولاد میں یوں اضافہ ہوا کہ ان کی اولاد سو کے لگ بھگ تھی جن میں لڑکے بہت زیادہ تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ آٹھ غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ان کے عشق ومحبت کا یہ حال تھا کہ ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ موت سے پہلے انس بن مالک نے مجھے فرمایا کہ یہ نبی کریم ﷺ کے بال مبارک ہیں، انہیں میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیئے، پھر یہ بال ان کی زبان کے نیچے ہی رہے یہاں تک کہ وہ موت کے بعد مدفون ہوگئے (۱)۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ میں ہی رہے، پھر عہد فاروقی میں بصرہ میں رہائش اختیار کرلی تا کہ وہاں لوگوں کو دین سکھائیں، بصرہ ہی میں سن ۹۱ ہجری میں انہوں نے انتقال فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ سال تھی، اور یہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں رضی اللہ عنہ (۲)۔

غزوہ بدر میں حارثہ بن سراقہ کی شہادت

نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر کفار کی جاسوسی کے لئے کچھ صحابہ کرام کو ایک اونچی جگہ پر متعین فرمایا تھا تا کہ وہ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھیں، ان صحابہ میں حضرت حارثہ بن سراقہ بھی تھے، یہ ایک نوجوان اور چاک و چوبند مجاہد صحابی تھے، بدر کا معرکہ جب گرم تھا تو حکم کے مطابق یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی بلند جگہ پر کھڑے تھے کہ اچانک ایک طرف سے ایک تیر آیا جس کا مارنے والا معلوم نہیں ہوسکا، جوان کے گلے کو لگ گیا، زخم اس قدر شدید تھا کہ وہ اسی سے شہید ہوگئے (۳)۔

ان کی شہادت کے بعد ان کی والدہ حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا جو حضرت انس بن مالک کی پھوپھی تھیں، یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور مذکورہ کلام کیا جو اس حدیث میں مذکور ہے، کہنے لگیں کہ میرا بیٹا اگر جنت میں ہے تو

---

(۱) الاصابة ۱/۲۷۵، حرف الألف

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۱/۳۴۹، كتاب المناقب باب جامع المناقب

(۳) الاصابة ۱/۴۰۷، حرف الحاء مرقاة المفاتيح ۱۱/۳۹۵، كتاب المناقب، باب تسمية من سمى من أهل بدر

میں صبر کروں گی، اور اگر دوزخ میں ہے تو پھر اس کے لئے اللہ جل شانہ سے خوب دعا کیا کروں گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنت میں سب سے اونچے درجے جنت الفردوس میں ہے، جو جنت کا سب سے افضل مقام ہے۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ اگر وہ جنت میں نہیں ہے تو "اجتهدت عليه في البكاء" میں اس پر تاریخی نوحہ کروں گی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ کلام اس زمانے سے متعلق ہے جس وقت اسلام میں نوحہ کرنے کی اجازت تھی، بعد میں یہ منسوخ ہوگیا۔

و أوسطها و أفضلها: یعنی جنت الفردوس جنت کے بالکل وسط میں ہے اور سب سے افضل درجہ ہے، اس میں و أفضلها کا عطف اوسطها پر تاکید اور تفسیر کے طور پر ہے (۱)۔

عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ: {وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ} [المؤمنون: 60] قَالَتْ عَائِشَةُ: أَهُمُ الَّذِينَ يَشْرَبُونَ الخَمْرَ وَيَسْرِقُونَ؟ قَالَ: لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ، وَلَكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ {أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ} [المؤمنون: 61] (۲)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: والذين يوتون ما اتوا و قلوبهم وجلة ـــ (اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) عرض کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی یہ مراد نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں اور (اس کے باوجود) وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل (اللہ کے ہاں) قبول نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں، اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔يؤتون: دیتے ہیں، خرچ کرتے ہیں۔ ما اتوا: یہ ایتاء سے ہے: جو کچھ انہوں نے اللہ کے راستے میں دیا۔ يسارعون في الخيرات: نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں تاکہ کوئی نیکی ہم سے رہ نہ جائے۔

نیک لوگوں کی ایک صفت

قرآن مجید کی اس آیت: "والذين يؤتون ما اتوا" کی تفسیر جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگ وہ ہیں جو دین کے کام کر کے بھی اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارا یہ عمل اللہ کے ہاں قبول ہوا ہے یا

(۱) تحفة الاحوذی ۹/۲۰

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الزهد باب التوقی علی العمل، مسند احمد ۷/۲۲۹، (حدیث: ۲۴۷۳۵) مسند السیدہ عائشہ۔

نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کو یہ فکر لگ جائے تو یہ اس کے عمل کے قبول ہونے کی علامت ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے ہیں کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے(۱)۔

لہٰذا اس حدیث میں اہل ایمان کے لئے یہ درس ہے کہ اعمال صالحہ کر کے آدمی بے فکر نہ ہو جائے بلکہ اسے یہ فکر لگی رہنی چاہئے کہ میں جو نیک کام کر رہا ہوں، معلوم نہیں اللہ کے ہاں یہ قبول بھی ہیں یا نہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: {وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ} [المؤمنون: 104] قَالَ: تَشْوِيهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ العَالِيَةُ حَتَّى تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهِ، وَتَسْتَرْخِي شَفَتُهُ السُّفْلَى حَتَّى تَضْرِبَ سُرَّتَهُ(۲)۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی آیت: "وهم فيها كالحون" (جہنم میں ان کے چہرے بدشکل ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا: کافر کو جہنم کی آگ بھون دے گی، جس سے اس کا اوپر کا حصہ سکڑ جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کے سر کے بیچ تک پہنچ جائے گا، اور اس کا نچلا ہونٹ لٹکنے لگے گا یہاں تک کہ وہ اس کی ناف سے لگنے لگے گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ کالح: وہ شخص جس کے ہونٹ کھلے ہوں یعنی جس کے ہونٹ دانتوں سے چھوٹے ہوں اور دانت دکھائی دیتے رہیں۔ تشویہ: دوزخ کی آگ کافر کو بھون ڈالے گی۔ تقلص: اس کا ہونٹ سکڑ جائے گا۔ تسترخی: لٹک جائے گا۔ تضرب سرتہ: اس کی ناف کے قریب ہو جائے گا، ناف سے لگنے لگے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

ان کا نام یہ ہے: سعد بن مالک بن سنان انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ، لیکن نام سے زیادہ اپنی کنیت یعنی ابوسعید خدری سے مشہور ہیں،

غزوہ احد میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کے والد شریک ہوئے اور اسی میں وہ شہید ہو گئے،

نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث سنیں اور پھر انہیں روایت کیا، بہت سے صحابہ اور تابعین نے ان سے اخذ حدیث کیا،

والد کی شہادت کے بعد معاشی لحاظ سے مشکلات پیش آئیں تو اس سلسلے میں بات کرنے کے لئے خدمت اقدس میں

---

(۱) تفسیر قرطبی (۱۲/۱۲۰) الآیۃ: ۶۰، دار الکتاب العربی، بیروت

(۲) مسند احمد: ۳/۵۱۱ حدیث: ۱۱۴۲۶

حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من استغنى أغناه الله، و من يستعفف يعفه الله (جو شخص مستغنی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کردیتے ہیں، اور جو شخص برائی سے بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اُسے برائی سے بچادیتے ہیں) حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ پھر میں واپس آ گیا۔

آپ کی وفات سن ۶۴ھ میں ہوئی، اور مدینہ منورہ میں ہی جنت البقیع میں دفن کئے گئے(۱)۔

دوزخ میں کافر کے ہونٹوں کا حال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں کافر انتہائی بدشکل ہوگا، اس کے دانت کھلے ہوں گے، اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا، اور نچلا ہونٹ لٹک کر ناف کے قریب تک آجائے گا، اور اب کے بعد اسے کسی سے بولنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عذاب دوزخ سے محفوظ فرمائے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ النُّورِ

یہ باب سورہ نور کے بارے میں ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: مَرْثَدُ بْنُ أَبِي مَرْثَدٍ، وَكَانَ رَجُلًا يَحْمِلُ الأَسْرَى مِنْ مَكَّةَ حَتَّى يَأْتِيَ بِهِمُ المَدِينَةَ، قَالَ: وَكَانَتِ امْرَأَةٌ بَغِيٌّ بِمَكَّةَ يُقَالُ لَهَا: عَنَاقُ وَكَانَتْ صَدِيقَةً لَهُ، وَإِنَّهُ كَانَ وَعَدَ رَجُلًا مِنْ أُسَارَى مَكَّةَ يَحْمِلُهُ، قَالَ: فَجِئْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى ظِلِّ حَائِطٍ مِنْ حَوَائِطِ مَكَّةَ فِي لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ، قَالَ: فَجَاءَتْ عَنَاقُ فَأَبْصَرَتْ سَوَادَ ظِلِّي بِجَنْبِ الحَائِطِ فَلَمَّا انْتَهَتْ إِلَيَّ عَرَفَتْ، فَقَالَتْ: مَرْثَدٌ؟ فَقُلْتُ: مَرْثَدٌ. فَقَالَتْ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا هَلُمَّ فَبِتْ عِنْدَنَا اللَّيْلَةَ. قَالَ: قُلْتُ: يَا عَنَاقُ حَرَّمَ اللَّهُ الزِّنَا، قَالَتْ: يَا أَهْلَ الخِيَامِ، هَذَا الرَّجُلُ يَحْمِلُ أَسْرَاءَكُمْ، قَالَ: فَتَبِعَنِي ثَمَانِيَةٌ وَسَلَكْتُ الخَنْدَمَةَ فَانْتَهَيْتُ إِلَى كَهْفٍ أَوْ غَارٍ فَدَخَلْتُ، فَجَاءُوا حَتَّى قَامُوا عَلَى رَأْسِي فَبَالُوا فَظَلَّ بَوْلُهُمْ عَلَى رَأْسِي وَعَمَّاهُمُ اللَّهُ عَنِّي، قَالَ: ثُمَّ رَجَعُوا وَرَجَعْتُ إِلَى صَاحِبِي فَحَمَلْتُهُ وَكَانَ رَجُلًا ثَقِيلًا حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى الإِذْخِرِ، فَفَكَكْتُ عَنْهُ أَكْبُلَهُ فَجَعَلْتُ أَحْمِلُهُ وَيُعْيِينِي حَتَّى قَدِمْتُ المَدِينَةَ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْكِحُ عَنَاقًا؟ فَأَمْسَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا حَتَّى نَزَلَتْ {الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ}، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۲۶، کتاب الایمان، الفصل الاول، الاصابۃ ۳/۶۵، حرف السین

مَرْثَدٌ: الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ، فَلَا تَنْكِحْهَا(۱)۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام مرثد بن ابی مرثد تھا وہ مکہ مکرمہ سے قیدیوں کو اٹھاتا اور مدینہ منورہ انہیں لے جاتا تھا، مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جسے عناق کہا جاتا تھا، وہ مرثد کی دوست تھی، مرثد نے مکہ کے قیدیوں میں سے ایک سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے مدینہ لے جائے گا، مرثد کہتے ہیں کہ میں آیا اور مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے میں چاندنی رات میں کھڑا ہو گیا، کہتے ہیں اتنے میں عناق آئی اور اس نے دیوار کے پہلو میں میرے سائے کی سیاہی یعنی مجھے دیکھ لیا، پھر جب وہ میرے قریب پہنچی تو وہ مجھے پہچان گئی، اور کہنے لگی: تم مرثد ہو؟ میں نے کہا: ہاں میں مرثد ہوں، کہنے لگی: خوش آمدید: آیئے آج ہمارے پاس رات گذاریئے، کہتے ہیں: میں نے کہا: اے عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے،

اس نے زور سے کہا: اے خیمے والو! یہ آدمی تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے، کہتے ہیں آٹھ آدمی میرے پیچھے دوڑے اور میں خندمہ پہاڑ کی طرف چلا یعنی دوڑا، وہاں ایک غار کے پاس پہنچا تو اس میں داخل ہو گیا، چنانچہ وہ لوگ آئے اور میرے سر پر کھڑے ہو گئے اور وہاں پیشاب بھی کیا جو میرے سر پر پڑنے لگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھے دیکھنے سے اندھا کر دیا، کہتے ہیں پھر وہ واپس ہو گئے اور میں بھی اپنے ساتھی کے پاس گیا، اسے وہاں سے اٹھایا مگر وہ کافی بھاری تھا، یہاں تک کہ میں (اسے لے کر) مقام اذخر تک پہنچا، پھر میں نے اس کی ہتھکڑیاں کھولیں، پھر میں اسے اٹھا کر لے جانے لگا مگر وہ مجھے تھکا دیتا تھا، یہاں تک کہ میں مدینہ منورہ میں آ گیا،

پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ: کیا میں عناق کے ساتھ نکاح کر سکتا ہوں؟ دو بار عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں: الزانی لا ینکح الا زانیۃ ـــ (زانی شخص زانیہ اور مشرکہ عورت کے علاوہ کسی سے نکاح نہیں کرتا، اور زانیہ کے ساتھ بھی صرف زانی اور مشرک نکاح کرتا ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مرثد: زانی آدمی صرف زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور زانیہ سے صرف زانی یا مشرک ہی نکاح کرتا ہے، اس لئے تو عناق سے نکاح نہ کر۔

مشکل الفاظ کے معنی: یحمل: اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اسریٰ: اسیر کی جمع ہے: قیدی۔ امرأۃ بغی: یعنی زنا کار عورت۔ لیلۃ مقمرۃ: چاندنی رات۔ سواد ظلی: میرے سائے کی سیاہی یعنی میری ذات کو۔ فبت عندنا: ہمارے پاس رات گذاریئے۔ الخندمۃ: (خاء پر زبر اور نون ساکن): مکہ کے پاس ایک پہاڑ ہے۔ کھف: غار۔ عماھم اللہ عنی: اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھے دیکھنے سے اندھا کر دیا۔ رجل ثقیل: کافی بھاری آدمی۔ اذخر: مقام اذخر یعنی یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ ففککت عنہ: میں نے اس سے (بیڑیاں) کھول دیں، میں نے اسے چھڑوایا یعنی آزاد کیا۔ اکبل: کبل کی جمع ہے، بیڑیاں، ہتھکڑیاں، یعیینی: وہ

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی قولہ تعالیٰ: الزانی لا ینکح الا زانیۃ

مجھے تھکا دیتا تھا۔ انکح: (صیغہ واحد متکلم، اس کے شروع میں ہمزہ استفہام محذوف ہے)، کیا میں عناق سے نکاح کر سکتا ہوں۔
امسک: آپ ﷺ رک گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بلند درجے کے صحابی ہیں، انہوں نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی کی ہے، مختلف غزوات میں شریک رہے، عبادات کا ان کو بہت ہی ذوق وشوق تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کو احادیث لکھنے کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ یہ احادیث لکھا کرتے تھے، جن کی تعداد سات سو ہے، یہ فاتح مصر بھی ہیں۔

ان کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، واقدی کہتے ہیں کہ سن ۶۵ ھجری میں شام میں بہتر سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی،

بعض نے کہا کہ ان کی وفات مصر میں، بعض نے مکہ مکرمہ میں اور بعض نے طائف کا ذکر کیا ہے، واللہ اعلم (۱)۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ

اس حدیث میں جو صحابی مکہ مکرمہ سے مسلمان قیدیوں کو خفیہ طریقہ سے مدینہ منورہ لے جاتے تھے ان کا نام مرثد بن ابی مرثد غنوی ہے، یہ غزوہ بدر میں بھی برسرپیکار رہے، اور ماہ صفر سن تین ہجری میں غزوہ الرجیع میں شہید ہو گئے (۲)۔

زنا کے متعلق آیت کی تشریح

قرآن مجید کی اس آیت "الزانی لا ینکح الا زانیۃ۔" میں زانی اور زانیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں، اور اپنی اس بری عادت پر قائم رہیں، اور اگر ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کر لے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کر لے تو اس آیت سے نفی لازم نہیں آتی، یہ نکاح شرعا درست ہو جائے گا، جمہور فقہاء امت امام اعظم ابوحنیفہ، مالکؒ اور امام شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت: "وحرم ذلک علی المؤمنین" میں "ذلک" سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

---

(۱) الاصابۃ ۱۶۵/۴، حرف العین، مرقاۃ المفاتیح ۱۳۷/۱، کتاب الایمان، الفصل الاول

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۵۵/۶ حرف المیم

۱۔　بعض مفسرین کے نزدیک "ذلک" کا اشارہ زنا کی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ جب زنا ایسا خبیث فعل ہے تو اس لئے اسے مؤمنین پر حرام کر دیا گیا، معنی کے اعتبار سے اس تفسیر پر کوئی اشکال نہیں رہتا، لیکن ذلک سے زنا مراد لینا کسی قدر بعید ضرور ہے۔

۲۔　بعض مفسرین نے ذلک کا اشارہ زانی وزانیہ اور مشرک ومشرکہ کے نکاح کی طرف قرار دیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ مشرک عورت کا نکاح مسلمان مرد سے اور مشرک مرد سے مسلمان عورت کا نکاح حرام ہے، یہ حکم قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔

اور زانی مرد سے پاکدامن عورت کا نکاح یا زانیہ عورت سے پاکدامن مرد کا نکاح حرام ہونا جو اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے یہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ پاکدامن مرد زانیہ عورت سے نکاح کر کے اس کو زنا سے نہ روکے بلکہ نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے، کیونکہ اس صورت میں یہ دیوثیت ہوگی، جو شرعاً حرام ہے، اسی طرح کوئی شریف پاکدامن عورت زنا کے خوگر شخص سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے یہ بھی حرام ہے، یعنی ان لوگوں کا یہ عمل گناہ کبیرہ اور حرام ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا نکاح باطل ہو، ان کا نکاح اس کے باوجود درست ہوگا، کیونکہ حرام شریعت کی اصطلاح میں دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

۞　ایک یہ کہ وہ گناہ ہے، اس کا کرنے والا آخرت میں مستحق عذاب ہوگا، اور دنیا میں بھی یہ عمل بالکل باطل ہے، اس پر شرعی لحاظ سے کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا جیسے اہل شرک کے ساتھ نکاح کرنا،

۞　دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ فعل حرام تو ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات اور احکام مرتب ہوتے ہیں، وہ معاملہ صحیح ہو جاتا ہے، جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغواء کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز اور حرام تھا مگر یہ نکاح درست ہو جائے گا، اور اولاد کا نسب بھی اس سے ثابت ہوگا،

اسی طرح زانی اور زانیہ کا نکاح جبکہ ان کا مقصود اصلی زنا ہی ہو، محض کسی دنیاوی مصلحت سے نکاح کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے تو ایسا نکاح حرام ہے، مگر دنیاوی احکام میں باطل اور کالعدم نہیں لہذا اس پر تمام شرعی احکام یعنی نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔

اس تفسیر کے لحاظ سے اس آیت کو منسوخ کہنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی جیسا کہ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (۱)۔

یحمل الاسری من مکة ان قیدیوں سے وہ مسلمان مراد ہیں جن کے اولیاء نے انہیں بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا تاکہ

---

(۱)　معارف القرآن ۶/۳۵۱ تفسیر قرطبی ج: ۱۱-۱۲/ص: ۱۵۳ مکتبہ دار الکتاب العربی

وہ مدینہ منورہ کی طرف بھاگ نہ جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے جنگی قیدی مراد ہوں(۱)۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: سُئِلْتُ عَنِ المُتَلَاعِنَيْنِ فِي إِمَارَةِ مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ، فَقُمْتُ مِنْ مَكَانِي إِلَى مَنْزِلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ، فَقِيلَ لِي إِنَّهُ قَائِلٌ فَسَمِعَ كَلَامِي فَقَالَ لِي: ابْنَ جُبَيْرٍ؟ ادْخُلْ، مَا جَاءَ بِكَ إِلَّا حَاجَةٌ، قَالَ: فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْدَعَةَ رَحْلٍ لَهُ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، المُتَلَاعِنَانِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا؟ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ نَعَمْ، إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَحَدَنَا رَأَى امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ، قَالَ: فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدْ ابْتُلِيتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ هَذِهِ الآيَاتِ فِي سُورَةِ النُّورِ {وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ} [النور: 6] حَتَّى خَتَمَ الآيَاتِ قَالَ: فَدَعَا الرَّجُلَ فَتَلَاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ، وَذَكَّرَهُ وَأَخْبَرَهُ: أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الآخِرَةِ، فَقَالَ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ ثَنَّى بِالمَرْأَةِ وَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا، وَأَخْبَرَهَا: أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الآخِرَةِ، فَقَالَتْ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ مَا صَدَقَ، فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ، وَالخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الكَاذِبِينَ، ثُمَّ ثَنَّى بِالمَرْأَةِ فَشَهِدَتْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الكَاذِبِينَ، وَالخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ، ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مصعب بن عمیر کی امارت کے زمانے میں مجھ سے لعان کرنے والے مرد وعورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان دونوں کو جدا کر دیا جائے گا؟ میں اس کا جواب نہیں جانتا تھا، میں اپنی جگہ سے اٹھا عبداللہ بن عمر کے گھر میں جانے کے لئے، (میں وہاں پہنچ گیا) تو میں نے ان سے ملنے کی اجازت چاہی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ قیلولہ یعنی آرام کر رہے ہیں، لیکن ابن عمر نے میری آواز سن لی تھی، اس لئے وہ کہنے لگے ابن جبیر آ جاؤ میرے پاس، تم کسی ضرورت سے ہی آئے ہوگے؟ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس چلا گیا، تو وہ اپنے کجاوے کے نیچے جانور کی پیٹھ پر رکھا جانے والا کپڑا بچھا کر لیٹے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا: اے ابو عبدالرحمن کیا لعان کرنے والے مرد وعورت کے درمیان تفریق کر دی جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ہاں، اور جس نے سب سے پہلے یہ مسئلہ پوچھا وہ فلاں بن فلاں ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کھلم کھلا بے حیائی کرتے ہوئے یعنی زنا میں دیکھے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ بولے تو یہ بہت بڑی بات

(۱) الکوکب الدری ۲۱۳/۴

ہے اور اگر وہ خاموش رہے تو یہ ایک سنگین امر پر خاموشی ہے، کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خاموش رہے، اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ دوبارہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے آپ سے جس چیز سے متعلق پوچھا تھا میں اس میں مبتلی ہوگیا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی یہ آیات نازل فرمائیں: "والذین یرمون ازواجھم ـــ" (ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے علاوہ اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، اور اس عورت سے اس صورت میں سزا ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے، پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب ہو)۔

پھر نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو بلایا، اس پر ان آیات کی تلاوت فرمائی، اور اسے وعظ ونصیحت فرمائی، اور اسے بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں انتہائی کم ہے، وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے: میں نے اس پر جھوٹی تہمت نہیں لگائی، پھر آپ ﷺ عورت کی طرف مڑے (یعنی اس کی طرف متوجہ ہوئے) اسے وعظ ونصیحت کی اور بتایا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے بہت ہی معمولی ہے، اس عورت نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے: میرا شوہر سچا نہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے مرد سے (لعان کی شہادت کو) شروع کیا، اس نے چار شہادتیں دیں کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو پھر عورت نے بھی چار شہادتیں دیں کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر (یعنی عورت پر) اللہ کا غضب ہو، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی (۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيكِ ابْنِ السَّحْمَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: البَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ، قَالَ: فَقَالَ هِلَالٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِذَا رَأَى أَحَدُنَا رَجُلًا عَلَى امْرَأَتِهِ أَيَلْتَمِسُ البَيِّنَةَ؟ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: البَيِّنَةَ وَإِلَّا فَحَدٌّ فِي ظَهْرِكَ، قَالَ: فَقَالَ هِلَالٌ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ، وَلَيَنْزِلَنَّ فِي أَمْرِي مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِي مِنَ الحَدِّ، فَنَزَلَ {وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ} [النور:6] - فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ - {وَالخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ} [النور: 9] قَالَ: فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمَا فَجَاءَا، فَقَامَ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ؟ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ، فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الخَامِسَةِ {أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ

(۱) الصحیح لمسلم (۱/۴۸۹) قدیمی کتاب اللعان، سنن النسائی (۲/۱۰۹) کتاب الطلاق باب عظۃ الامام الرجل وللمرأۃ عند للعا

الصَّادِقِينَ] [النور: 9] قَالُوا لَهَا: إِنَّهَا مُوجِبَةٌ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَسَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنْ سَتَرْجِعُ، فَقَالَتْ: لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ السَّحْمَاءِ، فَجَاءَتْ بِهِ كَذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَكَانَ لَنَا وَلَهَا شَأْنٌ(۱).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری کی جائے گی، راوی کہتے ہیں ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ: ہم میں سے کوئی جب اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو مشغول دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرتا پھرے گا؟ لیکن نبی کریم ﷺ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پشت پر حد لگائی جائے گی، ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں یقیناً سچا ہوں، اور میرے متعلق ضرور ایسی آیات نازل ہوں گی جو میری پیٹھ کو حد سے نجات دلائیں گی، چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں: "والذین یرمون أزواجهم" سے "ان كان من الصادقين" تک، آپ ﷺ نے ان کی تلاوت فرمائی۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ ادھر متوجہ ہوئے اور ہلال اور ان کی بیوی کی طرف پیغام بھیجا، وہ دونوں آئے، تو ہلال بن امیہ کھڑے ہوئے اور گواہی دی یعنی لعان کیا، اور نبی کریم ﷺ فرمارہے تھے: اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، کیا تم دونوں میں سے کوئی رجوع کرنا چاہتا ہے؟ پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور گواہی دی یعنی لعان کیا، جب وہ پانچویں گواہی دینے لگی کہ اگر اس کا شوہر سچا ہو تو اس عورت پر اللہ کا عذاب نازل ہو تو لوگوں نے اس عورت کے بارے میں کہا کہ یہ گواہی اللہ کے دردناک عذاب کو لازم کردے گی،

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وہ ہچکچانے لگی اور سر جھکا لیا یہاں تک کہ ہم لوگ یہ سوچنے لگے کہ شاید یہ اپنی گواہی سے رجوع کرلے گی (اور زنا کا اعتراف کرلے گی) لیکن وہ کہنے لگی میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کرسکتی، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس پر نظر رکھنا اگر تو یہ ایسا بچہ جنے جسکی آنکھیں سرگیں ہوں، بھرے ہوئے کولہے اور موٹی پنڈلیاں ہوں تو وہ شریک بن سحماء کا نطفہ ہے، (یعنی یہ زنا کا بچہ ہے) چنانچہ وہ عورت ایسا ہی بچہ لائی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لعان کا حکم نازل نہ ہوچکا ہوتا تو میرا اور اس کا معاملہ کچھ اور ہی ہوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔مفترش: بچھونا بنا کر لیٹے ہوئے تھے۔ بردعة: (باء پر زبر اور را ساکن) زین کی طرح جانور کی پیٹھ پر رکھا جانے والا کپڑا، ٹاٹ۔ رحل: کجاوہ۔ ذکرہ: (کاف پر تشدید) وعظ ونصیحت کی۔ قذف: تہمت لگائی۔ انها موجبة: یہ پانچویں شہادت اللہ تعالیٰ کے عذاب کا باعث ہوگی۔ تلكأت: وہ عورت ہچکچائی، پس وپیش کرنے لگی۔ نکست: اس نے سر

(۱) صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب اذا ادعی أو قذف فله ان يلتمس

جھکایا۔ لا افضح: میں رسوا اور ذلیل نہیں کروں گی۔ نسائو الیوم: ہمیشہ کے لئے۔ اکحل العینین: پیدائشی طور پر سرگیں آنکھوں والا ہونا، سیاہ پلکوں والا ہونا۔ سابغ الالیتین: بڑے سرین والا، بھرے ہوئے کولہے والا، موٹے کولہے والا۔ خدلج الساقین: جس کی پنڈلیاں گوشت سے پر ہوں، موٹی پنڈلیوں والا۔

آیات لعان کس کے متعلق نازل ہوئیں

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لعان کی آیات حضرت ہلال بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور حضرت سہل بن سعد کی روایت جس کی طرف امام ترمذی نے وفی الباب عن سھل بن سعد سے اشارہ کیا ہے، اور یہ بخاری کی روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات حضرت عویمر عجلانی کے متعلق نازل ہوئی ہیں،

اس تعارض کے حل میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات حضرت عویمر کے بارے میں نازل ہوئی ہیں،

۲۔ اور بعض نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ آیات حضرت ہلال بن امیہ کے واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔

۳۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ان آیات کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، گویا یہ دونوں واقعے ان آیات کے شان نزول ہیں۔

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات لعان کا نزول تو درحقیقت حضرت ہلال بن امیہ کے قصہ سے متعلق ہے، البتہ بعد میں حضرت عویمر کے ساتھ بھی چونکہ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیات کا فیصلہ ان کو بھی پڑھ کر سنایا، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ہلال کے قصہ میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: "فنزل جبرائیل" جبکہ حضرت عویمر کے واقعہ میں الفاظِ حدیث یوں ہیں: "قد أنزل اللہ فیک" جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی طرح ایک واقعہ میں اس کا حکم نازل ہوا ہے(۱)۔

یہ آیات کب نازل ہوئیں؟ اس کے بارے میں ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن حبان کی رائے ہے کہ ماہ شعبان ۹ ھجری میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ان آیات کا نزول غزوہ تبوک کے بعد سن ۱۰ ہجری میں ہوا ہے(۲)۔

لعان سے متعلق چند اہم مسائل

۱۔ جب میاں بیوی کے درمیان جج کے سامنے لعان ہو جائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔

---

(۱) فتح الباری ۵۷۵/۸، کتاب التفسیر، باب: والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء

(۲) فتح الباری ۳۹۷/۹، تکملۃ فتح الملھم ۲۳۴/۱

۲۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محض لعان سے زوجین میں تفریق نہیں ہوتی بلکہ شوہر اسے طلاق دے دے یا یوں کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا یا قاضی ان دونوں میں تفریق کا فیصلہ کرے جبکہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک محض لعان سے جدائی واقع ہوجاتی ہے۔

۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عویمر عجلانی کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

۴۔ لعان کے بعد اگرچہ ان میں جو جھوٹا ہے اس کا آخرت کا عذاب پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہو گئی، اسی طرح دنیا میں اس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا(۱)۔

فقمت من مکانی الی منزل عبداللہ بن عمر، حضرت سعید بن جبیر نے کوفہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا تا کہ یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھ لیں۔

"لکان لنا ولها شأن" مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں لعان والی عورت کو حد نہ لگانے اور تعزیر کی نفی کا حکم نہ آتا تو میں اس پر ایسی حد یا تعزیرا ایسی سزا جاری کرتا جو دوسروں کے لئے ایک نصیحت اور سامانِ عبرت ہوتی، لیکن چونکہ اللہ کا حکم ہے، اس لئے میں کچھ نہیں کر رہا(۲)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ

حضرت سعید بن جبیر کوفہ کے رہنے والے تھے، ان کا آغاز اگرچہ غلامی سے ہوا لیکن آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے علوم نبوت سے انہیں ایسا آراستہ فرمایا کہ امت کے ایک عظیم رہنما بن کر سامنے آئے، یہ تابعی ہیں بہت سے صحابہ کرام سے علوم حدیث حاصل کیا، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عائشہ، اور حضرت ابو ہریرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

چنانچہ ان کا علم قراءت وتفسیر، حدیث، فقہ اور مختلف علوم کے سکھانے کا ایک وسیع حلقہ تھا، لوگ دور دراز سے ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے،

ان کا زمانہ اتفاق سے حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا، وہ بھی ان کی بہت قدر اور عزت واحترام کرتا تھا، اس نے ان کو جامع مسجد کوفہ کا امام مقرر کیا تھا، اور کوفہ کا قاضی بھی مقرر کیا تھا، لیکن پھر اہل کوفہ نے احتجاج کیا کہ قاضی کسی عربی النسل کو ہونا چاہئے، تو پھر ان کی جگہ ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری کو نامزد کیا۔

---

(۱) معارف القرآن ۶/۳۶۱

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۲۸

لیکن چونکہ حجاج ایک انتہائی سفاک اور ظالم انسان تھا، اس کے ظلم وستم اور زیادتیاں دیکھ کر ہر شخص اس سے دل برداشتہ تھا، ایک معرکہ کے بعد حجاج کا اپنے ایک اہم کمانڈر اور سپہ سالار ابن اشعث کے ساتھ اختلاف ہوگیا، یہ اختلاف اتنا بڑھ گیا کہ ابن اشعث اپنی فوج کے ساتھ حجاج کے سامنے مقابلے پر اتر آیا، حجاج کی پوزیشن انتہائی مضبوط تھی، اس لئے بالآخر ابن اشعث اور اس کے ہم خیال لوگوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، حضرت سعید بن جبیر بھی اس موقع پر ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے، اس لئے حجاج اب حضرت سعید بن جبیر کا بہت مخالف بن چکا تھا۔

اس شکست کے بعد ابن جبیر مکہ مکرمہ چلے آئے، لیکن وہاں کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری نے انہیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوادیا، ان کے درمیان ایک طویل مکالمہ ہوا، پھر اس نے حضرت سعید بن جبیر کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، شہادت سے پہلے ابن جبیر نے یہ دعا کی کہ "یا اللہ حجاج کو میرے قتل کے بعد کسی اور کو قتل کرنے کی ہمت اور قدرت نہ دینا" پھر ایک کھال کو بچھا کر اس پر انہیں ذبح کر دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ ان کی دعا کا اثر تھا کہ پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور ان کی شہادت کے پندرہ دن بعد وہ ایک جان لیوا بیماری میں مبتلی ہوگیا، پیٹ میں کیڑے پڑ گئے تھے، حکماء نے اسے لاعلاج قرار دے دیا، پھر اسی میں وہ مرگیا(۱)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ لَمَّا ذُكِرَ مِنْ شَأْنِي الَّذِي ذُكِرَ وَمَا عَلِمْتُ بِهِ، قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيَّ خَطِيبًا فَتَشَهَّدَ وَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ: أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَأَبَنُوا بِمَنْ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَلَا دَخَلَ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَأَنَا حَاضِرٌ وَلَا غِبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِي، فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ: ائْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ أَضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ، وَقَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي الْخَزْرَجِ وَكَانَتْ أُمُّ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْ رَهْطِ ذَلِكَ الرَّجُلِ، فَقَالَ: كَذَبْتَ، أَمَا وَاللهِ أَنْ لَوْ كَانُوا مِنَ الْأَوْسِ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ تُضْرَبَ أَعْنَاقُهُمْ حَتَّى كَادَ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ شَرٌّ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا عَلِمْتُ بِهِ، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي وَمَعِي أُمُّ مِسْطَحٍ فَعَثَرَتْ، فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَقُلْتُ لَهَا: أَيْ أُمُّ تَسُبِّينَ ابْنَكِ؟ فَسَكَتَتْ، ثُمَّ عَثَرَتِ الثَّانِيَةَ فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَقُلْتُ لَهَا: أَيْ أُمُّ تَسُبِّينَ ابْنَكِ؟ فَسَكَتَتْ، ثُمَّ عَثَرَتِ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ فَانْتَهَرْتُهَا، فَقُلْتُ لَهَا: أَيْ أُمُّ تَسُبِّينَ ابْنَكِ؟ فَقَالَتْ: وَاللهِ مَا أَسُبُّهُ إِلَّا فِيكِ، فَقُلْتُ: فِي أَيِّ شَيْءٍ؟ قَالَتْ: فَبَقَرَتْ لِي الْحَدِيثَ، قُلْتُ: وَقَدْ كَانَ هَذَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَاللهِ لَقَدْ رَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي وَكَأَنَّ الَّذِي خَرَجْتُ لَهُ لَمْ أَخْرُجْ. لَا أَجِدُ مِنْهُ قَلِيلًا وَلَا كَثِيرًا، وَوُعِكْتُ، فَقُلْتُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْسِلْنِي إِلَى بَيْتِ أَبِي، فَأَرْسَلَ مَعِي الْغُلَامَ، فَدَخَلْتُ الدَّارَ، فَوَجَدْتُ أُمَّ رُومَانَ فِي السُّفْلِ وَأَبُو بَكْرٍ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ، فَقَالَتْ أُمِّي: مَا جَاءَ بِكِ يَا بُنَيَّةُ؟ قَالَتْ:

(۱) سیر الصحابہ ۱۶۰/۷، ادارہ اسلامیات، مظاہر حق ۹۶۸/۵

فَأَخْبَرْتُهَا، وَذَكَرْتُ لَهَا الْحَدِيثَ، فَإِذَا هُوَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مَا بَلَغَ مِنِّي، قَالَتْ: يَا بُنَيَّةُ خَفِّفِي عَلَيْكِ الشَّأْنَ، فَإِنَّهُ وَاللَّهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ حَسْنَاءُ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا، لَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا حَسَدْنَهَا وَقِيلَ فِيهَا، فَإِذَا هِيَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مَا بَلَغَ مِنِّي،

قَالَتْ: قُلْتُ: وَقَدْ عَلِمَ بِهِ أَبِي؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَاسْتَعْبَرْتُ وَبَكَيْتُ، فَسَمِعَ أَبُو بَكْرٍ صَوْتِي وَهُوَ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ فَنَزَلَ فَقَالَ لِأُمِّي: مَا شَأْنُهَا؟ قَالَتْ: بَلَغَهَا الَّذِي ذُكِرَ مِنْ شَأْنِهَا، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ: أَقْسَمْتُ عَلَيْكِ يَا بُنَيَّةُ إِلَّا رَجَعْتِ إِلَى بَيْتِكِ، فَرَجَعْتُ، وَلَقَدْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بَيْتِي فَسَأَلَ عَنِّي خَادِمَتِي فَقَالَتْ: لَا وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا عَيْبًا إِلَّا أَنَّهَا كَانَتْ تَرْقُدُ حَتَّى تَدْخُلَ الشَّاةُ فَتَأْكُلَ خَمِيرَتَهَا أَوْ عَجِينَتَهَا، وَانْتَهَرَهَا بَعْضُ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَصْدِقِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَسْقَطُوا لَهَا بِهِ، فَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلَى تِبْرِ الذَّهَبِ الْأَحْمَرِ، فَبَلَغَ الْأَمْرُ ذَلِكَ الرَّجُلَ الَّذِي قِيلَ لَهُ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَاللَّهِ مَا كَشَفْتُ كَنَفَ أُنْثَى قَطُّ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُتِلَ شَهِيدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَتْ: وَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِي فَلَمْ يَزَالَا حَتَّى دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ صَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ وَقَدِ اكْتَنَفَ أَبَوَايَ عَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي، فَتَشَهَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ يَا عَائِشَةُ، إِنْ كُنْتِ قَارَفْتِ سُوءًا أَوْ ظَلَمْتِ فَتُوبِي إِلَى اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ، قَالَتْ: وَقَدْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهِيَ جَالِسَةٌ بِالْبَابِ، فَقُلْتُ: أَلَا تَسْتَحْيِي مِنْ هَذِهِ الْمَرْأَةِ أَنْ تَذْكُرَ شَيْئًا، فَوَعَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَالْتَفَتُّ إِلَى أَبِي فَقُلْتُ: أَجِبْهُ، قَالَ: فَمَاذَا أَقُولُ؟ فَالْتَفَتُّ إِلَى أُمِّي فَقُلْتُ: أَجِيبِيهِ، قَالَتْ: أَقُولُ مَاذَا؟

قَالَتْ: فَلَمَّا لَمْ يُجِيبَا تَشَهَّدْتُ فَحَمِدْتُ اللَّهَ وَأَثْنَيْتُ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قُلْتُ: أَمَا وَاللَّهِ لَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي لَمْ أَفْعَلْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنِّي لَصَادِقَةٌ مَا ذَاكَ بِنَافِعِي عِنْدَكُمْ لِي لَقَدْ تَكَلَّمْتُمْ وَأُشْرِبَتْ قُلُوبُكُمْ، وَلَئِنْ قُلْتُ إِنِّي قَدْ فَعَلْتُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنِّي لَمْ أَفْعَلْ لَتَقُولُنَّ إِنَّهَا قَدْ بَاءَتْ بِهِ عَلَى نَفْسِهَا، وَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا.

قَالَتْ: وَالْتَمَسْتُ اسْمَ يَعْقُوبَ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ إِلَّا أَبَا يُوسُفَ حِينَ قَالَ: {فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ} [يوسف: 18] قَالَتْ: وَأُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَاعَتِهِ، فَسَكَتْنَا، فَرُفِعَ عَنْهُ وَإِنِّي لَأَتَبَيَّنُ السُّرُورَ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ يَمْسَحُ جَبِينَهُ وَيَقُولُ: أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ، فَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ بَرَاءَتَكِ قَالَتْ: وَكُنْتُ أَشَدَّ مَا كُنْتُ غَضَبًا، فَقَالَ لِي أَبَوَايَ: قُومِي إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: لَا وَاللَّهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُهُ وَلَا أَحْمَدُكُمَا، وَلَكِنْ أَحْمَدُ اللَّهَ الَّذِي أَنْزَلَ بَرَاءَتِي، لَقَدْ سَمِعْتُمُوهُ فَمَا أَنْكَرْتُمُوهُ وَلَا غَيَّرْتُمُوهُ، وَكَانَتْ

عَائِشَةُ تَقُولُ: أَمَّا زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فَعَصَمَهَا اللَّهُ بِدِينِهَا فَلَمْ تَقُلْ إِلَّا خَيْرًا، وَأَمَّا أُخْتُهَا حَمْنَةُ فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ، وَكَانَ الَّذِي يَتَكَلَّمُ فِيهِ مِسْطَحٌ وَحَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَالْمُنَافِقُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ، وَهُوَ الَّذِي كَانَ يَسْتَوْشِيهِ وَيَجْمَعُهُ، وَهُوَ الَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ هُوَ وَحَمْنَةُ، قَالَتْ: فَحَلَفَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ لَا يَنْفَعَ مِسْطَحًا بِنَافِعَةٍ أَبَدًا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الآيَةَ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ إِلَى آخِرِ الآيَةِ - يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ - {أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ} [النور: 22] - يَعْنِي مِسْطَحًا - إِلَى قَوْلِهِ {أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ} [النور: 22] قَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَلَى وَاللَّهِ يَا رَبَّنَا، إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا، وَعَادَ لَهُ بِمَا كَانَ يَصْنَعُ(۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے بارے میں لوگوں میں باتیں ہونے لگیں حالانکہ مجھے ان کا علم بھی نہیں تھا، تو رسول اللہ ﷺ میرے متعلق خطاب کے لئے کھڑے ہو گئے، شہادتیں پڑھنے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

امابعد تم لوگ مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے، اللہ کی قسم میں نے اپنی بیوی میں کبھی کوئی برائی نہیں دیکھی، اور انہوں نے ایسے شخص کے ساتھ تہمت لگائی (یعنی حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہا) کہ اللہ کی قسم میں اس میں کبھی کوئی برائی نہیں جانتا، اور نہ وہ میرے گھر میں کبھی داخل ہوا مگر اسی وقت جب میں موجود ہوتا، اور میں کسی سفر میں نہیں نکلا مگر یہ کہ وہ بھی میرے ساتھ سفر میں نکلتا۔

اس پر سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردنیں اتار دوں، اور قبیلہ خزرج کا ایک آدمی کھڑا ہوا (یعنی حضرت سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے) حسان بن ثابت کی والدہ فریعہ بنت خالد ان کی برادری سے تعلق رکھتی تھیں، اور سعد بن معاذ سے کہنے لگا: تم جھوٹ بولتے ہو، اللہ کی قسم اگر وہ لوگ قبیلہ اوس کے ہوتے تو تم یہ بات پسند نہ کرتے کہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں، یہاں تک کہ قریب تھا کہ قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان مسجد میں لڑائی ہو جائے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے اس کا بھی علم نہیں تھا۔

جب اس دن کی شام ہوئی تو میں اپنے کسی کام (یعنی قضاء حاجت) کے لئے نکلی، میرے ساتھ ام مسطح تھیں، انہیں ٹھوکر لگی تو کہنے لگیں مسطح ہلاک ہو جائے، میں نے ان سے کہا: اے ماں کیا تو اپنے بیٹے کو برا کہہ رہی ہو؟ وہ خاموش ہو گئیں، پھر دوبارہ ان کا پیر پھسل گیا تو پھر کہنے لگیں: مسطح تباہ ہو جائے تو میں نے ان سے کہا اے ماں کیا تو اپنے بیٹے کو برا کہہ رہی ہو؟ وہ خاموش ہو گئیں، پھر تیسری بار انہیں ٹھوکر لگی تو پھر کہا کہ مسطح تباہ و برباد ہو جائے تو میں نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ اے ماں کیا تو اپنے بیٹے کو بددعا دے رہی ہو، وہ کہنے لگیں اللہ کی قسم میں اسے تمہاری وجہ سے ہی برا کہہ رہی

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة

ہوں، میں نے کہا میری وجہ سے کیوں؟ اس پر انہوں نے میرے سامنے ساری حقیقت کھول کر بیان کر دی، میں نے ان سے پوچھا: کیا واقعی یہی بات ہے؟ کہنے لگیں: جی ہاں (ایسا ہی ہے) اللہ کی قسم میں واپس اپنے گھر لوٹ گئی، اور جس کام کے لئے نکلی تھی، اس کی ذرا سی بھی حاجت باقی نہ رہی نہ تھوڑی اور نہ زیادہ، اور مجھے بخار ہو گیا۔
میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے میرے والد کے گھر بھیج دیجئے، آپ نے میرے ساتھ ایک غلام کو بھیجا، چنانچہ میں گھر میں داخل ہوئی، تو میں نے ام رومان (یعنی اپنی والدہ زینب) کو نچلے حصہ میں پایا اور ابوبکر گھر کے اوپر قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، میری والدہ نے کہا: بیٹی کیسے آئی ہو؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ان کے سامنے پورا قصہ بیان کیا، اور ساری بات سے انہیں مطلع کر دیا لیکن انہیں بھی اس سے اتنی تکلیف نہ ہوئی جتنی کہ مجھے ہوئی تھی، کہنے لگیں بیٹی تم اپنے اوپر تخفیف کرو یعنی حالات سے گھبراؤ مت، اس لئے کہ اللہ کی قسم کوئی خوبصورت عورت ایسی نہیں جس سے اس کی سوکنوں کے ہوتے ہوئے اس کا شوہر محبت کرتا ہو اور وہ سوکنیں اس سے حسد نہ کریں، اور اس سے متعلق بے تکی باتیں نہ بنائیں، لیکن انہیں وہ اذیت نہیں پہنچی تھی جو مجھے تھی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے پوچھا کہ کیا میرے والد بھی یہ بات جانتے ہیں، فرمایا کہ جی ہاں ان کے علم میں ہے، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے متعلق پوچھا تو بتایا کہ ہاں آپ ﷺ بھی یہ بات جانتے ہیں، اس پر میرے آنسو جاری ہو گئے اور میں رونے لگی۔
ابوبکر نے میرے رونے کی آواز سنی وہ اوپر بیٹھ کر تلاوت قرآن کر رہے تھے، تو نیچے تشریف لائے اور میری والدہ سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اسے وہ بات پتہ چل گئی جو اس کے متعلق کہی جا رہی ہے، اس سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے اور فرمایا: بیٹی میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم ضرور اپنے گھر واپس لوٹ جاؤ، لہذا میں لوٹ گئی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور میری خادمہ سے میرے متعلق دریافت کیا، تو خادمہ نے کہا: اللہ کی قسم مجھے ان کے بارے میں کسی عیب کا علم نہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ سو جایا کرتی تھی یہاں تک کہ بکری گھر میں داخل ہوتی اور ان کا آٹا کھا جاتی تھی، اس پر بعض صحابہ نے اسے ڈانٹا اور اسے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولو یہاں تک کہ بعض نے اسے براءت کی بات کی وجہ سے برا بھلا بھی کہا، وہ کہنے لگی: سبحان اللہ، اللہ کی قسم میں ان کو اسی طرح بے عیب جانتی ہوں جس طرح کہ سنار خالص سرخ سونے کو جانتا ہے، پھر یہ بات اس شخص (یعنی صفوان بن معطل رضی اللہ) کو بھی پتہ چل گئی جو متہم کیا گیا تھا، وہ بھی کہنے لگا کہ سبحان اللہ، اللہ کی قسم میں نے کبھی کسی عورت کے کپڑے کا کنارہ یعنی ستر نہیں کھولا (یعنی حرام کام زنا نہیں کیا) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ صبح کے وقت میرے والدین میرے پاس آئے، پھر وہ میرے پاس ہی تھے کہ نبی کریم

ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر میرے پاس تشریف لائے، آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو میرے والدین نے میرا دائیں بائیں سے احاطہ کیا ہوا تھا (یعنی میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے)
نبی کریم ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا: امابعد اے عائشہ اگر تم نے کسی برائی کا ارتکاب کیا ہے یا اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو اللہ جل شانہ سے توبہ کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں، ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ (اس ارشاد کے وقت) ایک انصاری عورت آئی اور وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی، میں نے عرض کیا: کیا آپ اس عورت کی موجودگی میں یہ بات کرتے ہوئے شرماتے نہیں۔
غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ نے وعظ ونصیحت کی تو میں اپنے والد کی طرف متوجہ ہوئی، اور عرض کیا کہ آپ ﷺ کو جواب دیجئے؛ انہوں نے فرمایا: میں کیا کہہ سکتا ہوں، پھر میں اپنی والدہ کی طرف متوجہ ہوئی اور عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کو جواب دیں تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں، فرماتی ہیں کہ جب ان دونوں حضرات نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی جس کا وہ اہل ہے، پھر میں نے کہا:
اللہ کی قسم اگر میں آپ حضرات سے یہ کہوں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا اور اللہ جل شانہ گواہ ہیں کہ میں ہی (سو فیصد) سچی ہوں، تب بھی تمہارے نزدیک یہ بات مجھے کوئی فائدہ نہیں دے گی، اس لئے کہ آپ لوگوں نے تو بات کر دی اور تمہارے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے اور اگر (بالفرض) میں یہ کہوں کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا تو تم لوگ ضرور یہ کہو گے کہ اس نے اپنے نفس پر اس جرم کا اعتراف کرلیا ہے، اللہ کی قسم میں اپنے اور آپ کے معاملے کی کوئی مثال، فرماتی ہیں کہ میں نے یعقوب کا نام لینا چاہا لیکن میں اس پر قادر نہ ہوسکی، (یعنی میرے ذہن میں نہیں آیا) بجز اس کے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد (یعقوب علیہ السلام) نے (اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر) فرمائی تھی کہ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (اب میں صبر جمیل ہی اختیار کرتی ہوں اور جو کچھ آپ کہہ رہے ہو، اس سلسلے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے)
فرماتی ہیں کہ پھر اسی وقت نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی، ہم سب خاموش ہوگئے، جب نزول وحی کے آثار آپ ﷺ سے ختم ہوئے، اور میں آپ ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار محسوس کر رہی تھی، اور اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے فرمانے لگے: عائشہ خوش ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت نازل کر دی ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت شدید غصے میں تھی، میرے والدین مجھ سے کہنے لگے کہ حضور ﷺ کے سامنے (تعظیم اور شکریہ کے طور پر) کھڑی ہوجاؤ، میں نے کہا: اللہ کی قسم: میں حضور ﷺ کے سامنے نہیں کھڑی ہوں گی اور نہ ہی آپ ﷺ اور آپ دونوں کا شکریہ ادا کروں گی، بلکہ میں اللہ جل شانہ ہی کی حمد وثناء اور شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت نازل کی ہے آپ لوگوں نے تو یہ بات سنی، اس کا نہ تو انکار کیا اور نہ آپ حضرات نے اسے تبدیل کیا

(یعنی نہ روکنے کی کوئی خاص کوشش کی)۔

حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ زینب بنت جحش کو اللہ تعالیٰ نے ان کی دینداری کی بدولت بچالیا، اور اس نے اس موقع پر اچھی بات ہی کہی، لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں میں وہ بھی ہلاک ہوگئی (یعنی وہ گنہگار ہوئی اور اس پر حد جاری کی گئی) اور وہ لوگ جو اس واقعہ افک میں زیادہ بولتے تھے (یعنی جو اس کے پرچار کرنے کے سرغنہ تھے) وہ مسطح، حسان بن ثابت اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ہیں، یہی منافق اس بارے میں باتیں بناتا، پھیلاتا اور خبریں جمع کرتا تھا، اور ان میں سے جس نے اس بہتان میں سب سے بڑا حصہ لیا وہ عبداللہ بن ابی اور حمنہ ہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر نے قسم کھائی کہ وہ اب مسطح کو کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة" (اہل فضل اور رزق میں کشادگی رکھنے والے قسم نہ کھائیں) اس سے مراد ابوبکر ہیں، "ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله" (کہ قرابت داروں، مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے) اس سے مسطح مراد ہیں، "الا تحبون ان یغفر الله لکم والله غفور رحیم" (کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کردیں اور وہ بہت ہی معاف کرنے والے اور مہربان ہیں)

اس پر ابوبکر نے عرض کیا: کیوں نہیں اللہ کی قسم اے ہمارے پروردگار ہم اس بات کو ضرور پسند کرتے ہیں کہ آپ ہماری مغفرت فرمادیں، اور پھر صدیق اکبر، حضرت مسطح کو پہلے کی طرح دینے لگے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ابنوا: یہ ابن (ہمزے اور با پر زبر) سے ہے باب نصر وضرب، اس کے معنی ہیں: انہوں نے تہمت اور الزام لگایا۔ عثرت: مسطح کی ماں کا پاؤں پھسل گیا، اسے ٹھوکر لگ گئی۔ تعس: تباہ و برباد اور ہلاک ہوجائے۔ تسبین ابنک: تم اپنے بیٹے کو برا بھلا اور بد دعا دے رہی ہو۔ بقرت الی: ام مسطح نے پورا واقعہ افک میرے سامنے کھول کر بیان کیا۔ وعکت: (صیغہ مجہول) مجھے بخار ہوگیا۔ ام رومان: حضرت عائشہ کی والدہ ہیں ان کا نام زینب تھا۔ ما جاء بک یا بنیة: بیٹی کیسے آنا ہوا۔ لم یبلغ منها ما بلغ منی: اس بات نے میری ماں پر اتنا اثر نہ کیا جتنا کہ اس کا مجھ پر اثر ہوا تھا۔ خففی علیک الشأن: تم اپنے اوپر حالت کو آسان کرو یعنی حوصلہ رکھو پریشان نہ ہو، گویا ان کی والدہ ان کو تسلی دے رہی ہیں کہ حاسدین ایسا کرتے رہتے ہیں، ذہن پر اس کو سوار نہ کرو۔ ضرائر: ضرة کی جمع ہے: سوکنیں۔ استعبرت: میرے آنسو جاری ہوگئے، میری آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ فاضت عیناه: یہ بات سن کر صدیق اکبر کی آنکھوں سے بھی آنسو بہ پڑے۔ عجین، خمیرة: آٹا۔ انتهرها: اس کو ڈانٹا، زجر و توبیخ کیا، اسے کوسا۔ حتی أسقطوا لها به: اس کے دو ترجمے کئے گئے ہیں: (۱) یہاں تک کہ بعض صحابہ نے اس خادمہ کو واقعہ افک کے بارے میں پوری تفصیل صراحت کے ساتھ بتائی۔(۱)(۲) یہاں تک کہ بعض صحابہ نے اس باندی کو حضرت عائشہ کی

(۱) تکملة فتح الملہم ۶/۸۸ کتاب التوبة باب حدیث الافک

براءت بیان کرنے کی وجہ سے برا بھلا بھی کہا، اس میں "لھا" ضمیر "خادمہ" کی طرف لوٹ رہی ہے، اور "بہ" کی ضمیر حدیث کی طرف لوٹ رہی ہے مراد یہ ہے: بالحدیث الذی قالتہ عن براءۃ عائشہ یعنی اس بات کی وجہ سے جو اس باندی نے حضرت عائشہ کی براءت کے بارے میں کہی (۱)۔

صائغ: زرگر، سنار۔ ما کشفت کنف انثی قط: میں نے کبھی کسی عورت کے کپڑے کا کفارہ یعنی ستر نہیں کھولا یعنی حرام کام زنا نہیں کیا۔ قد اکتنفنی: مجھے گھیر رکھا تھا، یعنی میرے والدین میرے آس پاس بیٹھے تھے۔ ان کنت فارقت سوءاً: اگر تم نے کسی برائی کا ارتکاب کیا ہے۔ أشربت قلوبکم: (صیغہ مجہول) تمہارے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے۔ باءت بہ: اس نے اس بات کا اعتراف اور اقرار کرلیا۔ رفع عنہ: (صیغہ مجہول) آپ ﷺ سے وحی کی کیفیت زائل ہوئی۔ لا تبین السرور: میں خوشی کے آثار محسوس کر رہی تھی۔ أبشری یا عائشۃ: اے عائشہ تو خوش ہوجا، تجھے بشارت ہو۔ لا غیرتموہ: نہ تم لوگوں نے اس بات کو تبدیل کرنے کی کوشش کی یعنی اس الزام کے خلاف جیسے آواز اٹھانی چاہئے تھی ویسی نہیں اٹھائی، عصمھا اللہ: اللہ تعالیٰ نے اسے بچالیا۔ یشتو شیہ: عبداللہ بن ابی منافق اس واقعہ سے متعلق لوگوں سے پوچھتا اور پھر اسے آگے پھیلاتا اور اسے موضوع سخن بناتا۔ الذی تولی کبرہ: وہ شخص جو اس واقعہ کے بڑے حصہ کا ذمہ دار بنا یعنی جو اس کا اصل سرغنہ اور لیڈر رہا۔ لا یأتل: قسم نہ کھائے۔ اولوا الفضل منکم والسعۃ: تم میں سے جو فضل اور وسعت والے ہیں ان سے حضرت صدیق اکبر مراد ہیں۔ ان یوتوا اولی القربی: کہ وہ رشتہ داروں کو دیا کریں، اس سے حضرت مسطح مراد ہیں، یہ حضرت صدیق اکبر کے رشتہ دار بھی تھے، حضرت صدیق اکبر ان کی مالی اعانت کیا کرتے تھے۔ عاد لہ بما کان یصنع: حضرت صدیق اکبرؓ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت مسطح کی دوبارہ مالی معاونت کرنے لگے جیسا کہ وہ واقعہ افک سے پہلے کیا کرتے تھے۔

واقعہ افک پر ایک نظر

حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بنی المصطلق جس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے، سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ کا کجاوہ، جو خالی تھا، اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کے اندر ہی ہوں گی، اور وہاں سے روانہ ہوگئے حالانکہ حضرت عائشہ اپنے گمشدہ ہار کی تلاش میں باہر گئی ہوئی تھیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا، تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ گئیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہوگا تو تلاش کے لئے واپس آئیں گے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ آگئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلے کی رہ جانے والی چیزیں سنبھال لیں، انہوں نے حضرت عائشہ کو حکم حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا، انہیں دیکھتے ہی انا اللہ۔۔۔ پڑھا اور سمجھ گئے کہ قافلہ غلطی سے یا بے علمی میں حضرت ام المومنین کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے، چنانچہ

(۱) الکوکب الدری ۴/۲۲۴

انہوں نے انہیں اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل تھامے پیدل چلتے قافلے کو جا ملے۔

منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس طرح بعد میں اکیلے حضرت صفوان کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ تنہائی اور علیحدگی بے سبب نہیں، اور یوں انہوں نے حضرت عائشہ کو حضرت صفوان کے ساتھ مطعون کر دیا حالانکہ یہ دونوں حضرات ان باتوں سے یکسر بے خبر تھے، بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، مثلاً حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

نبی کریم ﷺ پورے ایک ماہ تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے، اور حضرت عائشہ کو شروع میں اس واقعہ کا علم ہی نہیں تھا، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں اس کی ساری تفصیل حضرت عائشہ نے خود بیان فرمائی ہے، پتہ چلنے کے بعد سخت بے چین اور پریشان ہو گئیں، وہ ویسے بھی بہت کمزور اور نحیف تھیں، ابھی ابھی بیماری سے صحت یاب ہوئی تھیں کہ یہ بات سن کر ان کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو گئی، ایک ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی براءت پر قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں، یوں ان کی پریشانی اور قلق واضطراب کا سماں ختم ہوا(۱)۔

حدیثِ افک کے بعض جملوں کی تشریح

ولا غبت فی سفر الا غاب معی: حضرت صفوان میرے گھر اسی وقت آتے جب میں یعنی نبی کریم ﷺ گھر میں موجود ہوتا، اور اگر میں سفر پر ہوتا تو وہ بھی مسافر ہی ہوتے، اگر ایسا نہ ہوتا پھر بھی کوئی شک کر سکتا تھا، لیکن جب ایسا نہیں تو پھر شک کے کیا معنی؟

فقام سعد بن معاذ: نبی کریم ﷺ جب اس اہم موضوع پر کلام فرما رہے تھے تو حضرت سعد بن معاذ، جن کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا، نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان لوگوں کی گردنیں اڑا دوں، اس پر حضرت سعد بن عبادہ جن کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، اس بات سے تمہارا مقصد حضور ﷺ کو خوش کرنا نہیں بلکہ تم قبیلہ اوس وخزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت کی پرانی دشمنی کو بنیاد بنا کر یہ کہہ رہے ہو، الزام لگانے والوں میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور حضرت حسان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، مزید وہ کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ قبیلہ اوس کے ہوتے تو تم کبھی انہیں قتل کرنے کی بات نہ کرتے، بہر حال جذبات میں آ کر ان دونوں مخلص صحابہ کرام کے درمیان یہ نوک جھوک ہو گئی، کلام کا رخ ان دونوں قبیلوں میں اس نہج پر پہنچ گیا کہ ان کے درمیان مسجد نبوی کے اندر ہی لڑائی ہونے لگی تھی، آپ ﷺ منبر پر کھڑے یہ سارا سن اور دیکھ رہے تھے

(۱) فتح الباری ۸/۵۷۸، کتاب التفسیر، باب: لولا اذ سمعتموہ۔

(۱)۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا تو غزوہ بنی قریظہ میں انتقال ہو چکا تھا، اور یہ غزوہ سن ۴ یا ۵ ہجری میں پیش آیا ہے، جبکہ افک کے واقعہ کا تعلق غزوہ مریسیع سے ہے جو سن ۶ ہجری میں ہوا ہے، ایسے میں پھر حضرت سعد بن معاذ کا نام اس واقعہ میں کیسے آ گیا ہے؟

اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ ابن عبدالبر مالکی اور قاضی ابوبکر بن العربی نے فرمایا یہاں اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کا نام غلط ہے اور یہ راوی کا وہم ہے اور قاضی ابوبکر نے اپنی عادت کے مطابق یہ بھی کہہ دیا کہ اس روایت میں سعد بن معاذ کے نام کے غلط ہونے پر تمام راویوں کا اتفاق ہے (۲)۔

۲۔ قاضی اسماعیل مالکی وغیرہ نے فرمایا کہ غزوہ مریسیع، غزوہ خندق سے پہلے پیش آیا ہے، اس قول کے اعتبار سے واقعہ افک میں حضرت سعد بن معاذ کی موجودگی پر کوئی اشکال ہی نہیں رہتا (۳)۔

۳۔ امام بیہقی نے ایک اور جواب دیا ہے اور وہ یہ کہ غزوہ مریسیع غزوہ خندق کے بعد اور حضرت سعد بن معاذ کی وفات سے پہلے پیش آیا ہے، حضرت سعد بن معاذ ابھی زخمی ہی تھے کہ غزوہ مریسیع اور اس میں واقعہ افک پیش آیا اور افک کا واقعہ پیش آنے کے بعد حضرت سعد بن معاذ کا انتقال ہوا، لہذا حدیث افک میں حضرت سعد بن معاذ کا نام آنے پر کوئی اشکال نہیں ہوگا (۴)۔

فقالت سبحان الله: و الله ما علمت عليها، اس خادمہ یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو جب بعض صحابہ نے اس واقعہ کی تفصیل بتا کر پوچھا تو انہوں نے حضرت عائشہ کی عفت و پاکدامنی کو یوں بیان کیا کہ جس طرح سنار خالص سرخ سونے کو جانتا ہے، اسی طرح میں انہیں عیب کے بغیر جانتی ہوں، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کے پیش آنے کے وقت تک اگرچہ خریدا نہیں تھا، وہ اپنے آقا کی ملک میں ہی تھیں البتہ وہ صدیقہ عائشہ کی خدمت کے لئے آیا کرتی تھیں۔

و الله ما كشفت كنف انثى قط، حضرت صفوان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام کام زنا کے لئے کسی عورت کا ستر نہیں کھولا،

و الله ما اجد لي و لكم مثلا میں اپنے اور آپ حضرات کے معاملے کی کوئی مثال بجز اس کے نہیں پاتی، جو یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمائی کہ بس میں اب صبر جمیل ہی اختیار کرتا ہوں، اور

---

(۱) الكوكب الدری ۲۲۰/۴

(۲) فتح الباری ۴۰۶/۸، کتاب التفسیر، باب لولا اذ سمعتموه

(۳) فتح الباری ۴۰۶/۸، تکملة فتح الملهم ۷۶/۶، کتاب التوبة، باب حدیث الافک

(۴) دلائل النبوة للبیهقی ۸۸/۴، باب حدیث الافک

اللہ ہی میرا مددگار ہے، لہذا میں ان کی طرح صبر کرتی ہوں، اس کلام کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام حضرت عائشہ کی زبان پر نہیں آیا(۱)۔

فقلت: لا، واللہ لا اقوم الیہ، و لا احمدہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھا کر کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنے کے لئے نہیں کھڑی ہوں گی، میں صرف اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کروں گی، صدیقہ عائشہ پر سوز و گداز اور بے خودی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اللہ کے ما سوا سے نظر ہٹ گئی، اور صرف اللہ ہی پر نظر باقی رہی، کیونکہ اللہ ہی نے ان کی براءت نازل کر کے ان کے سر سے غم کی اس قیامت کو ہٹایا، اور اللہ جل شانہ خود ان کے وکیل صفائی بن گئے۔

یہ ذہن میں رہے کہ حضرت عائشہ نے یہ سب کچھ ناز میں کہا، ناز میں ہوتا یہ ہے کہ دل میں جو کیفیت راسخ اور جاگزیں ہوتی ہے ظاہر میں اس کے خلاف اس کا اظہار ہوتا ہے، حضرت عائشہ کے دل میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت بے انتہا موجود تھی لیکن ان پر اس وقت ناز کی کیفیت طاری ہوئی، اور انہوں نے اس کے خلاف کا اظہار کیا، بظاہر ناز ہے اور دل کی دنیا میں صد ہزار نیاز موجود ہے ورنہ تو حضرت عائشہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ سب کچھ اعزاز اور فضائل مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہی ملے ہیں(۲)۔

و کانت اختھا حمنة فھلکت فیمن ھلکت، حضرت حمنہ بھی عبداللہ بن ابی منافق کے ساتھ حضرت عائشہ کے خلاف باتیں کرتی تھیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ کا مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گر جائے اور میری بہن زینب بنت جحش کا مرتبہ زیادہ ہو جائے، البتہ خود حضرت زینب نے اس موقع پر کوئی خلاف حقیقت بات نہیں کی، اور وہ اس پروپیگنڈے کا حصہ نہیں بنیں اللہ نے انہیں محفوظ رکھا(۳)۔

فحلف ابو بکر ان لا ینفع مسطحا۔

حضرت مسطح، جو واقعہ افک میں ملوث ہو گئے تھے، فقراء مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے، اس لئے حضرت صدیق اکبر ترتیب سے ان کی مالی امداد کرتے تھے، لیکن جب یہ بھی حضرت عائشہ کے خلاف مہم میں شریک ہو گئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا، جو ایک فطری امر تھا، حضرت عائشہ کی جب آسمان سے براءت نازل ہوئی تو صدیق اکبر نے غصے میں قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے،

ابو بکر صدیق کی یہ قسم، جو اگرچہ انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی، تاہم مقام صدیقیت کے شایان شان اور مناسب نہ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۳۴/۹

(۲) فتح الباری ۶۱۲/۸

(۳) تحفۃ الاحوذی ۳۵/۹

تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل فرمائی: و لا یأتل اولو الفضل منکم۔ جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انہیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے، تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگذر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرمادے؟

یہ انداز بیان اتنا موثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابوبکر صدیق بے ساختہ پکار اٹھے "کیوں نہیں، اے ہمارے رب، ہم ضرور یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے" اس کے بعد انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق حضرت مسطح کی مالی امداد شروع فرمادی(۱)۔

و کأن الذی خرجت له لم أخرج، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ نے قضاء حاجت نہیں کی، الزام کی بات سن کر گھر واپس لوٹ آئیں، پریشانی کی وجہ سے انہیں یہ تقاضا ہی ختم ہوگیا، جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جب ہم اس حاجت سے فارغ ہوگئے تو ام مسطح نے وہ بات بتائی۔ بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

اس کے حل میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ یہ بات قضاء حاجت کے لئے جاتے ہوئے راستے میں پتہ چلی اور پھر وہیں سے حضرت عائشہؓ واپس ہوگئیں، اور صحیح مسلم کی روایت میں کسی راوی کو واقعہ کے بیان میں وہم ہوگیا ہے(۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوگئے، آپ نے میری براءت کا ذکر کیا، اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، جب آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے، تو دو مردوں (یعنی مسطح اور حسان) اور ایک عورت (حمنہ بنت جحش) پر حد قذف جاری کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ان تمام پر حد قذف جاری کی گئی۔

کیا عبداللہ بن ابی پر حد جاری کی گئی

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جو مخلص مسلمان اس منافق کے پروپیگنڈے میں آگئے تھے، یعنی حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم، ان پر تو الزام لگانے کی وجہ سے حد قذف جاری کی گئی، کیا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی پر بھی اس موقع پر حد قذف لگائی گئی؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کو سزا اس لئے نہیں دی گئی کہ اس کے لئے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا، اور مؤمنوں کو سزا دے کر دنیا میں ہی پاک کردیا گیا، دوسرے اس منافق کے پیچھے ایک بڑا گروپ تھا، اس موقع پر اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نمٹنا اس وقت مسلمانوں کے لئے مشکل تھا، اس لئے مصلحت کی وجہ سے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر (۵۲۵/۴) سورۃ النور، الآیۃ: ۲۲، مکتبۃ القرآن والسنۃ، محلہ جنگی پشاور۔
(۲) تکملۃ فتح الملہم ۷۱/۶، کتاب التوبۃ

اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا(۱)۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس منافق پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد جاری فرمائی ہے(۲)۔

بلکہ حضرت تھانوی صاحب نے بیان القرآن میں اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ نے معارف القرآن میں طبرانی کے حوالے سے حضرت عمر کی روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن ابی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی، اس پر دوہری حد جاری فرمائی۔ پھر اہل ایمان نے توبہ کرلی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے(۳)۔

حدیث افک سے ثابت ہونے والے بعض احکام

حافظ ابن حجر اور امام نووی نے اس حدیث کے تحت بہت سے ایسے احکام، امور اور فوائد ذکر کئے ہیں جو اس واقعہ سے ثابت ہوتے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ غیر محرم مرد اجنبیہ عورت کی خدمت شرعی پردہ کے ساتھ کر سکتے ہیں، جیسا کہ حضرات صحابہ اس سفر میں حضرت عائشہ کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے، لیکن اس میں اس زمانے کے اعتبار سے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ جب کسی فتنے اور گناہ میں مبتلی ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۔ عورت کے لئے دوران سفر زیورات کا استعمال جائز ہے۔

۳۔ گم شدہ چیز کا تلاش کرنا پسندیدہ ہے اگر چہ وہ انتہائی تھوڑی یا معمولی قیمت کی ہو، حضرت عائشہ کا وہ ہار سونے اور چاندی کا نہ تھا بلکہ وہ موتیوں کا ہار تھا، جس کی قیمت اس وقت بارہ درہم تھی۔

۴۔ کسی حاجت کی وجہ سے قافلہ کے کچھ شرکاء پیچھے رہ جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

۵۔ آدمی اپنے قافلے یا اہل خانہ سے بچھڑ جائے تو اسی جگہ پر موجود رہے جس جگہ پر ان سے الگ ہو گیا ہو، تا کہ وہ اسی جگہ پر آکر اسے آسانی سے تلاش کر سکیں۔

۶۔ اجنبیہ عورت کے ساتھ بقدر ضرورت کلام کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ کبھی غیر محرم عورت کے ساتھ مجبوراً تنہائی میں چلنا پڑ جائے تو مرد کو آگے اور عورت کو اس کے پیچھے چلنا چاہیے، تا کہ مرد کی نظر اس عورت کے جسم پر نہ پڑے۔

۸۔ غیر محرم مرد سے اجنبیہ عورت کو اپنا چہرہ ضرور چھپانا چاہئے اگر چہ وہ مرد کتنا نیک صالح ہی کیوں نہ ہو۔

---

(۱) الکوکب الدری ۲۲۷/۴

(۲) فتح الباری ۶۱۴/۸، کتاب التفسیر باب: لولا اذ سمعتموہ، تکملۃ فتح الملہم ۸۶/۶، کتاب التوبۃ

(۳) معارف القرآن ۳۶۶/۶

۹۔ بیمار کو ایسی کوئی بات نہیں بتلانی چاہیے جس سے وہ پریشان ہو جائے، ایسی صورت میں اس کی بیماری بڑھ سکتی ہے۔

۱۰۔ عورت اگر اپنے والدین کے گھر جانا چاہے تو اپنے شوہر کی اجازت سے جائے، جس طرح کہ حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے اجازت لی کہ میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں(۱)۔

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ

یہ مدینہ منورہ کے رہنے والے صحابی ہیں، غزوہ خندق اور تمام غزوات میں شریک رہے، اور غزوہ مریسیع ان کا پہلا غزوہ ہے جس میں انہوں نے شرکت کی، انہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما علمت علیه الا خیرا" (میں تو ان کے بارے میں خیر اور بھلائی ہی جانتا ہوں)

ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا کہ ان کی وفات حضرت عمر کے دور خلافت میں ہوئی، ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ ۱۹ ہجری میں جہادِ آرمینیہ میں شہید ہوئے ہیں، بعض حضرات نے سن وفات ۵۸ ہجری اور بعضوں نے ۶۰ ہجری بھی بتایا ہے(۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الفُرْقَانِ

یہ باب سورہ فرقان کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: أَنْ تَزْنِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا، کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گی۔ میں نے عرض کیا: پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ، وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مِنْ أَجْلِ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ أَوْ مِنْ طَعَامِكَ، وَأَنْ تَزْنِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ. قَالَ: وَتَلَا هَذِهِ الآيَةَ {وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ

---

(۱) فتح الباری ۸/۳۱۴، تکملۃ فتح الملہم ۲/۸۹

(۲) الاصابۃ ۳/۳۵۶ حرف الصاد

ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا} [الفرقان: 69](۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کا کوئی شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے، اور اپنی اولاد کو اس لئے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا نہ کھانے لگے یا تمہارے کھانے میں سے نہ کھانے لگے، اور یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرو، عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "والذین لا یدعون ۔۔۔" (رحمن کے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہیں ٹھہراتے، اور وہ لوگ اس نفس کو قتل نہیں کرتے جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے، اور زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا اسے قیامت کے دن دوگنا عذاب دیا جائے گا، اور وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں ذلیل ہو کر رہے گا)۔

چند کبیرہ گناہ

مذکورہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے چند کبیرہ گناہوں کو ذکر فرمایا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔

۲۔ اولاد کو اس اندیشہ سے قتل کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا نہ کھانے لگیں۔

۳۔ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے میں اس امر کی قباحت اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ پڑوسی تم پر اعتماد کرتا ہے، جب ہی وہ تمہارے پڑوس میں رہائش پذیر ہے، ایسے میں اس نے اس اعتماد کو پامال کیا اور اس کے حرم میں قدم رکھ دیا، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو انتہائی ناپسند فرماتے ہیں۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الشُّعَرَاءِ

یہ باب سورہ شعراء کے بارے میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ} [الشعراء: 214] قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِ المُطَّلِبِ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، يَا بَنِي عَبْدِ المُطَّلِبِ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ(۲)۔

---

(۱) الصحیح البخاری کتاب الادب، باب قتل الولد خشیۃ ان یأکل معہ۔ الصحیح المسلم کتاب الایمان باب کون الشرک أقبح الذنوب، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا، سنن النسائی، کتاب تحریم الدم باب ذکر اعظم الذنب۔

(۲) الصحیح لمسلم کتاب الایمان باب بیان ان من مات علی الکفر،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وأنذر عشیرتک الاقربین (اے نبی اپنے قرابت داروں کو ڈرایئے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے صفیہ بنت عبدالمطلب، اے فاطمہ بنت محمد، اے بنی عبدالمطلب: میں تمہارے لئے اللہ کے عذاب سے بچانے میں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، (ہاں) میرے مال میں سے جو چاہو، تم اس کا مجھ سے سوال کر سکتے ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ} [الشعراء: 214] جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَخَصَّ وَعَمَّ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، يَا مَعْشَرَ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، يَا مَعْشَرَ بَنِي قُصَيٍّ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، يَا مَعْشَرَ بَنِي عَبْدِ المُطَّلِبِ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكِ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا، إِنَّ لَكِ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا(۱).

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”وانذر عشیرتک الاقربین تو نبی کریم ﷺ نے قریش کو جمع کیا، آپ نے خصوصی اور عمومی طور پر سب کو پکارا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے قریش کی جماعت اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، کیونکہ میں تمہارے لئے اللہ کے ہاں کسی قسم کا نفع پہنچانے یا ضرر کو دور کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، اے بنی عبد مناف کی جماعت: اپنے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، میں تم لوگوں کے لئے اللہ کے ہاں کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، پھر آپ ﷺ نے بنی قصی، بنو عبدالمطلب اور حضرت فاطمہ بنت محمد ﷺ کو پکار کر اسی طرح فرمایا، مزید حضرت فاطمہ سے فرمایا: بے شک تمہارے ساتھ قرابت ہے، اسی کی وجہ سے میں (دنیا میں) صلہ رحمی کروں گا (لیکن آخرت میں تمہیں میں کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتا)۔

عَنِ الأَشْعَرِيِّ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَ {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ} [الشعراء: 214] وَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ فَرَفَعَ مِنْ صَوْتِهِ فَقَالَ: يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ يَا صَبَاحَاهُ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ” و انذر عشیر تک الاقربین“ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور آواز کو بلند کر کے فرمایا: اے بنی عبد مناف ڈرو کہ لشکر آ پہنچا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ معشر: ایک طرز کے لوگ، جماعت جس کے مشاغل اور احوال ایک جیسے ہوں۔ أنقذوا: (صیغہ امر) تم بچاؤ۔ رحما: قرابت۔ سأبلها: اہل عرب ”صلہ رحمی“ کو ”بلہ“ اور بلال (تری) سے اور قطع رحمی کو یبس اور جفاف (خشکی) سے

(۱) الادب المفرد للبخاری (ص:۲۳)

تعبیر کرتے ہیں، معنی یہ ہیں: میں قرابت کی وجہ سے صلہ رحمی کروں گا۔ بلال: بلة کی جمع ہے: تری، خشکی کی ضد۔ یا صباحاہ: عرب کا دستور ہے کہ جب ان میں کوئی شخص قوم کو ڈراتا ہے تو وہ "یا صباحا" کہتا ہے، اصل میں تو یہ کلمہ اس ڈرانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جب صبح کے وقت کوئی دشمن ان پر چڑھائی کردے، لیکن پھر ہر قسم کے ڈرانے اور تخویف کے لئے استعمال ہونے لگا(۱)۔

رشتہ داروں کو وعظ ونصیحت کرنے کا حکم

نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت نازل فرمائی تو آپ تمام رشتہ داروں کو بلانے کے لئے صفا پہاڑی پر چڑھ گئے، اور یا صباحاہ کہہ کر آواز دی، یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دشمن اچانک حملہ کردے، اس کے ذریعے قوم کو خبردار کیا جاتا ہے، یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، بتلاؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو کیا تم مانو گے! سب نے کہا ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابولہب نے کہا: "تبالک أمادعوتنا الا لهذا" تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ تبت نازل ہوئی۔

چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایات میں اسی امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا: تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کرلو، میں وہاں تمہارے کام نہ آسکوں گا، اسی طرح آپ نے بنی عبدالمطلب، بنی قصی اور بنی عبد مناف کو بھی پکار کر فرمایا۔

نبی کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لئے خاص نہیں بلکہ پوری قوم اور نسل انسانی کے لئے نبی کریم ﷺ ہادی اور رہنما بن کر آئے تھے لہذا اس آیت میں خاص طور پر رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ قرابت داروں کا رشتہ داری کی وجہ سے یہ حق ہے کہ انہیں سب سے پہلے وعظ ونصیحت اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے، دوسرے اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب اس مشن میں رشتہ دار آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے تو پھر دوسروں تک اس دعوت کا پہنچانا آسان ہو جائے گا، چنانچہ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ جب اسلام لائے تو ان کی وجہ سے اسلام کو بڑی مدد ونصرت اور قوت حاصل ہوگئی۔

ترمذی کی مذکورہ روایات میں نبی کریم ﷺ نے اپنے رشتہ داروں سے یہ فرمایا: "فانی لا املک لکم من الله ضرا ولا نفعا" میں تمہیں اللہ کے ہاں کسی ضرر کو ہٹانے اور نفع پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا" گویا ان احادیث میں اہل ایمان کے لئے شفاعت کی نفی کا ذکر ہے، حالانکہ دوسری صحیح احادیث میں آپ ﷺ کی شفاعت کا ذکر موجود ہے، تو بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

اس کے چار جواب دیئے گئے ہیں:

---

(۱) الکوب الدری ۲۳۰/۴

۱۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ احادیث آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی ہوں کہ جس وقت آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ قیامت کے دن آپ پوری امت کی اور مخصوص لوگوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے (۱)۔

۲۔ آپ ﷺ نے صرف ڈرانے کے لئے ایسا فرمایا، اس سے شفاعت کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

۳۔ اس کلام سے آپ کا مقصد رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں کو سیدھے راستے پر آنے اور پھر اعمال خیر کرنے پر ابھارنا ہے تا کہ رشتہ دار یہ نہ سمجھ کر بیٹھے رہیں کہ ہمیں تو اپنے رشتہ دار نبی، اللہ کے عذاب سے نجات دلا دیں گے، ہر شخص کو اس کے اعمال ہی کام آئیں گے، محض رشتہ داری کی وجہ سے انسان کامیاب نہیں ہوگا (۲)۔

۴۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی اجازت اور مرضی کے بغیر کوئی شفاعت وغیرہ نہیں کرسکوں گا (۳)۔

سلوني من مالي ما شئتم۔ میرے مال میں سے جو چاہو تم سوال کرسکتے ہو۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ مکی دور میں تو آپ ﷺ کے پاس کوئی مال نہیں تھا تو پھر اس جملے کے کیا معنی ہیں؟

اس بارے میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ اس لفظ یعنی "من مالی" سے وہ امور مراد ہیں جن کے نبی کریم ﷺ اس وقت مالک تھے اور جن میں آپ تصرف کر سکتے تھے، اس سے معروف مال ودولت مراد نہیں۔

۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ اصل میں "ممالی" ہو، پھر کسی راوی نے اسے الگ کر کے لکھ دیا یعنی "من ما" حالانکہ یہ ممالی تھا یعنی جو کچھ میرے پاس ہے، اس کا تم مجھ سے سوال کرسکتے ہو (۴)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ النَّمْلِ

یہ باب سورۂ نمل کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَخْرُجُ الدَّابَّةُ مَعَهَا خَاتَمُ سُلَيْمَانَ وَعَصَا مُوسَى فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ وَتَخْتِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْخَاتَمِ، حَتَّى إِنَّ أَهْلَ الْخِوَانِ لَيَجْتَمِعُونَ فَيَقُولُ: هَاهَا يَا مُؤْمِنُ، وَيُقَالُ: هَاهَا يَا كَافِرُ، وَيَقُولُ: هَذَا يَا كَافِرُ وَهَذَا يَا مُؤْمِنُ (۵).

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دابۃ الارض نکلے گا، اس کے ساتھ حضرت سلیمان

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۱/۹

(۲) الکوکب الدری ۲۳۰/۴

(۳) تحفۃ الاحوذی ۴۱/۹

(۴) حاشیہ ترمذی ۱۵۳/۲

(۵) سنن ابن ماجۃ، کتاب العتاق، باب: دابۃ الارض (۲۹۵/۲ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علیہ السلام کی مہر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا، چنانچہ وہ (اس عصا سے مؤمن کے چہرے پر لکیر کھینچ کر) مؤمن کے چہرے کو چمکا دے گا، اور کافر کی ناک پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی مہر سے مہر لگا دے گا، یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر کھانے والے جمع ہوں گے تو یہ کہے گا: اے مؤمن اور یہ کہے گا: اے کافر (یعنی کافر اور مؤمن سب ممتاز ہو جائیں گے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خاتم: مہر۔ تجلو: صیقل کردے گا، چمکا دے گا۔ اهل الخوان: دسترخوان پر کھانا کھانے والے۔

دابۃ الارض، قیامت کی ایک بڑی علامت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرب قیامت میں یہ جانور نکلے گا، اس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، جس سے وہ کافر کی ناک پر مہر لگا دے گا اور اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا جس سے مؤمن کی پیشانی پر ایک خط کھینچے گا جس سے وہ اس کے چہرے کو چمکا دے گا۔ یوں مسلم اور کافر ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا، اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا، لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے، ایک جماعت رہ جائے گی، یہ دابۃ ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کردے گا، اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا، کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکے گا، یہ ہر مؤمن اور کافر کو پہچانے گا(۱)۔

شیخ جلال الدین محلی فرماتے ہیں کہ جب یہ جانور نکلے گا تو اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام ختم ہو جائیں گے، اور اس کے بعد کوئی کافر اسلام قبول نہیں کرے گا(۲)۔

ابن کثیر وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت اس دابۃ کی ہیئت، اور کیفیات و حالات سے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں، جن میں سے اکثر قابل اعتبار نہیں، اس لئے جتنی بات قرآن کریم کی آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ عجیب قسم کا جانور ہوگا، توالد و تناسل کے بغیر زمین سے نکلے گا، اور مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا، پھر ساری دنیا میں پھرے گا، یہ ہر کافر و مؤمن کو پہچانے گا، اور ان سے کلام کرے گا، بس اتنی بات پر عقیدہ رکھا جائے، اس سے زائد کیفیات اور حالات کی تحقیق و تفتیش نہ تو شرعا ضروری ہے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے(۳)۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر (۶۸۳/۴) الجزء: ۲۰، سورۃ النمل: ۲۷، الآیۃ: ۸۲۔
(۲) تفسیر مظہری (۱۳۴/۷)، سورۃ النمل: ۲۷/ الآیۃ: ۸۲، مکتبۃ رشیدیۃ
(۳) معارف القرآن ۶/ ۶۰۵، سورۃ النمل

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْقَصَصِ

یہ باب سورۃ قصص کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ: قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي بِهَا قُرَيْشٌ أَنَّ مَا يَحْمِلُهُ عَلَيْهِ الْجَزَعُ، لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ} [القصص:56](۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا: آپ ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیجئے، تاکہ میں قیامت کے دن آپ کے متعلق ایمان کی گواہی دے سکوں، وہ کہنے لگے: اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش مجھے اس کلمہ کی وجہ سے عار دلائیں گے کہ اسے ایمان لانے پر گھبراہٹ نے آمادہ کیا ہے تو میں اس کلمہ کے ذریعہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''انک لا تھدی......''
(اے محمد ﷺ آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتے ہیں، دے دیتے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔لو لا ان تعیرنی: اگر مجھے یہ اندیشہ اور خوف نہ ہوتا کہ قریش میری طرف عار منسوب کریں گے، عار دلائیں گے۔ یحملہ علیہ: ابوطالب کو ایمان پر آمادہ کیا ہے۔ جزع: (جیم اور زا پر زبر) گھبراہٹ، خوف و ہراس۔ اقررت بھا: میں اس کلمہ کے ذریعہ یعنی اسلام قبول کر کے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ انک لا تھدی: اے محمد ﷺ آپ راہ راست پر نہیں لا سکتے، لفظ ''ہدایت'' عربی زبان میں دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک صرف راستہ دکھا دینا، اور دوسرے معنی ''منزل مقصود تک پہونچا دینا، حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام صرف پہلے معنی کے اعتبار سے ہے کہ لوگوں کو سیدھے راستے کی دعوت دینا اور ان کے سامنے دونوں راستے واضح کر دینا، ہدایت کے دوسرے معنی یعنی ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ صرف اللہ جل شانہ کا کام ہے وہ جسے چاہیں ہدایت پر چلا دیں اور جسے چاہیں اسے ہدایت کی توفیق نہ دیں،

موت کے وقت حضرت ابوطالب کو ایمان کی خصوصی دعوت

نبی کریم ﷺ کے ہمدرد اور غم گسار چچا جناب ابوطالب کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ ﷺ نے کوشش فرمائی کہ چچا اپنی زبان سے ایک مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دیں تاکہ میں قیامت کے دن اللہ سے ان کی مغفرت کی سفارش کر سکوں لیکن چونکہ وہاں دوسرے کفار رؤساء قریش موجود تھے اس لئے ابوطالب عار کے اندیشے سے قبول ایمان کی سعادت سے محروم رہے، اور کفر پر

(۱) الصحیح لمسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی صحۃ الاسلام۔

ہی ان کا خاتمہ ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بڑا قلق اور دلی صدمہ تھا اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف دعوت وتبلیغ اور رہنمائی ہے۔ لیکن ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازنا چاہیں، نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْعَنْكَبُوتِ

یہ باب سورۂ عنکبوت کے بارے میں ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ، قَالَ: أُنْزِلَتْ فِيَّ أَرْبَعُ آيَاتٍ - فَذَكَرَ قِصَّةً - فَقَالَتْ أُمُّ سَعْدٍ: أَلَيْسَ قَدْ أَمَرَ اللّٰهُ بِالْبِرِّ، وَاللّٰهِ لَا أَطْعَمُ طَعَامًا وَلَا أَشْرَبُ شَرَابًا حَتَّى أَمُوتَ أَوْ تَكْفُرَ، قَالَ: فَكَانُوا إِذَا أَرَادُوا أَنْ يُطْعِمُوهَا شَجَرُوا فَاهَا فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا} [العنكبوت:8] الْآيَةَ (۲).

حضرت سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ میرے متعلق چار آیتیں نازل ہوئیں پھر انہوں نے واقعہ ذکر کیا کہ ان کی والدہ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے (والدین کے ساتھ) نیکی کا حکم نہیں دیا، اللہ کی قسم میں کوئی کھانا نہیں کھاؤں گی اور نہ کوئی چیز پیوں گی یہاں تک کہ میں مرجاؤں یا یہ کہ تو محمد کے دین کا انکار کردے، راوی کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ ان کی والدہ کو کچھ کھلانا چاہتے تو اس کے منہ کو (زبردستی) کھولتے (اور پھر منہ میں کوئی چیز ڈالتے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "ووصينا الانسان بوالديه احسانا۔" (اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرے ساتھ شریک ٹھہرا جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔بر: (با پر زبر) نیکی کرنا، شجروا: رشتہ داران کے منہ میں درخت کی شاخ ڈالتے یعنی منہ کھولتے۔

ناجائز امر میں والدین کی اطاعت جائز نہیں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان دس صحابہ کرام میں سے ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، جن کو "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے، یہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار اور ان کی راحت رسانی میں بہت کوشاں رہتے

(۱) تحفة الاحوذی ۹/۴۶

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن ابی وقاص،

تھے، سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کرلیا تھا، ان کی والدہ حمنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے سعد مسلمان ہوگئے ہیں تو اس پر انہوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور ساتھ ہی قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم دین محمدی کا انکار نہ کردو یا اسی طرح میں بھوک پیاس سے مرجاؤں، اپنی قسم کے مطابق انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا، لوگ زبردستی ان کا منہ کھول کر اس میں کھانا ڈالتے یا کوئی چیز ٹپکاتے تھے، اور حضرت سعد سے کہنے لگیں کہ میں جب بھوکی پیاسی مرگئی تو رہتی دنیا تک یہ رسوائی تمہارے سر رہے گی کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خلاف شرع اور ناجائز امور میں والدین کی اطاعت جائز نہیں(۱)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد کی والدہ ایک دن رات اور بعض روایت میں وہ اپنی قسم کے مطابق تین دن اور تین رات بھوکی پیاسی رہیں، حضرت سعد حاضر ہوئے، ماں کی محبت اور اطاعت اپنی جگہ تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی، اس لئے والدہ کو خطاب کرکے کہا کہ اماں جان: اگر تمہارے بدن میں سو روحیں ہوتیں اور ایک ایک کرکے نکلتی رہتیں، تب بھی میں اس کو دیکھ کر کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تمہاری مرضی ہے چاہو تو کھاؤ یا مرجاؤ، میں بہرحال اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے ان کی یہ استقامت دیکھی تو مایوس ہوگئیں، پھر کھانا کھانے لگیں(۲)۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ} [العنكبوت: 29] قَالَ: كَانُوا يَخْذِفُونَ أَهْلَ الأَرْضِ وَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ.

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا اس آیت: وتاتون فی نادیکم المنکر (تم اپنی محفلوں میں منکرات کا ارتکاب کرتے ہو) کی تفسیر نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ (یعنی قوم لوط علیہ السلام) زمین والوں پر کنکریاں پھینکتے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: تاتون: تم ارتکاب کرتے ہو۔ نادی: محفل، مجلس۔ المنکر: گناہ، اللہ کی نافرمانی والے کام۔ یخذفون: قوم لوط کے لوگ پتھر اور کنکریاں پھینکتے تھے۔ یسخرون: مذاق اڑاتے تھے۔

قوم لوط کا ایک سنگین جرم

قرآن مجید کی اس آیت: "وتاتون فی نادیکم المنکر" میں منکر سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

مثلاً لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی مسافر کا استہزاء کرنا، جیسا کہ ام ہانی کی مذکورہ روایت میں اس کا ذکر ہے، مجلس میں گوز مارنا یعنی سرین سے اونچی آواز نکالنا، ایک دوسرے کے سامنے اغلام بازی، شطرنج اور نرد سے قمار بازی، رنگے

(۱) تکملة فتح الملہم ۱۲۲/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل سعد بن ابی وقاص

(۲) تفسیر مظہری (۱۹۲/۷) مکتبة رشیدیة تفسیر، قرطبی (۱۳/ ۹۰-۲۹۱) مکتبة دار الکتاب العربی بیروت

ہوئے کپڑے پہننا، کبوتر بازی، مینڈھوں کو آپس میں لڑانا، مرغ مقابلہ، ایک دوسرے پہ تھوکنا، اور سیٹی بجانا وغیرہ،
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی منکرات کرتے رہے ہوں، اس لئے ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں(۱)۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، مشہور یہ ہے کہ ان کا نام ''فاختہ'' ہے۔

یہ بڑی عظمت وفضیلت والی صحابیہ ہیں، مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی تبلیغی جدوجہد کا مرکز زیادہ تر انہی کا مکان تھا، فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ان کے گھر میں غسل کیا اور نماز چاشت پڑھی، ان کا قیام مکہ میں ہی رہا، مدینہ منورہ کی طرف انہوں نے ہجرت نہیں کی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو طالب سے بات کی کہ ان کی ام ہانی سے شادی کرادیں، اور ھبیرہ بن عمرو نے بھی اپنے لئے رشتہ حضرت ابو طالب سے مانگا تھا، انہوں نے وہ رشتہ نبی کریم ﷺ کو دینے کے بجائے ھبیرہ بن عمرو کو دے دیا، آپ ﷺ کو اس سے طبعی طور پر دکھ ہوا تو حضرت ابو طالب نے کہا: بھتیجے، ہم نے ان کے ہاں سے رشتہ کیا ہوا ہے، ہم انہیں یہ رشتہ دے کر بدلہ اتارنا چاہتے ہیں، شادی ہوگئی، لیکن پھر حضرت ام ہانی اور ھبیرہ کے درمیان جدائی ہوگئی کہ وہ کافر تھا، اس کے بعد حضرت ام ہانی کو آپ ﷺ نے پیغام نکاح دیا تو انہوں نے عرض کیا: واللہ میں تو زمانہ جاہلیت یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی آپ کو بہت پسند کرتی تھی، اسلام کے بعد کیسے آپ سے محبت نہ کروں، لیکن میرے پہلے شوہر سے بہت بچے ہیں، مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو ستائیں گے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: قریشی عورتیں سب سے بہترین ہیں جو اپنی اولاد پر زیادہ شفقت کرتی ہیں۔

پھر جب ان کے بچے بڑے ہوگئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے شادی کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے یہ فرما کر رد کردیا کہ تم مہاجرات میں سے نہیں ہو، اس لئے میں تم سے شادی نہیں کرتا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا تو پھر ان کے شوہر ھبیرہ بن عمرو نجران کی طرف فرار ہوگئے تھے۔

حضرت فاختہ نے آپ ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں جو صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں(۲)۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴۸/۹
(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۲۸۵/۸، حرف الھاء

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الرُّومِ

یہ باب سورۂ روم کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ ظَهَرَتِ الرُّومُ عَلَى فَارِسَ فَأَعْجَبَ ذَلِكَ الْمُؤْمِنِينَ فَنَزَلَتْ: {الم غُلِبَتِ الرُّومُ} [الروم: 2] - إِلَى قَوْلِهِ - {يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ} [الروم: 4] قَالَ: فَفَرِحَ الْمُؤْمِنُونَ بِظُهُورِ الرُّومِ عَلَى فَارِسَ(۱)۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر رومی اہل فارس پر غالب آگئے، اہل ایمان کو یہ چیز اچھی لگی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "الم غلبت الروم" (روم غالب آگئے) فرماتے ہیں کہ اہل ایمان رومیوں کے اہل فارس پر غالب آنے سے خوش ہوگئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {الم غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ} (الروم: ۱ و ۲) قَالَ: غَلَبَتْ وَغُلِبَتْ، كَانَ الْمُشْرِكُونَ يُحِبُّونَ أَنْ يَظْهَرَ أَهْلُ فَارِسَ عَلَى الرُّومِ، لِأَنَّهُمْ وَإِيَّاهُمْ أَهْلُ أَوْثَانٍ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُحِبُّونَ أَنْ يَظْهَرَ الرُّومُ عَلَى فَارِسَ، لِأَنَّهُمْ أَهْلُ كِتَابٍ، فَذَكَرُوهُ لِأَبِي بَكْرٍ، فَذَكَرَهُ أَبُو بَكْرٍ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: أَمَا إِنَّهُمْ سَيَغْلِبُونَ، فَذَكَرَهُ أَبُو بَكْرٍ لَهُمْ، فَقَالُوا: اجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ أَجَلًا۔ فَإِنْ ظَهَرْنَا، كَانَ لَنَا كَذَا وَكَذَا، وَإِنْ ظَهَرْتُمْ، كَانَ لَكُمْ كَذَا وَكَذَا، فَجَعَلَ أَجَلَ خَمْسِ سِنِينَ، فَلَمْ يَظْهَرُوا، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: أَلَا جَعَلْتَهُ إِلَى دُونَ، قَالَ، أُرَاهُ الْعَشْرِ، قَالَ سَعِيدٌ: وَالْبِضْعُ مَا دُونَ الْعَشْرِ، قَالَ: ثُمَّ ظَهَرَتِ الرُّومُ بَعْدُ، قَالَ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: الم غُلِبَتِ الرُّومُ (الروم: ۱ و۲) الی قوله: (وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ) (الروم: ۴ و ۵)، قَالَ سُفْيَانُ: سَمِعْتُ أَنَّهُمْ ظَهَرُوا عَلَيْهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس قول "الم غلبت الروم" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ غلبت (صیغہ مجہول) یعنی اہل روم مغلوب ہوگئے اور غلبت (صیغہ معلوم) یعنی رومی پھر غالب آگئے۔ مشرکین یہ پسند کرتے تھے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آجائیں کیونکہ یہ دونوں بت پرست تھے، اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی اہل فارس پر غالب آجائیں، کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ لوگوں نے اس کا صدیق اکبر سے تذکرہ کیا اور صدیق اکبر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب اہل روم غالب ہوجائیں گے،

حضرت ابوبکرؓ نے مشرکین سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے: ہمارے اور اپنے درمیان ایک مدت مقرر کرلو اگر اس مدت

(۱) اسے صرف امام ترمذی نے ہی روایت کیا ہے۔

میں ہم غالب آ گئے تو تم ہمیں اتنے اتنے (اونٹ) دو گے، اور اگر تم لوگ یعنی اہل روم ہم پر یعنی اہل فارس پر غالب آ گئے تو ہم تمہیں اتنے اتنے (اونٹ) دیں گے، چنانچہ پانچ برس کی مدت مقرر کی گئی، لیکن اس مدت میں اہل روم غالب نہ ہوئے، اس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تم نے کیوں نہ مدت مقرر کی قریب راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس کے قریب فرمایا، سعید کہتے ہیں: ''بضع'' دس سے کم کو کہتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد روم، اہل فارس پر غالب آ گئے،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا: ''الم غلبت الروم فی ادنی الارض۔''

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ اہل روم، اہل فارس پر غزوہ بدر کے دن غالب ہوئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ فِي مُنَاحَبَةِ {الم غُلِبَتِ الرُّومُ} [الروم: 2] أَلَا احْتَطْتَ يَا أَبَا بَكْرٍ، فَإِنَّ الْبِضْعَ مَا بَيْنَ الثَّلَاثِ إِلَى تِسْعٍ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا کہ اے ابوبکر تم نے ''الم غلبت الروم'' کی شرط لگانے میں احتیاط کیوں نہ کی، اس لئے کہ لفظ ''بضع'' (عربی زبان میں) تین سے نو (کے عدد) تک بولا جاتا ہے۔

عَنْ نِيَارِ بْنِ مُكْرَمٍ الأَسْلَمِيِّ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {الم غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ} [الروم: 2] فَكَانَتْ فَارِسُ يَوْمَ نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ قَاهِرِينَ لِلرُّومِ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُحِبُّونَ ظُهُورَ الرُّومِ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ وَإِيَّاهُمْ أَهْلُ كِتَابٍ، وَفِي ذَلِكَ قَوْلُ اللهِ تَعَالَى: {وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ} [الروم: 4] فَكَانَتْ قُرَيْشٌ تُحِبُّ ظُهُورَ فَارِسَ لِأَنَّهُمْ وَإِيَّاهُمْ لَيْسُوا بِأَهْلِ كِتَابٍ وَلَا إِيمَانٍ بِبَعْثٍ، فَلَمَّا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى هَذِهِ الآيَةَ، خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ يَصِيحُ فِي نَوَاحِي مَكَّةَ {الم غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ} [الروم: 1] قَالَ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ لِأَبِي بَكْرٍ: فَذَلِكَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، زَعَمَ صَاحِبُكَ أَنَّ الرُّومَ سَتَغْلِبُ فَارِسَ فِي بِضْعِ سِنِينَ، أَفَلَا نُرَاهِنُكَ عَلَى ذَلِكَ، قَالَ: بَلَى، وَذَلِكَ قَبْلَ تَحْرِيمِ الرِّهَانِ، فَارْتَهَنَ أَبُو بَكْرٍ وَالْمُشْرِكُونَ وَتَوَاضَعُوا الرِّهَانَ، وَقَالُوا لِأَبِي بَكْرٍ: كَمْ تَجْعَلُ؟ الْبِضْعُ ثَلَاثُ سِنِينَ إِلَى تِسْعِ سِنِينَ، فَسَمِّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ وَسَطًا تَنْتَهِي إِلَيْهِ، قَالَ: فَسَمَّوْا بَيْنَهُمْ سِتَّ سِنِينَ، قَالَ: فَمَضَتِ السِّتُّ سِنِينَ قَبْلَ أَنْ يَظْهَرُوا، فَأَخَذَ الْمُشْرِكُونَ رَهْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَلَمَّا دَخَلَتِ السَّنَةُ السَّابِعَةُ ظَهَرَتِ الرُّومُ عَلَى فَارِسَ، فَعَابَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْمِيَةَ سِتِّ سِنِينَ، لِأَنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ فِي بِضْعِ سِنِينَ، قَالَ: وَأَسْلَمَ عِنْدَ ذَلِكَ

ناس کثیر۔
حضرت نیار بن مکرم اسلمی کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: الم غلبت الروم... تو اہل فارس اہل روم پر غالب تھے، اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ رومی اہل فارس پر غالب آجائیں، اس لئے کہ مسلمان اور اہل روم دونوں اہل کتاب تھے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ویومئذ یفرح المؤمنون...." (اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، اور اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے) جبکہ قریش اہل فارس کا غلبہ چاہتے تھے، کیونکہ وہ اور قریش دونوں نہ اہل کتاب تھے اور نہ ہی قیامت پر ایمان رکھتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تو حضرت ابوبکر ان آیات کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کے اطراف میں گھومنے لگے: "الم غلبت الروم ـــ" (الم، رومی مغلوب ہوگئے ہیں، نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے چند سال میں ہی)
کچھ مشرکین قریش، صدیق اکبر سے کہنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان شرط ہے، تمہارے دوست (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا ہے کہ چند سال میں رومی، اہل فارس پر غالب آجائیں گے، کیا ہم آپ لوگوں سے اس بات پر شرط نہ لگائیں؟ ابوبکر نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اور یہ شرط کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، اس طرح ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگالی اور سب کا اس شرط پر اتفاق ہوگیا، پھر انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ کتنی مدت مقرر کرتے ہیں؟ لفظ "بضع" تو تین سے نو تک کے عدد کے لئے ہوتا ہے، لہذا آپ ہمارے اور اپنے درمیان ایک ایسی درمیانی مدت مقرر کردیجئے جس پر آپ پہنچ جائیں، راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپس میں چھ سال کی مدت مقرر کی، راوی کہتے ہیں کہ چھ سال گذر گئے قبل اس کے کہ اہل روم غالب آئیں، اس پر مشرکین نے ابوبکر کی شرط میں مقرر کردہ مال لے لیا، جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی، اہل فارس پر غالب آگئے تو اس وقت مسلمانوں نے ابوبکر صدیق کی چھ سالہ مدت مقرر کرنے پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے "بضع سنین" فرمایا: راوی کہتے ہیں کہ اس موقع پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ ظھرت الروم: روم غالب آگئے۔ فی ادنی الارض: نزدیک کی زمین پر، ملتے ہوئے ملک میں، ایک قریب کے موقع میں، اس سے ارض روم کے وہ علاقے مراد ہیں جو سرزمین عرب کے قریب تر ہیں یعنی ملک شام کے دو شہر اذرعات اور بصری جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔ الا جعلته الی دون: راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ اس کے ساتھ لفظ "العشر" یعنی "الی دون العشر" ہے تم نے اس مدت کو دس سال کے قریب کیوں نہیں مقرر کیا۔ مناحبه: آپس میں شرط لگانا۔ الا احتطت: آپ نے احتیاط نہیں کی۔ قاھرین: غالب تھے۔ لا ایمان ببعث: وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یصیح: بلند آواز سے پڑھنے لگے۔ نواحی مکة: مکہ مکرمہ کے اطراف۔ خرج ابو بکر: ابوبکر نکلے، یعنی گھومنے لگے۔ أفلا نراھنک: کیا

ہم آپ کے ساتھ شرط نہ لگالیں؟ تحریم الرھان: شرط کو حرام قرار دینا۔ ارتھن: شرط لگائی۔ تواضعوا: سب نے اتفاق کیا۔ رھان: (را کے نیچے زیر) شرط لگانا، شرط۔ وسطا: درمیانی مدت۔ تنتھی الیہ: جس مدت پر آپ پہنچ جائیں۔ رھن ابی بکر: ابوبکر کا شرط میں مقرر کردہ مال۔ عاب المسلمون علی ابی بکر: مسلمانوں نے ابوبکر پر الزام لگایا، اعتراض کیا، عیب لگایا،

رومیوں کے فتح کی پیشن گوئی

عہد رسالت میں دنیاوی شان وشوکت کے اعتبار سے دو بڑی طاقتیں تھیں ایک فارس یعنی ایران کی، جو آتش پرست تھے اور دوسری روم کی جو عیسائی یعنی اہل کتاب تھے، ان دونوں حکومتوں کے درمیان ایک عرصے سے جنگیں اور لڑائیاں چلی آرہی تھیں، مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیونکہ دونوں ہی غیر اللہ کے پجاری تھے، جبکہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں اس لئے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وحی ورسالت پر یقین رکھتے تھے، جب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے عالی منصب سے سرفراز فرمایا تو اس کے چند ہی سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آگئی، جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو بڑا صدمہ ہوا، اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا،

اس لڑائی میں روم کے بڑے بڑے پادری قتل یا گرفتار ہوگئے، بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے، یوں قیصر روم کا اقتدار بالکل ہی ختم ہوگیا، ظاہری اسباب کے اعتبار سے دوبارہ روم کا ابھرنا اور غالب آنا بالکل ناممکن تھا، چنانچہ بعض مشرکین مکہ حضرت صدیق اکبرؓ سے کہنے لگے کہ آج ہمارے ایرانی بھائیوں نے رومیوں کو مٹا دیا ہے، کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے،

اس موقع پر سورہ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیشن گوئی کی گئی کہ ''بضع سنین'' (چند ہی سالوں) کے اندر رومی پھر غالب آجائیں گے، اور غالب، مغلوب اور مغلوب، غالب ہوجائیں گے، بظاہر اسباب یہ پیشن گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا،

حضرت صدیق اکبر نے جب یہ آیات سنیں جن میں اللہ نے یہ اعلان کردیا کہ بے شک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ضرور ہوگئے ہیں، لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب ہوجائیں گے، تو مکہ کے اطراف اور مشرکین کی مجلسوں اور بازار میں جا کر اس کا اعلان کیا کہ تمہیں خوش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، چند ہی سالوں میں روم پھر، فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف نے ان کا مقابلہ کیا اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ خدا کے دشمن تو ہی جھوٹا ہے، اور اس کے ساتھ سو اونٹ کی شرط لگالی، (اس وقت تک شرط لگانے کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں تمہیں سو اونٹ دوں گا ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے، حضرت صدیق اکبر نے اپنی رائے سے ''بضع سنین'' کی مدت کچھ کم مقرر کی تھی، نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ ''بضع'' کا لفظ تین سے دس

تک کے عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے، تم نے پانچ سال کی مدت کم رکھی ہے، اس میں اضافہ کرلو، چنانچہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت صدیق اکبر نے اس مدت میں اضافہ کروالیا، اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی نو سال کی مدت کے اندر اندر یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آگئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔

رومیوں کو یہ فتح عین اس وقت ہوئی جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا، اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہو رہے تھے، اس وقت امیہ بن خلف مر چکا تھا، صدیق اکبر نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق سو اونٹنیوں کا مطالبہ کیا، چنانچہ انہوں نے وہ اونٹنیاں انہیں دے دیں، حضرت صدیق اکبرؓ ان کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان تمام کو صدقہ کر دو، ان کا استعمال حضرت صدیق اکبر کے لئے گو کہ جائز تھا، لیکن پسندیدہ نہیں تھا اس لئے انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا(۱)۔

حضرت نیار بن مکرم اسلمیؓ

حضرت نیار بن مکرمؓ (نون کے نیچے زیر اور یا پر زبر، میم پر پیش، کاف ساکن اور را پر زبر) جمہور علماء کے نزدیک صحابی ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت عثمان سے روایات نقل کی ہیں، اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے میں بھی شریک تھے، ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ تابعی ہیں، صحابی نہیں، حضرت صدیق اکبر سے ان کا سماع ثابت ہے۔ واللہ اعلم (۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ لُقْمَانَ

یہ باب سورۂ لقمان کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ، وَلَا خَيْرَ فِي تِجَارَةٍ فِيهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ، وَفِي مِثْلِ ذَلِكَ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةُ {وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ} [لقمان: 6] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گانا گانے والی باندیوں کو نہ بیچو اور نہ انہیں خریدو، اور نہ انہیں گانا سکھاؤ، اور ان کی تجارت میں کوئی خیر اور بہتری نہیں، اور ان کی قیمت حرام ہے، اسی کے متعلق یہ آیت

(۱) تفسیر قرطبی (۱۴/۷) دار الکتاب العربی بیروت، روح المعانی (۱۱/۱۷، ۱۸) الجزء الحادی والعشرون مبحث فی تفسیر قولہ تعالی (غلبت الروم فی أدنی الارض) الخ، مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) الاصابۃ ۶/۳۸۲، حرف النون، تحفۃ الاحوذی ۹/۵۲

نازل کی گئی ہے: "ومن الناس من یشتری..." (بعض ایسے بھی ہیں جو کھیل کی چیزوں کو خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قینات: قینۃ کی جمع ہے، گانا گانے والی باندیاں، مغنیہ۔ لھو الحدیث: کھیل کی چیزیں، لغو باتیں۔

آیت کا شان نزول

قرآن مجید کی اس آیت "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" کے شان نزول کے بارے میں ایک خاص واقعہ ہے کہ نضر بن حارث مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا، وہ ملک فارس سے شاہان عجم کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مشرکین مکہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو قوم عاد اور ثمود وغیرہ کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے بہتر رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس کے قصے شوق و رغبت سے سننے لگے، کیونکہ ان میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے، صرف مزے دار قسم کی کہانیاں اور ہسٹریاں تھیں، ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین جو اس سے پہلے کلام الٰہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس کو سننے کی رغبت رکھتے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے، ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانہ مل گیا(۱)۔

قرآن مجید کی اس آیت میں "لھو الحدیث" سے جس طرح شاہان عجم کے قصے کہانیاں یا گانے والی لونڈی مراد ہے، اسی طرح اس سے گانا بجانا، اس کا ساز وسامان اور آلات ساز وموسیقی اور ہر وہ چیز مراد ہے جو انسانوں کو خیر اور نیکی کے کاموں سے غافل کردے، اس میں قصے، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناول اور جنسی لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچار کرنے والے اخبارات سب ہی آجاتے ہیں، اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کیبل اور ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی، اور اگر موبائل، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کو خلاف شرح مناظر دیکھنے یا ناجائز کاموں میں استعمال کیا جائے تو پھر یہ بھی اسی لہو میں داخل ہوں گے۔

مذکورہ حدیث میں ان لونڈیوں کو بھی اسی مقصد کے لئے خریدا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بہلاتی رہیں، تاکہ وہ قرآن اور اسلام سے دور رہیں، اس اعتبار سے اس میں تمام گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں جو اس پرفتن دور میں "فنکار"، فلمی ستارہ، اور ثقافتی سفیر، اور معلوم نہیں کیسے کیسے مہذب، خوش نما، اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں، بلکہ انہیں بین الاقوامی ایوارڈز دیئے جاتے ہیں، کہ اس نے فلمی دنیا میں بڑی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، اسے آپ اس کائنات کا المیہ ہی کہہ سکتے ہیں، جس نے اسے تباہی کے آخری دہانے پر بالکل پہنچا دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں جو نوجوان وغیرہ فحش ناول یا فحش اشعار دیکھنے اور پڑھنے کے عادی ہیں، یہ سب چیزیں اسی حرام لہو میں داخل ہیں، ایسے ہی عوام کے لئے ایسی تحریر کا مطالعہ کرنا بھی جائز نہیں جو ان کے لئے گمراہی کا سبب بن

(۱) روح المعانی (۷/۲۴۷)، مکتبہ رشیدیہ

جائے(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ السَّجْدَةِ

یہ باب سورہ سجدہ کے بارے میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ هٰذِهِ الآيَةَ: تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ، نَزَلَتْ فِي انْتِظَارِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ الَّتِي تُدْعَى الْعَتَمَةَ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ یہ آیت: تتجافی جنوبھم (ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں) اس نماز کی انتظار کے بارے میں نازل ہوئی جسے عشا کہا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [السجدة: 17](۲)۔

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے متعلق سنا اور نہ کسی کے دل میں ان چیزوں کا خیال آیا، اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے: "فلا تعلم نفس" (کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے خزانہ غیب میں پوشیدہ کر رکھی ہے، یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے)۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، عَلَى الْمِنْبَرِ يَرْفَعُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ مُوسَى سَأَلَ رَبَّهُ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ أَيُّ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَدْنَى مَنْزِلَةً؟ قَالَ: رَجُلٌ يَأْتِي بَعْدَمَا يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ فَيُقَالُ لَهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ: كَيْفَ أَدْخُلُ وَقَدْ نَزَلُوا مَنَازِلَهُمْ وَأَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ. قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ أَتَرْضَى أَنْ يَكُونَ لَكَ مَا كَانَ لِمَلِكٍ مِنْ مُلُوكِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، أَيْ رَبِّ قَدْ رَضِيتُ، فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ هٰذَا وَمِثْلَهُ وَمِثْلَهُ وَمِثْلَهُ، فَيَقُولُ: قَدْ رَضِيتُ أَيْ رَبِّ، فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ هٰذَا وَعَشْرَةَ أَمْثَالِهِ، فَيَقُولُ: رَضِيتُ أَيْ رَبِّ، فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَعَ هٰذَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ(۳)۔

---

(۱) معارف القرآن ۲۳/۷

(۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة

(۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان باب أو فی أهل الجنة منزلة فیها

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے مغیرہ بن شعبہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے میرے پروردگار: اہل جنت میں سے سب سے کم درجے والا جنتی کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص ہوگا جو اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد آئے گا، اس سے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہے گا کیسے داخل ہو جاؤں؟ سب جنتیوں نے اپنے لئے گھر اور اپنی اپنی لینے کی چیزیں لے لی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس سے کہا جائے گا کہ تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں وہ کچھ عطا کر دیا جائے جو دنیا میں ایک بادشاہ کے پاس ہوا کرتا تھا۔ وہ کہے گا: جی ہاں اے میرے رب میں اس پر راضی ہوں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے لئے یہ اور اس کے مثل اور اس کے مثل ہے، وہ کہے گا: اے میرے رب میں راضی ہوں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے لئے یہ سب کچھ ہوگا اور مزید اس سے دس گنا ہوگا، وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار میں راضی ہوں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ اس کے ساتھ ساتھ تمہارے لئے ہر وہ چیز بھی ہوگی، جسے تیرا جی چاہے اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت حاصل ہو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ تتجافی: الگ رہتے ہیں، جدا رہتے ہیں۔ جنوبھم: جنب کی جمع ہے: ان کے پہلو۔ مضاجع: مضجع کی جمع ہے خواب گاہ، لیٹنے کی جگہ۔ عتمة: نماز عشاء۔ اعددت: میں نے تیار کیں۔ لا خطر: نہیں کھٹکیں، خیال میں نہیں آئیں۔ ما أخفی لھم: جو ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئیں۔ قرة اعین: آنکھوں کی ٹھنڈک۔ أخذاتھم: أخذة کی جمع ہے: اپنی اپنی چیزیں جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کی جائیں گی۔

نماز تہجد پڑھنے والوں کی فضیلت

قرآن مجید کی مذکورہ آیت "تتجافی جنوبھم" سے کون لوگ مراد ہیں؟ احادیث میں اس کی تفسیر کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو راتوں کو اپنے بستر چھوڑ کر نماز تہجد پڑھتے ہیں۔

۲۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو نماز عشاء کی جماعت کا انتظار کرتے ہیں اور سوتے نہیں۔

۳۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ اس آیت میں وہ لوگ بھی داخل ہیں کہ جن کی جب آنکھ کھلے تو اللہ کا ذکر کریں لیٹے، بیٹھے اور کروٹ پر یعنی ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

ابن کثیر اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان تمام اقوال میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان

تمام لوگوں کو شامل ہے، ان سب کو یہ فضیلت حاصل ہوگی جس کا اس آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ذکر ہے البتہ رات کے آخری حصے کی نماز ان سب میں اعلیٰ اور افضل ہے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الأَحْزَابِ

یہ باب سورۂ احزاب کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، أَنَّ أَبَاهُ، حَدَّثَهُ قَالَ: قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ: أَرَأَيْتَ قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ {مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ} [الأحزاب: 4] مَا عَنَى بِذَلِكَ؟ قَالَ: قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا يُصَلِّي فَخَطَرَ خَطْرَةً، فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ مَعَهُ: أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ قَلْبَيْنِ، قَلْبًا مَعَكُمْ وَقَلْبًا مَعَهُمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ {مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ} [الأحزاب: 4] (۲)۔

ابوظبیان کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ یہ بتادیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول: "ما جعل اللہ۔۔۔" (اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے) سے کیا مراد لیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، کہ آپ کو کوئی وسوسہ آیا (جس کی وجہ سے آپ بھول گئے) اس پر منافقین جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، کہنے لگے: کیا تم دیکھتے نہیں کہ ان کے دو دل ہیں، ایک تمہارے ساتھ اور دوسرا دل ان (یعنی صحابہ) کے ساتھ، چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما جعل اللہ۔۔۔"۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ ماعنی بذلک: اللہ تعالیٰ نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ أرایت: آپ بتادیجئے۔ خطر خطرة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی وسوسہ آیا جس کی وجہ سے آپ نماز میں بھول گئے۔ قلبا معکم: ایک دل تمہارے ساتھ ہے یعنی منافقین کے ساتھ۔ قلبا معھم: دوسرا دل اپنے صحابہ کے ساتھ ہے،

کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں

قرآن مجید کی مذکورہ آیت: "ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفه" کس موقع پر نازل ہوئی، اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کوئی وسوسہ آیا، جس سے آپ علیہ السلام نماز میں بھول گئے، تو آپ کے ساتھ نماز میں شریک منافقین کہنے لگے کہ اس نبی

(۱) معارف القرآن ۷/۶۹، تحفة الاحوذی ۹/۵۴

(۲) مسند احمد ۱/۲۶۴

کے دو دل ہیں، ایک دل تمہارے یعنی منافقین کے ساتھ اور ایک دل اپنے صحابہ کے ساتھ ہے، اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جمیل بن معمر فہری تھا، جو بڑا ہوشیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میرے تو دو دل ہیں جن سے میں سوچتا اور سمجھتا ہوں جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی دل ہے، یہ آیت اس کے رد میں نازل ہوئی۔

۳۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کئے جا رہے ہیں، یہ ان کی تمہید ہے، یعنی جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے یعنی یہ کہہ دے کہ تیری پشت میرے لئے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت، تو اس طرح کہنے سے اس کی بیوی، اس کی ماں نہیں بن جائے گی، کیونکہ اس کی دو مائیں نہیں ہو سکتیں، اسی طرح کوئی شخص کسی کو اگر منہ بولا بیٹا یعنی لے پالک بنا لے تو اس سے وہ اس کے حقیقی بیٹے کی طرح نہیں بنے گا، بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے، زمانہ جاہلیت میں یہ میراث میں بھی شریک ہوتا تھا، اور نسبی رشتہ سے جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ہے، یہ منہ بولے بیٹے کے رشتہ کو بھی ایسا ہی حرام قرار دیتے، مثلاً جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد بھی نکاح حرام رہتا ہے، یہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو بھی طلاق کے بعد بھی اس شخص کے لیے حرام سمجھتے تھے، قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں ان رسوم کی تردید کی گئی کہ منہ بولے بیٹے کے لئے وہ احکام ثابت نہیں ہوتے جو حقیقی بیٹے کے لئے ہوتے ہیں(۱)۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ عَمِّي أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ، سُمِّيتُ بِهِ، لَمْ يَشْهَدْ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبُرَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَوَّلُ مَشْهَدٍ قَدْ شَهِدَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِبْتُ عَنْهُ، أَمَا وَاللَّهِ لَئِنْ أَرَانِي اللَّهُ مَشْهَدًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَرَيَنَّ اللَّهُ مَا أَصْنَعُ، قَالَ: فَهَابَ أَنْ يَقُولَ غَيْرَهَا، فَشَهِدَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ مِنَ الْعَامِ الْقَابِلِ فَاسْتَقْبَلَهُ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَمْرٍو أَيْنَ؟ قَالَ: وَاهًا لِرِيحِ الْجَنَّةِ أَجِدُهَا دُونَ أُحُدٍ، فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ، فَوُجِدَ فِي جَسَدِهِ بِضْعٌ وَثَمَانُونَ مِنْ بَيْنِ ضَرْبَةٍ وَطَعْنَةٍ وَرَمْيَةٍ، فَقَالَتْ عَمَّتِي الرُّبَيِّعُ بِنْتُ النَّضْرِ: فَمَا عَرَفْتُ أَخِي إِلَّا بِبَنَانِهِ. وَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا} [الأحزاب: 23](۲)۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر جن کے نام پر میرا نام رکھا گیا، وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، یہ بات ان پر بہت گراں گذری، کہنے لگے کہ پہلی جنگ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، میں اس

(۱) تفسیر قرطبی (۱۰۶/۱۴-۱۰۷) روح المعانی (۱۳۶/۱۱) الجزء: ۲۱، مکتبة القرآن والسنة، تفسیر ابن کثیر (۱۴۳/۵) سورة الاحزاب الآیتان (۴-۵) ونحوہ فی تفسیر مظہری: (۲۸۳/۷) مکتبة رشیدیة

(۲) مسند احمد ۲۰۶/۴، مسند انس بن مالک، صحیح مسلم کتاب الامارة باب ثبوت الجنة للشہید۔

سے غائب رہا (نہ جاسکا) اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ مجھے کسی جنگ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک کیا تو اللہ تعالیٰ ضرور دیکھیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں، راوی کہتے ہیں کہ وہ ڈر گئے کہ اس بات کے علاوہ اور کچھ کہیں، پھر اگلے سال وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے، (راستہ میں) ان سے سعد بن معاذ ملے تو انس بن نضر نے کہا: اے ابوعمرو (یہ سعد بن معاذ کی کنیت ہے) کہاں جارہے ہو، پھر حضرت انس بن نضر (سعد بن معاذ کے جواب سے پہلے ہی) کہنے لگے: جنت کی خوشبو کتنی اچھی ہے، میں اسے جبل احد کے پاس محسوس کررہا ہوں، پھر انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ وہ شہید کردیئے گئے، چنانچہ ان کے جسم پر چوٹ، نیزے اور تیروں کے اسی (۸۰) سے زیادہ زخم پائے گئے، میری پھوپھی ربیع بنت نضر کہتی ہیں کہ میں اپنے بھائی (کی لاش) کو صرف ان کے پوروں کی وجہ سے پہچان سکی ہوں، اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: رجال صدقوا... (ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ سچ کردکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کردکھایا، اور بعض (موقع کی) انتظار میں ہیں، اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ عَمَّهُ غَابَ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ: غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِينَ لَئِنِ اللهُ أَشْهَدَنِي قِتَالًا لِلْمُشْرِكِينَ لَيَرَيَنَّ اللهُ كَيْفَ أَصْنَعُ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْكَشَفَ الْمُسْلِمُونَ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ هَؤُلَاءِ - يَعْنِي الْمُشْرِكِينَ - وَأَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هَؤُلَاءِ - يَعْنِي أَصْحَابَهُ - ثُمَّ تَقَدَّمَ فَلَقِيَهُ سَعْدٌ فَقَالَ: يَا أَخِي، مَا فَعَلْتَ أَنَا مَعَكَ، فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَصْنَعَ مَا صَنَعَ، فَوُجِدَ فِيهِ بِضْعٌ وَثَمَانُونَ بَيْنَ ضَرْبَةٍ بِسَيْفٍ وَطَعْنَةٍ بِرُمْحٍ وَرَمْيَةٍ بِسَهْمٍ، فَكُنَّا نَقُولُ فِيهِ وَفِي أَصْحَابِهِ نَزَلَتْ {فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ} [الأحزاب:23] قَالَ يَزِيدُ يَعْنِي هَذِهِ الآيَةَ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ان کے چچا (انس بن نضر) غزوہ بدر سے غائب تھے، کہنے لگے کہ سب سے پہلی جنگ جو رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے کی، میں اس میں شریک نہ ہوسکا، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے ساتھ لڑائی کرنے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ ضرور دیکھ لیں گے کہ میں (ان کے ساتھ) کیا کرتا ہوں؟ جب احد کی لڑائی ہوئی تو مسلمان شکست کھا گئے، تو وہ کہنے لگے: اے اللہ میں تجھ سے اس چیز سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جسے یہ مشرکین لائے ہیں (یعنی رسول کے ساتھ لڑائی سے) اور تیرے سامنے اس چیز سے معذرت چاہتا ہوں جو صحابہ نے کیا ہے (یعنی صحابہ کا میدان جہاد سے بھاگنا) پھر وہ آگے بڑھے تو سعد نے ان سے ملاقات کی تو سعد نے فرمایا: اے میرے بھائی آپ جو کچھ کریں گے میں آپ کے ساتھ ہوں، لیکن (حضرت سعد کہتے ہیں کہ) میں وہ نہ کرسکا جو انس بن نضر نے کیا، چنانچہ ان کے جسم پر تلوار کی چوٹ، نیزے اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم کے نشان پائے گئے، چنانچہ ہم کہا کرتے تھے کہ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے متعلق ہی یہ آیت نازل ہوئی: "فمنهم من قضى نحبه..."،

یزید راوی کہتے ہیں کہ اس سے پوری آیت مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ :۔ کبر علیه: ان پر غزوہ بدر میں شریک نہ ہونا بڑا شاق گذرا۔ لئن أرانی الله: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا۔ هاب: ڈر گئے، خوفزدہ ہو گئے۔ ان یقول غیرھا: یہ کہ وہ اس بات کے علاوہ اور کوئی بات کریں، یعنی یہ جو انہوں نے کہا کہ مجھے آئندہ موقع ملا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے کہ میں دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہوں' اس کے علاوہ ادباً و احتراماً اور کوئی بات نہیں کی، اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی عارض پیش آ جائے اور میں یہ وعدہ نبھا نہ سکوں، یوں میں وعدہ خلافی کا مرتکب ہو جاؤں گا۔ فاستقبله: انس بن نضر سے سعد بن معاذ ملے۔ فقال: یا ابا عمرو۔ این؟ انس بن نضر نے کہا کہ اے ابو عمرو یہ حضرت سعد بن معاذ کی کنیت ہے یعنی اے سعد آپ کہاں جا رہے ہیں، ابھی حضرت سعد نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت انس بن نضر فرط شوق میں خود ہی بول اٹھے کہ واہ جنت کی خوشبو کتنی اچھی ہے۔ قال: واهاً لریح الجنة: انس بن نضر خود ہی بول پڑے قبل اس کے کہ حضرت سعد ان کی بات کا جواب دیں: جنت کی خوشبو کتنی اچھی ہے۔ واهاً: کتنی اچھی ہے، کس قدر خوب ہے۔ أجدها دون أحد: میں احد پہاڑ کے دامن میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، ضربة: تلوار کی چوٹ، تلوار کی مار۔ طعنة: نیزہ لگنے کا نشان۔ رمیة: تیر لگنے کا نشان۔ بنان: انگلیوں کے پورے۔ من قضی نحبه: بعض نے اپنے عہد اور منت کو پورا کر لیا۔ لئن الله اشهدنی: اس میں لام برائے تاکید اور "ان" شرطیہ ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: لئن أشهدنی الله: اگر اللہ تعالیٰ مجھے حاضر کریں، موقع دیں۔ انکشف المسلمون: مسلمان کھل گئے یعنی شکست کھا گئے۔ ابرأ الیک: میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، براءت کا اظہار کرتا ہوں، مما جاء به هولاء المشرکون: اس چیز سے جسے یہ مشرک لائے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا۔ واعتذر الیک: میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ مما یصنع هولاء: یعنی صحابہ کرام کا میدان سے بھاگ جانے سے۔ فقال یا اخی: سعد بن معاذ نے کہا: اے میرے بھائی۔ ما فعلت انا معک: جو کچھ آپ کریں گے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ فلم استطع ان اصنع ما صنع: سعد بن معاذ کہتے ہیں کہ میں وہ کام نہ کر سکا، جو انس بن نضر نے کیا۔

حضرت انس بن نضر غزوہ احد کے ایک شہید

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک کے چچا ہیں، ان کا نام بھی اپنے چچا کے نام پر رکھا گیا ہے، حضرت انس بن نضر کسی وجہ سے غزوہ بدر کے معرکہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، جو اسلام کا پہلا وہ عظیم معرکہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شریک ہوئے تھے، اس پر انہیں بڑا افسوس ہوا، طبیعت پر سخت گراں گذرا، اور یہ عہد کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آئندہ کسی معرکہ میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں، یہ ایک بہت بڑا عہد تھا اس لئے انہوں نے اس بات کے علاوہ اور کوئی عہد والی بات نہیں کی، اس اندیشہ سے کہ کہیں میں اس عہد کو کسی عارض کی وجہ سے پورا ہی نہ کر سکوں تو پھر وعدہ خلافی ہو جائے گی، اگلے سال غزوہ احد میں شرکت کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہو گئی، پوچھا

کہ اے ابو عمر یعنی سعد بن معاذ آپ کہاں جارہے ہیں، ابھی حضرت سعد نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ فرط شوق میں خود ہی بول اٹھے کہ میں تو احد کے دامن میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔

اس خوشبو کے محسوس کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ دو احتمال ہیں:

- ہوسکتا ہے کہ حقیقۃً انہوں نے جنت کی خوشبو محسوس کی ہو۔
- اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس یقین کے اعتبار سے بات کی ہو کہ یہاں جو شہید ہوگا تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

پھر حضرت انس بن نضر میدان کارزار میں گھس گئے اور اپنی جرأت وبہادری کی داستانیں رقم کرتے ہوئے جام شہادت پی گئے، ان کے جسم پر تلوار کی چوٹ، نیزے اور تیروں کے اسی سے زیادہ نشان پائے گئے، یہاں تک کہ ان کی لاش کو پہچاننا بھی مشکل ہوگیا، ان کی بہن نے ان کی انگلیوں سے انہیں پہچانا، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں بھی وہ کام نہ کرسکا جو انس بن نضر نے میدان جہاد میں کیا، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "منهم من قضى نحبه" کہ انہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کردکھایا(۱)۔

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: أَلَا أُبَشِّرُكَ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: طَلْحَةُ مِمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ(۲)۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ کے ہاں گیا، تو انہوں نے فرمایا: کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں (ضرور سنا دیجئے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (تمہارے والد) طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کرلیا۔

عَنْ مُوسَى، وَعِيسَى، ابْنَيْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِمَا طَلْحَةَ، أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا لِأَعْرَابِيٍّ جَاهِلٍ: سَلْهُ عَمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ مَنْ هُوَ؟ وَكَانُوا لَا يَجْتَرِئُونَ عَلَى مَسْأَلَتِهِ يُوَقِّرُونَهُ وَيَهَابُونَهُ، فَسَأَلَهُ الْأَعْرَابِيُّ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ إِنِّي اطَّلَعْتُ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ وَعَلَيَّ ثِيَابٌ خُضْرٌ، فَلَمَّا رَآنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ؟ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَا مِمَّنْ قَضَى نَحْبَهُ۔

حضرت موسیٰ وعیسیٰ اپنے والد طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ایک جاہل دیہاتی سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ "من قضى نحبه" (جنہوں نے اپنا کام اور منت پوری کرلی) سے کون مراد ہے؟ صحابہ کرام خود رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے، وہ آپ

---

(۱) الاصابۃ ۲۸۱/۱، حرف الالف، تحفۃ الاحوذی ۷۰/۹

(۲) سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضل طلحۃ بن عبید اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی (دل سے) تعظیم کرتے اور آپ سے ڈرتے تھے، چنانچہ اس اعرابی نے آپ سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف التفات نہیں کیا، اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر چہرہ انور دوسری طرف پھیر لیا، اس نے پھر تیسری بار پوچھا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، پھر میں مسجد کے دروازے کے سامنے ہوا اور میرے بدن پر سبز کپڑے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ "من قضی نحبه" کے مصداق کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کہ میں ہوں یا رسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ یعنی طلحہ بن عبید اللہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا کام پورا کرلیا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ کانوا لا یجترئون: وہ جرأت اور ہمت نہیں کرتے تھے۔ یوقرونه: صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور احترام کرتے تھے۔ یھابونه: صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوفزدہ رہتے تھے۔ اعوض عنه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی سے اعراض کیا یعنی اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، توجہ نہیں فرمائی۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ قریشی، تیمی جن کی کنیت ابومحمد ہے، ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی تھی، سابقین فی الاسلام ہیں، ان پانچ افراد میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، اور اصحاب الشوریٰ میں سے تھے۔

حضرت طلحہؓ اپنے اسلام قبول کرنے کا سبب بیان کرتے ہیں کہ میں بصریٰ کے بازار میں تھا کہ ایک پادری نے یہ معلوم کرایا کہ اس بازار میں حرم کا کوئی بندہ ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں، پھر اس نے پوچھا کہ احمد نامی نبی کا ظہور ہو چکا ہے، میں نے کہا کون احمد؟ اس نے کہا: ابن عبد اللہ بن عبد المطلب، اسی مہینے حرم میں اس کا ظہور ہوگا، اور پھر وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جائیں گے، اور تاکیداً کہنے لگا کہ تم اس نبی سے بچ کر رہنا، لیکن یہ کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، واپسی پر میں جلد ہی مکہ مکرمہ آیا، اور پوچھا کہ کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور ابن ابی قحافہ یعنی صدیق اکبرؓ نے ان کی اتباع کی ہے، چنانچہ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں جلد ہی صدیق اکبرؓ کے پاس آیا اور اسلام قبول کرلیا، پھر میں ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کو اس پادری کا سارا واقعہ بتایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کو قریش کے تجارتی قافلے کے تعاقب میں بھیجا تھا اس لئے یہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت سے انہیں بھی حصہ دیا تھا، تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، غزوہ احد میں ثابت قدمی کے ساتھ میدان جہاد میں ہی رہے، اپنے ہاتھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیروں سے بچاتے رہے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ ناکارہ اور شل ہوگیا تھا، ان کے جسم میں اس موقع پر ستر سے زیادہ زخم آئے تھے۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک ایسے شہید کو دیکھ لے جو زمین پر چل رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے، جنگ جمل میں مروان نے انہیں تیر مارا، جو ان کے گھٹنے میں ایسا لگا کہ ان کا خون بند نہ ہوا اور اسی میں وہ جمادی الاوّل ۳۶ھ میں شہید ہو گئے،

اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی، اور بصرہ میں ہی انہیں دفن کیا گیا(۱)۔

امام ترمذی نے ان کے مناقب میں مذکورہ روایات ذکر کی ہیں کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "من قضی نحبہ" کی فہرست میں طلحہ بھی شامل ہیں کہ انہوں نے بھی اپنا عہد پورا کر لیا کہ میدان جہاد میں ثابت قدم کے ساتھ رہے، اور بھاگے نہیں، پہلی حدیث میں حضرت معاویہ نے یہ بشارت سنائی، اور دوسری حدیث میں اس اعرابی نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے جواب میں حضرت طلحہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "من قضی نحبہ" کی فہرست میں یہ بھی شامل ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ بَدَأَ بِي فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ، قَالَتْ: وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَايَ لَمْ يَكُونَا لِيَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ: ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ} [الأحزاب: 28] - حَتَّى بَلَغَ - {لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا} [الأحزاب: 29]. فَقُلْتُ: فِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ. وَفَعَلَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ(۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیویوں کو اختیار دے دیں تو آپ نے مجھ سے ابتداء کی، اور فرمایا: اے عائشہ! میں تم سے ایک بات کہتا ہوں لیکن تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو، فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ میرے ماں باپ کبھی بھی مجھے آپ ﷺ سے علیحدگی کا مشورہ نہیں دیں گے، فرماتی ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یایھا النبی قل لازواجک ۔۔۔" یہاں تک "اجراً عظیماً" (اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دے دوں (اور طلاق دے کر) اچھی طرح رخصت کروں اور اگر تم اللہ، اس کا رسول اور دار آخرت چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے)۔

---

(۱) الاصابۃ ۳/۴۳۰، حرف الطاء، تحفۃ الاحوذی ۹/۶۲

(۲) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب وان کنتن تردن۔۔۔، صحیح مسلم، کتاب الطلاق باب بیان ان تخییر امرأتہ لا یکون طلاقا الا بالنیۃ، سنن نسائی کتاب النکاح باب ما افترض اللہ علی رسولہ۔

میں نے عرض کیا: میں کس چیز کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں، اور دوسری ازواج نے بھی اسی طرح کیا جس طرح کہ میں نے کیا تھا (یعنی سب نے یہی جواب دیا)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تخییر ازواجه: اپنی بیویوں کو اختیار دینا۔ انی ذاکر لک امرا: میں تمہیں ایک بات کہتا ہوں۔ الا تستعجلی: کہ تم جلدی نہ کرنا۔ حتی تستأمری: یہاں تک کہ تم مشورہ کرلو۔

ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا

اسلامی فتوحات کا سلسلہ ذرا پھیل گیا تو مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہوگئی، تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی نان نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نہایت سادگی پسند تھے اس لئے ازواج مطہرات کے اس مطالبے پر سخت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے، اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک مہینے تک جاری رہی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمادی، جس میں ازواج کو اختیار دینے کا ذکر ہے، جس کی تفصیل ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے۔ چنانچہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو اختیار نہیں کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نو بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن، اور چار ان کے علاوہ تھیں یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، رَبِيبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا} [الأحزاب:33] فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَدَعَا فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَعَلِيٌّ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَجَلَّلَهُ بِكِسَاءٍ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا. قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَأَنَا مَعَهُمْ يَا نَبِيَّ اللهِ، قَالَ: أَنْتِ عَلَى مَكَانِكِ وَأَنْتِ عَلَى خَيْرٍ۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی: "انما یرید اللہ ..." (اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی دور کردے اور تمہیں خوب پاک کر دے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کے گھر میں تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور ان کو چادر سے ڈھانپ لیا، اور حضرت علی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے تھے، ان پر بھی چادر ڈال دی، پھر (اللہ تعالیٰ سے) عرض کیا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، لہذا ان سے (گناہ کی) آلودگی دور کردے، اور انہیں خوب پاک کردے، ام سلمہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم

اپنی جگہ پر ہی رہو (تمہیں چادر کے نیچے آنے کی ضرورت نہیں) تم خیر پر ہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمُرُّ بِبَابِ فَاطِمَةَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ إِذَا خَرَجَ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ يَقُولُ: الصَّلَاةَ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ {إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰہُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا} [الأحزاب:33](۱)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی چھ ماہ تک یہ عادت رہی کہ جب آپ فجر کی نماز کے لئے نکلتے تو حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے سے گذرتے ہوئے فرماتے: اے اہل بیت نماز کا وقت ہو چکا ہے، اور اے اہل بیت اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے (گناہ کی) گندگی دور کردے اور تمہیں اچھی طرح پاک کردے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ربیب: سوتیلا بیٹا، پروردہ، جس کی پرورش کی جائے۔ رجس: (راء کے نیچے زیر اور جیم ساکن) گندگی، آلودگی۔ جللهم: ان کوڈھانپ لیا، ان پر چادر ڈالدی۔ كساء: چادر۔ انا معهم یا نبی الله: یہ سوالیہ جملہ ہے کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں یعنی چادر میں آجاؤں۔

اہل بیت سے کون مراد ہیں

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں "اہل بیت" سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے:

۱۔ ابن عباس، عکرمہ، عطاء، کلبی، مقاتل اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "اہل بیت" سے صرف ازواج مطہرات ہی مراد ہیں، کیونکہ ان تمام آیات میں ازواج سے ہی خطاب ہے، اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، اس لئے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے اور حضرت عکرمہ تو بازار میں اعلان کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدری، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت سے صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں، دلیل میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکر ضمیریں استعمال کی گئی ہیں یعنی عنکم، اور لیطہرکم، اگر اہل بیت سے ازواج مراد ہوتیں تو پھر یوں کہا جاتا عنکن اور لیطہرکن۔

۳۔ جمہور مفسرین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اہل بیت میں دونوں ہی داخل ہیں ازواج مطہرات تو اس قرآنی آیت کی وجہ سے، اور داماد اور اولاد یعنی حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، انہیں ہر قسم کی گندگی اور

(۱) مسند احمد ۱۵۷/۴، مسند انس بن مالک، حدیث: ۱۳۳۱۷

آلودگی سے دور کردے اور انہیں خوب پاک کردے(۱)۔

انک علی مکانک و انت علی خیر

آپ ﷺ کے اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

- ام سلمہ سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہی ہو، کیونکہ تم تو اہل بیت ہو ہی، لہذا تمہیں چادر کے نیچے آنے کی ضرورت نہیں کہ وہاں حضرت علی بھی ہیں، یہی مطلب راجح ہے۔
- تم اپنی جگہ پر رہو اور تم خیر پر ہو اگر چہ تم اہل بیت میں سے نہیں ہو(۲)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَوْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاتِمًا شَيْئًا مِنَ الوَحْيِ لَكَتَمَ هَذِهِ الآيَةَ {وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ} [الأحزاب:37] بِالعِتْقِ فَأَعْتَقْتَهُ، {أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ} [الأحزاب:37] - إِلَى قَوْلِهِ - {وَكَانَ أَمْرُ اللهِ مَفْعُولاً} [النساء: 47] وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَهَا قَالُوا: تَزَوَّجَ حَلِيلَةَ ابْنِهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} [الأحزاب: 40] وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَنَّاهُ وَهُوَ صَغِيرٌ فَلَبِثَ حَتَّى صَارَ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ: زَيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، فَأَنْزَلَ اللهُ: {ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ} [الأحزاب:5] فُلَانٌ مَوْلَى فُلَانٍ، وَفُلَانٌ أَخُو فُلَانٍ {هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ} [الأحزاب:5] يَعْنِي أَعْدَلُ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی میں سے کچھ چھپاتے ہوتے تو یہ آیت ضرور چھپاتے: "واذ تقول للذی۔۔۔" (یاد کرو جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے) اسلام کے ذریعہ (انعام کیا، اور تو نے بھی اس پر انعام کیا) آزادی کے ذریعہ کہ تو نے اسے آزاد کر دیا (کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے، پس جب زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹے کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے، جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں، اور اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا)

اور جب رسول اللہ ﷺ نے زید کی بیوی سے (ان سے طلاق کے بعد) نکاح کیا تو لوگ کہنے لگے: دیکھو تو اپنے منہ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر (۱۷۳/۵) مکتبۃ القرآن والسنۃ روح المعانی (۱۴/۱۲) مکتبۃ امدادیۃ، معارف القرآن ۱۳۹/۷

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۶۵

بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما کان محمد۔۔۔" (محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں) رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا جبکہ وہ چھوٹے تھے، پھر وہ آپ ﷺ کے پاس ہی رہے یہاں تک کہ جوان ہوگئے، اور انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمادی: "ادعوھم لاباءھم۔۔۔" (منہ بولے بیٹے کو ان کے باپ کی طرف منسوب کیا کرو، کیونکہ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے، پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں) یعنی انہیں اس طرح پکارا کرو کہ فلاں شخص، فلاں کا دوست ہے، اور فلاں، فلاں کا بھائی ہے، اور اقسط عند اللہ سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی زیادہ عدل کی بات ہے۔

اس کے بعد بھی حضرت عائشہ سے یہ حدیث منقول ہے، لیکن وہ طول کے ساتھ یعنی اس میں مکمل تفصیل بیان نہیں کی گئی، صرف اس میں مذکورہ روایت کا ابتدائی حصہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: مَا كُنَّا نَدْعُو زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ إِلَّا زَيْدَ ابْنَ مُحَمَّدٍ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ: {ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ} [الأحزاب:5]۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے، یہاں تک کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: "ادعوھم لاباءھم ھو أقسط عند اللہ" (انہیں ان کے حقیقی باپ ہی کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو، اللہ کے نزدیک یہی انصاف کی بات ہے)۔

عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: {مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ} [الأحزاب: 40] قَالَ: مَا كَانَ لِيَعِيشَ لَهُ فِيكُمْ وَلَدٌ ذَكَرٌ۔

حضرت عامر شعبی: "ما کان محمد۔۔۔" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی بیٹا تم لوگوں میں زندہ نہیں رہا۔

حضرت زید بن حارثہ کا حضرت زینب سے نکاح اور پھر طلاق

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بھی احسان ہے اور حضور ﷺ کا بھی، اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان یہ تھا کہ انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچایا، اور اسلام لانے کی توفیق دی، یہاں تک کہ یہ ان چار خوش نصیب صحابہ کرام میں سے ہیں، جو سب سے پہلے اسلام لائے۔

اور نبی کریم ﷺ کے ان پر احسان اور انعام کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال میں

گئے ہوئے تھے، وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے حملہ کر کے انہیں غلام بنالیا اور عکاظ کے میلے میں جا کر حضرت حکیم بن حزام کے ہاتھ بیچ دیا، انہوں نے یہ غلام اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کو دے دیا، اس کے بعد جب حضرت خدیجہ سے نبی کریم ﷺ کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہ نے انہیں آپ کی خدمت میں بطور ہبہ کے پیش کر دیا، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی،

کچھ عرصے کے بعد ان کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ ان کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ جو معاوضہ چاہیں ہم سے لے لیں، اور یہ بچہ ہمارے حوالے کر دیں، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اگر وہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں کسی معاوضہ کے بغیر ہی اسے آپ کے حوالے کر دوں گا، اور اگر نہ جانا چاہے تو میں زبردستی اسے نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، چنانچہ حضرت زید کو بلایا گیا اور آپ نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں لیکن حضرت زید نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا، وہ بڑے حیران ہوئے کہ ان کا بیٹا آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر ایک بالکل غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے، حضرت زید نے فرمایا کہ میں نے اپنے اس آقا کا جو طرز عمل دیکھا ہے، اس کے بعد دنیا کے کسی شخص کو ترجیح نہیں دے سکتا، یہ ذہن میں رہے کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ ابھی تک نبی کریم ﷺ کو نبوت عطا نہیں ہوئی تھی، یہ بات سن کر ان کے والد اور چچا مطمئن ہو کر چلے گئے، اور نبی کریم ﷺ نے پھر انہیں آزاد کر دیا، اور حرم مکہ میں جا کر قریش کے سامنے یہ اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے، پھر لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کسی اور صحابی کا نام قرآن میں نہیں، تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، غزوہ موتہ میں جب یہ لشکر کے امیر تھے، شہید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی (۱)،

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمادیا کہ منہ بولے بیٹے کی نسبت اس کے اصل باپ کی طرف ہی کی جائے، کسی اور کی طرف کرنا جائز نہیں تو پھر انہیں زید بن حارثہ سے بلایا جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش سے کرا دیا، لیکن حضرت زید کو یہ شکایت رہتی تھی کہ ان کی اہلیہ کے دل میں اپنی خاندانی فوقیت کا احساس ابھی تک مٹا نہیں، اور شاید اسی وجہ سے بعض اوقات وہ حضرت زید کے ساتھ تیز زبانی کا بھی مظاہرہ کرتیں، یہ معاملہ اتنی سنگین صورت اختیار کر گیا کہ حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دینے کے لئے نبی کریم ﷺ سے مشورہ کیا، آپ نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو بلکہ اپنے پاس ہی رکھو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جو بیوی کے حقوق رکھے ہیں، انہیں ادا کرتے رہو۔

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت زید کے مشورہ لینے سے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ حضرت زید کسی وقت

---

(۱) الاصابۃ ۲/۹۴۳، حرف الزاء

اپنی اہلیہ کو طلاق دے دیں گے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی، تا کہ عرب میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو جو معیوب سمجھا جاتا ہے، اس رسم کا عملی طور پر خاتمہ ہو جائے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بڑی آزمائش تھی، اوّل تو حضرت زید کا یہ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اصرار سے کرایا تھا، دوسرے ان کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب سے جب آپ کا نکاح ہوگا تو مخالفین کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا کہ انہوں نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ لہٰذا جب حضرت زید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب کو طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے حضرت زید کو منع فرما دیا لیکن ان کو یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے وحی کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا ہے کہ حضرت زینب کو طلاق ہوگی اور پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی،

وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ (اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا) اس آیت میں چھپانے والی بات یہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو یہ بات نہیں بتلائی کہ تم حضرت زینب کو طلاق دو گے اور پھر وہ میرے نکاح میں آئیں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ڈر رہے تھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اس نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا، حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعہ اس رسم کا خاتمہ کرانا ہی تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خوف اگر چہ فطری تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر تنبیہ فرمائی گئی، صحیح روایات کی روشنی میں اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے،

بعض لوگوں نے کچھ ناقابل اعتبار روایتوں کا سہارا لے کر اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ حضرت زینب کی محبت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت ہو گئی تھی، لیکن یہ روایت درست نہیں ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور انہیں ناقابل اعتبار قرار دیا ہے (۱)،

زوجنکھا (ہم نے ان سے آپ کا نکاح کر دیا) کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں:

۱۔ اس نکاح کو اللہ تعالیٰ نے یہ امتیاز بخشا کہ خود ہی نکاح کر دیا، نکاح کی معروف شرائط اس میں نہیں پائی گئیں، یعنی نکاح خوانی، حق مہر اور گواہوں کے بغیر ہی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے،

۲۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس نکاح کا حکم دے دیا، اب آپ شرعی قواعد و ضوابط اور شرائط کے مطابق حضرت زینب سے نکاح کر لیں۔

مفسرین میں سے بعض نے پہلی تفسیر کو اور بعض نے دوسرے مطلب کو راجح قرار دیا۔

اور حضرت زینب کا دوسری عورتوں کے سامنے یہ فرمانا کہ تمہارا نکاح تو تمہارے والدین نے کیا، میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا، جیسا کہ روایات میں آیا ہے، یہ دونوں صورتوں میں صادق ہے، پہلی تفسیر میں زیادہ واضح ہے، اور دوسری تفسیر بھی

---

(۱) فتح الباری ۶۷۲/۸، کتاب التفسیر باب وتخفی فی نفسک

ان کی بات کے منافی اور معارض نہیں (۱)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاتِمًا شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ لَكَتَمَ هَذِهِ الآيَةَ {وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ} [الأحزاب:37] الآيَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے اگر کوئی بات چھپاتے تو یہ آیت "واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ۔۔۔" ضرور چھپاتے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوبانہ عتاب اور تنبیہ کی گئی۔

قال: ما كان ليعيش له فيكم ولد ذكر۔

امام شعبی قرآن مجید کی آیت "ماکان محمد ابا احد من رجالکم" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں میں کوئی بالغ نہیں ہوا، حضرت خدیجہ سے آپ کے تین بیٹے تھے قاسم، طیب اور طاہر۔ بچپن میں ہی ان کی وفات ہوگئی تھی، اور ماریہ قبطیہ سے حضرت ابراہیم تھے، وہ شیر خوارگی کے زمانے میں ہی وفات پا گئے تھے، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی وفات کے بعد چھ ماہ تک حیات رہیں جبکہ ان کے علاوہ دیگر صاحبزادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں (۲)۔

عَنْ أُمِّ عُمَارَةَ الأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّهَا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: مَا أَرَى كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا لِلرِّجَالِ وَمَا أَرَى النِّسَاءَ يُذْكَرْنَ بِشَيْءٍ؟ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ} [الأحزاب:35] الآيَةَ۔

حضرت ام عمارہ انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: میں دیکھتی ہوں کہ سب چیزیں مردوں کے لئے ہیں، اور میں (قرآن مجید میں) کسی بھی چیز میں عورتوں کا ذکر نہیں دیکھتی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "إن المسلمين والمسلمات"۔

قرآن میں عموماً مردوں کو خطاب کیا گیا ہے

قرآن مجید میں مسلمانوں کو جب بھی کوئی حکم دیا گیا یا ان کو کوئی خوشخبری دی گئی ہے تو عام طور سے مذکر کا لفظ ہی استعمال ہوا

(۱) معارف القرآن ۱۵۶/۷، تحفة الاحوذی ۶۸/۹

(۲) تحفة الاحوذی ۷۱/۹

ہے، اگر چہ اس حکم میں خواتین بھی ضمناً شامل ہیں، اس اسلوب سے بعض صحابیات مثلاً حضرت ام عمارہ، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب کرتا ہے، عورتوں سے نہیں، ایسا لگتا ہے کہ ہم عورتوں میں کوئی خیر ہی نہیں، اور ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عبادت بھی قبول نہ ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ان المسلمین ــــ"، اس آیت میں خواتین کو الگ ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور فضیلت کا مدار اعمال صالحہ اور اللہ جل شانہ کی اطاعت ہے، اس میں مرد و عورت میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں، میدان عمل دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلا ہے تا کہ اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ بنا سکیں(۱)۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ {فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا} [الأحزاب: 37] قَالَ: فَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: زَوَّجَكُنَّ أَهْلُكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللهُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب حضرت زینب بنت جحش کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: "فلما قضی زید وطرا ــــ" (جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا) راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت زینب دوسری ازواج پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ تم لوگوں کا نکاح تو تمہارے اہل خانہ نے کیا ہے، جبکہ میرا نکاح اللہ جل شانہ نے ساتویں آسماں کے اوپر کیا ہے۔

اس حدیث کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ} [الأحزاب: 37] فِي شَأْنِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، جَاءَ زَيْدٌ يَشْكُو فَهَمَّ بِطَلَاقِهَا فَاسْتَأْمَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ} [الأحزاب: 37] (۲)۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ آیت: "وتخفی فی نفسک ــــ" زینب بنت جحش کے بارے میں نازل ہوئی، (ان کے شوہر) حضرت زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر شکایت کی اور انہیں طلاق دینے کا ارادہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو اور اللہ سے ڈرو۔

اس حدیث کی تشریح بھی پہلے گذر چکی ہے۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَتْ: خَطَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَذَرْتُ إِلَيْهِ فَعَذَرَنِي، ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَيْكَ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۷۱، معارف القرآن ۷/۱۴۲

(۲) صحیح بخاری ۲/کتاب التفسیر باب وتخفی فی نفسک

وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ} [الأحزاب:50] الآيَةَ قَالَتْ: فَلَمْ أَكُنْ أَحِلُّ لَهُ لِأَنِّي لَمْ أُهَاجِرْ، كُنْتُ مِنَ الطُّلَقَاءِ.

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے پیغام نکاح بھیجا، میں نے آپ کے سامنے اپنا عذر پیش کیا تو آپ نے میرا عذر قبول کرلیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "انا احللنا لک ازواجک ــــ" (ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کو آپ نے ان کے مہر ادا کردیئے ہیں، اور اللہ نے غنیمت کا جو مال آپ کو عطا کیا ہے، اس میں سے جو باندیاں آپ کی ملکیت میں آچکی ہیں، وہ بھی آپ کے لئے حلال ہیں، اور آپ کی وہ چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی حلال ہیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے) ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے لئے حلال نہیں رہی کیونکہ میں نے (مکہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت نہیں کی، اور میں طلقاء میں سے تھی یعنی فتح مکہ کے دن میں نے اسلام قبول کیا تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: نُهِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَصْنَافِ النِّسَاءِ إِلَّا مَا كَانَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَ: {لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ} [الأحزاب: 52] فَأَحَلَّ اللَّهُ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ {وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ} [الأحزاب:50]، وَحَرَّمَ كُلَّ ذَاتِ دِينٍ غَيْرِ الإِسْلَامِ، ثُمَّ قَالَ: {وَمَنْ يَكْفُرْ بِالإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ} [المائدة: 5] وَقَالَ: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ} [الأحزاب: 50] إِلَى قَوْلِهِ: {خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ} [الأحزاب:50] وَحَرَّمَ مَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ أَصْنَافِ النِّسَاءِ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ہر قسم کی عورت سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا مگر صرف ان مؤمن خواتین سے جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہو (ان سے نکاح جائز قرار دیا گیا) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لا یحل لک النساء من بعد ــــ" (اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ آپ ان کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں اگرچہ ان کا حسن آپ کو اچھا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ باندی ہو) اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والی جوان عورتیں حلال کیں اور وہ ایمان والی عورت بھی (اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دی) جو اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لئے ہبہ کردے (یعنی سپرد کردے) اور اسلام کے علاوہ کسی بھی دین سے تعلق رکھنے والی عورت کو آپ پر اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، پھر ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: "و من یکفر بالایمان ــــ" (اور جو شخص ایمان لانے سے انکار کرے گا تو اس کا عمل برباد ہوگیا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہے) اور فرمایا: "یایھا النبی انا أحللنا لک ــــ" (اے نبی ہم نے آپ کے لئے وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کے مہر

آپ ادا کر چکے ہیں، نیز وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملکیت میں (باندی کے طور پر) ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے، اور آپ کی وہ چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں، اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی حلال ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے، نیز وہ مؤمنہ عورت بھی جس نے اپنے آپ کو بغیر کسی عوض کے نبی کے سپرد کر دیا بشرطیکہ پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں، یہ سب (احکام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں، دوسرے مؤمنوں کے لئے نہیں، اور اس کے علاوہ عورتوں کی تمام اقسام آپ پر حرام کر دیں)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، مَا مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أُحِلَّ لَهُ النِّسَاءُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام عورتوں کو حلال کر دیا گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اعتذرت الیہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عذر پیش کیا۔ فعذرنی: چنانچہ آپ نے میرے عذر کو قبول کیا، مجھے معذور قرار دیا۔ افاء اللہ: اللہ نے عطا کیا۔ طلقاء: طلیق کی جمع ہے، وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا، اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ فتیات: فتاة کی جمع ہے: نوجوان عورتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خصوصیات

امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو روایات ذکر کی ہیں، ان میں مذکور قرآنی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خصوصیات کو ذکر کیا گیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عام مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت تھی، چنانچہ اس آیت: "انا احللنا لک۔" کے نزول کے وقت آپ کے عقد نکاح میں چار سے زیادہ ازواج موجود تھیں، اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بطور لونڈی کے آپ کے پاس رہیں۔

۲۔ عام مسلمانوں کے لئے باپ اور ماں کے خاندان کی عورتیں بغیر کسی قید کے حلال ہوتی ہیں، ان سے نکاح کیا جا سکتا ہے، خواہ انہوں نے ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاندان کی صرف وہ عورتیں حلال ہیں جو مؤمن بھی ہوں اور انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی کی ہو، قرآن کی آیت میں "التی ھاجرن معک" صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ ساتھ ہجرت کرنے سے یہ مراد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اسی وقت ہجرت کی ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جنہوں نے ہجرت کی ہو خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی کی ہو یا آپ کے بعد۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان کی عورتوں میں سے جس کسی نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی تو اسے آپ کے لئے حلال نہیں قرار دیا گیا، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت علی کی بہن حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اس

لئے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور میرا شمار طلقاء میں تھا، یعنی جنہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کردیا تھا، نہ قتل کیا اور نہ انہیں غلام بنایا۔

۳۔ عام مسلمانوں کے لئے کسی عورت سے مہر کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز قرار دیا گیا کہ اگر کوئی عورت خود سے یہ پیشکش کرے کہ وہ آپ سے مہر کے بغیر نکاح کرنا چاہتی ہے اور آپ بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اس اجازت سے فائدہ اٹھایا یا نہیں؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی بیوی آپ کی نہیں تھی جبکہ بعض حضرات کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی ازواج بھی تھیں جنہوں نے اپنے نفس کو حضور کے لئے ہبہ کردیا تھا، علی بن حسین، ضحاک اور مقاتل کے نزدیک وہ ام شریک بنت جابر تھیں، اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ وہ قبیلہ بنی سلیم کی خولہ بنت حکیم تھیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف مؤمنہ عورت سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا تھا جبکہ عام مسلمانوں کے لئے جس طرح مسلمان عورت سے نکاح جائز ہے ایسے ہی ان کے لئے اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی عورت سے بھی نکاح کرنا جائز ہے(۱)۔

"لا یحل لک النساء من بعد و لا ان تبدل بھن من ازواج" یعنی اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں، اور یہ بھی حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کے بدلے میں دوسری لے آئیں۔

اس آیت میں لفظ "من بعد" سے کیا مراد ہے؟ اس کی دو تفسیریں منقول ہیں:

۱۔ حضرت انس؄، مجاہد اور مقاتل وغیرہ سے منقول ہے کہ من بعد کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا نکاح موجودہ ازواج کے علاوہ کسی اور عورت سے جائز نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو جب آیت ۲۹،۲۸ میں یہ اختیار دیا تھا کہ وہ چاہیں تو آخرت کا راستہ اختیار کریں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں یا دنیا کو اختیار کرلیں، اس کے جواب میں تمام ازواج مطہرات نے دنیا کی زیب وزینت کے بجائے آخرت کو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا تھا، اس کے انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور عورت سے نکاح کرنے سے بھی منع فرمادیا، اور موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر ان کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنا بھی ممنوع قرار دیا۔

لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس پابندی کو منسوخ کردیا تھا، اور آپ کی موجودہ ازواج کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرنے کو آپ کے لئے حلال کردیا گیا، لیکن عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کے بعد کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اس کی تائید حضرت عائشہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے ذکر کیا کہ وفات سے پہلے آپ کو دیگر خواتین سے بھی نکاح کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

بعض مفسرین اس کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ "لا یحل لک النساء من بعد..." یہ آیت منسوخ ہے اور "یایھا

---

(۱) روح المعانی، معارف القرآن ۱۸۸/۷

النبی انا أحللنا لک ازواجـ" ناسخ ہے(۱)۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: "من بعد الاصناف المذکورۃ" یعنی شروع آیت میں آپ کے لئے جتنی عورتوں کی اقسام حلال کی گئی ہیں اس کے بعد ان کے سوا کسی اور قسم کی عورتوں سے آپ کا نکاح حلال نہیں، مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی عورتوں میں سے صرف وہ حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے میں آپ کی موافقت کی تھی اور خاندان کی جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔

لہذا آیت کے اس جملہ "من بعد" کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی جتنی قسمیں آپ کے لئے حلال کردی گئیں ہیں، صرف انہی میں سے آپ کا نکاح ہوسکتا ہے، عام عورتوں میں تو مسلمان ہونا شرط ہے اور خاندان کی عورتوں میں مسلمان ہونے کے ساتھ اس کا مہاجرہ ہونا یعنی مدینہ کی طرف اس کا ہجرت کرنا بھی شرط ہے، جن میں دو شرطیں موجود نہ ہوں ان سے آپ کا نکاح حلال نہیں۔

اس تفسیر کے مطابق یہ جملہ کوئی نیا حکم نہیں بلکہ پہلے ہی حکم کی تاکید اور وضاحت ہے، جو شروع آیت میں بیان ہوا ہے، اور اس آیت کی وجہ سے نو کے بعد کسی اور عورت سے نکاح حرام نہیں کیا گیا بلکہ باقی عورتوں سے مزید نکاح مذکورہ شرائط کے مطابق آپ ﷺ کے اختیار میں رہا۔

ثم قال: "ومن یکفر بالایمان"

حضرت عبداللہ بن عباس نے بظاہر یہ آیت اس مقام پر اس استدلال میں ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اسلام کے علاوہ دوسرے مذہب والی خواتین حرام قرار دی گئی تھیں، کیونکہ جو شخص کافر ہو تو اس کے تمام اعمال رائیگاں جاتے ہیں، اس کے کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس لئے نبی کے لئے اس قسم کی خواتین سے نکاح کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا(۲)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى بَابَ امْرَأَةٍ عَرَّسَ بِهَا فَإِذَا عِنْدَهَا قَوْمٌ فَانْطَلَقَ فَقَضَى حَاجَتَهُ فَاحْتُبِسَ، ثُمَّ رَجَعَ وَعِنْدَهَا قَوْمٌ فَانْطَلَقَ فَقَضَى حَاجَتَهُ فَرَجَعَ وَقَدْ خَرَجُوا قَالَ: فَدَخَلَ وَأَرْخَى بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا قَالَ: فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي طَلْحَةَ، قَالَ: فَقَالَ: لَئِنْ كَانَ كَمَا تَقُولُ لَيَنْزِلَنَّ فِي هَذَا شَيْءٌ قَالَ: فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ(۳)۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک (یعنی حضرت زینب) کے

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲۰۰/۵)

(۲) تحفۃ الاحوذی ۷۶/۹، معارف القرآن ۱۹۴/۷

(۳) صحیح بخاری، کتاب النکاح باب الولیمۃ ولو بشاۃ، صحیح مسلم، کتاب النکاح باب زواج زینب بنت جحش۔

ساتھ سہاگ رات گذاری، اور مجھے بھیجا کہ میں لوگوں کو ولیمہ کے کھانے کے لئے بلاؤں، جب وہ کھا چکے اور چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ کے گھر کی طرف چلنے لگے، آپ نے دیکھا کہ دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، تو آپ واپس لوٹ آئے، پھر وہ دونوں آدمی بھی اٹھ کر چلے گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "یا یھا الذین أمنوا الا تدخلوا بیوت النبی ـــ" (اے ایمان والو نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہوا لا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو) اور حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى بَابَ امْرَأَةٍ عَرَّسَ بِهَا فَإِذَا عِنْدَهَا قَوْمٌ فَانْطَلَقَ فَقَضَى حَاجَتَهُ فَاحْتُبِسَ، ثُمَّ رَجَعَ وَعِنْدَهَا قَوْمٌ فَانْطَلَقَ فَقَضَى حَاجَتَهُ فَرَجَعَ وَقَدْ خَرَجُوا قَالَ: فَدَخَلَ وَأَرْخَى بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا قَالَ: فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي طَلْحَةَ، قَالَ: فَقَالَ: لَئِنْ كَانَ كَمَا تَقُولُ لَيَنْزِلَنَّ فِي هَذَا شَيْءٌ قَالَ: فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ اس بیوی کے دروازے پر تشریف لے گئے جس کے ساتھ آپ نے شب زفاف منائی تھی، آپ ﷺ نے ان کے پاس کچھ لوگوں کو پایا تو آپ واپس چلے گئے، اپنا کوئی کام کیا اور رکے رہے پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ ابھی تک موجود ہیں، اپنی کوئی ضرورت پوری کی پھر واپس تشریف لائے تو وہ لوگ جا چکے تھے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ داخل ہوئے، اور میرے اور اپنے درمیان ایک پردہ لٹکا دیا، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے ابو طلحہ سے اس کا ذکر کیا تو وہ فرمانے لگے کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو ضرور اس بارے میں کوئی حکم نازل ہوگا، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر پردے کے متعلق آیت نازل ہوئی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ بِأَهْلِهِ، قَالَ: فَصَنَعَتْ أُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ حَيْسًا فَجَعَلَتْهُ فِي تَوْرٍ فَقَالَتْ: يَا أَنَسُ، اذْهَبْ بِهَذَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْ لَهُ: بَعَثَتْ بِهَذَا إِلَيْكَ أُمِّي وَهِيَ تُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَتَقُولُ: إِنَّ هَذَا لَكَ مِنَّا قَلِيلٌ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَذَهَبْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: إِنَّ أُمِّي تُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَتَقُولُ: إِنَّ هَذَا مِنَّا لَكَ قَلِيلٌ، فَقَالَ: ضَعْهُ، ثُمَّ قَالَ: اذْهَبْ فَادْعُ لِي فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا وَمَنْ لَقِيتَ، فَسَمَّى رِجَالًا، قَالَ: فَدَعَوْتُ مَنْ سَمَّى وَمَنْ لَقِيتُ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: عَدَدُ كَمْ كَانُوا؟ قَالَ: زُهَاءَ ثَلَاثِ مِائَةٍ قَالَ: وَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَنَسُ هَاتِ بِالتَّوْرِ قَالَ: فَدَخَلُوا حَتَّى امْتَلَأَتِ الصُّفَّةُ وَالْحُجْرَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ عَشَرَةٌ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ إِنْسَانٍ مِمَّا يَلِيهِ، قَالَ: فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، قَالَ: فَخَرَجَتْ طَائِفَةٌ وَدَخَلَتْ طَائِفَةٌ

حَتّٰی أَكَلُوا كُلُّهُمْ، قَالَ: فَقَالَ لِي: يَا أَنَسُ ارْفَعْ قَالَ: فَرَفَعْتُ فَمَا أَدْرِي حِينَ وَضَعْتُ كَانَ أَكْثَرَ أَمْ حِينَ رَفَعْتُ، قَالَ: وَجَلَسَ طَوَائِفُ مِنْهُمْ يَتَحَدَّثُونَ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَزَوْجَتُهُ مُوَلِّيَةٌ وَجْهَهَا إِلَى الْحَائِطِ، فَثَقُلُوا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَى نِسَائِهِ ثُمَّ رَجَعَ، فَلَمَّا رَأَوْا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَجَعَ ظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ ثَقُلُوا عَلَيْهِ، فَابْتَدَرُوا الْبَابَ فَخَرَجُوا كُلُّهُمْ، وَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی أَرْخَى السِّتْرَ وَدَخَلَ وَأَنَا جَالِسٌ فِي الْحُجْرَةِ فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتّٰی خَرَجَ عَلَيَّ وَأُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَاتُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ} [الأحزاب: 53] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَ الْجَعْدُ، قَالَ أَنَسٌ: أَنَا أَحْدَثُ النَّاسِ عَهْدًا بِهٰذِهِ الْآيَاتِ وَحُجِبْنَ نِسَاءُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نکاح کیا اور اپنے گھر والوں کے پاس (یعنی حضرت زینب بنت جحش کے پاس) تشریف لے گئے، انس کہتے ہیں کہ میری امی ام سلیم نے حیس (وہ کھانا جو کھجور، پنیر یا ستو اور گھی ملا کر بنایا جاتا ہے) بنایا، اور اس کو ایک برتن میں ڈالا اور کہا کہ: اے انس اسے حضور ﷺ کے پاس لے جاؤ اور آپ سے کہو کہ یہ کھانا میری ماں نے آپ کی طرف بھیجا ہے، اور وہ آپ کو سلام دے رہی ہیں، اور عرض کر رہی ہیں کہ یا رسول اللہ: یہ ہماری طرف سے آپ کے لئے بہت تھوڑا سا کھانا ہے، انس فرماتے ہیں کہ میں اسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا کہ میری امی آپ کو سلام دے رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ یہ ہماری طرف سے آپ کے لئے تھوڑا سا کھانا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے رکھ دو، پھر فرمایا: تم جاؤ، اور میری طرف سے فلاں، فلاں اور فلاں کو کھانے کے لئے بلاؤ اور ہر اس شخص کو بھی دعوت دو جس سے تم ملو، چنانچہ آپ ﷺ نے کئی لوگوں کے نام لئے،

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے ان تمام لوگوں کو دعوت طعام دی جن کے آپ ﷺ نے نام لئے تھے اور جن سے میں ملا تھا،

راوی کہتے ہیں کہ میں نے انس سے پوچھا کہ تمہاری تعداد کتنی تھی؟ حضرت انس نے فرمایا کہ وہ تین سو کے قریب ہوں گے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ وہ برتن لاؤ، کہتے ہیں: اتنے میں وہ تمام لوگ بھی داخل ہو گئے، یہاں تک کہ چبوترہ اور کمرہ بھر گیا، پھر نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ دس دس آدمیوں کا حلقہ بنالیں، اور ہر شخص اس جگہ سے کھائے جو (برتن کا کنارہ) اس کے سامنے ہو، حضرت انس فرماتے ہیں کہ ان تمام

حضرات نے کھایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ پھر ایک جماعت نکل گئی اور دوسری جماعت آ گئی، یہاں تک کہ ان تمام نے کھالیا، کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس: اس (برتن) کو اٹھالو، کہتے ہیں کہ میں نے اسے اٹھالیا، میں نہیں جانتا کہ جس وقت میں نے کھانے کا برتن رکھا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جس وقت میں نے اسے اٹھایا، راوی کہتے ہیں کہ پھر ان لوگوں کے کئی گروپ حضور ﷺ کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے، نبی کریم ﷺ بھی وہاں تشریف فرما تھے، اور آپ کی بیوی بھی دیوار کی طرف اپنے چہرے کا رخ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں، چنانچہ یہ بیٹھے ہوئے لوگ نبی کریم ﷺ پر بھاری ہو گئے (یعنی ان کا اتنی دیر بیٹھنا آپ ﷺ پر بہت گراں گذرا) اس لئے آپ ﷺ تشریف لے گئے، اور اپنی دیگر ازواج کو سلام کیا پھر واپس تشریف لائے، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو واپس آئے دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ آپ ﷺ پر بوجھ بنے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ پھر وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھے اور سارے کے سارے نکل گئے،

پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ پردہ لٹکایا اور اندر داخل ہو گئے، جبکہ میں حجرے میں بیٹھا ہوا تھا، تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور یہ آیات نازل کی گئیں، اور پھر رسول اللہ ﷺ نے باہر جا کر لوگوں کو یہ آیات سنائیں: "یاایھا الذین امنوا لاتدخلوا بیوت النبی۔" (اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہوا لا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو، حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا، اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا، اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

جعد کہتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا کہ آیات حجاب سب سے پہلے مجھے پہنچیں، اور ازواج مطہرات اسی دن سے پردہ کرنے لگیں(۱)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔بنی بامراۃ: آپ ﷺ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شب زفاف گذاری، نہایہ میں ہے کہ دلہن کے لئے گھر میں ایک مخصوص جگہ بنائی جاتی ہے جہاں وہ اس گھر میں پہلی مرتبہ داخل ہوتی ہے، اس لئے اس موقع پر

(۱) صحیح مسلم، کتاب النکاح باب زواج زینب بنت جحش، سنن نسائی، کتاب النکاح، باب الھدیۃلمن عرس۔

"بنی" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، پھر یہ لفظ رخصتی اور شب زفاف گذارنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ منطلقا: چلنے لگے۔ عروس بها: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کے ساتھ سہاگ کی رات گذاری۔ فاحتبس: آپ کچھ دیر رکے رہے۔ أرخی ستروا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ لٹکایا۔ حیس: وہ کھانا جو کھجور، پنیر اور گھی سے تیار کیا جائے۔ تور: (تا پر زبر) پتھر یا پیتل کا برتن۔ زهاء: (زا پر پیش اور ہاء پر زبر) قریب قریب۔ هات: مجھے دیجئے۔ امتلأت: بھر گیا۔ صفة: (صاد پر پیش اور فاء پر تشدید وزبر) چبوترہ، سایہ دار جگہ اور اہل صفہ سے وہ فقراء مہاجرین صحابہ کرام مراد ہیں جو مسجد نبوی میں ہی شب وروز رہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم دین سیکھا کرتے تھے۔ لیتحلق: چاہیے کہ حلقہ بنالیں۔ مولیة وجهها: اپنے چہرے کا رخ کیا ہوا تھا۔ ثقلوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری ہو گئے یعنی ان کا دیر تک بیٹھ کر باتیں کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گراں گذرا۔ ابتدروا الباب: وہ دروازے کی طرف جلدی سے بڑھے۔ فلم یلبث الا یسیرا: بس ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ۔ انا احدث الناس عهدا بهذه الآیات: آیات حجاب مجھ تک سب سے پہلے پہنچیں، سب سے پہلے مجھے ان کا علم ہوا کیونکہ میں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھا۔ •

دعوت ولیمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر ولیمے کا اہتمام فرمایا، حضرت انس کو بھیجا کہ فلاں فلاں کو ولیمہ پر بلاؤ اور جو بھی تم سے ملے اسے بھی اس دعوت کا کہہ دینا، اس وقت کچھ حضرات کھانے کے وقت سے کافی پہلے آبیٹھے جبکہ ابھی کھانا تیار نہیں ہوا تھا، اور کچھ حضرات دیر تک آپ کے مکان مبارک میں بیٹھے باتیں کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تا کہ وہ یہ سمجھ جائیں، لیکن وہ باتوں میں ایسے مشغول تھے کہ انہیں اس کا احساس نہ ہوا، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے گئے، سلام اور حال پوچھا، واپس تشریف لائے تب بھی دو آدمی بیٹھے تھے، پھر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً گھر سے باہر چلے گئے، یہ اس دور کا واقعہ ہے کہ ابھی تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک ایک لحہ نہایت قیمتی تھا، اور ان حضرات کے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے آپ کو ان کے ساتھ مشغول رہنا پڑا، جس سے آپ کو تکلیف ہوئی، کیونکہ ترمذی کی مذکورہ روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد تین سو کے قریب تھی، عام معمول کے مطابق ان کے جاتے جاتے بھی اچھا خاصہ وقت صرف ہو گیا ہوگا، اور پھر جو کافی دیر تک باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہے، لامحالہ ان کی وجہ سے آپ کو اپنے معمولات میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا، جب وہ سب چلے گئے تو حضرت انس فرماتے ہیں کہ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور پردے سے متعلق مذکورہ آیات نازل ہوئیں، یہ آیات شان نزول کے اعتبار سے تو خاص ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا، اسی وجہ سے ان میں آپ کے گھروں کا

خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، لیکن ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہیں وہ تمام مسلمانوں کے لئے ہیں (۱)۔

معاشرت کے چند واقعات

مذکورہ آیات اور احادیث سے معاشرت کے چند آداب ثابت ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں جانا جائز نہیں۔

۲۔ اگر کسی نے کھانے کی دعوت کی ہے تو ایسا کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے جس سے میزبان کو تکلیف ہو چنانچہ کھانے کے وقت سے بہت پہلے جا بیٹھنا یا کھانے کے بعد دیر تک اس طرح بیٹھے رہنا، جس سے میزبان کی آزادی میں خلل آئے، یہ اسلامی تہذیب اور معاشرت کے بالکل خلاف ہے۔

۳۔ دعوت ولیمہ میں چند مخصوص بندوں کو بلانا ترمذی کی مذکورہ روایت سے مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ ولیمہ کے پروگرام میں اگر کوئی پڑوسی، رشتہ دار یا کوئی دوست کھانا وغیرہ بھیجے تو یہ مسنون ہے، جیسا کہ حضرت انس کی والدہ محترمہ ام سلیم نے حیس کھانا تیار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں بھجوایا تھا۔

۵۔ پتھر کا برتن استعمال کرنا جائز ہے۔

ایک تعارض اور اس کا حل

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں "حیس" پیش کیا گیا جسے حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، اور وہ آپ کی برکت سے سب کے لئے کافی ہو گیا بلکہ سب کے تناول کر لینے کے بعد بھی وہ جوں کا توں باقی رہا، جبکہ بخاری اور مسلم کی ایک روایت ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں آپ ﷺ نے ایک بکری ذبح کی تھی اور دعوت میں شریک لوگوں کو خوب پیٹ بھر کر گوشت اور روٹی کھلائی، بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے ان دونوں روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولیمہ کے لئے بکری ہی ذبح فرمائی تھی، اور اس کا گوشت لوگوں کو کھلایا گیا، اور اتفاقاً اس موقع پر حضرت ام سلیم نے بھی کچھ حیس بھجوا دیا، وہ بھی آپ ﷺ نے لوگوں کو کھلا دیا، اور معجزانہ طور پر اس میں اضافہ ہو گیا تھا، اس لئے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں (۲)۔

عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ، هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ الَّذِي كَانَ أُرِيَ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۷۸

(۲) فتح الباری ۸/۶۱۹، کتاب التفسیر باب لاتدخلوا بیوت النبی

النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهُ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ: أَمَرَنَا اللّٰهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَمَنَّيْنَا أَنَّهُ لَمْ يَسْأَلْهُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُولُوا: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ(۱)۔

نعیم بن عبداللہ مجمر سے روایت ہے کہ محمد بن عبداللہ بن زید انصاری وہ عبداللہ بن زید جنہیں خواب میں نماز کی اذان دکھائی گئی تھی، نے نعیم کو بتایا کہ حضرت ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم سعد بن عبادہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، بشیر بن سعد نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجا کریں، تو ہم کیسے آپ پر درود بھیجیں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم یہ سوچنے لگے کہ کاش اس نے یہ سوال آپ سے نہ پوچھا ہوتا (یعنی ہم نے یہ سمجھا کہ شاید آپ ﷺ کو سوال کرنا برا محسوس ہوا ہے، ایسے میں سوال نہ کرنا ہی اچھا تھا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم یوں کہا کرو: ”اللھم صلی علی محمد۔۔۔ انک حمید مجید، اور سلام (بھیجنے کا طریقہ) اسی طرح ہے جس طرح تم (التحیات میں) جان چکے ہو (یا فرمایا تمہیں سکھایا جا چکا ہے)۔

حضور ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنے کا حکم

قرآن مجید کی آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم اپنے نبی پر صلاۃ وسلام بھیجا کرو، صحابی نے پوچھا یارسول اللہ ہمیں سلام کرنے کا طریقہ تو بتا دیا گیا ہے جو ہم نماز کے التحیات میں پڑھتے ہیں، اس میں سلام ہے، درود کس طرح بھیجا کریں؟ آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے، صحابہ نے سمجھا کہ شاید ہم نے بے موقع سوال کر دیا جس سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے، کاش ہم سوال ہی نہ کرتے تو اچھا تھا کہ آپ کو تکلیف نہ پہنچتی، لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو: ”اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔۔۔“

بہتر یہ ہے کہ صلاۃ وسلام کے لئے وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، ورنہ کسی بھی ایسی عبادت سے صلاۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے، جس میں صلاۃ وسلام کے الفاظ ہوں یوں اسے درود بھیجنے کا ثواب بھی حاصل ہو

(۱) موطا للامام مالک کتاب قصر الصلاۃ من السفر، باب: ماجاء من الصلاۃ علی النبی ﷺ، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی ﷺ

جاتا ہے(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سَتِيرًا مَا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالُوا: مَا يَسْتَتِرُ هَذَا التَّسَتُّرَ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ إِمَّا بَرَصٍ وَإِمَّا أُدْرَةٍ وَإِمَّا آفَةٍ، وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا، وَإِنَّ مُوسَى خَلَا يَوْمًا وَحْدَهُ فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى حَجَرٍ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلَى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ فَأَخَذَ مُوسَى عَصَاهُ فَطَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُولُ: ثَوْبِي حَجَرُ ثَوْبِي حَجَرُ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ النَّاسِ خَلْقًا، وَأَبْرَأَهُ مِمَّا كَانُوا يَقُولُونَ قَالَ: وَقَامَ الْحَجَرُ فَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَلَبِسَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ، فَوَاللَّهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ أَثَرِ عَصَاهُ ثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا} [الأحزاب: 69] (۲).

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام بہت حیادار اور پردہ پوش تھے، ان کی شرم کی وجہ سے ان کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا، انہیں بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے تکلیف پہنچائی، وہ کہنے لگے کہ یہ اپنے بدن کو اس لئے چھپا کر رکھتے ہیں کہ ان کے جسم پر کوئی عیب ہے، یا تو برص کی بیماری ہے، یا ان کے خصیے پھولے ہوئے ہیں، یا اور کوئی آفت ہے، اللہ نے چاہا کہ وہ حضرت موسیٰ کو اس عیب سے بری کر دیں جو وہ کہتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ ایک مرتبہ اکیلے غسل کے لئے گئے، اور اپنے کپڑے لینے کے لئے پتھر کی طرف آئے لیکن پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پتھر کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہنے لگے: اے پتھر میرے کپڑے دو، اے پتھر میرے کپڑے دو، یہاں تک کہ وہ پتھر بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے پاس پہنچ گیا، انہوں نے حضرت موسیٰ کو برہنہ حالت میں دیکھ لیا کہ وہ پیدائش کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس عیب سے بری ہونے کو دکھا دیا جو وہ کہتے تھے، اور پتھر بھی رک گیا، اپنے کپڑے لے لئے اور انہیں پہن لیا، اور پتھر کو اپنی لاٹھی سے مارنے لگے، اللہ کی قسم ان کی مار سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے، اللہ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے: ''یایھا الذین امنوا لاتکونوا۔'' (اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے بری کر دیا جو وہ کہتے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حییا: حیادار، شرم وحیا والے۔ ستیرا: پردہ میں رہنے والے، پردہ پوش۔ برص: ایک بیماری ہے

---

(۱) معارف القرآن ۲۲۳/۷

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء

جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں۔ أدرة: (ہمزے پر پیش اور دال ساکن) پھولے ہوئے خصیے، وہ بیماری جس میں خصیے پھول جاتے ہیں۔ عدا بثوبه: وہ پتھر موسیٰ کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا۔ حجر: یہ حالت رفعی میں ہے: یا حجر اے پتھر۔ ندبا: (نون اور دال پر زبر) زخم کا نشان، اثر۔

بنی اسرائیل کی طرح تم لوگ نبی کو ایذاء نہ پہنچاؤ

نبی کریم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ بیان کر کے مسلمانوں کو اس بات کی تنبیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح بنی اسرائیل نے اپنے نبی کو ایذاء پہنچائی، انہیں تنگ کیا، تم لوگ اپنے نبی کے ساتھ یہ رویہ اختیار نہ کرنا، یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں سے ایسا کوئی کام سرزد ہوا ہو بلکہ پہلے ہی انہیں یہ واقعہ سنا کر ہدایت کی جارہی ہے۔ کیونکہ بالقصد کسی صحابی سے حضور ﷺ کو ایذاء پہنچانے کا امکان نہیں اور جتنے قصے قصد و اختیار سے تکلیف پہنچانے کے احادیث میں ہیں وہ سب منافقین کے ہیں، اس واقعہ کو بیان کر کے نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر فرمادی: "یایھا الذین امنوا لاتکونوا کالذین۔"(۱)۔

نیز اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک انسان کے لئے لوگوں کی باتوں کی وجہ سے اپنا ستر کھولنا اور برہنہ ہونا جائز نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اضطراری حالت میں مبتلی ہو گئے تھے کہ ان کے کپڑے وہ پتھر لے کر بھاگ رہا تھا، اس لئے ان کے لئے برہنہ حالت میں نکلنا ایک مجبوری بن گیا تھا، جو ان کے لئے جائز تھا، لیکن ایک عام انسان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے(۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ سَبَأٍ

یہ باب سورہ سبا کے بارے میں ہے

عَنْ فَرْوَةَ بْنِ مُسَيْكٍ الْمُرَادِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أُقَاتِلُ مَنْ أَدْبَرَ مِنْ قَوْمِي بِمَنْ أَقْبَلَ مِنْهُمْ؟ فَأَذِنَ لِي فِي قِتَالِهِمْ وَأَمَّرَنِي، فَلَمَّا خَرَجْتُ مِنْ عِنْدِهِ سَأَلَ عَنِّي، مَا فَعَلَ الْغُطَيْفِيُّ؟ فَأُخْبِرَ أَنِّي قَدْ سِرْتُ، قَالَ: فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرَدَّنِي فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: ادْعُ الْقَوْمَ فَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ فَاقْبَلْ مِنْهُ، وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ فَلَا تَعْجَلْ حَتَّى أُحْدِثَ إِلَيْكَ قَالَ: وَأُنْزِلَ فِي سَبَإٍ مَا أُنْزِلَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا سَبَأٌ، أَرْضٌ أَوْ امْرَأَةٌ؟ قَالَ: لَيْسَ بِأَرْضٍ وَلَا امْرَأَةٍ، وَلَكِنَّهُ رَجُلٌ وَلَدَ عَشَرَةً مِنَ الْعَرَبِ فَتَيَامَنَ مِنْهُمْ سِتَّةٌ، وَتَشَاءَمَ مِنْهُمْ أَرْبَعَةٌ. فَأَمَّا الَّذِينَ تَشَاءَمُوا فَلَخْمٌ، وَجُذَامُ، وَغَسَّانُ، وَعَامِلَةُ، وَأَمَّا

---

(۱) معارف القرآن ۷/۲۳۹

(۲) الکوکب الدری ۴/۲۴۵

الَّذِينَ تَيَامَنُوا: فَالأُزْدُ، وَالأَشْعَرِيُّونَ، وَحِمْيَرُ، وَمَذْحِجُ، وَأَنْمَارُ، وَكِنْدَةُ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُولَ اللهِ، وَمَا أَنْمَارُ؟قَالَ: الَّذِينَ مِنْهُمْ خَثْعَمُ، وَبَجِيلَةُ(۱).

حضرت فروہ بن مسیک مرادی کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: کیا میں ان لوگوں کے ساتھ مل کر جنہوں نے میری قوم میں اسلام قبول کیا ہے، ان لوگوں سے لڑائی نہ کروں جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پشت پھیر لی ہے؟ آپ ﷺ نے مجھے ان سے لڑائی کرنے کی اجازت دے دی، اور مجھے امیر بنا دیا، پھر جب میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے نکل گیا تو آپ ﷺ نے میرے بارے میں پوچھا کہ غطیفی نے کیا کیا؟ آپ کو بتایا گیا کہ میں چل پڑا ہوں (یعنی میں چلا گیا ہوں) فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے پیچھے نمائندہ بھیجا، اس نے مجھے واپس کیا، چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے،

آپ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا: لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، جو ان میں سے مسلمان ہو جائے تو تم اس کے اسلام کو قبول کرلو، اور جو ان میں سے اسلام نہ لائے تو اس کے متعلق جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ میں تمہیں نیا حکم دے دوں، راوی کہتے ہیں کہ سبا کے بارے میں قرآنی آیات اس وقت تک نازل ہو چکی تھیں، ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ! یہ سبا کیا ہے؟ کوئی زمین ہے یا کوئی عورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبا نہ تو کوئی زمین ہے اور نہ کوئی عورت ہے، بلکہ یہ عرب کا ایک آدمی ہے جس کے دس بیٹے تھے، جن میں سے چھ یمن کے اور ان میں چار شام کے باشندے بن گئے، جنہوں نے شام کا رخ کیا وہ لخم، جذام، غسان اور عاملہ ہیں اور جنہوں نے یمن کا رخ کیا وہ: ازد، اشعر، حمیر، مذحج، انمار اور کندہ ہیں، ایک شخص نے پوچھا: انمار کونسا قبیلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے خثعم اور بجیلہ ہیں،

مشکل الفاظ کی وضاحت: من ادبر: وہ لوگ جنہوں نے منہ موڑ لیا، پشت پھیر لی۔ من اقبل منهم: جو ان میں سے اسلام کی طرف بڑھے، یعنی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ أرسل: آپ ﷺ نے بندہ بھیجا۔ فی اثری: میرے پیچھے۔ حتی أحدث الیک: یہاں تک کہ میں تمہیں کوئی نیا حکم دے دوں۔ تیامن منهم ستة: ان میں سے چھ نے یمن کو وطن بنا لیا، یمن کا رخ کیا۔ تشاءم منهم أربعة: ان میں سے چار شام کے باشندے بن گئے، شام کا رخ کر لیا۔

حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ

حضرت فروہ بن مسیک (میم پر پیش، سین پر زبر کے ساتھ، یہ تصغیر ہے) مرادی، غطیفی اہل یمن میں سے ہیں، ان کی کنیت ابو عمر ہے، یہ اپنی قوم کے سرکردہ اور نمایاں لوگوں میں سے تھے، اور عربی کے بہترین شاعر تھے، حضور اکرم ﷺ کی

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب

خدمت میں سن نو ہجری میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے علاقے کا امیر بنایا تھا تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، اور صدقات بھی وصول کیا کریں، ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں سے لڑائی کرنے کی اجازت حاصل کرنا چاہی جو اسلام قبول نہ کریں، آپ نے انہیں اولا اجازت دے دی، رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف چل پڑے، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ پیچھے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ بھیج کر انہیں بلایا اور قتال سے منع کیا اور فرمایا کہ حکمت عملی کے ساتھ لوگوں کو دائرۂ اسلام میں لاتے رہو، اور جو اسلام قبول نہ کرے اس کے بارے میں جلدی نہ کرو یعنی اس کے ساتھ کوئی سختی یا لڑائی کرنے کی اجازت نہیں، الا یہ کہ میں تمہیں اس بارے میں کوئی نیا حکم دے دوں تو پھر اس پر عمل پیرا ہو جانا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں قبیلہ مذحج پر صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا تھا، پھر عہد فاروقی ہی میں کوفہ کو انہوں نے اپنا وطن بنالیا تھا، ان سے ہانی بن عروہ، شعبی، ابو سبرہ نخعی وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں (۱)۔

کچھ قوم سبا کے بارے میں

ترمذی کی مذکورہ روایت کے مطابق سبا کے دس بیٹوں میں سے چھ یمن میں اور چار شام میں آباد ہو گئے تھے، پھر انہی کے ناموں سے قبیلوں کے نام مشہور ہو گئے، ان کے نام اوپر مذکور ہو چکے ہیں،

ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق "سبا" کے یہ دس بیٹے صلبی نہیں تھے، بلکہ سبا کی دوسری تیسری یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں، پھر ان کے قبیلے شام و یمن میں پھیل گئے، اور انہی کے ناموں سے مشہور ہو گئے،

سبا کا اصل نام عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن ہود ہے، اور "سبا" ملک یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے، ملکہ بلقیس جن کا واقعہ سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مذکور ہے، وہ بھی قوم سبا میں سے تھیں، اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سباء عبد شمس نے اپنے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی تھی، ممکن ہے کہ انہیں تورات وانجیل سے اس کا علم ہوا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند عربی اشعار بھی کہے ہیں، جن میں آپ کی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں موجود ہوتا تو میں ان کی مدد کرتا، چنانچہ اس وقت ہی انہوں نے اپنی قوم کو ان پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی اپیل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قوم سبا پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، اور ان کے شہر میں آرام وعیش کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے، ایک عرصے تک یہ لوگ اسی طرح خوشحال رہے اور اللہ جل جلالہ کا شکر بھی ادا کرتے رہے، پھر یہ عیش وعشرت میں ایسے منہمک ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، ان کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یکے بعد دیگرے تیرہ انبیاء بھیجے، جو انہیں ہر طریقے سے راہ راست پر لانے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے، لیکن یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، سرکشی اور طغیانی میں آگے

(۱) الاصابة ۲۸۱/۵، حرف الفاء

بڑھتے چلے گئے، تو پھران پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس نے ان کے شہر، باغات اور کھیتوں وغیرہ کو تباہ و برباد کر دیا(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَضَى اللهُ فِي السَّمَاءِ أَمْرًا ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهَا سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ {فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ} قَالَ: وَالشَّيَاطِينُ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ (۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو تمام فرشتے عجز و انکساری سے اللہ کے حکم کے لیے اپنے پر مارنے لگتے ہیں، (اور اللہ کے کلمات کی یوں آواز ہوتی ہے) گویا کہ وہ (یعنی کلمات الٰہی) چکنے پتھر پر زنجیر ہیں (یعنی جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کی کھڑکھڑانے کی آواز پیدا ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے کلمات کی آواز محسوس ہوتی ہے) پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ "حق بات ارشاد فرمائی اور وہی ہے جو بڑا اعلیٰ شان ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: شیاطین (آسمان و زمین کے درمیان آسمانی بات چرانے کے لیے) ایک دوسرے پر اوپر نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ رُمِيَ بِنَجْمٍ فَاسْتَنَارَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ لِمِثْلِ هَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رَأَيْتُمُوهُ؟ قَالُوا: كُنَّا نَقُولُ: يَمُوتُ عَظِيمٌ أَوْ يُولَدُ عَظِيمٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّهُ لَا يُرْمَى بِهِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنَّ رَبَّنَا عَزَّ وَجَلَّ إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ لَهُ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ إِلَى هَذِهِ السَّمَاءِ، ثُمَّ سَأَلَ أَهْلُ السَّمَاءِ السَّادِسَةِ أَهْلَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالَ: فَيُخْبِرُونَهُمْ ثُمَّ يَسْتَخْبِرُ أَهْلُ كُلِّ سَمَاءٍ حَتَّى يَبْلُغَ الْخَبَرُ أَهْلَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَتَخْتَطِفُ الشَّيَاطِينُ السَّمْعَ فَيُرْمَوْنَ فَيَقْذِفُونَهُ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ فَمَا جَاءُوا بِهِ عَلَى وَجْهِهِ فَهُوَ حَقٌّ، وَلَكِنَّهُمْ يُحَرِّفُونَهُ وَيَزِيدُونَ (۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک ستارہ (آسمان پر) ٹوٹا جس سے فضا روشن ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ زمانہ جاہلیت میں جب اس طرح تارہ ٹوٹا ہوا دیکھتے تو کیا کہا کرتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم یوں کہتے تھے کہ یا تو کوئی بڑا آدمی

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲۴۹/۵، مکتبہ فاروقیہ پشاور

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب حتی اذا فزع، سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب

(۳) مسند احمد ۳۶۰/۱ مسند ابن عباس

مرے گا یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کسی کی موت اور حیات کی وجہ سے نہیں ٹوٹتا بلکہ ہمارے پروردگار، جن کا نام برکت والا ہے، جب کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو عرش رحمن کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح کرتے ہیں، پھر اس آسمان والے فرشتے تسبیح کرتے ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہیں، یہاں تک کہ تسبیح کی آواز آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے، پھر چھٹے آسمان والے فرشتے، ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ راوی کہتے ہیں کہ وہ ان کو بتاتے ہیں، پھر ہر آسمان والے (اوپر والوں سے) پوچھتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا والے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے، اور جنات (اس خبر کو) چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن انہیں (شہاب ثاقب سے) مارا جاتا ہے، چنانچہ پھر وہ (ٹوٹی پھوٹی بات جو انہوں نے سنی ہوتی ہے) اپنے دوستوں (یعنی نجومیوں اور کاہنوں) کو بتاتے ہیں تو جو بات یہ جنات اسی طرح لائیں (جیسا کہ انہوں نے سنی ہے، اور اس میں کوئی تصرف نہ کریں) تو وہ صحیح ہوتی ہے، لیکن وہ کلام میں تحریف یعنی ردوبدل بھی کرتے ہیں اور (اپنی طرف سے) اضافہ بھی کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اذا قضی اللہ امرا: جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کو نافذ فرماتے ہیں، اس کا فیصلہ کرتے ہیں۔ **أجنحة:** جناح کی جمع ہے: پر۔ **خضعان:** (خاء پر پیش اور ضاد ساکن) مصدر ہے: عجز وانکساری۔ **لقوله:** اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد کے لئے۔ **کانها:** اس میں "ھاء" ضمیر ان کلمات کی طرف لوٹ رہی ہے جو اللہ کی طرف سے سنے جاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر "اجنحه" کی طرف لوٹے کہ ان پروں کی آواز یوں محسوس ہوتی ہے جسے چکنے پتھر پر زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے(۱)۔ **سلسلة:** (سین کے نیچے زیر اور لام ساکن) زنجیر۔ **صفوان:** چکنا پتھر، صاف ستھرا پتھر، کانھا سلسلة علی صفوان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے کلمات کی آواز یوں محسوس ہوتی ہے جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کھڑکانے کی ایک نکھری سی آواز ہوتی ہے۔ **فاذا فزع عن قلوبهم:** (صیغہ مجہول) جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جاتی ہے۔ **الشیاطین بعضهم فوق بعض:** آسمان وزمین کے درمیان وہ جنات ایک دوسرے کے اوپر نیچے آسمانی بات چرانے کے لئے جمع ہوجاتے ہیں۔ **رمی بنجم:** (صیغہ مجہول) ستارہ ٹوٹ پڑے۔ **استنار:** فضا روشن ہوجاتی ہے۔ **حملة العرش:** حملة حامل کی جمع ہے: عرش رحمن کو اٹھانے والے فرشتے۔ **الی هذه السماء:** آسمان دنیا تک۔ **یختطف الشیاطین:** جنات اچک لیتے ہیں یعنی آسمانی بات چوری چوری سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ **فیرمون:** (صیغہ مجہول) ان جنات کو شہاب ثاقب سے مارا جاتا ہے۔ **فیقذفونها:** پھر وہ کچھ نہ کچھ ٹوٹی پھوٹی بات لے جاتے ہیں۔ **الی اولیاءهم:** اپنے دوستوں یعنی کاہنوں اور نجومیوں کے پاس۔ **فما جاءوا به علی وجهه:** جو بات یہ جنات اسی طرح لے آئیں جس طرح کہ انہوں نے اسے سنا ہے، اس میں کوئی تبدیلی اور کمی بیشی نہ کریں۔ **یحرفون:** وہ تحریف کرتے ہیں یعنی آسمانی بات میں ضرور ردوبدل اور تغیر وتبدل کرتے ہیں۔

(۱) الکوکب الدری ۲۴۶/۴

اللہ کا حکم نازل ہونے کے وقت فرشتوں کی حالت

مذکورہ آیت اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ فرماتے ہیں تو تمام فرشتے عجز و انکساری سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں، اور گھبراہٹ سے یوں ہوجاتے ہیں کہ گویا وہ مدہوش ہیں اور اللہ کے کلمات کی یا ان فرشتوں کے پروں کی آواز یوں محسوس ہوتی ہے جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے، جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ اس کے بعد اس پر عمل کرتے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دیتے ہیں تو حاملین عرش فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہوجاتے ہیں، اس طرح ہوتے ہوتے تمام آسمان والے فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں، پھر نیچے والے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے رب نے کیا فرمایا ہے، چنانچہ پھر تمام فرشتوں کو اللہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے، آسمان دنیا کے فرشتوں سے جنات چوری چھپکے سے سننے کی کوشش کرتے ہیں، شہاب ثاقب سے انہیں مارا اور دھتکارا جاتا ہے، جو اس کی گرفت سے بچ جائیں تو جنات سنی سنائی بات دنیا میں اپنے دوستوں کے پاس یعنی نجومیوں اور کاہنوں کے پاس لے آتے ہیں، کبھی تو اسی طرح بات پہنچاتے ہیں جیسے انہوں نے سنی ہوتی ہے، وہ صحیح بات ہوتی ہے اور اکثر اس میں اپنی طرف سے بہت زیادہ اضافہ اور اس کلام میں تغیر وتبدل اور ردوبدل کر دیتے ہیں، اس لئے اسلام میں نجومی اور کاہن کے پاس جانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ جھوٹی باتوں سے لوگوں کے عقیدے کو خراب کرتے ہیں اور انہیں شکوک وشبہات اور طرح طرح کے وساوس میں مبتلی کردیتے ہیں، انسان کو ان کے پاس جانے سے سکون نہیں ملتا بلکہ ہزاروں غموں کا بوجھ اس پر سوار ہوجاتا ہے، اس لئے اپنی پریشانیوں کے حل کے لئے اللہ سے ہی رجوع کیا جائے، کہ وہی ہمارا ماوی اور ٹھکانا ہے(۱)۔

بَاب: وَمِنْ سُورَةِ الْمَلَائِكَةِ

یہ باب سورہ فاطر کے بارے میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي هٰذِهِ الآيَةِ: {ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ} [فاطر: 32] قَالَ: هٰؤُلَاءِ كُلُّهُمْ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ، وَكُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ(۲).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت: "ثم اورثنا الکتاب ـ"

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۸۸/۹

(۲) مسند احمد ۲۹۶/۳، مسند ابی سعید الخدری۔

(پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانے درجے کے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں) کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ سارے (کتاب کا وارث بننے کے اعتبار سے) ایک ہی مرتبہ میں ہیں اور سب ہی جنت میں جائیں گے۔

امت محمدیہ کی تین قسمیں

جمہور مفسرین کے نزدیک "الذین اصطفینا من عبادنا" (یعنی جن کو ہم نے منتخب اور پسندیدہ قرار دیا، اپنے بندوں میں سے) سے امت محمدیہ مراد ہے، اس میں اہل علم براہ راست اور دیگر لوگ علماء کے واسطے سے شامل ہیں، اس آیت میں لفظ "اصطفینا" سے امت محمدیہ کی سب سے بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ قرآن کریم میں لفظ "اصطفینا" اکثر انبیاء علیہم السلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

پھر اس امت میں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا وارث بنایا، ان کی تین قسمیں ہیں، جن کی تفسیر امام ابن کثیر نے یوں کی ہے:

۱۔ "ظالم" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کے تقاضوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا، اپنے بعض فرائض چھوڑ دیئے، اور گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیا، ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، کیونکہ ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں جنت میں فوری داخلہ نصیب ہوتا، لیکن انہوں نے گناہ کر کے اپنے آپ کو سزا کا مستحق بنا لیا، جس کے نتیجے میں قانون کا تقاضا یہی ہے کہ اگر یہ توبہ کر کے نہ گئے تو انہیں پہلے اپنے گناہوں کا عذاب بھگتنا ہوگا۔

۲۔ مقتصد (درمیانی راہ چلنے والا) اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جو فرائض و واجبات پر تو عمل کرتے ہیں اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں مگر نفلی عبادات اور مستحب کاموں پر اہتمام سے عمل نہیں کرتے بلکہ کبھی مکروہ کام بھی کر لیتے ہیں۔

۳۔ سابق بالخیرات: یہ وہ مسلمان ہیں جو تمام فرائض اور واجبات پر عمل کرنے کے ساتھ نفلی عبادات اور مستحب کاموں کا بھی بڑا اہتمام کرتے ہیں، تمام حرام اور مکروہ امور سے پرہیز کرتے ہیں۔

یہ تینوں قسمیں مسلمانوں کی ہیں سب ہی آخر کار مغفرت کے بعد ان شاء اللہ جنت میں جائیں گے، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ یہ سب لوگ ایک ہی مرتبہ میں ہیں یعنی آخر کار سب کی مغفرت ہو جائے گی اور جنت میں جائیں گے، ایک ہی مرتبہ میں ہونے سے یہ مراد نہیں کہ درجات کے اعتبار سے ان میں فرق نہیں ہوگا، فرق ضرور ہوگا بعض کے درجات انتہائی عالیشان اور بعض کے اس سے کم ہوں گے، لیکن بالآخر سب ہی جنت میں جائیں گے۔

چنانچہ حضرت ابوالدرداء سے ایک روایت منقول ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان سابق بالخیرات

ہوں گے وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، اور جو مقتصد ہیں ان سے ہلکا اور معمولی سا حساب ہوگا اور جو ظالم ہوں گے، ان پر میدان حشر میں سخت رنج وغم طاری ہوگا، پھر آخر کار ان کو بھی حکم ہوگا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں، یوں ان کے تمام غم اور رنج دور ہو جائیں گے، اسی کا ذکر اس کے بعد والی آیت میں ہے، "وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن" (وہ کہیں گے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا)(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ يس

یہ باب سورہ یسین کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَتْ بَنُو سَلِمَةَ فِي نَاحِيَةِ المَدِينَةِ فَأَرَادُوا النُّقْلَةَ إِلَى قُرْبِ المَسْجِدِ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: {إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي المَوْتَى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ} [يس: 12] فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ آثَارَكُمْ تُكْتَبُ فَلَا تَنْتَقِلُوا.

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی سلمہ مدینہ منورہ کے ایک کنارے پر آباد تھے، انہوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: "انا نحن نحی الموتی ـــ" (یقیناً ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے، اور جو کچھ عمل انہوں نے آگے بھیجے ہیں، ہم ان کو بھی لکھتے جاتے ہیں اور ان کے کاموں کے جو اثرات ہیں ان کو بھی)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے) فرمایا: تمہارے اعمال چونکہ لکھے جاتے ہیں اس لئے تم لوگ منتقل نہ ہو۔

"آثار" کے دو مطلب

"ونکتب ماقدموا واثارھم" اس میں "ماقدموا" سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان نے آگے بھیجے ہیں یعنی وہ اعمال جو وہ کر چکا ہے، اور "آثار" سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ آثار سے اعمال کے وہ ثمرات اور نتائج مراد ہیں جو بعد میں ظاہر ہوتے اور باقی رہتے ہیں، مثلاً کسی نے لوگوں کو تعلیم دی، دینی احکام بتلائے، یا اس کے لئے کوئی کتاب تصنیف کی جس سے لوگوں نے دینی نفع اٹھایا، یا کوئی وقف کر دیا جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، یا کوئی رفاہی کام کر دیا جس سے خلق خدا کو نفع ہو رہا ہے، تو جہاں تک اس کے اس عمل خیر کے اثرات پہنچیں گے اور جب تک پہنچتے رہیں گے، وہ سب اس کے اعمال نامے میں لکھے جاتے رہیں گے، اسی طرح برے اعمال جن کے برے ثمرات اور آثار دنیا میں باقی رہے مثلاً ظالمانہ قوانین جاری کر دیئے، ایسے ادارے قائم کر دیئے جو انسانوں کے اعمال واخلاق کو خراب کر دیتے ہیں یا لوگوں کو کسی غلط راستے اور روش پر ڈال دیا تو جہاں تک اور جب تک اس کے عمل کے برے نتائج اور مفاسد وجود میں

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲۸۶/۵، فاروقیہ پشاور

آتے رہیں گے، اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے رہیں گے، یہ تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جسے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے روایت کیا ہے(۱)۔

۲۔ ''آثار'' سے قدموں کے نشان مراد ہیں جو قدم کہ انسان نماز یا کسی اچھے کام کے لئے اٹھاتا ہے یا وہ قدم جو برائی کے لئے اٹھتے ہیں ان کو بھی لکھا جاتا ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں یہی معنیٰ بیان کئے گئے ہیں کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونا چاہ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ جہاں رہتے ہو وہیں رہو، دور سے چل کر آؤ گے تو جتنے قدم زیادہ ہوں گے اتنا ہی تمہارا اجر وثواب بڑھے گا، کیونکہ ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اس کی تائید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمایا: ''ونکتب ما قدموا وأثارهم''(۲)۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا ذَرٍّ، أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ فَتَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ فَيُؤْذَنُ لَهَا، وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا: اطْلُعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: وَذَٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا، قَالَ: وَذَٰلِكَ فِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ.

حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! تمہیں پتہ ہے کہ یہ آفتاب کہاں جاتا ہے؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آفتاب (عرش رحمن کے نیچے) جاتا ہے اور سجدہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے، تو اسے سجدہ کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے، (یعنی اسے دوبارہ مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت مل جاتی ہے، اور پھر ایک وقت آئے گا کہ اسے سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی) اور گویا اس کو کہا جائے گا: تم وہیں سے طلوع ہو جاؤ جہاں سے تم آئے ہو، چنانچہ وہ مغرب سے طلوع ہوگا، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''و ذلک مستقر لها'' حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہے۔

اس حدیث کی تشریح اور اس سے متعلقہ مباحث، معارف ترمذی، جلد دوم، ابواب الفتن، باب ما جاء فی طلوع الشمس من مغربها'' میں گذر چکی ہیں، انہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

---

(۱) معالم التنزیل مدرک (ج: ۳۹۵/۴، مکتبہ وحیدی)

(۲) تفسیر ابن کثیر ۳۰۴/۵، مکتبہ فاروقیہ پشاور

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الصَّافَّاتِ

یہ باب سورہ صافات کے بارے میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ دَاعٍ دَعَا إِلَى شَيْءٍ إِلَّا كَانَ مَوْقُوفًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَازِمًا لَهُ لَا يُفَارِقُهُ، وَإِنْ دَعَا رَجُلٌ رَجُلًا ثُمَّ قَرَأَ قَوْلَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ} [الصافات: 25] (۱)۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی بھی کسی کو شرک اور برے کام کی دعوت دے گا، اسے قیامت کے دن روکا جائے گا، اور یہ داعی اس شی کے ساتھ (جس کی طرف اس نے دعوت دی ہے) چمٹا ہوگا، اس سے الگ نہیں ہو سکے گا (اس ترجمے میں "کان" کی ضمیر "داعی" کی طرف اور "بہ" کی ضمیر اس شی کی طرف لوٹائی گئی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ کان کی ضمیر "مدعو" یعنی جسے دعوت دی گئی، کی طرف لوٹے اور بہ کی ضمیر داعی کی طرف، اس احتمال کے اعتبار سے ترجمہ یوں ہوگا:) جو کوئی کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دے گا تو اس مدعو کو قیامت کے دن روکا جائے گا، یہ اس داعی کو پکڑے گا، اس سے جدا نہیں ہوگا اگر چہ ایک آدمی نے ایک ہی شخص کو (برائی کی) دعوت دی ہو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھا: "وقفوهم انهم مسؤلون مالكم لا تناصرون" (اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھا جائے گا، کیوں جی؟ تمہیں کیا ہوا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے؟)۔

برائی کی دعوت کا انجام

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو شرک، بدعت یا کسی بھی گناہ اور برائی کی طرف دعوت دے گا تو قیامت کے دن اس داعی کو یا اس مدعو کو روک کر ان سے عقائد و اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، وہ مدعو اس داعی کے ساتھ یا وہ داعی اس برائی کے ساتھ چمٹا ہوگا، اس سے جدا نہیں ہو سکے گا، یعنی اس کے وبال اور عذاب سے وہ بچ نہیں سکے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "وقفوهم..."، دنیا میں جو اپنے پیروکاروں کو یوں تسلیاں دیا کرتے کہ قیامت کے دن ہم تمہاری مدد کریں گے، آج کوئی کسی کی کوئی مدد نہیں کرے گا، بلکہ ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا،

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے درس عبرت ہے جو انسانوں کو کفر و شرک کی طرف بلاتے ہیں یا وہ جو مسلمانوں کے عقائد خراب کرتے ہیں، لوگوں کو فسق و فجور اور بے حیائی کی دعوت دیتے ہیں، ان کے پیش نظر مال و دولت کا حصول ہوتا ہے، جسے حاصل کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز کام کی طرف بلا کر دنیاوی مفاد حاصل کیا جاتا ہے، اللہ ہی ہدایت نصیب فرمائے۔

---

(۱) سنن الدارمی ۱۳۱/۱، باب من سن سنة حسنة أو سيئة

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ} قَالَ: عِشْرُونَ أَلْفًا۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے نبی کریم ﷺ سے "وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون" (ہم نے یونس علیہ السلام کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا) کی تفسیر پوچھی کہ "زیادہ" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیس ہزار۔

او "یزیدون" کی تفسیر

اس حدیث میں حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم ﷺ سے "او یزیدون" کی تفسیر نقل کی ہے کہ اس زیادتی سے بیس ہزار مراد ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے موصل کے قریب نینوا بستی کی طرف نبی بنا کر بھیجا، جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی(۱)۔

عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ} [الصافات: 77] قَالَ: حَامٌ، وَسَامٌ، وَيَافِثُ بِالثَّاءِ. يُقَالُ: يَافِتُ، وَيَافِثُ بِالتَّاءِ وَالثَّاءِ، وَيُقَالُ: يَفِثُ۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت: "وجعلنا ذریتہ ھم الباقین" (ہم نے نوح کی اولاد ہی کو باقی رکھا) کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نوح کے تین بیٹے تھے: حام، سام اور یافث۔

عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَامٌ أَبُو الْعَرَبِ، وَحَامٌ أَبُو الْحَبَشِ، وَيَافِثُ أَبُو الرُّومِ۔

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سام عرب کا، حام حبشیوں کا اور یافث رومیوں کا باپ ہے۔

طوفان نوح کے بعد نسل انسانی کا سلسلہ

"وجعلنا ذریتہ ھم الباقین" کی تفسیر میں مذکورہ احادیث کی روشنی میں اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا، اس سے دنیا کی اکثر آبادی ہلاک ہوگئی تھی، اور اس کے بعد ساری دنیا کی نسل حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، ایک بیٹے کا نام سام تھا، ان کی اولاد سے اہل عرب اور اہل فارس وغیرہ کی نسل چلی، دوسرے بیٹے حام تھے، ان سے قبط، بربر اور افریقی ممالک سوڈان وغیرہ کی نسل چلی، اور تیسرے بیٹے یافث تھے، ان سے ترک، منگول، یونان اور یاجوج ماجوج کی نسلیں نکلی ہیں، حضرت نوح کے تین بیٹوں کے سوا کسی سے نسل نہیں چلی، اور جو اہل ایمان حضرت نوح

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۹۴

کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، ان سے نسل نہیں چلی بلکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ بھی مر گئے تھے(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ ص

یہ باب سورہ ص کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرِضَ أَبُو طَالِبٍ فَجَاءَتْهُ قُرَيْشٌ، وَجَاءَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَ أَبِي طَالِبٍ مَجْلِسُ رَجُلٍ، فَقَامَ أَبُو جَهْلٍ كَيْ يَمْنَعَهُ قَالَ: وَشَكَوْهُ إِلَى أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي مَا تُرِيدُ مِنْ قَوْمِكَ؟ قَالَ: إِنِّي أُرِيدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً وَاحِدَةً تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، وَتُؤَدِّي إِلَيْهِمُ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ. قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً؟ قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً قَالَ: يَا عَمِّ يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَقَالُوا: إِلَهًا وَاحِدًا، مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ. قَالَ: فَنَزَلَ فِيهِمُ الْقُرْآنُ: {ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ} [ص:2]- إِلَى قَوْلِهِ {مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ} [ص:7](۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابو طالب بیمار ہوئے تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے، ابو طالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، ابو جہل اٹھا تا کہ آپ ﷺ کو اس جگہ پر بیٹھنے سے روکے، راوی کہتے ہیں لوگوں نے ابو طالب سے نبی کریم ﷺ کی شکایت کی، ابو طالب نے کہا: بھتیجے! تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے صرف ایک کلمہ کہلانا چاہتا ہوں، جس کی وجہ سے پورا عرب ان کا فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو جائے گا، اور عجمی انہیں جزیہ ادا کریں گے، ابو طالب نے کہا: ایک ہی کلمہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ایک ہی کلمہ چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: چچا! وہ لوگ یہ کہیں: لا الہ الا اللہ، وہ سب کہنے لگے: کیا ہم ایک ہی خدا کی عبادت کرنے لگیں، ہم نے تو کسی پچھلے مذہب میں یہ بات نہیں سنی، بس یہ من گھڑت ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر ان کے متعلق قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں: ''ص والقرآن ذی الذکر ـــ ان ھذا الا اختلاق'' ترجمہ: ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی، کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلی ہیں اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت باقی رہا ہی نہیں تھا، اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبردار کرنے والا انہی میں سے آ گیا، اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ وہ جھوٹا جادوگر ہے، کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اور ان میں سے سردار

---

(۱)　تفسیر ابن کثیر ۳۴۶/۵، فاروقیہ پشاور

(۲)　مسند احمد ۳۷۶/۱ مسند عبداللہ بن عباس

لوگ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ: چلو اور اپنے خداؤں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو، یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی ارادے ہیں، ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سنی، اور کچھ نہیں، بس یہ من گھڑت بات ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔تدین لھم العرب: پورا عرب ان کے سامنے سرنگوں ہو جائے گا، ان کی تابعداری کرنے والے اور اطاعت گذار ہو جائیں گے۔۔ اختلاق: من گھڑت۔ لات حین مناص: لات میں "لا" مشابہ بہ "لیس" ہے، اور "ت" زائدہ ہے۔ مناص: خلاصی کی جگہ۔

ابوطالب اور سرداران قریش کو کلمہ ایمان کی دعوت

نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب اگرچہ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن اپنی رشتہ داری کا حق نبھانے کے لئے آپ کی مدد بہت کرتے تھے، جب وہ ایک بیماری میں مبتلی ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک میٹنگ بلائی، جس میں ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث اور دوسرے سردار شریک تھے، ان کا مشورہ یہ ہوا کہ ابو طالب بیمار ہیں، اگر وہ اس دنیا سے چلے گئے اور اس کے بعد ہم نے محمد ﷺ کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے اس وقت تک تو یہ لوگ محمد ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنالیا، لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم ابوطالب کی زندگی ہی میں ان سے محمد ﷺ کے معاملہ کا تصفیہ کرلیں تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابوطالب کے پاس پہنچے اور جا کر ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے آپ انصاف سے کام لے کر ان سے کہیے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ یہ بے حس اور بے جان ہیں، نہ تمہارے خالق ہیں نہ رازق ہیں اور نہ تمہارا کوئی نفع نقصان ان کے قبضہ میں ہے، ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو اس مجلس میں بلایا، ابوطالب کے قریب جگہ خالی تھی کہ جہاں ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا، اس موقع پر ابوجہل فوراً اٹھا اور اس جگہ پر خود بیٹھ گیا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ ابوطالب کے قریب بیٹھ جائیں اور ایسی کوئی بات کرلیں کہ ابوطالب مسلمان ہو جائے، آپ ﷺ کو دروازے کے پاس جگہ ملی، وہاں پر ہی تشریف فرما ہو گئے۔

ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ بھتیجے: یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو، انہیں اپنے مذہب پر ہی چھوڑ دو اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، اس پر قریش کے لوگ بھی بولتے رہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چچا جان کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟ ابوطالب نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے، اور عجمی لوگ انہیں جزیہ دیں، اس پر ابوجہل نے کہا: بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم! ہم ایک کلمہ نہیں، دس کلمے

کہنے کو تیار ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: بس لا الہ الا اللہ کہہ دو، یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کرلیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے" اس موقع پر سورہ ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں(۱)۔

"ماسمعنا بھذا فی الملۃ الآخرۃ" اس میں "ملۃ اخرۃ" سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عباس، قتادہ اور مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سے عیسائی مذہب مراد ہے کہ یہی آخری مذہب ہے۔

۲۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے ملت قریش مراد ہے، کافر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے طریقہ کے لوگ گذرے ہیں، ہم سب سے آخر میں آئے ہیں، اور ہم ہی حق پر ہیں، ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح ہی پایا ہے، ان سے ہم نے ایسی کوئی بات نہیں سنی جو یہ محمد (ﷺ) بتاتا ہے(۲)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَانِي اللَّيْلَةَ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَ أَحْسَبُهُ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِي فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ أَوْ قَالَ: فِي نَحْرِي، فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، هَلْ تَدْرِي فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فِي الْكَفَّارَاتِ، وَالْكَفَّارَاتُ الْمُكْثُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَالْمَشْيُ عَلَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ فِي الْمَكَارِهِ، وَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ، وَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ، قَالَ: وَالدَّرَجَاتُ إِفْشَاءُ السَّلَامِ، وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ، وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ (۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج رات (خواب میں) میرا رب میرے پاس اپنی بہترین صورت کے ساتھ آیا، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے "فی المنام" (خواب میں) کا لفظ بھی ارشاد فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: محمد ﷺ کیا تم جانتے ہو مقرب فرشتے کس چیز پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں (جانتا)، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی چھاتی میں یا فرمایا اپنی ہنسلی میں محسوس کی، اس سے مجھے ان تمام چیزوں کا علم

(۱) مسند احمد ۱/۲۹۷
(۲) تفسیر ابن کثیر ۵/ ۳۷۱۔۳۷۰، فاروقیہ پشاور، تحفۃ الاحوذی ۹/ ۹۶
(۳) مسند احمد ۱/ ۲۰۷، مسند ابن عباس

ہوگیا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد ﷺ کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس بات پر جھگڑا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، وہ کفارات میں بحث کر رہے ہیں، اور کفارات: نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا، جماعتوں کے لئے پیدل چل کر جانا اور ناپسندیدگیوں میں بھی کامل وضو کرنا ہے، جو شخص یہ عمل کرے گا تو وہ خیر کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر ہی پر مرے گا، اور وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا جس دن کہ اس کو اس کی ماں نے جنا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد جب تم نماز پڑھ چکو تو یہ دعا پڑھا کرو: "اللھم انی اسئلک فعل الخیرات ــــ (اے اللہ میں تجھ سے نیکی کے کاموں کے کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں، اور جب آپ اپنے بندوں کو کسی آزمائش میں مبتلی کرنے کا ارادہ کریں تو مجھے آزمائش میں مبتلی کئے بغیر ہی اپنے پاس بلا لیجئے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اور درجات (یہ ہیں): سلام کو پھیلانا، کھانا کھلانا، اور رات کو نماز (تہجد) پڑھنا جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّي وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: رَبِّ لَا أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقُلْتُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: فِي الدَّرَجَاتِ وَالْكَفَّارَاتِ، وَفِي نَقْلِ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَإِسْبَاغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ، وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَمَنْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس میرا پروردگار (خواب میں) بہترین صورت میں آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد ﷺ، میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار: میں حاضر ہوں، اور آپ کی اطاعت کے لئے مستعد ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز کے بارے میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے میرے رب میں نہیں جانتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، اس سے مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہوگیا جو مشرق و مغرب میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد میں نے عرض کیا اے میرے رب میں حاضر ہوں اور آپ کی فرمانبرداری کے لئے مستعد ہوں، اللہ نے فرمایا: یہ بتایئے کہ مقرب فرشتے کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: درجات اور کفارات میں، جماعتوں کے لئے پیدل چلنے میں، ناپسندیدگیوں میں بھی کامل طریقے سے وضو کرنے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی انتظار کرنے میں، جو ان امور پر پابندی کرے گا تو وہ خیر سے زندہ رہے گا اور خیر پر مرے گا، اور اپنے

(۱) مسند احمد ۱/۳۶۸، مسند ابن عباس

گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہوجائے گا جس دن میں کہ اس کی ماں نے اس کو جنا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: احْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى كِدْنَا نَتَرَاءَى عَيْنَ الشَّمْسِ، فَخَرَجَ سَرِيعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ فَقَالَ لَنَا: عَلَى مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا فَقَالَ: أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الْغَدَاةَ: أَنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ فَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي فَاسْتَثْقَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: لَا أَدْرِي رَبِّ، قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ: فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ، قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى؟ قُلْتُ: فِي الْكَفَّارَاتِ، قَالَ: مَا هُنَّ؟ قُلْتُ: مَشْيُ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَالْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ، وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ، قَالَ: ثُمَّ فِيمَ؟ قُلْتُ: إِطْعَامُ الطَّعَامِ، وَلِينُ الْكَلَامِ، وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ. قَالَ: سَلْ. قُلْتُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي، وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ، وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا (۱).

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ ایک صبح نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز کے لئے آنے میں تاخیر کی، یہاں تک کہ قریب تھا کہ ہم سورج کی ٹکیہ دیکھ لیں، پھر آپ ﷺ جلدی سے تشریف لائے اور نماز کے لئے اقامت کہی گئی، اور آپ نے (صحابہ کے ہمراہ) نماز پڑھی، اور نماز میں تخفیف کی جب آپ نے سلام پھیرا تو بلند آواز سے ہمیں فرمایا: تم اپنی اپنی صفوں میں ہی اس طرح بیٹھے رہو پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس چیز نے مجھے صبح کی نماز میں تمہارے پاس آنے سے روکا ہے (یعنی مؤخر کیا ہے): میں آج رات (تہجد کے لئے) اٹھا، وضو کیا، اور نماز (تہجد) پڑھی جو کچھ کہ میرے لئے مقدر کی گئی، اور نماز میں ہی مجھے اونگھ آ گئی، اور نیند مجھ پر غالب آ گئی، (اس وقت) اچانک میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کو اچھی صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے محمد، میں نے عرض کیا: پروردگار میں حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (تمہیں معلوم ہے) مقرب فرشتے کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے میرے رب میں نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اس طرح پوچھا (اور میں یہی جواب دیتا رہا) آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے شانے کے درمیان اپنا ہاتھ

(۱) مسند احمد ۲۴۳/۵

رکھا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، (اس کا اثر یہ ہوا کہ) میرے سامنے ہر چیز ظاہر ہو گئی، اور میں نے تمام باتوں کو جان لیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ میں نے عرض کیا: اے میرے رب: میں حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اب بتاؤ) مقرب فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کفارات میں یعنی گناہوں کو مٹا دینے والی چیزوں کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کونسی چیزیں ہیں؟ میں نے عرض کیا: (مساجد میں) جماعتوں کے لئے پیدل چلنا، نماز کے بعد (دعا وغیرہ کے لئے) مسجد میں بیٹھے رہنا، اور سخت ناپسندیدگیوں میں بھی کامل طریقے سے وضو کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کس چیز میں مقرب فرشتے بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: (لوگوں کو) کھانا کھلانا، نرم لہجہ میں بات کرنا اور رات میں اس وقت (تہجد کی) نماز پڑھنا جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: اب یوں مانگو اے اللہ میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، گناہوں کے چھوڑنے اور مسکینوں سے محبت کرنے (کی توفیق) مانگتا ہوں، اور یہ کہ تو میری مغفرت کرے اور مجھ پر رحم کر دے، اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں مبتلی کرنا چاہے تو مجھے فتنہ کے بغیر ہی اٹھا لینا، میں تجھ سے تیری محبت کا اور اس شخص کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہو، اور ایسے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تیری محبت کے نزدیک کر دے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ خواب بالکل سچا ہے، لہذا تم اسے محفوظ کر لو اور پھر اس میں بیان کردہ امور کو سیکھو (اور سکھلاؤ)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: یختصم: بحث مباحثہ کر رہے ہیں، جھگڑ رہے ہیں، بات چیت کر رہے ہیں۔ الملأ الاعلی: مقرب فرشتے۔ بین ثدی: اپنی چھاتی کے درمیان، سینے کے درمیان۔ فی نحوی: میری ہنسلی میں، سینے کے بالائی حصے یعنی گردن کے نچلے حصے میں۔ کفارات: کفارۃ کی جمع ہے: گناہوں کو معاف کرنے والی چیزیں۔ اسباغ الوضو: کامل طریقے سے وضو کرنا۔ مکارہ: مکرہ کی جمع ہے: ناپسندیدہ بات، یہاں حدیث میں اس سے شدید تکلیف مراد ہے کہ سخت سردی اور تکلیف کے باوجود کامل طریقے سے وضو کرنا۔ منکرات: منکرہ کی جمع ہے: گناہ، برے کام۔ افشاء: پھیلانا، عام کرنا۔ لبیک: میں حاضر ہوں۔ سعدیک: میں آپ کی اطاعت کے لئے مستعد ہوں۔ احتبس: (صیغہ معلوم) آپ ﷺ رکے رہے، آنے میں تاخیر کی۔ ثوب بالصلاۃ: نماز کے لئے اقامت کہی۔ تجوز فی صلاتہ: نماز میں تخفیف کی یعنی مختصر قراءت کے ساتھ نماز پڑھائی۔ مصافکم: مصف کی جمع ہے: صف کی جگہ۔ انفتل الینا: آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ نعست: مجھے اونگھ آ گئی۔ استثقلت: میں بھاری ہو گیا یعنی مجھ پر نیند غالب آ گئی۔ تجلی لی: میرے لئے ظاہر ہو گئی۔ انہا حق: یہ خواب سچا ہے یا یہ "ھاء" ضمیر "روایات" کی طرف لوٹ رہی ہے کہ تمام روایات حق ہیں، یہ جھوٹی اور خلاف واقعہ نہیں۔

مقرب فرشتوں کا بحث مباحثہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت "ما کان لی من علم بالملأ الاعلیٰ اذ یختصمون" کی تفسیر کے طور پر ذکر کی ہیں، لیکن آیت میں جس اختصام کا ذکر ہے، اس سے وہ اختصام مراد نہیں جو مذکورہ احادیث میں مذکور ہے، چنانچہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس اختصام کا ذکر ہے اس کی تفسیر اس کے بعد والی آیت میں ہے: اذقال للملائکة انی خالق بشرا من طین.....

بس یوں کہا جا سکتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے صرف الفاظ کی طرف دیکھتے ہوئے اس آیت کے تحت یہ احادیث ذکر کی ہیں کہ اس آیت میں بھی مقرب فرشتوں کے اختصام اور بحث مباحثہ کا ذکر ہے، جس طرح کہ مذکورہ احادیث میں ان کے اختصام کا ذکر ہے اگرچہ ان دونوں اختصاموں کے مفہوم اور تفسیر میں فرق ہے (۱)۔

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ خواب میں یا بیداری میں، اس میں دو قول ہیں:

۱۔ اکثر حضرات کے نزدیک اس دیکھنے سے خواب میں دیکھنا مراد ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو ایک خوبصورت شکل میں خواب میں دیکھا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں اس کی وضاحت ہے اور ایسا ہو سکتا ہے، اس میں کوئی بعد نہیں، کیونکہ انسان خواب میں بسا اوقات شکل والی چیز کو بغیر شکل کے دیکھتا ہے اور کبھی غیر شکل والی چیز کو شکل وصورت میں دیکھتا ہے۔

۲۔ بعض حضرات کے نزدیک اس روایت سے بیداری کی حالت میں دیکھنا مراد ہے، اس کی کیفیت کیا تھی، یہ معلوم نہیں، جبکہ بعض حضرات نے اس کی تاویل کی ہے کہ صورت سے صفت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفتِ جمال اور لطف وکرم کے ساتھ تجلی فرمائی اور بعض حضرات نے یہ تاویل کی کہ صورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ چنانچہ اس کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ "میں نے اپنے رب کو اس وقت دیکھا جب میں خود اچھی صورت میں تھا" (۲)۔

"فوضع یدہ بین کتفی"، اس کے حقیقی معنی مراد ہیں گو کہ اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

"فیما یختصم الملاء الاعلیٰ"، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ مقرب فرشتے کونسے اعمال کی عظمت وفضیلت کے بارے میں بحث کر رہے ہیں یا یہ کہ وہ کونسے اعمال ہیں جنہیں آسمانوں پر پہنچانے میں فرشتے آپس میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں (۳)۔

---

(۱) تحفة الاحوذی ۱۰۵/۹

(۲) مرقاة المفاتیح ۳۹۹/۲، کتاب الصلاة باب المساجد و مواضع الصلاة

(۳) الکوکب الدری ۲۵۱/۴

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الزُّمَرِ

یہ باب سورہ زمر کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ} [الزمر: 31] قَالَ الزُّبَيْرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتُكَرَّرُ عَلَيْنَا الْخُصُومَةُ بَعْدَ الَّذِي كَانَ بَيْنَنَا فِي الدُّنْيَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: إِنَّ الْأَمْرَ إِذًا لَشَدِيدٌ(۱)۔

حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: "ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون" (پھر قیامت کے روز تم (دونوں فریق اپنے اپنے) مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کروگے) نازل ہوئی تو میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول: کیا ہم پر جھگڑے کو دہرایا جائے گا اس جھگڑے کے بعد جو دنیا میں ہمارے درمیان تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، زبیر نے کہا: پھر تو معاملہ بڑا سخت ہے۔

قیامت کے دن اللہ کے سامنے بحث مباحثہ

مذکورہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ دنیا میں مشرکین اور اہل توحید کے درمیان جو توحید اور شرک کے بارے میں جھگڑا اور بحث مباحثہ ہوتا رہا، قیامت کے دن اللہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوگا، کافر اور مشرکین انکار کریں گے کہ ہمیں توحید کا کسی نے بتایا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ سب کے سامنے انبیاء علیہم السلام، فرشتوں کی گواہی، زمین وآسمان اور ہاتھ پاؤں کی گواہی سے ثابت کریں گے کہ کافر اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے چنانچہ اہل توحید کو جنت میں اور اہل شرک کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

۲۔ دنیا میں جن دو انسانوں اور دو فریقوں میں جس قسم کا جھگڑا تھا، اور تصفیہ کے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کا تنازع پیش ہوگا، اللہ تعالیٰ صاحب حق اور مظلوم کو اس کا حق دلائیں گے (۲)۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ {يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا} [الزمر: 53] وَلَا يُبَالِي (۳).

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا: "یا عبادی الذین ــ" (اے

---

(۱) مسند احمد ۱/۱۶۴

(۲) تفسیر ابن کثیر ۵/۸۰۴، فاروقیہ پشاور

(۳) مسند احمد ۶/۴۵۴

میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی (یعنی گناہ کئے) وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ وہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے) اور اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لاتقنطوا من رحمۃ اللہ" (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے یا توبہ واستغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے ہی زیادہ گناہ کیے ہوں، تو انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، لہذا میری توبہ قبول نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے جس وقت بھی انسان اپنی اصلاح کا پختہ ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی پچھلی زندگی کی معافی مانگے اور سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

اس آیت کے شان نزول سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے، کچھ کافر و مشرک تھے، جنہوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا مگر فکر یہ ہے کہ جب ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے، اب اگر مسلمان بھی ہو گئے، تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی(۱)۔

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً و لا یبالی۔

اس روایت کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ولا یبالی" کا لفظ بھی قرآن میں سے ہے اور آیت کا جزء ہے، اس لئے محدثین نے اس بارے میں دو احتمال ذکر کئے ہیں:

- یہ لفظ قرآن کا حصہ تھا لیکن پھر یہ منسوخ ہو گیا۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ بطور تفسیر کے ذکر کیا ہے، اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ یہ لفظ قرآن کا حصہ ہے(۲)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: جَاءَ يَهُودِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا المَلِكُ. قَالَ: فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، قَالَ: {وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ} [الأنعام: 91] (۳)۔

---

(۱) تفسیر قرطبی ۱۵/۲۳۵-۲۳۴/بیروت لبنان

(۲) تحفۃ الاحوذی، ۹/۱۰۷

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: وماقدروا اللہ حق قدرہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، پہاڑوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر اور دیگر مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا اور کہے گا: میں ہی بادشاہ ہوں، راوی کہتے ہیں کہ اس بات پر نبی کریم ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں (یعنی خوب کھلکھلا کر ہنسے) پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "وما قدروا اللہ حق قدرہ" (اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق ہے)۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا.

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تعجب اور تصدیق کی وجہ سے ہنسے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ يَهُودِيٌّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا يَهُودِيُّ حَدِّثْنَا فَقَالَ: كَيْفَ تَقُولُ يَا أَبَا الْقَاسِمِ إِذَا وَضَعَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ عَلَى ذِهْ، وَالْأَرْضَ عَلَى ذِهْ، وَالْمَاءَ عَلَى ذِهْ، وَالْجِبَالَ عَلَى ذِهْ، وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلَى ذِهْ - وَأَشَارَ أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ بِخِنْصَرِهِ أَوَّلًا، ثُمَّ تَابَعَ حَتَّى بَلَغَ الْإِبْهَامَ - فَأَنْزَلَ اللّٰهُ {وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ} [الأنعام: 91]۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک یہودی کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اے یہودی ہم سے کوئی بات کرو، اس نے کہا: اے ابوالقاسم جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اس (انگلی) پر، زمینوں کو اس پر، پانی کو اس پر، پہاڑوں کو اس پر، اور تمام مخلوق کو اس پر رکھے گا؛ اور محمد بن صلت ابوجعفر نے اپنی چھنگلی سے پھر بالترتیب تمام انگلیوں پر اشارہ کیا یہاں تک کہ وہ انگوٹھے تک پہنچ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وما قدروا اللہ حق قدرہ"۔

اللہ کی قدرت کے بارے میں ایک یہودی کا کلام

ایک یہودی نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں مذکورہ کلام کیا تو نبی کریم ﷺ تعجب اور اس کی تصدیق کی وجہ سے ہنسے، آپ ﷺ اس کی بات سن کر کیوں ہنسے تھے، اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کے بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ علامہ خطابی، قاضی عیاض اور قرطبی کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ہنسا اس یہودی کے برے عقیدے پر بطور انکار کے تھا، اس کی تصدیق کے لئے نہیں تھا، کیونکہ یہود اللہ کے لئے جسم اور اعضاء ثابت کرتے ہیں، اور یہاں اس کلام میں بھی اس نے اللہ کے لئے "انگلی" کو ثابت کیا ہے، جبکہ اللہ جل شانہ جسم سے منزہ اور پاک ہے۔

لیکن ان حضرات کی یہ رائے درست نہیں ہے، صحیح مسلم میں ایک روایت ہے: "ان قلوب بنی ادم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمن کقلب واحد یصرفه کیف یشاء" اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "انگلیوں" کو ثابت کیا

گیا ہے، لہذا یہ کہنا کہ اس یہودی نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے انگلیوں کو ثابت کیا ہے، تو اس کی تردید پر آپ نے تعجب کا اظہار فرمایا تھا، تصدیق کے لئے نہیں فرمایا تھا، درست نہیں۔

۲۔ صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس یہودی کا کلام سنا تو آپ مسکرا دیئے کہ یہ بھی اللہ جل شانہ کی قدرت کی تصدیق کر رہا ہے، لیکن اس طرح کا علم اور عقیدہ رکھنے کے باوجود پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، آپ ﷺ نے اس کے ساتھ یہ آیت بھی پڑھی: "وما قدروا الله حق قدره" کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت اور عظمت کو نہیں پہچانا جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے، کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ دیگر چیزوں کو بھی شریک کرلیا ہے اور ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیں جو اللہ کی شان کے لائق نہیں (۱)۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے، اگرچہ اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں جبکہ متاخرین نے اس میں یہ تاویل کی ہے کہ یہاں "اصابع" یعنی انگلیوں سے اللہ تعالیٰ کی "قدرت" مراد ہے (۲)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ أَنْعَمُ وَقَدِ التَقَمَ صَاحِبُ القَرْنِ القَرْنَ وَحَنَى جَبْهَتَهُ وَأَصْغَى سَمْعَهُ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْمَرَ أَنْ يَنْفُخَ فَيَنْفُخَ قَالَ المُسْلِمُونَ: فَكَيْفَ نَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: قُولُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الوَكِيلُ تَوَكَّلْنَا عَلَى اللَّهِ رَبِّنَا وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا.

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیسے خوش رہوں جبکہ سینگ والے (فرشتے حضرت اسرافیل نے) سینگ کو منہ میں لگا رکھا ہے، اور اپنی پیشانی کو جھکایا ہوا ہے، اور اپنے کان کو (اللہ کی طرف) متوجہ کر رکھا ہے، وہ صور پھونکنے کے حکم کی انتظار کر رہا ہے (کہ کب اسے حکم ملے) تو وہ صور پھونک دے، مسلمانوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم (اس وقت) کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ کہنا: "حسبنا الله ـ" (ہمیں اللہ ہی کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں)۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ أَعْرَابِيٌّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الصُّورُ؟ قَالَ: قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک سینگ ہے، جس میں قیامت کے دن پھونک ماری جائے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ يَهُودِيٌّ بِسُوقِ المَدِينَةِ: لَا وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى البَشَرِ، قَالَ: فَرَفَعَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَدَهُ فَصَكَّ بِهَا وَجْهَهُ، قَالَ: تَقُولُ هَذَا وَفِينَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ

(۱) فتح الباری ۱۳/۴۹۰، کتاب التوحید، باب لما خلقت بیدی

(۲) فتح الباری ۸/۷۰۶، کتاب التفسیر باب وما قدروا الله حق قدره

أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ} [الزمر: 68] فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَرَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلِي، أَمْ كَانَ مِمَّنْ اسْتَثْنَى اللَّهُ؟ وَمَنْ قَالَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا: اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں سے منتخب کیا، راوی کہتے ہیں، اس پر ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور کہا کہ تم یہ بات کر رہے ہو، جبکہ ہمارے پاس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، (پھر وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "و نفخ فی الصور فصعق" (اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) اس وقت میں سب سے پہلے سر اٹھاؤں گا تو اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑ کر کھڑے ہوں گے، میں نہیں جانتا کہ کیا انہوں نے مجھ سے پہلے اپنا سر اٹھایا ہوگا یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کیا ہے، اور جو شخص یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں تو اس نے جھوٹ بولا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: انعم: (واحد متکلم) میں خوش رہوں، خوش بیٹھوں۔ التقم: لقمہ بنا رکھا ہے، منہ میں ڈال رکھا ہے۔ قرن: سینگ۔ حتی جبھته: اس نے اپنی پیشانی کو جھکایا ہوا ہے۔ اصغی سمعه: اس فرشتے نے اپنے کان (اللہ کا حکم سننے کے لئے) متوجہ کر رکھے ہیں۔ صک: اس نے طمانچہ مارا۔ قائمة العرش: عرش کا پایہ۔

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن بے ہوش نہیں ہوں گے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بن چکے تھے، اس کے باوجود اس یہودی نے یہ کہا کہ "والذی اصطفی موسیٰ علی البشر" اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے منتخب فرمایا، لہذا حضرت موسیٰ ہی تمام انبیاء سے افضل ہیں، اس پر ایک انصاری مسلمان کو غصہ آیا اور اس یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا، یہ کہہ کر تم ایسی بات کر رہے ہو جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس موجود ہیں اور وہ ہمارے نبی ہیں جو تمام نبیوں سے افضل ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "و نفخ فی الصور۔۔۔" اور فرمایا کہ پہلی دفعہ جب صور پھونکے جانے کی وجہ سے سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو اس کے بعد میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اچانک دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہیں، یہ معلوم نہیں کہ انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہوگا یا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا ہوگا،

ان دونوں صورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، خواہ وہ آپ ﷺ سے پہلے ہوش میں آ جائیں اور خواہ ان پر سرے سے بے ہوشی طاری ہی نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کو مجھ پر فضیلت حاصل ہے، تو پھر مجھ کو ان پر فضیلت دینے کے کیا معنی ہیں،

لیکن آپ ﷺ کا یہ کلام محض عجز وانکساری اور تواضع کی بناء پر ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ شرف حاصل ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ ایک جزوی فضیلت کا درجہ رکھتا ہے اور آپ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر کامل درجہ کی فضیلت حاصل ہے، لہٰذا اگر کسی نبی کو کوئی جزوی فضیلت حاصل ہو تو وہ اس کلی فضیلت کے معارض اور منافی نہیں ہے۔

او کان ممن استثنی اللہ،

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے دن اس موقع پر اگر بے ہوشی طاری نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ کوہ طور پر جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش ظاہر کی، اللہ تعالیٰ نے جب تھوڑی سی تجلی فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، اس لئے وہ قیامت کے دن کی بے ہوشی سے مستثنیٰ ہوں گے،

سوال یہ ہے کہ اس آیت میں "صعقہ" سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہو کہ سب لوگ بے ہوش ہو کر مر جائیں گے تو جو اس وقت زندہ ہوئے وہ تو مر جائیں گے، لیکن جو اس صور سے پہلے مر چکے ہیں ان کا دوبارہ مرنا تو ناممکن ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی پہلے مر چکے ہیں تو پھر وہ دوبارہ کیسے مریں گے، لہٰذا یہ کہنا کہ وہ قیامت کے دن بے ہوشی سے مستثنیٰ ہوں گے، کیونکر درست ہوگا؟

شارحین حدیث نے اس اشکال کے مختلف جواب دیئے ہیں:

۱۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اس لئے جب بے ہوشی کا صور پھونکا جائے گا تو عام لوگ اس سے مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام پر صرف بے ہوشی طاری ہوگی، پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو جو مر چکے ہوں گے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوں گے وہ ہوش میں آ جائیں گے، اور نبی کریم ﷺ سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھیں گے کہ انہوں نے عرش کا پایہ پکڑا ہوا ہے(۱)۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو اس سے تمام لوگ بے ہوش ہو کر مر جائیں گے، اور جو پہلے مر چکے ہوں گے ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی، پھر جب دوسرے صور سے سب زندہ ہو جائیں گے اور ہوش میں آ جائیں گے، تو اس وقت دوسری ارواح کی طرح حضرت موسیٰ کی روح کو بھی بے ہوش ہو جانا چاہیے لیکن نبی کریم ﷺ نے جب انہیں عرش کے پاس دیکھا تو تردد میں پڑ گئے کہ حضرت موسیٰ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا یہ کہ انہیں بے ہوش کیا ہی نہیں گیا(۲)؟

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۹/۱۴۶-۱۴۵، رشیدیہ کوئٹہ

(۲) فتح الباری ۶/۵۵۰، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاۃ موسیٰ

۳۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس "صعقہ" سے وہ بے ہوشی مراد نہیں جو پہلے نفخہ کے بعد سب کو پہنچے گی، بلکہ اس سے وہ بے ہوشی مراد ہے جو دوبارہ زندہ ہونے کے بعد میدان حشر میں پیش آئے گی کہ جس سے سب لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہیں اور آپ کو تردد ہوگا کہ معلوم نہیں ان کو مجھ سے پہلے افاقہ ہوگیا یا یہ کہ انہیں اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے(۱)۔

و من قال: انا خیر من یونس بن متی فقد کذب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ میں حضرت یونس سے افضل ہوں تو اس نے جھوٹ بولا، علماء نے اس کی مختلف وجہیں لکھیں ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا کہ ابھی تک آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں، اس کے بعد آپ کو بتادیا گیا کہ آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں(۲)۔

۲۔ محض اپنی رائے سے دلیل کے بغیر مجھے کسی نبی پر فضیلت نہ دو،

۳۔ مطلب یہ ہے کہ میری فضیلت اس انداز سے بیان نہ کرو کہ جس سے اس مفضول نبی کی تحقیر اور توہین لازم آجائے، یا جس سے تم آپس میں بحث مباحثہ اور لڑنا شروع کردو(۳)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يُنَادِي مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: {وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} [الزخرف: 72](۴)۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جنت میں) ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے، کبھی مرو گے نہیں، تم ہمیشہ تندرست ہی رہو گے، کبھی بیمار نہیں ہوگے، تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہیں ہوگے، تم ہمیشہ نعمتوں میں ہی رہو گے، کبھی تکلیف نہیں پاؤ گے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہی مراد ہے: "وتلک الجنۃ ـ" (یہ وہی جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے بل بوتے پر وارث بنائے جاؤ گے)۔

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۲۵/۵، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۱۵/۹

(۳) فتح الباری ۵۵۱/۶

(۴) صحیح مسلم کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمها، باب: فی دوام نعیم اهل الجنۃ۔

جنت..... ایک لازوال نعمت

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ جنت ایک لازوال اور نہ ختم ہونے والی نعمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اعمالِ صالحہ کی برکت سے عطا کریں گے تو وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، جس کی صفات وہ ہوں گی جو مذکورہ روایت میں بیان کی گئی ہیں،

اس حدیث میں ذکر کردہ آیت سورہ زخرف کی ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو سورہ زخرف میں اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرتے، لہٰذا یہ ایک تسامح ہے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَتَدْرِي مَا سَعَةُ جَهَنَّمَ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: أَجَلْ، وَاللهِ مَا تَدْرِي. حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ، أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهِ: {وَالأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ} [الزمر: 67] قَالَتْ: قُلْتُ: فَأَيْنَ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: عَلَى جَسْرِ جَهَنَّمَ وَفِي الحَدِيثِ قِصَّةٌ.

حضرت عبداللہ بن عباس نے مجاہد سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ جہنم کس قدر وسیع اور کشادہ ہے؟ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں، ابن عباس نے فرمایا: جی ہاں اللہ کی قسم تم نہیں جانتے۔ مجھے حضرت عائشہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: ”والارض جمیعا قبضتہ.....“ (قیامت کے دن پوری کی پوری زمین اللہ کی مٹھی میں ہوگی، اور ساروں کے سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس دن پھر لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم کے پل پر ہوں گے۔

جہنم کس قدر وسیع وعریض ہوگی

جہنم کی وسعت و پھیلاؤ سے متعلق حضرت ابن عباس نے حضرت عائشہ کی حدیث بتائی، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: ”والارض جمیعاً قبضتہ ــــ“، پھر حضرت عائشہ نے سوال کیا کہ لوگ اس وقت کہاں پر ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ جہنم کے پل پر ہوں گے،

بظاہر حضرت عائشہ کے اس سوال: ”فأین الناس یومئذ؟“ کو اوپر ذکر کردہ آیت ”والارض جمیعاً قبضتہ“ کے ساتھ کوئی لگاؤ اور ربط نہیں ہے، اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال سے پہلے کچھ مزید کلام بھی حضرت عائشہ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان ہوا ہے، جسے راوی نے یہاں ذکر نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے ”یوم تبدل الارض غیر الارض“ سے متعلق سوال کیا ہو جسے راوی نے یہاں ذکر نہیں کیا، لیکن سورہ ابراہیم کی اس آیت ”یوم تبدل الارض“ کی تفسیر میں اس سوال کا ذکر ہے، مقصد یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی قدرت وعظمت اتنی کامل اور وسیع ہے کہ تمام آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کے

دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، اور لوگ زمین کی تبدیلی کے وقت جہنم کے پل پر ہوں گے، وہ پل جب اس قدر بڑا ہوگا کہ اس پر تمام انسان آجائیں گے تو اس سے اندازہ لگائیے کہ خود جہنم کس قدر وسیع وعریض اور بڑی ہوگی "العیاذ باللہ من ذالک"(۱)۔

زمین کی تبدیلی کس قسم کی ہوگی؟ اس کے بارے میں تفصیل دیکھئے معارف ترمذی سورہ ابراہیم، عنوان: قیامت کے دن آسمان وزمین کی تبدیلی۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْمُؤْمِنِ

یہ باب سورہ مؤمن کے بارے میں ہے

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ} [غافر: 60](۲)۔

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دعا ہی عبادت ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: "وقال ربکم ادعونی ـــ" (اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے)۔

دعا عبادت ہے

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ دعا ہی اصل عبادت ہے کہ اس میں ایک انسان اپنی عاجزی اور بے کسی کا اللہ کے سامنے اظہار کرتا ہے، یہ ادا اللہ کو بہت پسند ہے، اس لئے ہر موقع پر اللہ ہی سے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ السَّجْدَةِ

یہ باب سورہ سجدہ کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: اخْتَصَمَ عِنْدَ الْبَيْتِ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ، أَوْ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ، قَلِيلٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ كَثِيرٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَتَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ؟ فَقَالَ الْآخَرُ: يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا، وَقَالَ الْآخَرُ: إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَهُوَ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا. فَأَنْزَلَ اللَّهُ {وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ

---

(۱) الکوکب الدری ۲۵۸/۴

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ باب الدعاء

يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ} [فصلت:22](۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس تین آدمیوں کا جھگڑا ہو گیا جن میں دو قریشی، ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی تھا، ان کے دلوں میں سمجھ تھوڑی تھی اور ان کے پیٹ پر چربی بہت زیادہ تھی، ان تین میں سے ایک کہنے لگا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ان باتوں کو سنتا ہے جو ہم کرتے ہیں، دوسرا کہنے لگا: وہ سنتا ہے جب ہم بلند آواز سے بولیں اور اگر آہستہ بولیں تو نہیں سنتا، تیسرے نے کہا: اگر وہ سنتا ہے جب ہم بلند آواز سے بولیں تو یقیناً وہ سنتا ہے جو ہم آہستہ بولیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "وما کنتم تستترون ــــ" (اور تم (گناہ کرتے وقت) اس بات سے تو چھپ ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں، لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کا علم نہیں ہے، اپنے پروردگار کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تمہیں برباد کیا اور اسی کے نتیجے میں تم ان لوگوں میں شامل ہو گئے جو سراسر خسارے میں ہیں)۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: كُنْتُ مُسْتَتِرًا بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَجَاءَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ كَثِيرٌ شُحُومُ بُطُونِهِمْ، قَلِيلٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ، قُرَشِيٌّ وَخَتَنَاهُ ثَقَفِيَّانِ أَوْ ثَقَفِيٌّ وَخَتَنَاهُ قُرَشِيَّانِ، فَتَكَلَّمُوا بِكَلَامٍ لَمْ أَفْهَمْهُ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَتَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ كَلَامَنَا هَذَا؟ فَقَالَ الْآخَرُ: إِنَّا إِذَا رَفَعْنَا أَصْوَاتَنَا سَمِعَهُ، وَإِذَا لَمْ نَرْفَعْ أَصْوَاتَنَا لَمْ يَسْمَعْهُ. فَقَالَ الْآخَرُ: إِنْ سَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا سَمِعَهُ كُلَّهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ {وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ} [فصلت: 22] - إِلَى قَوْلِهِ - {فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ} [فصلت:23]۔

حضرت عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میں کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا کہ تین شخص آئے، جن کے پیٹ زیادہ چربی والے اور دل کم سمجھ والے تھے، ایک قریشی اور دو اس کے ثقفی داماد تھے یا ایک ثقفی اور دو اس کے قریشی داماد تھے، ان لوگوں نے آپس میں کچھ کلام کیا جسے میں سمجھ نہیں سکا، پھر ان میں سے ایک نے کہا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ہمارے اس کلام کو سن رہے ہیں؟ دوسرا کہنے لگا: جب ہم اپنی آواز بلند کریں تو سنتا ہے اور جب ہم اپنی آواز اونچی نہ کریں تو پھر وہ نہیں سنتا، اس پر تیسرے نے کہا: اگر وہ تھوڑا سن سکتا ہے تو سارے کا سارا بھی سن سکتا ہے، عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وما کنتم تستتروہ" سے "خاسرین" تک۔

(۱)- الصحيح بخاری، كتاب التفسير باب، صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب

قیامت کے دن انسان کے اعضاء کی گواہی

انسان اگر چھپ کر کوئی گناہ کرنا چاہے تو دوسرے لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے، خود اپنے اعضاء سے کیسے چھپائے چنانچہ ہمارے جسم کے تمام اعضاء کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور جسم کی کھال قیامت کے دن ہمارے حق میں یا ہمارے خلاف گواہی دیں گے، جب یہ بات ہے تو انسان کسی بھی وقت اگر گناہ کرے تو اس کے اعضاء بھی اسے نوٹ کرتے ہیں، یہ اللہ کے خاموش جاسوس ہیں لہذا حدیث باب میں جو وہ تین افراد کسی نہ کسی درجے میں اللہ تعالیٰ کے لئے کلام کے سننے کی نفی کر رہے ہیں وہ درست نہیں، اسی پر مذکورہ آیات نازل ہوئی ہیں، جن میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان اللہ کی نافرمانی کے وقت لوگوں سے بظاہر چھپ سکتا ہے لیکن اللہ سے اور اپنے اعضاء سے نہیں چھپ سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کو ہر حال میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ میرے تمام اعمال پر ہر حال میں کوئی نگران مقرر ہے جسے وہ محفوظ کر رہا ہے، لہذا کسی بھی وقت اللہ جل جلالہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

قليل فقه قلوبهم، كثير شحم بطونهم

اس سے استدلال کر کے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موٹے انسان میں فقاہت وبصیرت اور سمجھ کم ہوتی ہے، ان کا مقولہ ہے: "ما رأيت سمينا عاقلا الا محمد بن الحسن" (میں نے محمد بن حسن شیبانی کے علاوہ کسی بھی موٹے آدمی کو عقلمند نہیں پایا)۔

اس جملے کی ترکیب نحوی دو طرح ہے:

۱۔ "قليل" خبر مقدم اور فقہ قلوبھم مبتدا مؤخر ہے، ایسے ہی کثیر خبر مقدم ہے اور "شحم بطونهم" مبتدا مؤخر ہے،

۲۔ قلیل فقہ مبتدا، قلوبھم خبر، ایسے ہی کثیر شحم مبتدا اور بطونھم خبر ہے(۱)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ: {إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا} [الأحقاف:13] قَالَ: قَدْ قَالَ النَّاسُ ثُمَّ كَفَرَ أَكْثَرُهُمْ، فَمَنْ مَاتَ عَلَيْهَا فَهُوَ مِمَّنْ اسْتَقَامَ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "ان الذين قالوا ربنا الله" (جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا معبود اللہ ہی ہے، اور پھر اس پر ثابت قدم رہے) اور فرمایا: بہت سے لوگوں نے یہ بات کہی پھر ان میں اکثر انکاری ہو گئے، لہذا جو شخص اسی (کلمہ) پر مرے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ثابت قدم رہے۔

استقامت سے کیا مراد ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر قائم رہے، استقامت کے ساتھ اس پر چلتے رہے تو

(۱) تحفة الاحوذی ۱۱۸/۹

ان کے لئے وہ تمام فضیلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں بیان فرمائی ہیں۔

استقامت سے کیا مراد ہے؟ اس کے معنی کو مختلف حضرات نے مختلف انداز اور تعبیرات سے بیان کیا ہے، مقصد ان تمام کا ایک ہی ہے:

۱۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے نزدیک اس کے معنی ہیں: اخلاص۔

۲۔ اللہ کی اطاعت پر دوام اور اہتمام سے گناہوں سے بچنا۔

۳۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک استقامت کے معنی یہ ہیں کہ انسان موت تک کلمہ شہادت پر ثابت قدم رہے (۱)۔

۴۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: "اَلْاِستِقَامَۃُ اَنْ تَستَقِیمَ عَلَی الْاَمْرِ وَالنَّھیِ وَ لَا تَرُوغُ رَوَغَانَ الثَّعَالِبِ"، استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو، اس سے لومڑیوں کی طرح ادھر ادھر راہ فرار نہ نکالو (۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الشُورى

یہ باب سورہ شوریٰ کے بارے میں ہے

عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنْ هَذِهِ الآيَةِ {قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى} [الشورى: 23] فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: قُرْبَى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَعَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ فَقَالَ: إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ القَرَابَةِ (۳)۔

طاؤس کہتے ہیں کہ ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا: "قل لا اسئلکم علیہ أجرا الا المودۃ فی القربیٰ" (اے پیغمبر کافروں سے) کہہ دو کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے رشتہ داری کی محبت کے) سعید بن جبیر نے فرمایا: قربیٰ سے آل محمد کے رشتہ دار مراد ہیں، ابن عباس نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قریش کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (میں تم سے دعوتِ اسلام پر کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا) مگر یہ کہ تم اس قرابت کی وجہ سے حسن سلوک کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲۰/۹

(۲) تفسیر مظہری ۲۹۲/۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(۳) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب قول اللہ تعالیٰ: یٰایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی۔

الا المودة فی القربیٰ کی تفسیر

اس آیت میں "الا المودة فی القربی "کی تفسیر کے بارے میں ترمذی کی مذکورہ روایت میں دو قول بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار مراد ہیں، پوری آیت کا مفہوم اب یوں ہوگا کہ آپ ان کفار سے فرما دیجئے کہ میں تم سے اسلام کی بات پہنچانے پر کسی اجرت اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور ان کے ساتھ محبت کا معاملہ کرو۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ تفسیر بتائی گئی جو حضرت سعید بن جبیر نے بیان کی تو اس کو انہوں نے غلط قرار دیا اور حضرت سعید سے فرمایا کہ یہ مراد نہیں کیونکہ قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری نہ ہو،

لہذا اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ قریش چونکہ نبی کریم ﷺ کی بات کو اچھی طرح نہیں سنتے تھے، رکاوٹیں ڈالتے، ایذاء رسانی کے درپے رہتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا، میری بات کو سنو، مانو یا نہ مانو، میری تائید کرو یا نہ کرو، یہ تمہاری مرضی ہے مگر رشتہ داری کے ناتے تم میرے ساتھ حسن سلوک تو ضرور کرو، دشمنی اور عداوت نہ کرو، ظلم اور اذیت سے باز رہو کہ نسبی رشتہ اس سے تو ضرور مانع ہونا چاہیے، جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کی یہی تفسیر راجح ہے۔

مذکورہ دونوں تفسیروں میں فرق یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، مگر اتنا چاہتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں کے ساتھ محبت کرو گویا ابن جبیر کے نزدیک نبی کریم ﷺ نے قریش سے مطالبہ کیا کہ تم رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کا معاملہ کرو، حضرت ابن عباس نے اس تفسیر کو قبول نہیں کیا کہ رشتہ داروں کے ساتھ محبت کرنے کا مطالبہ بھی تو ایک قسم کی اجرت اور معاوضہ ہی ہے، اس لئے اس آیت کی تفسیر ابن عباس کے نزدیک یہ ہے کہ میں تم سے بدلہ نہیں مانگتا لیکن کم از کم ظلم اور اذیت رسانی سے تو باز رہو کیونکہ رشتہ داری اور قرابت کا اتنا تقاضا تو ضرور ہے، ابن عباس کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ میرے ساتھ رشتہ داری کے ناتے عدل و انصاف کرو، ظلم اور زیادتی نہ کرو(۱)۔

عَنْ شَيْخٍ مِنْ بَنِي مُرَّةَ قَالَ: قَدِمْتُ الكُوفَةَ فَأُخْبِرْتُ عَنْ بِلَالِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، فَقُلْتُ: إِنَّ فِيهِ لَمُعْتَبَرًا فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ مَحْبُوسٌ فِي دَارِهِ الَّتِي قَدْ كَانَ بَنَى قَالَ: وَإِذَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْهُ قَدْ تَغَيَّرَ مِنَ العَذَابِ وَالضَّرْبِ، وَإِذَا هُوَ فِي قُشَاشٍ فَقُلْتُ: الحَمْدُ لِلَّهِ يَا بِلَالُ، لَقَدْ رَأَيْتُكَ وَأَنْتَ تَمُرُّ بِنَا وَتُمْسِكُ بِأَنْفِكَ مِنْ غَيْرِ غُبَارٍ، وَأَنْتَ فِي حَالِكَ

(۱) الکوکب الدری ۲۶۰/۴، فتح الباری ۷۲۴/۸، کتاب التفسیر، باب: الا المودة فی القربی

هَذَا الْيَوْمَ. فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقُلْتُ: مِنْ بَنِي مُرَّةَ بْنِ عَبَّادٍ فَقَالَ: أَلَا أُحَدِّثُكَ حَدِيثًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَنْفَعَكَ بِهِ؟ قُلْتُ: هَاتِ. قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي مُوسَى، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُصِيبُ عَبْدًا نَكْبَةٌ فَمَا فَوْقَهَا أَوْ دُونَهَا إِلَّا بِذَنْبٍ، وَمَا يَعْفُو اللَّهُ عَنْهُ أَكْثَرُ، وَقَرَأَ [وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ] [الشوری:30]۔

قبیلہ بنی مرہ کے ایک شخص کہتے ہیں کہ میں کوفہ گیا، تو مجھے بلال بن ابی بردہ کے متعلق بتایا گیا تو میں نے کہا کہ بلال کی اس حالت میں عبرت ونصیحت ہے، چنانچہ میں ان کے پاس گیا، وہ اپنے اس گھر میں قید تھے جو انہوں نے بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ مار پیٹ اور اذیتوں کی وجہ سے ان کی ہر چیز (شکل وصورت وغیرہ) تبدیل ہو چکی تھی، اور ان کے جسم پر ایک گرا پڑا (یعنی انتہائی گھٹیا) کپڑا تھا، میں نے کہا: الحمد للہ اے بلال میں نے تمہیں دیکھا کہ تم ہمارے پاس سے گذرتے تھے اور بغیر کسی گرد وغبار کے (محض تکبر کی وجہ سے) اپنی ناک پکڑ لیتے تھے، اور آج تم اس حالت میں ہو، بلال نے کہا: تم کس قبیلے کے ہو؟ میں نے کہا: بنی مرہ بن عباد سے تعلق رکھتا ہوں، بلال نے کہا: کیا میں تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں، شاید کہ اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں نفع پہنچائیں۔ میں نے کہا: حدیث بیان کر دیجئے، بلال نے کہا: ابو بردہ اپنے والد ابو موسیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بندے کو کوئی مصیبت بڑی چھوٹی اس کے گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "وما اصابکم۔" (تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لمعتبرا: عبرت، وعظ ونصیحت۔ محبوس: گرفتار، قیدی، نظر بند۔ قشاش: (قاف پر پیش) ہر گری پڑی چیز یعنی انتہائی گھٹیا قسم کے کپڑے۔ تمسک بانفک: تو اپنی ناک کو پکڑتا ہے، یعنی ناک چڑھاتا ہے، نکبة: مصیبت، اذیت۔ هات: (اسم فعل): لائیے۔

بلال بن ابی بردہ

بلال بن ابی بردہ بصرہ کا قاضی اور جج تھا، انتہائی ظالم قسم کا آدمی تھا، ناجائز فیصلے کیا کرتا تھا، دنیا کی حرص وہوس اس پر غالب تھی، بنی مرہ کا ایک شخص اسے گرفتار دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ ایک وقت تو اس کا وہ تھا کہ راستے سے گذرتے وقت تکبر کی وجہ سے ناک چڑھاتا تھا، اور آج انتہائی گھٹیا لباس پہن کر اپنے ہی مکان میں نظر بند ہے، طرح طرح کی صعوبتوں کی وجہ سے اس کی شکل بھی بدل چکی ہے، بلال نے اس سے پوچھا کہ تم کس قبیلے کے ہو، انہوں نے بتایا اور پھر بلال نے حدیث رسول سنائی کہ انسان پر جو بھی مصائب اور مشکلات آتی ہیں وہ انسان کے برے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہیں، اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف

کردیتے ہیں۔

جب یوسف بن عمر ثقفی امیر بنا تو اس نے بلال بن ابی بردہ کو قتل کرادیا، یہ واقعہ ۱۲۰ھ کے لگ بھگ پیش آیا(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الزُّخْرُفِ

یہ باب سورہ زخرف کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الجَدَلَ، ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الآيَةَ: {مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ} [الزخرف:58](۲)۔

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی قوم ہدایت پانے کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اس وقت جب اس میں جھگڑا پیدا ہوا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "ما ضربوہ لک الا جدلا بل هم قوم خصمون" (ان لوگوں نے آپ کے سامنے یہ مثال محض جھگڑے کے لئے دی ہے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑا لو)۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ قوم خصمون: جھگڑالو لوگ۔ اوتوا: عطا کئے، دیئے گئے۔ جدل: بحث مباحثہ، جھگڑا۔

آیات کے شان نزول میں مفسرین کے اقوال

"ولما ضرب ابن مریم ـــ ما ضربوہ لک الا جدلاـ" ان آیات کے شان نزول کے بارے میں مفسرین نے تین روایتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بیہودہ خیال ظاہر کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائی کا دعوی کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، اس طرح ہم بھی ان کی عبادت کیا کریں، اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں کفار کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ جن لوگوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی عبادت شروع کر دی تھی، انہوں نے یہ کام نہ تو اللہ کے حکم سے کیا، اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ خواہش تھی، اور نہ قرآن اس کی تائید کرتا ہے، انہیں دراصل اس بات سے مغالطہ لگا کہ حضرت عیسی علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے، اس بناء پر انہوں نے ان کی عبادت شروع کر

(۱) تهذیب التهذیب ۱/۲۲۵ حرف الباء، من اسمه بلال۔

(۲) سنن ابن ماجه، کتاب المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل

دی، حالانکہ قرآن مجید اس مغالطہ کی تردید کرتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ معاذ اللہ عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی خدائی کا دعوی کر بیٹھیں۔

۲۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا: "یا معشر قریش: لا خیر فی أحد یعبد من دون اللہ"، اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے نبی تھے، ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں(۱)۔

۳۔ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: "انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم" (بلاشبہ اے مشرکو! تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے) اس پر عبداللہ بن الزبعری نے جو اس وقت کافر تھے، بعد میں مخلص صحابی بن گئے، یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب موجود ہے، اور وہ یہ کہ نصاری حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے اس پر اللہ تعالی نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی کہ: "ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون" اور دوسرے سورہ زخرف کی مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں (۲)۔

ان دونوں روایتوں میں کفار کے اعتراض کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے، ان کا جواب مذکورہ آیات سے اس طرح نکلتا ہے کہ اللہ تعالی نے جو یہ فرمایا کہ اللہ کے سوا جس جس چیز کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے یا حضور نے جو یہ فرمایا تھا کہ "ان میں خیر نہیں" اس سے وہ معبود مراد تھے جو یا تو بے جان ہوں جیسے پتھر کے بت یا جاندار ہوں مگر خود اپنی عبادت کا حکم دیتے یا اسے پسند کرتے ہوں جیسے شیاطین، فرعون، نمرود وغیرہ، حضرت عیسی علیہ السلام ان میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ کسی بھی موقع پر اپنی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے، لہذا حضرت عیسی علیہ السلام کی جو عبادت ہوئی وہ اللہ کی مرضی کے بھی خلاف تھی اور خود حضرت عیسی علیہ السلام کی دعوت کے بھی خلاف تھی، اس لئے اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا کسی بھی طرح درست نہیں (۳)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے، بہت سے لوگ محض عقل کے بل بوتے پر بحث کرتے ہیں، ان کا مقصد طلب حق نہیں ہوتا بلکہ مقابل کو زچ کرنا اور مغلوب کرنا پیش نظر ہوتا ہے، یہ طریقہ درست نہیں، اس سے مسلمانوں کی صفوں میں دینی امور میں تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے، آپس میں بحث برائے بحث ہونے لگتی ہے، ایسی

---

(۱) تفسیر قرطبی ۹۰/۱۶۔۸۸، بیروت لبنان۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۵۲۸/۵، مکتبہ فاروقیہ پشاور

(۳) معارف القرآن ۷۴۵/۷

صورت میں غلط عقائد، گمراہ اور باطل مذاہب کو فروغ ہونے لگتا ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الدُّخَانِ

یہ باب سورہ دخان کے بارے میں ہے

عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: إِنَّ قَاصًّا يَقُصُّ يَقُولُ: إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنَ الأَرْضِ الدُّخَانُ فَيَأْخُذُ بِمَسَامِعِ الكُفَّارِ وَيَأْخُذُ المُؤْمِنَ كَهَيْئَةِ الزُّكَامِ، قَالَ: فَغَضِبَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ ثُمَّ قَالَ: إِذَا سُئِلَ أَحَدُكُمْ عَمَّا يَعْلَمُ فَلْيَقُلْ بِهِ - قَالَ مَنْصُورٌ: فَلْيُخْبِرْ بِهِ - وَإِذَا سُئِلَ عَمَّا لَا يَعْلَمُ فَلْيَقُلِ اللهُ أَعْلَمُ، فَإِنَّ مِنْ عِلْمِ الرَّجُلِ إِذَا سُئِلَ عَمَّا لَا يَعْلَمُ أَنْ يَقُولَ: اللهُ أَعْلَمُ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ {قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ المُتَكَلِّفِينَ} [ص: 86] إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأَى قُرَيْشًا اسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ قَالَ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ، فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ فَأَحْصَتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الجُلُودَ وَالمَيْتَةَ - وَقَالَ أَحَدُهُمَا: العِظَامَ - قَالَ: وَجَعَلَ يَخْرُجُ مِنَ الأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ، فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ: إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللهَ لَهُمْ قَالَ: فَهَذَا لِقَوْلِهِ {يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ} [الدخان: 11] قَالَ مَنْصُورٌ: هَذَا لِقَوْلِهِ: {رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا العَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ} [الدخان: 12] فَهَلْ يُكْشَفُ عَذَابُ الآخِرَةِ؟ قَالَ: مَضَى البَطْشَةُ، وَاللِّزَامُ، وَالدُّخَانُ" وَقَالَ أَحَدُهُمَا: القَمَرُ، وَقَالَ الآخَرُ: الرُّومُ. وَاللِّزَامُ يَعْنِي يَوْمَ بَدْرٍ(۱).

مسروق کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا، کہنے لگا کہ ایک واعظ بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ (قیامت کے قریب) زمین سے دھواں نکلے گا، وہ کافروں کے کان پکڑ لے گا (یعنی بند کردے گا) اور مومنوں کو زکام سا ہو جائے گا، مسروق کہتے ہیں کہ (یہ بات سن کر) عبداللہ بن مسعود غصے ہو گئے، وہ تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: جب تم میں سے کسی سے ایسی کوئی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم ہے تو چاہیے کہ وہ اس کا بتادے، منصور کہتے ہیں کہ اس کی خبر دے دے، اور جب ایسی چیز کا سوال کیا جائے جس کا اسے علم نہیں تو یوں کہہ دے: اللہ اعلم (اللہ ہی خوب جانتا ہے) کیونکہ یہ بھی انسان کے علم میں سے ہے کہ جو چیز وہ نہیں جانتا تو اس کے بارے میں کہہ دے کہ اللہ اعلم، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا اور میں اپنی طرف سے بات بنانے والا نہیں،

(اس دھوئیں کی حقیقت یہ ہے کہ) جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو دیکھا کہ وہ آپ پر دشوار ہو گئے ہیں (یعنی

(۱) مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الدخان

آپ کی بات نہیں مانتے) تو دعا کی: اے اللہ میری ان پر سات برس کے قحط کے ذریعہ مدد کر، یوسف علیہ السلام کے زمانے کے سات برس کے قحط کی طرح، چنانچہ قحط نے ان کو پکڑ لیا، جس نے ہر چیز کو ختم کر دیا، یہاں تک کہ کفار مکہ کھالیں اور مردار کھانے لگے، اور اعمش یا منصور نے کہا کہ وہ لوگ ہڈیاں بھی کھانے لگے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ زمین سے دھوئیں کی طرح ایک چیز نکلنے لگی، راوی کہتے ہیں کہ پھر ابوسفیان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی قوم ہلاک ہونے کو ہے لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعا کر دیجئے، عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ اس آیت "یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس هذا عذاب الیم" (جس دن آسمان کھلا دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ بھی ایک دردناک سزا ہے) سے یہی مراد ہے، منصور راوی کہتے ہیں کہ یہی مراد ہے اس آیت سے "ربنا اکشف عنا العذاب انا مؤمنون" (اے ہمارے رب ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے) تو کیا آخرت کے عذاب کو دور کیا جائے گا؟ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بطشہ، لزام اور دخان کے عذاب گذر چکے ہیں، اعمش اور منصور میں سے ایک نے یہ کہا کہ شق قمر کا واقعہ بھی گذر چکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ روم کا غالب آنا بھی گذر چکا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "لزام" سے غزوہ بدر مراد ہے کہ اس دن کفار کے بہت سے بندے قتل ہوئے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قاص: وعظ ونصیحت کرنے والا۔ مسامع: مسمع کی جمع ہے یا بقول بعض خلاف قیاس "سمع" کی جمع ہے: کان۔ متکلفین: تکلف کرنے والا، اپنی طرف سے بات بنانے والا۔ استعصوا علیه: کفار مکہ حضور ﷺ پر بھاری اور مشکل ہو گئے، یعنی انہوں نے نافرمانی ظاہر کی، آپ کی بات کو نہ مانا۔ سنة: (سین اور نون پر زبر کے ساتھ) قحط، خشک سالی۔ أحصت: اس قحط نے ہر چیز کو ختم کر دیا، جڑ سے ختم کر دیا۔ بطشة: مضبوط پکڑ، اس سے غزوہ بدر مراد ہے، دخان: دھواں۔ لزام: بہت چمٹا رہنے والا، موت۔

آیت میں "دخان" سے کیا مراد ہے؟

سورہ دخان کی مذکورہ آیت میں دخان سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں حضرات صحابہ اور تابعین سے تین قول منقول ہیں:

۱۔ اکثر صحابہ کرام سے منقول ہے کہ یہ دھواں علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے جو قیامت کے بالکل قریب رونما ہوگی، یہ دھواں پوری فضا میں پھیل جائے گا، جمہور کے نزدیک یہی تفسیر راجح ہے۔

۲۔ اس دخان سے وہ گرد وغبار مراد ہے جو فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کے آسمان پر چھا گیا تھا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دخان کی پیشن گوئی واقع ہو چکی ہے، اس سے مکہ مکرمہ کا قحط مراد ہے،

جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر مسلط ہوا تھا، وہ اس قدر شدید تھا کہ وہ بھوک سے مرنے لگے، مردار جانور تک کھانے لگے، آسمان پر بارش اور بادل کے بجائے ان کو دھواں نظر آتا تھا،

چنانچہ ترمذی کی مذکورہ حدیث میں ابن مسعود نے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں اور قیامت کے قریب اس دھویں کے ہونے کا انکار کیا لیکن یہ ان کی اپنی رائے ہے، ورنہ جمہور علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ دھواں علامات قیامت میں سے ہے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے جس میں عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ علامات قیامت میں سے پانچ چیزیں گذر چکی ہیں:

❁ دھواں، ❁ شق قمر جس کا ذکر اقتربت الساعۃ وانشق القمر میں ہے۔ ❁ روم کا دوبارہ غلبہ حاصل کر لینا، جس کا ذکر سورہ روم میں ہے۔ ❁ بطشہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم بطش البطشۃ الکبری، اس سے غزوہ بدر میں کفار کا قتل ہونا مراد ہے۔ ❁ لزام قال اللہ تعالیٰ: فسوف یکون لزاما، اس "لزام" سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سے غزوہ بدر مراد ہے کہ اس میں بہت سے کافر مارے گئے، اور ستر تک گرفتار ہو گئے، بعض نے کہا کہ اس سے قحط مراد ہے،

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اگر لزام سے یوم بدر مراد لیا جائے تو پھر لزام اور بطشہ کے ایک ہی معنیٰ ہو جائیں گے، حسن کہتے ہیں کہ لزام سے قیامت کے دن کا وبال اور عذاب مراد ہے، اور بعض نے کہا کہ لزام سے موت مراد ہے۔

علامہ عینی نے ابن دحیہ کا قول نقل کیا ہے کہ دخان کا ظہور دو مرتبہ ہوگا ایک بار اس کا ظہور ہو چکا ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں اور دوسری مرتبہ یہ دھواں قرب قیامت میں ظاہر ہوگا، اس قول کو اختیار کیا جائے تو پھر دخان کے مصداق میں جو اختلاف ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

علماء فرماتے ہیں کہ دخان کی وہ تفسیر جو عبداللہ بن مسعود نے کی ہے قرآن کے ظاہری الفاظ سے بعید معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ شدید بھوک کی وجہ سے انہیں آسمان پر خیالی دھواں نظر آتا تھا، اس بات کو قرآن نے "تأتی السماء" اور دخان مبین اور یغشی الناس کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، لیکن یہ تعبیر بہت بعید ہے کیونکہ بظاہر ان الفاظ سے عام آسمان پر کھلے دھوئیں کا چھا جانا اور سب لوگوں کا اس دھوئیں سے متاثر ہونا معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ دھواں تو خود ان کی اپنی شدت مصیبت کا اثر تھا، اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے ظاہر قرآن کے مطابق اس کو ترجیح دی ہے کہ اس دخان سے وہ دھواں مراد ہے جو علامات قیامت میں سے ہے، اور قیامت کے قریب اس کا ظہور ہوگا، اس کی یہی تفسیر مرفوع احادیث سے بھی ثابت ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم میں یہ مرفوع احادیث نہ ہوں اس لئے انہوں نے اس "دخان" سے واقعہ قحط مراد لیا ہے(۱)۔

مگر جمہور کی تفسیر پر قرآن مجید کی آیت: "انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون" سے بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قیامت میں تو کفار پر سے کوئی عذاب نہیں ہٹایا جائے گا، یہاں چند روز کے لئے عذاب ہٹا دینے کا ذکر کیسے درست

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۶/۱۳۱، کتاب صفۃ القیامۃ باب الدخان، معارف القرآن ۷/۷۶۱، تحفۃ الاحوذی ۹/۱۲۸

ہوگا؟ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم تمہارے کہنے کے مطابق عذاب ہٹا دیں اور تمہیں پھر دنیا میں لوٹا دیں تو تم پھر وہی کفر و انکار کرنے لگو گے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے: "ولو رحمناهم و كشفنا ما بهم من ضر للجوا في طغيانهم يعمهون" اور ایک اور آیت میں فرمایا "ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه"(۱)۔

چنانچہ ابن مسعود کی تفسیر کے مطابق "ربنا اكشف عنا العذاب انا مؤمنون" کے معنی یہ ہوں گے کہ کفار مکہ اور ابوسفیان وغیرہ نے قحط سے تنگ آکر نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کر دیجئے، ہم پکے مسلمان بن جائیں گے، لیکن جب آپ کی دعا سے بارش ہوگئی اور قحط کی آفت سے انہیں نجات ہوگئی تو وہ پھر بھی ایمان نہ لائے، اور جمہور کی تفسیر کے مطابق قیامت کے قریب یہ جملہ کافر کہیں گے،

اور اس کے بعد آیت "يوم نبطش البطشة الكبرى" میں اس "بطشه" سے جمہور کے نزدیک آخرت کی پکڑ مراد ہے، اور ابن مسعود کے نزدیک "بڑی پکڑ" سے معرکہ بدر مراد ہے، کہ اس میں ان کفار کو بہت نقصان ہوا، ستر مارے گئے اور ستر ہی گرفتار کر لئے گئے(۲)۔

قال احدهما: القمر و قال الآخر الروم، اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمش اور منصور ان دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تین چیزیں یعنی بطشہ، دخان اور لزام کا ذکر ہے، لیکن چوتھی چیز کے بارے میں ان میں اختلاف ہے، ایک کے نزدیک چوتھی چیز "قمر" ہے اور دوسرے کے نزدیک "الروم" ہے(۳)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَهُ بَابَانِ، بَابٌ يَصْعَدُ مِنْهُ عَمَلُهُ، وَبَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهُ، فَإِذَا مَاتَ بَكَيَا عَلَيْهِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ {فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ} [الدخان:29]۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر مؤمن کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک سے اس کے نیک عمل اوپر چڑھتے ہیں اور دوسرے سے اس کا رزق اترتا ہے، جب وہ مرجاتا ہے تو دونوں دروازے اس کی موت پر روتے ہیں، چنانچہ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فما بكت" نہ ان پر آسمان رویا، نہ زمین اور نہ ہی وہ مہلت پانے والے تھے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۲۶۶

(۲) تفسیر عثمانی سورہ دخان/ص: ۶۶۰

(۳) الکوکب الدری ۴/۲۶۷

آسمان وزمین کا رونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر ایمان والے کے لئے آسمان پر دو دروازے ہیں، ایک سے اس کے نیک اعمال اوپر جاتے ہیں اور دوسرے سے اس کے لئے رزق اترتا ہے، جب یہ مرجاتا ہے تو اس کی جدائی کے افسوس میں آسمان کے وہ دروازے اس پر روتے ہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی "فما بکت علیھم السماء"، اور کافر کے شر کی وجہ سے چونکہ ان دروازوں کو تکلیف پہنچتی ہے، اس لئے یہ دروازے اور آسمان وزمین اس پر نہیں روتے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الأَحْقَافِ

یہ باب سورہ احقاف کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ أَخِي عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ، قَالَ: لَمَّا أُرِيدَ عُثْمَانُ جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ: مَا جَاءَ بِكَ؟ قَالَ: جِئْتُ فِي نُصْرَتِكَ، قَالَ: اخْرُجْ إِلَى النَّاسِ فَاطْرُدْهُمْ عَنِّي فَإِنَّكَ خَارِجٌ خَيْرٌ لِي مِنْكَ دَاخِلٌ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ كَانَ اسْمِي فِي الجَاهِلِيَّةِ فُلَانٌ فَسَمَّانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللهِ وَنَزَلَتْ فِيَّ: {وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ} [الأحقاف: 10] وَنَزَلَتْ فِيَّ {قُلْ كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الكِتَابِ} [الرعد: 43] إِنَّ لِلَّهِ سَيْفًا مَغْمُودًا عَنْكُمْ وَإِنَّ المَلَائِكَةَ قَدْ جَاوَرَتْكُمْ فِي بَلَدِكُمْ هَذَا الَّذِي نَزَلَ فِيهِ نَبِيُّكُمْ، فَاللهَ اللهَ فِي هَذَا الرَّجُلِ أَنْ تَقْتُلُوهُ، فَوَاللهِ إِنْ قَتَلْتُمُوهُ لَتَطْرُدُنَّ جِيرَانَكُمُ المَلَائِكَةَ، وَلَتَسُلُّنَّ سَيْفَ اللهِ المَغْمُودَ عَنْكُمْ فَلَا يُغْمَدُ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ، قَالَ: فَقَالُوا: اقْتُلُوا اليَهُودِيَّ وَاقْتُلُوا عُثْمَانَ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے بھتیجے فرماتے ہیں کہ جب (فتنہ پرداز لوگوں کی طرف سے) حضرت عثمان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا گیا تو عبداللہ بن سلام حضرت عثمان کے پاس آئے، حضرت عثمان نے ان سے فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ عبداللہ نے کہا: میں آپ کی مدد کے لئے آیا ہوں، حضرت عثمان نے انہیں حکم دیا کہ آپ باہر لوگوں کے پاس جائیں اور ان کو مجھ سے دور کر دیں، کیونکہ آپ کا باہر رہنا میرے لئے اندر رہنے سے زیادہ بہتر ہے، چنانچہ عبداللہ بن سلام باہر لوگوں کی طرف نکل گئے اور ان سے فرمایا: اے لوگو! میرا زمانہ جاہلیت میں یہ نام تھا (یعنی حصین) پھر نبی کریم ﷺ نے میرا نام عبداللہ رکھا، اور قرآن مجید کی کئی آیات میرے بارے میں نازل ہوئیں، میرے بارے میں یہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۲۹/۹

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الأدب، باب تغییر الأسماء

آیت نازل ہوئی: "و شہد شاہد من بنی اسرائیل ـ " (بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والے (یعنی عبداللہ بن سلام) نے اسی کے مثل گواہی دی، اور ایمان لے آیا اور تم لوگوں نے تکبر کیا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) اور میرے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی: "قل کفی باللہ ـ " (اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے اور وہ شخص (یعنی عبداللہ بن سلام) بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔)

اور (جان لو کہ) اللہ کی ایک تلوار ہے جو تم سے (ابھی تک) پوشیدہ ہے، اور فرشتے تمہارے پڑوس میں رہتے ہیں، اس شہر میں جس میں تمہارے نبی اترے ہیں، لہذا تم لوگ اس شخص یعنی حضرت عثمان کو قتل کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ کی قسم اگر تم لوگوں نے اسے قتل کر دیا تو ضرور تم لوگ اپنے پڑوسیوں کو یعنی فرشتوں کو دور کر دو گے، اور اللہ کی اس تلوار کو نیام سے نکالو گے جو تم سے چھپی ہوئی ہے، پھر اسے قیامت تک دوبارہ نیام میں نہیں ڈالا جائے گا، راوی کہتے ہیں کہ اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ اس یہودی یعنی عبداللہ بن سلام اور حضرت عثمان دونوں کو ہی قتل کر دو۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ **فاطردھم عنی:** آپ ان فتنہ پرداز لوگوں کو مجھ سے دور کر دیں۔ **شاھد من بنی اسرائیل:** بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ، اس سے حضرت عبداللہ بن سلام مراد ہیں۔ **ومن عندہ علم الکتاب:** اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے، اس سے بھی حضرت عبداللہ بن سلام مراد ہیں۔ **مغمود:** نیام میں چھپی ہوئی تلوار۔ **قد جاورتکم:** تمہارے پڑوس میں فرشتے رہتے ہیں۔ **فاللہ اللہ:** یہ حالت نصب میں ہیں اس سے پہلے فعل محذوف ہے "ای اتقوا اللہ" تم لوگ اللہ سے ڈرو۔ **لتطردن:** تم ضرور دور کر دو گے۔ **جیرانکم:** یہ جار کی جمع ہے، پڑوسی، اور اس کے بعد لفظ الملائکۃ اس سے بدل ہے۔ **لتسلن:** تم لوگ تلوار کو نیام سے نکالدو گے۔ **فلایغمد:** (صیغہ مجہول) پھر اس تلوار کو دوبارہ نیام میں نہیں ڈالا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلام کی خصوصیت

مذکورہ حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن سلام کی خصوصیت کا ذکر ہے، یہ ایک یہودی عالم تھے، نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو دیکھا، علامات نبوت کا جائزہ لیا، چند سوال کئے، انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی یہ سچے نبی ہیں، آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، مخلص صحابی بن گئے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو وہ عبداللہ بن سلام کو دیکھ لے، یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، طبری کہتے ہیں کہ ان کی وفات مدینہ منورہ میں سن ۴۳ھ میں ہوئی (۱)۔

حضرت عثمان کے دور خلافت میں جب ان کے خلاف شریر لوگوں کا فتنہ اپنے عروج پر تھا، وہ انہیں قتل کرنے کے درپے تھے، اس موقع پر عبداللہ بن سلام حضرت عثمان کی خدمت میں ان کی مدد کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ باہر نکل

(۱) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱۰۲/۴، حرف العین

کران لوگوں کو مجھ سے دور کرو جو مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ باہر گئے اوران سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں کو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرا نام زمانہ جاہلیت میں حصین تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھا، نیز میرے بارے میں قرآن مجید کی کئی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں سورہ احقاف کی مذکورہ آیت اور سورہ رعد کی مذکورہ آیت شامل ہے، یہ بات ان کے سامنے اس لئے کی تا کہ انہیں ذرا احساس ہو جائے اور ان کے سامنے اہمیت آجائے کہ میں ایک صحابی رسول ہوں اور پھر فرمایا کہ تم لوگ حضرت عثمان کو قتل کرنے سے باز آجاؤ، اللہ کی تلوار کو چھپا ہی رہنے دو، مدینہ جو کہ دار الہجرت ہے، اس میں نبی کی وجہ سے فرشتے تمہارے پڑوس میں رہتے ہیں، اگر تم نے قتل کا یہ گناہ کرلیا تو یاد رکھو کہ فرشتے بھی تم سے دور ہو جائیں گے اور پھر اللہ کی اس تلوار کا منہ ایسا کھلے گا کہ قیامت تک اسے دوبارہ نیام میں نہیں ڈالا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد سے اس امت میں قتل وغارت اور فساد کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جو تا قیامت جاری رہے گا، ان فتنہ پرداز لوگوں نے حقیقت پر مبنی کلام سن کر کہا کہ اسے اور عثمان دونوں کو ہی قتل کردو(۱)۔

۲۔ شرعی ضرورت کے موقع پر اگر اپنی کسی خصوصیت، صلاحیت اور فضیلت کا تذکرہ کرلیا جائے تو یہ جائز ہے، ریاکاری یا تکبر نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن سلام نے ان لوگوں کے سامنے اپنا تعارف کرایا اور اپنی خصوصیت وفضیلت کا بتایا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی کئی آیتیں نازل ہوئی ہیں ہاں کسی شرعی وجہ کے بغیر محض اپنی بڑائی جتانے کے لئے اپنے منہ سے اپنی ہی تعریف کی جائے تو یہ جائز نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَى مَخِيلَةً أَقْبَلَ وَأَدْبَرَ، فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ قَالَتْ: فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: وَمَا أَدْرِي لَعَلَّهُ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا} [الأحقاف: 24] (۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل دیکھتے تو آپ اندر آتے اور باہر جاتے پھر جب وہ بادل برسنے لگتا تو آپ سے خوف کی کیفیت کو ہٹا دیا جاتا (آپ خوش ہو جاتے) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ شاید یہ بھی اسی طرح ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلما رأوہ عارضا" (سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ مخیلة: (میم پر زبر، خاء کے نیچے زیر اور یا ساکن) برسنے والا بادل۔ أقبل: اندر داخل ہوتے۔ أدبر: باہر جاتے یعنی آپ پر خوف کی کیفیت طاری ہوتی۔ مطرت: وہ بادل برسنے لگتا۔ سري عنه: (صیغہ مجہول) آپ سے خوف کی کیفیت کو زائل کر دیا جاتا۔ آپ خوش ہو جاتے۔ عارض: بادل۔ أودية: وادی کی جمع ہے۔

(۱) فتح الباري ۱۲۲/۷، کتاب المناقب باب مناقب عبداللہ بن سلام، تحفة الاحوذی ۱۳۱/۹۔
(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح

قوم عاد پر بادل کی صورت میں عذاب

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے بادل کی صورت میں عذاب بھیجا، وہ بادل کی گھٹا دیکھ کر بہت خوش ہوئے، قریب ہوئے تو وہ ان پر عذاب ثابت ہوئے۔

۲۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آسمان پر جب کوئی بادل آتا تو آپ پریشان ہوجاتے کبھی گھر کے اندر داخل ہوتے اور کبھی باہر نکلتے اور جب ان سے بارش برسنا شروع ہوجاتی تو آپ خوش ہوجاتے۔

حضرت عائشہؓ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کی وجہ یہ بتائی کہ میں اس لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ بادل بھی اسی طرح عذاب کا نہ ہو جو قوم عاد پر آیا تھا، اس لئے مجھ پر خوف کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" کہ جب تک آپ ان میں موجود ہیں ان پر عذاب نہیں آئے گا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادل کو دیکھ کر خوف کیوں محسوس کرتے تھے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سورہ انفال کی آیت بعد میں نازل ہوئی، اس سے پہلے گویا آپ پر یہ کیفیت ہوتی تھی، لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ حضرت عائشہ کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ رہا ہے، کبھی ختم نہیں ہوا۔

۲۔ بہتر جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ تو آپ کو یقین تھا کہ قوم عاد کی طرح ان پر عذاب نہیں آئے گا لیکن اس کے باوجود مقام قرب کی وجہ سے خوف کا یہ غلبہ رہتا تھا کہ کہیں میری امت پر بھی ایسا عذاب نہ آجائے، مؤمن پر شفقت کی وجہ سے ایسا فرماتے کہ اس پر عذاب نہ آجائے اور کافر پر اس امید سے کہ ممکن ہے وہ اسلام قبول کرلے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں (۱)۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ مَسْعُودٍ: هَلْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ مِنْكُمْ أَحَدٌ؟ قَالَ: مَا صَحِبَهُ مِنَّا أَحَدٌ وَلَكِنْ قَدِ افْتَقَدْنَاهُ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَهُوَ بِمَكَّةَ، فَقُلْنَا اغْتِيلَ أَوِ اسْتُطِيرَ مَا فُعِلَ بِهِ؟ فَبِتْنَا بِشَرِّ لَيْلَةٍ بَاتَ بِهَا قَوْمٌ، حَتَّى إِذَا أَصْبَحْنَا أَوْ كَانَ فِي وَجْهِ الصُّبْحِ، إِذَا نَحْنُ بِهِ يَجِيءُ مِنْ قِبَلِ حِرَاءَ، قَالَ: فَذَكَرُوا لَهُ الَّذِي كَانُوا فِيهِ، فَقَالَ: أَتَانِي دَاعِي الْجِنِّ، فَأَتَيْتُهُمْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِمْ قَالَ: فَانْطَلَقَ فَأَرَانَا آثَارَهُمْ وَآثَارَ نِيرَانِهِمْ -قَالَ الشَّعْبِيُّ- وَسَأَلُوهُ الزَّادَ وَكَانُوا مِنْ جِنِّ الْجَزِيرَةِ، فَقَالَ: كُلُّ عَظْمٍ يُذْكَرُ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ يَقَعُ فِي أَيْدِيكُمْ أَوْفَرَ مَا كَانَ لَحْمًا، وَكُلُّ بَعْرَةٍ أَوْ رَوْثَةٍ عَلَفٌ لِدَوَابِّكُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلَا تَسْتَنْجُوا

---

(۱) فتح الباری ۳۷۱/۶، کتاب بدء الخلق باب ما جاء من قوله: وهو الذی یرسل الریح،

بهما فانهما زاد اخوانکم من الجن(۱)۔

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود سے پوچھا کہ لیلۃ الجن میں یعنی جس رات جن آئے تھے تو کیا آپ لوگوں میں سے کوئی نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی بھی (اس رات میں) آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا۔ لیکن ایک رات مکہ مکرمہ میں ہم نے حضور ﷺ کو گم پایا تو ہم کہنے لگے کہ شاید آپ کو اچانک دھوکے سے قتل کر دیا گیا ہے یا آپ کو جنات اڑا کر یعنی اغواء کر کے لے گئے ہیں، آپ ﷺ کو کیا ہوا؟ چنانچہ ہم نے وہ رات بہت بری گذاری یہاں تک کہ جب ہم نے صبح کی تو اچانک ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صبح صبح غار حراء کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں راوی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی اس گھبراہٹ کا ذکر کیا جس میں وہ رات میں مبتلی رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جنات کی طرف سے ایک بلانے والا جن آیا تھا تو میں ان کے پاس چلا گیا، میں نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا راوی کہتے ہیں پھر آپ ﷺ (جنات کی جگہ کی طرف) چلے (اور ہمیں بھی ساتھ لے گئے) چنانچہ آپ ﷺ نے ان جنات کے اور ان کی آگ کے نشان ہمیں دکھلائے۔

شعبی کہتے ہیں کہ پھر جنات نے نبی کریم ﷺ سے توشہ مانگا اور وہ کسی جزیرے کے رہنے والے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر (کھانے کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیا جائے گا تو وہ تمہارے ہاتھوں میں اس سے کہیں زیادہ گوشت سے پر ہوگی جو گوشت کہ اس پر پہلے تھا، اور ہر مینگنی اور لید تمہارے جانوروں کا چارہ ہوگا، پھر رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کرام) سے فرمایا: تم لوگ ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے جن بھائیوں کی غذا اور توشہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ افتقدناہ: ہم نے حضور ﷺ کو گم پایا۔ اغتیل: دھوکے کی وجہ سے اچانک آپ کو قتل کر دیا گیا۔ استطیر: آپ ﷺ کو اڑا لیا گیا یعنی جنات اغواء کر کے لے گئے۔ اذا نحن بہ: اچانک ہم حضور ﷺ کو دیکھتے ہیں۔ نیران: نار کی جمع ہے: آگ۔ زاد: توشہ، غذا۔ اوفر ما کان لحما: اس سے زیادہ گوشت کے ساتھ بھری ہوگی جو گوشت اس سے پہلے اس پر تھا جسے انسانوں نے کھالیا ہے۔ بعرۃ: اونٹ یا بکرے کی مینگنی۔ روثۃ: لید۔ علف: چارہ۔ لا تستنجوا بھما: ہڈی اور لید سے استنجا نہ کیا کرو۔

جنات کو تبلیغ

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الجهر بالقراءة من الصبح

۱۔ نبی کریم ﷺ اچانک جنات کے بلانے پر ان کے پاس تشریف لے گئے، اسلام کے احکام اور قرآن کی تلاوت ان کو سنائی،

۲۔ اس ملاقات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی نہیں تھا، آپ اکیلے ہی تشریف لے گئے، اور صحابہ کو بتایا بھی نہیں کہ میں کہاں جا رہا ہوں، اس پر پیچھے سے صحابہ کرام بہت پریشان ہوگئے اور طرح طرح کے خدشات میں پڑ گئے۔

۳۔ جنات کی غذا کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ ہڈی جس پر کھانے کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے تو یہ جنات کی خوراک ہوگی اس پر پہلے سے زیادہ گوشت آجائے گا، اور مینگنی اور گوبر ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے لئے ہڈی، لید اور گوبر سے استنجا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنات اور ان کے جانوروں کی غذا اور توشہ ہیں۔

جنات سے چھ ملاقاتیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مذکورہ حدیث میں فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی صحابی نہیں تھا جبکہ ترمذی جلد ثانی ابواب الامثال کے پہلے باب میں تفصیلی روایت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ لیلۃ الجن میں ساتھ لے گئے اور پھر مجھے ایک حصار میں بٹھا دیا اور خود ساری رات جنات کو آپ علیہ السلام تبلیغ کرتے رہے تو بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جنات کے پاس مختلف فرصتوں میں چھ دفعہ تشریف لے گئے ہیں، بعض دفعہ ابن مسعود آپ کے ساتھ تھے تو کسی حدیث میں ساتھ جانے کا ذکر کر دیا اور کسی موقع پر عبداللہ بن مسعود آپ کے ساتھ نہیں تھے جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے تو پھر عبداللہ بن مسعود نے بتا دیا کہ میں آپ کے ساتھ اس موقع پر نہیں تھا،

ان چھ ملاقاتوں کی تفصیل:

۱۔ پہلی ملاقات کا ذکر ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے جس میں آپ اچانک غائب ہوگئے، ساری رات آپ ان کو تبلیغ کرتے رہے، صبح آپ واپس تشریف لائے، اس موقع پر کوئی صحابی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

۲۔ دوسری ملاقات مکہ کے جبل حجون میں ہوئی۔

۳۔ تیسری ملاقات اعلی مکہ میں ہوئی، آپ ان کے ساتھ پہاڑوں میں تشریف لے گئے۔

۴۔ مدینہ منورہ میں بقیع الغرقد کے مقام پر،

ان تین راتوں میں یعنی مکہ میں دو راتوں اور مدینہ میں ایک رات میں حضرت عبداللہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔

۵۔ مدینہ سے باہر یہ ملاقات ہوئی، جس میں حضرت زبیر بن عوام آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

۶۔ چھٹی ملاقات کسی سفر میں ہوئی، اس موقع پر حضرت بلال بن حارث موجود تھے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب سورہ محمد کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، {وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ} [محمد: 19] فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "و استغفر لذنبک" (اپنے گناہوں اور مومن مرد وخواتین کے لئے استغفار کیجئے) کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

وَيُرْوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَيْضًا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (۲)۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں،

کثرت سے استغفار کا حکم

مذکورہ حدیث میں مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ روزانہ کثرت سے استغفار کیا کریں، اس سے ایک تو ان کے گناہ معاف ہوں گے، دوسرا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ مال و دولت، رزق میں فراوانی اور اولاد نصیب فرمائیں گے۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ آپ تو گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں اور استغفار کے حکم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے گناہ ہیں، اس کا کیا حل ہے؟

شارحین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں:

۱۔ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر بسا اوقات ایک بوجھ سا ہوجاتا تھا جبکہ آپ اللہ کا ذکر براہ راست نہ کرتے کسی دینی مشغولیت کی وجہ سے، تو اس پر آپ استغفار فرماتے۔

---

(۱) الکوکب الدری ۱/۲۲، کتاب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ، بذل المجهود كتاب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ

(۲) صحیح بخاری، کتاب الدعوات باب استغفار النبی ﷺ

۲۔ گوکہ آپ ﷺ ہر قسم کے گناہ سے پاک تھے لیکن اللہ کا شکر اور بلند درجات کے حصول کے لئے آپ کثرت سے استغفار کرتے تھے۔

۳۔ امت کو یہ درست دینا مقصود ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے معافی اور استغفار کیا کریں(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا هَذِهِ الآيَةَ {وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ} [محمد: 38] قَالُوا: وَمَنْ يُسْتَبْدَلُ بِنَا؟ قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْكِبِ سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ: هَذَا وَقَوْمُهُ هَذَا وَقَوْمُهُ.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ـــــ" (اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے) صحابہ نے عرض کیا: ہماری جگہ کون لوگ آئیں گے؟ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم ہوگی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ ذَكَرَ اللَّهُ إِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوا بِنَا ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَنَا؟ قَالَ: وَكَانَ سَلْمَانُ بِجَنْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخِذَ سَلْمَانَ قَالَ: هَذَا وَأَصْحَابُهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ الإِيمَانُ مَنُوطًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسَ.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اگر ہم لوگ روگردانی کریں گے تو ہماری جگہ ان کو متبادل لایا جائے گا پھر وہ ہماری طرح نہیں ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی نبی کریم ﷺ کے برابر بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ اور اس کے ساتھی ہوں گے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی لٹکا ہوا ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اسے لے آتے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ منکب: شانا، کندھا۔ استبدلوا بنا: (صیغہ مجہول) ہماری جگہ متبادل ان کو لایا جائے گا۔ جنب رسول اللہ: رسول اللہ ﷺ کے برابر بیٹھے تھے۔ منوطا: معلق، لٹکا ہوا۔ ثریا: (ثاء پر پیش، راء پر زبر) بلند ستارہ۔ لتناولہ: اس ایمان کو لے لیتے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۱/۱۲۱، کتاب الدعوات باب استغفار النبی ﷺ

اللہ کو تمہارے اعمال اور تمہارے وجود کی کوئی ضرورت نہیں

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اگر تم سب کے سب ہمارے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دو تو جب تک ہمیں دنیا اور اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے، ہم اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کے لئے دوسری ایسی قوم پیدا کر دیں گے جو تمہاری طرح شرعی احکام سے گریز اور اعراض نہ کرے گی بلکہ ہماری مکمل اطاعت کرے گی۔

دوسری قوم اور لوگ کون ہوں گے؟ ترمذی کی مذکورہ روایت میں نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم ہوگی، یعنی عجمی اور فارس و روم کے لوگ ہوں گے۔

اور فرمایا کہ اگر بالفرض دین حق اور ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا، جہاں عموماً لوگوں کی رسائی مشکل ہوتی ہے تو فارس کے کچھ لوگ وہاں بھی پہنچ کر دین کو حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے،

شیخ جلال الدین نے اپنی کتاب جو امام ابوحنیفہ کے مناقب میں لکھی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ اس سے امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ اہل فارس میں کوئی جماعت بھی علم وفقہ کے اس مقام پر نہیں پہنچی جس پر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پہنچے ہیں(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْفَتْحِ

یہ باب سورہ فتح کے بارے میں ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَقُولُ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَكَلَّمْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَكَتَ، ثُمَّ كَلَّمْتُهُ فَسَكَتَ، فَحَرَّكْتُ رَاحِلَتِي فَتَنَحَّيْتُ وَقُلْتُ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَلِكَ لَا يُكَلِّمُكَ، مَا أَخْلَقَكَ بِأَنْ يَنْزِلَ فِيكَ قُرْآنٌ قَالَ: فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ بِي، قَالَ: فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ لَقَدْ أُنْزِلَ عَلَيَّ هَذِهِ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهَا مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ {إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا} [الفتح: 1] (۲).

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے

(۱) تفسیر مظہری ۴۴۷/۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، معارف القرآن ۵۱/۸، سورہ محمد

(۲) الموطا، کتاب القرآن، باب ما جاء من القرآن

کچھ کہا آپ خاموش رہے، پھر میں نے دوبارہ عرض کیا آپ اسی طرح خاموش رہے، پھر میں نے تیسری مرتبہ کلام کیا لیکن پھر بھی خاموش رہے، میں نے اپنے اونٹ کو چلایا اور ایک کنارے پر ہو گیا پھر (اپنے آپ سے) کہنے لگے: اے ابن خطاب تیری ماں تجھے گم پائے، تو نے نبی کریم ﷺ سے تین بار سوال کر کے اصرار کیا (یعنی تنگ کیا) کسی مرتبہ بھی آپ ﷺ نے تمہیں جواب نہیں دیا، تو اسی لائق ہے کہ تیرے متعلق قرآن نازل ہو،
کہتے ہیں کہ میں ابھی ٹھہرا بھی نہیں تھا کہ کسی پکارنے والے کی آواز میں نے سنی جو بلند آواز سے مجھ کو بلا رہا تھا، چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب آج رات میرے اوپر ایک ایسی سورت نازل کی گئی ہے کہ میں اس کے مقابلے میں کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتا جس پر کہ سورج طلوع ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے: "انا فتحنا لک فتحا مبینا" (بیشک ہم نے آپ ﷺ کو ایک کھلم کھلا فتح دی)۔
مشکل الفاظ کے معنی: تنحیت: میں ایک طرف ہو گیا۔ ثکلتک امک: تمہیں تمہاری ماں گم پائے، اس سے بددعا مقصود نہیں بس یہ شدید غصے کے وقت زبان سے نکل جاتا ہے، اس کے معنی پیش نظر نہیں ہوتے۔ نزرت: تو نے آپ ﷺ پر اصرار کیا۔ ما أخلقک: کس قدر مناسب ہے یہ بات۔ فما نشبت: میں نہیں ٹھہرا، یعنی ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی۔ صارخ: چیخنے والا، بلانے والا۔ یصرخ بی: مجھے بلا رہا تھا۔

سورہ فتح کا نزول

جمہور صحابہ وتابعین اور مفسرین کے نزدیک سورہ فتح سن چھ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرے کے ارادے سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا مگر قریش مکہ نے آپ کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا اور مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا، پھر وہ اس پر صلح کرنے کے لئے تیار ہو گئے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں، اگلے سال اس عمرے کی قضا کر لیں، بہت سے صحابہ کرام خصوصاً فاروق اعظم اس طرح کی صلح سے ناراض تھے، مگر نبی کریم ﷺ نے اللہ کے اذن سے مختلف وجوہ کی وجہ سے اس صلح کو مسلمانوں کے لئے انجام کے اعتبار سے بہتر سمجھا، اس لئے آپ نے صلح کو قبول فرمالیا، جب صلح کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنا عمرے کا احرام کھول دیا اور مقام حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں بتلا دیا کہ عنقریب تم مکہ مکرمہ کو فتح کر لو گے، تمہیں فتح مبین حاصل ہوگی۔ حضرت عمر فاروق اس صلح پر نالاں تھے، وہ حضور ﷺ سے اس صلح کے بارے میں بات کرتے، مگر آپ انہیں کوئی جواب نہ دیتے، تین بار انہوں نے بات کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، درحقیقت اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی، حضرت عمر کو جب کوئی جواب نہ ملا تو شرمندہ ہو کر اپنی سواری سمیت ایک طرف ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک منادی نے حضرت عمر فاروق کو ندا دی، وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے انہیں سورہ فتح کے نزول کی خوشخبری سنائی، حضرت عمر فاروق ابھی

اس جذباتی کیفیت پر استغفار بھی کرتے اور صدقہ بھی دیا کرتے کہ میرے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں تھا(۱)۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أُنْزِلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ} [الفتح: 2] مَرْجِعَهُ مِنَ الحُدَيْبِيَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عَلَى الأَرْضِ، ثُمَّ قَرَأَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوا: هَنِيئًا مَرِيئًا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، لَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ لَكَ مَاذَا يُفْعَلُ بِكَ، فَمَاذَا يُفْعَلُ بِنَا، فَنَزَلَتْ عَلَيْهِ {لِيُدْخِلَ المُؤْمِنِينَ وَالمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ} [الفتح: 5]- حَتَّى بَلَغَ- {فَوْزًا عَظِيمًا}(۲).

حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی کے وقت یہ آیت نازل ہوئی: "لیغفر لک اللہ۔" (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے زمین پر موجود ہر چیز سے زیادہ پسند ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت صحابہ کرام کے سامنے تلاوت کی تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی: یہ خوشگوار بات مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں تو بتا دیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا، لیکن معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "لیدخل المؤمنین ــــ فوزا عظیما" (تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور تاکہ ان کے گناہ دور کردے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ہنیئاً: خوشگوار بات۔ مریئاً: نفع بخش عربی میں ھنیئاً مریئاً بطور دعا کے کہا جاتا ہے کہ یہ بات آپ کے لئے خوشگوار اور نفع بخش ثابت ہو۔ یہ دونوں لفظ فعل محذوف کے مفعول ہیں اصل عبارت یوں ہے: صادفت عیشا ھنیئاً مریئاً (آپ نے خوشگوار اور نفع بخش زندگی کو پالیا) یا ان کے شروع میں فعل امر محذوف ہے: عش عیشا ھنیئاً مریئاً۔ (آپ خوشگوار اور نفع بخش زندگی گذاریں)

عصمت انبیاء کا مسئلہ

سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں خواہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ، سورہ فتح کی اس آیت میں خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ کے اگلے اور پچھلے دونوں ہی قسم کے گناہ معاف ہیں، ماتقدم سے وہ لغزشیں مراد ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور ماتاخر سے وہ جو رسول بننے کے بعد سرزد ہوئیں،

---

(۱) معارف القرآن ۸/۵۳

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب صلح الحديبية

لہذا انبیاء کی طرف قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ ذنب یا عصیان کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ان سے گناہ مراد نہیں بلکہ ان سے وہ عمل مراد ہے جو نبی کی شان عالی کے لئے مناسب اور بہتر نہیں، لیکن چونکہ نبوت کا منصب انتہائی عالیشان اور حساس ہوتا ہے جس میں ایک نا مناسب اور خلاف اولیٰ کام بھی لغزش قرار پاتا ہے اسی لئے تمہید کے طور پر قرآن میں اسے لفظ ذنب یا عصیان سے تعبیر کیا گیا ہے(۱)۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ ثَمَانِينَ هَبَطُوا عَلَىٰ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيمِ عِنْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَهُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يَقْتُلُوهُ، فَأُخِذُوا أَخْذًا، فَأَعْتَقَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللهُ: {وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ} [الفتح:24] الآيَةَ:(۲)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے وقت تنعیم کے پہاڑ سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی طرف اسی کافر اترے، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ ان تمام کو پکڑ لیا گیا، پھر آپ ﷺ نے ان تمام کو آزاد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وهو الذی کف ـــ" (اللہ وہ ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے)۔

نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ

اس سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رات کے آخری حصے یعنی فجر کے وقت اسی (۸۰) کافر جبل تنعیم سے اتر کر آئے تا کہ وہ اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے العیاذ باللہ نبی کریم ﷺ کو قتل کر دیں، آپ کو اور صحابہ کرام کو اس سازش کا پتہ چل گیا، چنانچہ ان تمام کو گرفتار کر لیا گیا۔

قریش مکہ نے دیکھا کہ اللہ کی مدد قدم قدم پر مسلمانوں کا ساتھ دے رہی ہے، ان پر مسلمانوں کا رعب اور دہشت سی چھا گئی، وہ خود ہی صلح پر آمادہ ہوئے، اس کے لئے ان لوگوں نے اپنے تین نمائندے بھیجے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص، ان میں سے پہلے دو حضرات بعد میں مسلمان ہو گئے، سہیل بن عمرو نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تک جو خبر پہنچی ہے کہ عثمان غنی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے، یہ غلط خبر ہے، ہم ان کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں، لہذا آپ ان اسی (۸۰) افراد کو آزاد کر دیجئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام افراد کو آزاد کر دیا، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی "وهو الذی کف ـــ" کہ ہم نے تمہارے درمیان لڑائی کو ختم کر دیا، اور صلح کرادی۔

---

(۱) معارف القرآن ۶۶/۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجهاد باب قول الله تعالیٰ و هو الذی کف ایدیهم، سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد باب المن علی الاسیر بغیر فداء

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى} [الفتح: 26] قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ "والزمھم کلمۃ التقوی" (اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا) میں کلمۃ التقوی سے مراد: "لا الہ الا اللہ" ہے۔

"کلمۃ التقویٰ" سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں کلمۃ التقوی سے کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ مراد ہے اور بعض نے اس میں "رسول اللہ" کا اضافہ بھی کیا ہے، اس کو کلمہ تقوی اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ کلمہ ہی تقوی اور شرک سے براءت کی بنیاد ہے، اس کے پڑھنے سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْحُجُرَاتِ

یہ باب سورہ حجرات کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اسْتَعْمِلْهُ عَلَى قَوْمِهِ، فَقَالَ عُمَرُ: لَا تَسْتَعْمِلْهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَتَكَلَّمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ: مَا أَرَدْتَ إِلَّا خِلَافِي، فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ قَالَ: فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ} [الحجرات: 2] قَالَ: فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا تَكَلَّمَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُسْمِعْ كَلَامَهُ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ. قَالَ: وَمَا ذَكَرَ ابْنُ الزُّبَيْرِ جَدَّهُ، يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ (۱)۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ انہیں اپنی قوم پر عامل مقرر کر دیجئے، حضرت عمر نے کہا کہ: یا رسول اللہ انہیں عامل نہ بنائیے، چنانچہ ان دونوں حضرات میں بات چیت میں تکرار ہو گیا، یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، ابوبکر، عمر سے کہنے لگے کہ تمہارا مقصد صرف مجھ سے اختلاف کرنا ہے وہ کہنے لگے: نہیں، میری آپ کی مخالفت کی قطعا نیت تھی، راوی کہتے ہیں: اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا۔۔۔" (اے ایمان والو اپنی آوازیں رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو) راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: ان الذین ینادونک من وراء الحجرات،

کوئی بات کرتے تو ان کی بات سنائی نہ دیتی یہاں تک کہ آپ ﷺ ان سے دریافت کرتے۔
امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن زبیر نے اس حدیث میں اپنے دادا یعنی حضرت ابوبکر کا ذکر نہیں کیا (کہ وہ بعد میں آپ ﷺ کے پاس کس طرح گفتگو فرماتے)۔

نبی کی موجودگی میں آواز پست رکھنے کا حکم

سورہ حجرات کی مذکورہ آیت میں معاشرت سے متعلق ایک ادب سکھایا گیا ہے، چنانچہ ان آیتوں کے نازل ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنوتمیم کے لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلے پر کس کو حاکم بنایا جائے، اس بارے میں حضرت صدیق نے یہ رائے دی کہ اقرع بن حابس کو عامل بنایا جائے، حضرت عمر فاروق نے اس بات سے اختلاف کیا، یہ ترمذی کی روایت ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے قعقاع بن معبد کے بارے میں رائے دی، اور حضرت عمر نے اقرع بن حابس کے متعلق رائے دی، اور بخاری کی روایت سند کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہے،

بہرحال نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان گفتگو اور بحث ہوگئی، اور یہ بحث اور بات چیت اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "یایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی،

جس میں اس بات کا حکم دیا گیا کہ نبی کی موجودگی میں ایک امتی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی آواز بلند کرے، یہی حکم روضہ رسول پر صلاۃ وسلام پیش کرنے کا ہے کہ وہ بھی درمیانی آواز سے پیش کیا جائے، نہایت بلند آواز سے جسے عرف ورواج میں برا سمجھا جاتا ہو، صلاۃ وسلام پیش کرنا اس آیت کی رو سے درست نہیں ہے، ادب کے خلاف ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر کا یہ معمول بن گیا کہ وہ کبھی آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے نہ بولتے بلکہ آہستہ ہی بولتے تھے، بعض اوقات ان سے نبی کریم ﷺ دوبارہ پوچھتے تھے، اس حدیث میں حضرت صدیق اکبر کا عمل بیان نہیں کیا گیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کیا تھا، لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں قسم کھاتا ہوں کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو(۱)۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ اپنے استاذ، شیخ، بزرگ اور والدین کے سامنے ادب سے بات کی جائے اور پست آواز سے بولا جائے، بلند آواز سے اجتناب کیا جائے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ} [الحجرات: 4] قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ حَمْدِي زَيْنٌ وَإِنَّ ذَمِّي شَيْنٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

(۱) تفسیر قرطبی ۱۶/۲۵۸-۲۵۷، بیروت، الکوکب الدری ۴/۲۷۳

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَاكَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "ان الذين ينادونك من وراء الحجرات" (جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں) کا سبب نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ میری تعریف، تعریف اور زینت ہے اور میری مذمت، عیب اور ذلت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شان تو اللہ جل جلالہ کی ہے۔

بے وقت اور غیر مہذب طریقے سے نہ بلایا جائے

سن ۹ ہجری میں قبیلہ بنوتمیم کے اسی (۸۰) افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ منورہ میں پہنچے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حجرے میں آرام فرما رہے تھے، یہ دیہاتی لوگ تھے جو معاشرت اور رہن سہن کے آداب سے ناواقف تھے، انہوں نے بے وقت ان حجروں کے باہر سے ہی پکارنا شروع کر دیا، اور کہنے لگے: "اخرج الينا يا محمد" اے محمد آپ ہمارے پاس باہر آجایئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "ان الذين ينادونك من وراء الحجرات —" اس میں انہیں یہ حکم دیا گیا کہ اس طرح بے وقت غیر مہذب طریقے سے نہ بلایا کریں، بلکہ انتظار میں بیٹھ جایا کریں جب نبی اپنی ترتیب سے تمہارے پاس آجائے تو اس وقت ان سے بات کیا کریں۔

''حجرات'' حجرۃ کی جمع ہے، اصل لغت میں اس مکان کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو، اور کچھ چھت والی عمارت بھی ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مدینہ منورہ میں نو تھیں، ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ الگ تھا، جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

اس میں یہ ادب سکھلایا گیا ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں، اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو نہ بلایا جائے خصوصاً خالص دیہاتی انداز سے کہ جس میں آپ کا نام بھی لیا جائے، سراسر بے ادبی ہے، اہل عقل کا یہ شیوہ نہیں (۱)۔

عَنْ أَبِي جُبَيْرَةَ بْنِ الضَّحَّاكِ، قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا يَكُونُ لَهُ الِاسْمَانِ وَالثَّلَاثَةُ، فَيُدْعَى بِبَعْضِهَا فَعَسَى أَنْ يَكْرَهَ، قَالَ: فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: {وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ} [الحجرات: 11] (۲)۔

حضرت ابوجبیرہ بن ضحاک فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص کے دو دو تین تین نام ہوا کرتے تھے، اسے کسی ایک نام سے پکارا جاتا تو وہ اسے ناپسند کرتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "ولا تنابزوا بالالقاب" (تم آپس میں ایک

---

(۱) الکوکب الدری ۴/۲۷۴

(۲) سنن ابو داؤد: کتاب الادب، باب فی الالقاب، سنن ابن ماجۃ، کتاب الادب باب الالقاب

دوسرے کو برے لقب سے نہ پکارا کرو)۔

برے نام اور برے القاب سے پکارنا جائز نہیں

اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ کسی بھی انسان کو ایسے نام یا اس کے ایسے لقب سے بلانا جائز نہیں جسے وہ ناپسند کرتا ہو، جیسے کسی کو لنگڑا، لولا یا اندھا کانا کہہ کر پکارنا، اسی طرح جو نام کسی شخص کی توہین اور تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس نام سے اس کو پکارنا جائز نہیں، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں حضرت ابو جبیر انصاری نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے، آپ کو یہ معلوم نہ تھا، بعض اوقات وہی برا نام لے کر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے، اس پر یہ آیت "ولا تنابزوا بالالقاب" نازل ہوئی۔

لیکن اگر کوئی شخص ایسے نام یا لقب سے مشہور ہو جائے جو ہے تو برا، لیکن وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے، اور اس سے اس کی تحقیر بھی پیش نہ ہو تو اسے ذکر کرنا بالاتفاق جائز ہے، جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج، احدب مشہور ہے یا حدیث میں ایک صحابی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کے نام سے بلایا ہے[1]۔

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ: قَرَأَ أَبُو سَعِيدٍ: {وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ} [الحجرات: 7] قَالَ: هَذَا نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوحَى إِلَيْهِ، وَخِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ لَوْ أَطَاعَهُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُوا، فَكَيْفَ بِكُمُ الْيَوْمَ؟۔

حضرت ابو نضرہ فرماتے ہیں کہ ابو سعید خدری نے یہ آیت پڑھی: "واعلموا ان فیکم رسول اللہ....." (جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تمہارا کہنا مانیں تو تم لوگوں کو بڑا ضرر پہنچے) اور ابو سعید نے فرمایا: یہ تمہارے نبی ہیں جن کی طرف وحی بھیجی جا رہی ہے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بہترین آئمہ یعنی صحابہ کرام کی بہت سے امور میں اطاعت کرتے تو مشقت میں پڑ جاتے (حالانکہ وہ بہترین آئمہ ہیں) تو آج تم لوگوں کا کیا حال ہوگا (یہ تابعین سے خطاب ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن و سنت کے مقابلے میں تمہاری اقتداء کرے اور تمہاری رائے کو اختیار کر لے، تو وہ مشقت میں پڑ جائے گا)۔

---

(۱) معارف القرآن ۸/۱۱۸، تحفۃ الاحوذی ۹/۱۴۸، الکوکب الدری ۴/۲۷۳

رسول کی اطاعت لازم ہے

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ نبی جو حکم دیں اسے بجالائیں اور جس چیز سے وہ روکیں تو اس سے رک جائیں، صحابہ کرام کو فرمایا کہ تم یہ کوشش نہ کرو کہ دنیاوی امر کے بارے میں جو تم کہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے کے مطابق ہی عمل کریں، یہ طرز درست نہیں،

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ صحابہ کو اپنی رائے پر جمے رہنے سے منع کیا گیا حالانکہ وہ امت کے مقتداء اور بہترین آئمہ ہیں، کیونکہ اس طرح اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے پر عملدرآمد کرتے تو صحابہ پر مشکل ہو جاتی "فکیف بکم الیوم" آج تمہارا کیا حال ہوگا یہ تابعین سے خطاب ہے کہ آج اگر تمہاری کوئی شخص اقتداء کرے قرآن وسنت کی بات کو چھوڑ کر تو یہ بھی غلط اور گمراہی ہوگی۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللَّهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللَّهِ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَخَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ، قَالَ اللَّهُ: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} [الحجرات:13].

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا فخر وغرور اور اپنے آباؤ اجداد کی وجہ سے تکبر کرنا دور کر دیا ہے، اب لوگ دو طرح کے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک، متقی اور محترم ومکرم ہے، دوسرا وہ جو اللہ کے نزدیک فاسق، بدبخت اور ذلیل ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد، اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور پورا خبردار ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔عبية: (عین پر پیش، باء کے نیچے زیر اور تشدید، اور یاء پر زبر اور تشدید) نخوت وتکبر، فخر وغرور۔ بر: نیکوکار، نیک۔ هین: ذلیل۔ شعوبا: شعب کی جمع ہے: لوگوں کا بڑا گروہ جو ایک باپ کی طرف منسوب ہو، یہ قبیلہ سے زیادہ وسیع ہے، بڑا قبیلہ۔ قبائل: قبیلة کی جمع ہے: ایک باپ یا ایک دادا کی اولاد، خاندان۔

اب انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تا کہ سب لوگ دیکھ سکیں، طواف سے فارغ ہو کر آپ نے مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی اور ساتھ ہی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی، اس سے قرآن کریم نے یہ واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں کر دی تا کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں یا وہ نیکو کار اور متقی ہوگا یا فاسق و فاجر ہوگا، اس لئے اپنے نسب اور خاندان پر فخر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الحَسَبُ المَالُ، وَالكَرَمُ التَّقْوَى(۱).

حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسب مال ہے اور کرم تقویٰ ہے۔

اللہ کے ہاں فضیلت کا معیار

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "حسب" سے دنیا کا مال و دولت اور جاہ و منصب مراد ہے، یہ چیز دنیا داروں کی نظر میں بڑی اہمیت اور وقعت کی حامل ہوتی ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں سب سے زیادہ فضیلت اور اکرام والا وہ شخص ہے جو زیادہ پرہیزگار اور گناہوں سے بچنے والا ہو(۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ ق

یہ باب سورہ ق کے بارے میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ، حَتَّى يَضَعَ فِيهَا رَبُّ العِزَّةِ قَدَمَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ، وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ(۳)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم (قیامت کے دن) مسلسل یہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ یہاں تک کہ غلبہ اور قوت والا رب اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: تیری عزت کی قسم بس بس، (مجھے کافی ہے) اور پھر جہنم کی آگ ایک دوسرے میں سمٹ جائے گی، جمع ہو جائے گی،

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الزهد باب الورع والتقوى

(۲) تحفة الاحوذی ۱۴۹/۹

(۳) صحيح بخاری، كتاب الايمان والنذور باب الحلف بعزة الله، صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها

مشکل الفاظ کے معنی: ۔هل من مزید: کیا کچھ اور بھی ہے؟ رب العزة: غلبہ اور قدرت والا رب۔ قط قط: (قاف پر زبر اور طا ساکن) بس بس، مجھے کافی ہے۔ یزوی: جمع ہوجائے گی، سٹ جائے گی۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الذَّارِيَاتِ

یہ باب سورہ ذاریات کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ رَبِيعَةَ قَالَ: قَدِمْتُ المَدِينَةَ فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ عِنْدَهُ وَافِدَ عَادٍ، فَقُلْتُ: أَعُوذُ بِاللهِ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ وَافِدِ عَادٍ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟ قَالَ: فَقُلْتُ: عَلَى الْخَبِيرِ بِهَا سَقَطْتَ، إِنَّ عَادًا لَمَّا أُقْحِطَتْ بَعَثَتْ قَيْلًا فَنَزَلَ عَلَى بَكْرِ بْنِ مُعَاوِيَةَ فَسَقَاهُ الخَمْرَ وَغَنَّتْهُ الجَرَادَتَانِ، ثُمَّ خَرَجَ يُرِيدُ جِبَالَ مَهْرَةَ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي لَمْ آتِكَ لِمَرِيضٍ فَأُدَاوِيَهُ وَلَا لِأَسِيرٍ فَأُفَادِيَهُ، فَاسْقِ عَبْدَكَ مَا كُنْتَ مُسْقِيَهُ، وَاسْقِ مَعَهُ بَكْرَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يَشْكُرُ لَهُ الخَمْرَ الَّتِي سَقَاهُ، فَرُفِعَ لَهُ سَحَابَاتٌ، فَقِيلَ لَهُ: اخْتَرْ إِحْدَاهُنَّ، فَاخْتَارَ السَّوْدَاءَ مِنْهُنَّ، فَقِيلَ لَهُ: خُذْهَا رَمَادًا رِمْدِدًا، لَا تَذَرُ مِنْ عَادٍ أَحَدًا، وَذُكِرَ أَنَّهُ لَمْ يُرْسَلْ عَلَيْهِمْ مِنَ الرِّيحِ إِلَّا قَدْرُ هَذِهِ الحَلْقَةِ - يَعْنِي حَلْقَةَ الخَاتَمِ ثُمَّ قَرَأَ: {إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ العَقِيمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ} [الذاريات: 42] الآيَةَ(۱)۔

حضرت ابو وائل قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں مدینہ منورہ آیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے پاس میری موجودگی میں قوم عاد کے قاصد کا ذکر کیا گیا، میں نے کہا: میں اللہ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں قوم عاد کے قاصد کی طرح ہو جاؤں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قوم عاد کا قاصد کیسا تھا؟ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اس قصہ کو صحیح طرح جاننے والے سے آپ کا واسطہ پڑا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب قوم عاد پر قحط پڑا تو انہوں نے ''قیل'' نامی بندے کو بھیجا، (تاکہ بیت اللہ جا کر اللہ سے دعا کرے، چنانچہ وہ مکہ مکرمہ پہونچا) اور بکر بن معاویہ کے یہاں ٹھہرا، اس نے قیل کو شراب پلایا اور دو مشہور گانا گانے والی باندیاں گانے لگیں۔

پھر ''قیل'' مہرہ کے پہاڑوں کا ارادہ کر کے نکلا، پھر اس نے دعا کی: اے اللہ! میں تیرے پاس کسی بیماری کے لئے نہیں آیا کہ میں اس کا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کے لئے آیا ہوں کہ میں اُس کا فدیہ دوں، (اس لئے آیا ہوں) تا کہ تو اپنے بندے (یعنی مجھے اور میری قوم) کو اس چیز (یعنی بارش) سے سیراب کرے جس سے کہ تو اس کو سیراب کیا کرتا تھا، اور اس کے ساتھ بکر بن معاویہ کو بھی سیراب کردے، وہ اس کا اس شراب کا شکریہ ادا کر رہا تھا جو اس نے اسے پلایا تھا،

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب الجهاد، باب الرأيات والألوية

اتنے میں اس کے لئے کئی بدلیاں بلند کی گئیں (سفید، سرخ اور کالی) اور اسے کہا گیا کہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو، چنانچہ اس نے ان میں سے کالی بدلی کو پسند کرلیا، تو اسے کہا گیا: تم اس کو یعنی بہت باریک جلی ہوئی راکھ کو لے لو جو قوم عاد کے کسی فرد کو نہ چھوڑے گی، اور آپ ﷺ نے ذکر کیا کہ قوم عاد پر صرف اس انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا چھوڑی گئی، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "و فی عاد اذ أرسلنا۔" (اور قوم عاد میں بھی ہم نے ایسی ہی نشانی چھوڑی تھی) جب ہم نے ان پر ایک ایسی آندھی بھیجی جو ہر بہتری سے بانجھ تھی، وہ جس چیز پر بھی گذرتی، اسے ایسا کر چھوڑتی جیسے وہ گل کر چورہ چورہ ہوگئی ہو)۔

عَنِ الحَارِثِ بْنِ يَزِيدَ البَكْرِيِ، قَالَ: قَدِمْتُ المَدِينَةَ فَدَخَلْتُ المَسْجِدَ فَإِذَا هُوَ غَاصٌ بِالنَّاسِ، وَإِذَا رَايَاتٌ سُودٌ تَخْفُقُ، وَإِذَا بِلَالٌ مُتَقَلِّدٌ السَّيْفَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ قَالُوا: يُرِيدُ أَنْ يَبْعَثَ عَمْرَو بْنَ العَاصِ وَجْهًا، فَذَكَرَ الحَدِيثَ بِطُولِهِ نَحْوًا مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ بِمَعْنَاهُ. وَيُقَالُ لَهُ: الحَارِثُ بْنُ حَسَّانَ۔

حضرت حارث بن یزید کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا تو وہ کھچا کھچ لوگوں سے بھری ہوئی تھی، اور کالے جھنڈے لہرا رہے تھے، اور بلال نبی کریم ﷺ کے سامنے تلوار لٹکائے (پہرہ دینے کے لئے) کھڑے تھے، میں نے پوچھا: لوگ کی کیا شان ہے (یعنی لوگ کیوں جمع ہیں؟) صحابہ کرام نے کہا: نبی کریم ﷺ عمرو بن عاص کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں، پھر راوی نے سفیان بن عیینہ کی حدیث کی طرح طویل حدیث ذکر کی اور حارث بن یزید کو حارث بن حسان بھی کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ وافد: قاصد، ایلچی۔ علی الخبیر بھا سقطت: یہ جملہ محاورے کے طور پر اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب آدمی کوئی بات کسی ایسے بندے سے پوچھے جسے اس کا صحیح علم ہو، اس صحابی کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اس واقعہ کا علم ہے، لہذا آپ کا واسطہ ایک باخبر اور واقف کار سے پڑا ہے جو آپ کو صحیح واقعہ سنائے گا۔ اقحطت: (صیغہ مجہول) قوم عاد پر قحط پڑا۔ بعثت: قوم عاد نے بھیجا۔ قیل: یہ اس قاصد کا نام ہے جسے قوم عاد نے بیت اللہ بھیجا تھا اور جسے اس حدیث میں "وافد عاد" سے ذکر کیا گیا ہے، غنته: اس کے سامنے گانا گاتیں۔ الجرادتان: وہ دو باندیاں جو اپنے حسن و جمال کی رعنائیوں اور گیت گانوں کے اعتبار سے اس زمانے میں بہت مشہور تھیں، جبال مهرة: مہرہ کے پہاڑ، اور مہرہ بن حیران ایک شخص کا نام ہے جو اس قبیلے کا بڑا تھا، اسی کے نام سے قبیلہ اور پہاڑ موسوم ہیں۔ فأداويه: کہ میں اس مریض کا علاج کروں۔ فأفاديه: کہ میں اس قیدی کا فدیہ دوں۔ ما كنت مسقيه: وہ چیز کہ جس سے تو اس بندے کو سیراب کیا کرتا تھا، یعنی جس طرح پہلے بارش برستی تھی اب بھی برسادے۔ سحابات: سحابة کی جمع ہے: بادل کے ٹکڑے، بدلیاں۔ خذها رمادا رمددا: "ها" ضمیر سیاہ بدلی کی طرف لوٹ رہی ہے، اور رمادا اس کا بیان ہے، رماد کے معنی راکھ کے ہیں، اس میں مزید مبالغے کے لئے رمدد کو ذکر کیا جس طرح لیل کے ساتھ الیل، (شدید تاریکی

کے لئے) اور یوم کے لئے الیوم اس کی شدید سفیدی کو بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح یہاں رماد کے ساتھ رمدد (را کے نیچے زیر اور میم ساکن اور پہلے دال کے نیچے زیر) کو ذکر کیا، اس کے معنی ہیں: تم اس کالی بدلی کو لے لو یعنی بہت باریک جلی ہوئی راکھ کو لے لو، مراد اس سے آگ کا عذاب ہے، الریح العقیم: ہر بہتری اور خیر سے وہ ہوا بانجھ تھی یعنی محروم تھی۔ کالرمیم: جیسے گل کر چورہ چورہ ہو، ریزہ ریزہ ہو۔ غاص بالناس: مسجد نبوی لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ رایات: رایۃ کی جمع ہے: جھنڈے۔ سود: سوداء کی جمع ہے: سیاہ۔ تخفق: لہرا رہے تھے۔ متقلد السیف: تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے۔ وجھا: کسی طرف، کسی جانب۔

''وافد عاد'' کا قصہ

حضرت حارث بن یزید بکری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ وافد عاد کا ذکر ہوا تو حارث نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں وافد عاد کی طرح ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وافد عاد کا کیا قصہ ہے؟ اس پر حضرت حارث نے کہا کہ آپ نے یہ قصہ ایک ایسے بندے سے پوچھا ہے جو اس کو صحیح جاننے والا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ قوم عاد نے جب اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی بات نہ مانی، اپنی سرکشی پر ہی ڈٹے رہے، تو اللہ تعالی نے ان پر قحط مسلط کر دیا، تین سال تک کوئی بارش نہ ہوئی، لوگ بہت تنگ ہو گئے، کفر کے باوجود ان کے ہاں یہ طریقہ چلا آرہا تھا کہ ایسے موقع پر بیت اللہ حاضر ہوتے اور یہاں آکر آہ وزاری کر کے اللہ تعالی سے اپنی مشکل کو دور کرنے کی دعا مانگتے، اب کی بار بھی قوم عاد نے سوچا کہ کچھ لوگوں کو حرم میں بھیجا جائے تاکہ اس مصیبت سے خلاصی ہو جائے، اس کے لئے انہوں نے ''قیل بن عنز'' نامی آدمی کی نگرانی میں چند بندوں کو مکہ بھیجا، ایک قول کے مطابق یہ قافلہ ستر افراد پر مشتمل تھا جن کے سردار ''قیل بن عنز'' تھے، حدیث میں ''وافد عاد'' سے قیل بن عنز ہی مراد ہے،

یہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچ کر حرم سے باہر معاویہ بن بکر کے ہاں ٹھہرے، ''قیل'' اور معاویہ کے درمیان کچھ رشتہ داری بھی تھی، اس وقت مکہ میں عمالقہ رہتے تھے، جن کے سردار معاویہ بن بکر تھے، اس وفد نے معاویہ کے پاس ایک مہینہ قیام کیا، اس دوران وہ ان کو شراب پلاتا رہا، اور اس کی دو باندیاں تھیں جو بہت زیادہ حسین وجمیل اور گلوکارہ تھیں، وہ انہیں گیت سناتی تھیں، ان لوگوں کو یہاں کا قیام بڑا اچھا معلوم ہوا، رخصت ہونے کا یہ لوگ نام ہی نہ لیتے یہاں تک کہ معاویہ تنگ ہو گیا، وہ خود براہ راست کہہ بھی نہیں سکتا تھا، اس نے ان باندیوں کے ذریعہ اشعار میں انہیں جانے کی طرف توجہ دلائی، تو پھر انہوں نے سوچا کہ ہماری قوم قحط سے مر رہی ہے، اور ہم یہاں آکر بیٹھ ہی گئے، بیت اللہ جا کر دعا نہیں کی۔

پھر قیل جبال مہرہ کے ارادے سے نکلا، جبال مہرہ سے بیت اللہ کے قریب کے پہاڑ مراد ہیں، مراد یہ ہے کہ بیت اللہ کے ارادے سے نکلا اور اس وقت طوفان نوح کی وجہ سے بیت اللہ کی جگہ بھی صحیح معلوم نہیں تھی، بس ان پہاڑوں یعنی جبال مہرہ کے

پاس آکر دعا کر لی جاتی تھی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر ثانی کی، بہرحال اس نے وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کے نتیجے میں آسمان پر تین قسم کے بادل آئے، سفید، سرخ اور سیاہ، اور اسے غائب سے کہا گیا کہ ان تین قسم کے بادلوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو، چنانچہ اس نے ان میں کالا بادل منتخب کیا یہ سوچ کر کہ اس میں زیادہ پانی ہے، اس انتخاب کے بعد اسے کہا گیا کہ تم نے ایک ایسی جلی ہوئی راکھ کو اختیار کیا ہے یعنی آگ کو جو قوم عاد کے کسی فرد کو نہیں چھوڑے گی، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔

تو اس حدیث میں ''وافد عاد'' سے قیل بن عنز مراد ہے، پھر یہ جملہ ''لا تکن مثل وافد عاد'' عرب کے محاورے میں مثال کے طور پر استعمال ہونے لگا ہر اس شخص کے لئے جو اپنے لئے ہلاکت اور تباہی کے راستے کو اختیار کرے حالانکہ اگر وہ چاہتا تو وہاں سے خیر اور امن وسلامتی بھی حاصل کر سکتا تھا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن عاص کو ایک غزوے کے لئے بھیج رہے تھے، اس غزوے سے غزوہ ذات السلاسل مراد ہے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُوْرَةِ الطُّوْرِ

یہ باب سورہ طور کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِدْبَارُ النُّجُومِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ، وَإِدْبَارُ السُّجُودِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ستاروں کے جانے کے بعد فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعت سنت ہیں اور سجود یعنی مغرب کے فرضوں کے بعد بھی دو سنتیں ہیں۔

فجر اور مغرب کی سنتوں کا ذکر

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت کی تفسیر فرمائی کہ ادبار النجوم سے فجر کی سنتیں اور ادبار السجود سے مغرب کے فرضوں کے بعد کی دو سنتیں مراد ہیں، اس سے ان سنتوں کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا انہیں اہتمام سے ادا کرنا چاہیے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کی سند کے بارے میں کلام کیا کہ یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف محمد بن فضل کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں، اور وہ رشدین بن کریب سے نقل کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے ان دونوں حضرات کے بارے میں امام بخاری سے پوچھا کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ ثقہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ دونوں قریب قریب ہیں، لیکن

(۱) الکوکب الدری ۴/۲۷۷

محمد بن فضل میرے نزدیک زیادہ راجح ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ان دونوں کے بارے میں عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ دونوں ایک جیسے ہیں لیکن رشدین بن کریب میرے نزدیک زیادہ راجح ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے جو امام دارمی نے کہا ہے، رشدین، محمد سے زیادہ راجح اور بڑے ہیں، چنانچہ رشدین نے ابن عباس کا زمانہ پایا ہے اور انہیں دیکھا ہے (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ وَالنَّجْمِ

یہ باب سورہ نجم کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: لَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى، قَالَ: انْتَهَى إِلَيْهَا مَا يَعْرُجُ مِنَ الأَرْضِ وَمَا يَنْزِلُ مِنْ فَوْقٍ. قَالَ: فَأَعْطَاهُ اللَّهُ عِنْدَهَا ثَلَاثًا لَمْ يُعْطِهِنَّ نَبِيًّا كَانَ قَبْلَهُ، فُرِضَتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ خَمْسًا، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَ لِأُمَّتِهِ الْمُقْحِمَاتُ مَا لَمْ يُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: {إِذْ يَغْشَى} [النجم: 16] السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى قَالَ: السِّدْرَةُ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، قَالَ سُفْيَانُ: فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ، وَأَشَارَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ فَأَرْعَدَهَا، وَقَالَ غَيْرُ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ: إِلَيْهَا يَنْتَهِي عِلْمُ الْخَلْقِ لَا عِلْمَ لَهُمْ بِمَا فَوْقَ ذَلِكَ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شب معراج میں) سدرۃ المنتہی تک پہنچے، ابن مسعود کہتے ہیں کہ سدرۃ المنتہی تک ہی وہ چیز (یعنی اعمال وارواح) پہنچتے ہیں، جو زمین سے اوپر کو جاتے ہیں اور اسی تک وہ (وحی اور احکام) پہنچتے ہیں جو اوپر (یعنی عرش رحمن) سے نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین ایسی چیزیں عطا کیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں، اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں عطا کی گئیں، اور آپ کی امت کے تمام کبیرہ گناہ بخش دیئے گئے جب تک کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں،

پھر ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی: ''اذ یغشی السدرۃ ما یغشی'' (اس وقت اس بیر کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو بھی اس پر چھائی ہوئی تھیں) فرماتے ہیں کہ سدرہ (یعنی بیری کا درخت) چھٹے آسمان پر ہے، سفیان کہتے ہیں کہ وہ چھا جانے والی چیز سونے کے پروانے تھے اور پھر ہاتھ ہلا کر بتایا کہ اس طرح وہ اڑ رہے تھے، مالک بن مغول کے علاوہ دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ سدرہ تک ہی مخلوق کا علم پہنچتا ہے، اس سے اوپر کا ان کو کوئی علم نہیں،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۱۵۴

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان باب من سدرۃ المنتہی، سنن نسائی، کتاب الصلاۃ باب فرض الصلاۃ

عَنْ الشَّيْبَانِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ، عَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: {فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى} [النجم: 9] فَقَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُودٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ وَلَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ(۱)۔

حضرت شیبانی یعنی ابو اسحاق سلیمان بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے زر بن حبیش سے: "فکان قاب قوسین أو أدنى" (یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک) کی تفسیر پوچھی تو فرمایا کہ ابن مسعود نے مجھے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے جبرائیل کو دیکھا، ان کے چھ سو پر ہیں۔

عَنْ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: لَقِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَكَبَّرَ حَتَّى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّا بَنُو هَاشِمٍ، فَقَالَ كَعْبٌ: إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهُ وَكَلَامَهُ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوسَى، فَكَلَّمَ مُوسَى مَرَّتَيْنِ، وَرَآهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ. قَالَ مَسْرُوقٌ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ؟ فَقَالَتْ: لَقَدْ تَكَلَّمْتَ بِشَيْءٍ قَفَّ لَهُ شَعْرِي، قُلْتُ: رُوَيْدًا ثُمَّ قَرَأْتُ {لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى} [النجم: 18]، قَالَتْ: أَيْنَ يُذْهَبُ بِكَ؟ إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ، مَنْ أَخْبَرَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ، أَوْ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أُمِرَ بِهِ، أَوْ يَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ} [لقمان: 34] فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ، وَلَكِنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ، لَمْ يَرَهُ فِي صُورَتِهِ إِلَّا مَرَّتَيْنِ: مَرَّةً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَمَرَّةً فِي جِيَادٍ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ(۲)۔

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے میدان عرفات میں کعب احبار سے ملاقات کی، ابن عباس نے کعب سے ایک چیز کے بارے میں پوچھا تو کعب نے تکبیر کہی یہاں تک کہ پہاڑ بھی ان کی آواز کے ساتھ گونجنے لگے، ابن عباس نے کہا: ہم بنو ہاشم ہیں، کعب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کلام اور اپنے دیدار کو محمد ﷺ اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کیا، چنانچہ موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ کلام کیا اور محمد ﷺ نے اللہ جل جلالہ کا دو مرتبہ دیدار کیا۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ وہ فرمانے لگیں: تم نے ایسی بات کی ہے جس پر میرے (جسم کا) رواں رواں کھڑا ہو گیا ہے، میں نے عرض کیا: ذرا ٹھہریئے (جلدی نہ کریں) پھر میں نے یہ آیت پڑھی: "لقد رأى من ايات ربه الكبرى" (سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا) فرمانے لگیں: تمہیں کہاں لے جایا گیا (یعنی تمہاری عقل کہاں گئی ہے) وہ تو جبرائیل ہیں، جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا آپ ﷺ نے (امت سے) ایسی کوئی چیز چھپائی ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یا یہ کہ نبی کریم ﷺ ان پانچ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب فکان قاب قوسین

(۲) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب فکان قاب قوسین

چیزوں کو جانتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے: "إن الله عنده علم الساعة ـــ" (یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی نفس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی نفس کو یہ پتہ ہے کہ وہ کونسی زمین پر مرے گا، بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے) تو اس نے واقعی بڑا جھوٹ بنایا ہے، البتہ آپ ﷺ نے جبرائیل کو دیکھا ہے، اور انہیں بھی ان کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ مقام جیاد میں کہ ان کے چھ سو پر ہیں جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا ہے۔

عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ، قُلْتُ: أَلَيْسَ اللَّهُ يَقُولُ: {لَا تُدْرِكُهُ الأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الأَبْصَارَ} [الأنعام:103] قَالَ: وَيْحَكَ، ذَاكَ إِذَا تَجَلَّى بِنُورِهِ الَّذِي هُوَ نُورُهُ، وَقَدْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ.

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھے فرمایا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، میں نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے: "لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار" (نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے) ابن عباس نے فرمایا: تیرا برا ہو، یہ تو اس وقت ہے جب اللہ جل جلالہ اپنے اس نور کے ساتھ ظاہر ہو جو نور کہ اس کا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ نے تو اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِ اللَّهِ: {وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى} [النجم:14] {فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى} [النجم:10] {فَكَانَ قَابَ} قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْ رَآهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عبداللہ بن عباس اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات: "ولقد رآه نزلة أخرى، عند سدرة المنتهى ـــ" (اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے، اس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے، اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی وہ نازل فرمائی، یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل جلالہ کو دیکھا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، {مَا كَذَبَ الفُؤَادُ مَا رَأَى} [النجم:11] قَالَ: رَآهُ بِقَلْبِهِ.

حضرت عبداللہ بن عباس: "ما كذب الفؤاد ما رأى" (جو کچھ انہوں نے دیکھا دل نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا ہے،

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ: لَوْ أَدْرَكْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: عَمَّا كُنْتَ تَسْأَلُهُ، قُلْتُ: أَسْأَلُهُ هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ؟ فَقَالَ: قَدْ سَأَلْتُهُ فَقَالَ: نُورٌ، أَنَّى أَرَاهُ(۱).

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الايمان باب في قوله: نور أنى أراه

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر سے عرض کیا: اگر میں نبی کریم ﷺ کو پاتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا، ابوذر نے فرمایا کہ کس چیز کے بارے میں تم سوال کرتے؟ وہ کہنے لگے کہ میں پوچھتا کہ کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ ابوذر نے فرمایا: میں نے اس بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا تھا، آپ نے جواب میں فرمایا: وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، {مَا كَذَبَ الفُؤَادُ مَا رَأَى} [النجم: 11] قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلَ فِي حُلَّةٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَأَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ(۱)۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ "ما کذب الفواد ما رأی" کی تفسیر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل کو باریک ریشم کے لباس میں دیکھا، جنہوں نے آسمان وزمین کی درمیانی فضا کو بھر دیا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ: ۔ **سدرة المنتهى:** "سدرہ" بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور "منتہیٰ" کے معنیٰ ہیں "انتہاء کی جگہ" ساتویں آسمان پر عرش رحمن کے نیچے بیری کا یہ درخت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتلایا ہے، دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا گیا ہے کہ اس درخت کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں، عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے، اسی لئے اس کو "منتہیٰ" کہتے ہیں۔ اور ترمذی کی مذکورہ روایت میں عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ احکام الٰہی اولاً عرش رحمن سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں، پھر یہاں سے متعلقہ فرشتوں کو سپرد کئے جاتے ہیں، اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال اور ارواح بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں پھر وہاں سے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کی اور کوئی صورت ہوتی ہے۔

ما يعرج: جو اوپر چڑھتے ہیں۔ **خواتيم:** خاتمہ کی جمع ہے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں، امن الرسول سے آخر سورت تک۔ **مقحمات:** مقحمة کی جمع ہے: کبیرہ گناہ جو انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ **يغشى:** چھا جائے گی۔ **فراش:** (فاء پر زبر) فراشة کی جمع ہے: تتلیاں۔ **ازعدها:** اس ہاتھ کو ہلایا۔ **قاب:** اس فاصلے کو کہتے ہیں جو کمان کے قبضہ یعنی پکڑنے کے دستہ اور کمان کی تانت یعنی ڈور کے درمیان ہوتا ہے جو تقریباً ایک ہاتھ کے برابر ہوتا ہے، **قوسين:** قوس کی تثنیہ ہے، کمان، آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرائیل کے درمیان ایک کمان کے دو قاب کے برابر فاصلہ تھا یعنی ایک کمان کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔ **حتى جاوبته الجبال:** یہاں تک کہ پہاڑ بھی ان کی آواز سے گونجنے لگے، صدائے بازگشت۔ **قف له شعري:** اس بات کی وجہ سے میرے بال کھڑے ہو گئے، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے میرا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ **اين يذهب بك:** (اس کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے) تم کو کہاں لے جایا گیا یعنی تمہاری عقل کہاں گئی، معروف کی صورت میں ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تمہیں کہاں لے گیا یعنی اس آیت کے معنیٰ سمجھنے میں تم سے غلطی ہو گئی۔ **اعظم:** بڑا بنایا۔ **فرية:** (فا کے نیچے زیر اور را

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فکان قاب قوسین

ساکن) جھوٹ۔ جیاد: مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ سد الافق: اس نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ تجلی: ظاہر ہو۔ حلة: (حاء پر پیش، لام پر تشدید اور زبر) پوشاک، لباس، جوڑا۔ رفرف: باریک ریشم۔

معراج کے موقع پر رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے سورہ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں شب معراج کے موقع پر آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہی کے پاس جو کچھ دیکھا ہے، اس کا ذکر ہے، اس بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، ابوذر غفاری، زر بن حبیش اور جمہور علماء کے نزدیک نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو براہ راست نہیں بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوسری بار ان کو اصلی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے، پہلی بار دنیا میں انہیں دیکھا ہے، اس تفسیر کے اعتبار سے شدید القوی، "ذو مرۃ" یہ سب جبرائیل امین کی صفات ہوں گی،

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس، انس اور کعب احبار کے نزدیک راجح یہ ہے کہ معراج کے موقع پر آپ ﷺ نے اللہ کو براہ راست دیکھا ہے، اس معنیٰ کے لحاظ سے مذکورہ تمام صفات یعنی شدید القوی، ذو مرۃ، فاستوی اور دنی فتدلی۔ سب اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال ہوں گے۔

اور کعب احبار کی نظر میں تو معراج کے موقع پر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا دو بار دیدار کیا ہے، وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: "ولقد راہ نزلة أخری" جبکہ جمہور کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل کو دوسری بار ان کی اصلی صورت کے ساتھ دیکھا ہے۔

مذکورہ احادیث کے بعض جملوں کی تشریح:

وغفر لامته المقحمات، شرک کے علاوہ ہر قسم کے کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے امت کے بعض افراد مراد ہیں کہ ان کے کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جبکہ عام امت کے افراد اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر بالآخر اللہ کے فضل سے جنت میں داخل ہوں گے۔

قال سفیان: فراش من ذھب، یہ ما یغشی کی تفسیر کر رہے ہیں کہ وہ چھا جانے والی چیز سونے کے پروانے ہوں گے اور ہاتھ سے اشارہ کر کے ان کے اڑنے کی کیفیت بیان کی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لاتعداد فرشتے سونے کے پروانوں کی شکل میں اس درخت پر نبی کریم ﷺ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ فسأله عن شیء، اس سے یہ سوال مراد ہے کہ آیا آپ علیہ السلام نے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

فکبر حتی جاوبته الجبال، فقال ابن عباس انا باھاشم۔ کعب احبار نے حضرت عبداللہ بن عباس کے سوال پر

تکبیر کہی اتنی بلند آواز سے کہ پہاڑوں میں بھی صدائے بازگشت ہونے لگی، انہوں نے تکبیر کیوں کہی؟

شارحین حدیث نے اس میں تین احتمال ذکر کئے ہیں:

۞ انہوں نے یہ سوال مستبعد اور ناممکن سمجھا، اس لئے انہوں نے تکبیر کہی، اس پر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں جو اہل علم ہیں اس لئے ہم کوئی محال قسم کا سوال نہیں کرتے پھر حضرت کعب نے ان کے جواب میں غور کیا۔

۞ تکبیر کہہ کر وہ کسی اور کام میں مشغول ہو گئے، جواب کی طرف توجہ نہ کی تو ابن عباس نے کہا کہ ہم اپنے سوال سے غافل نہیں، ہمیں اپنا سوال یاد ہے، اس لئے آپ ہمیں ضرور جواب دیں(۱)۔

۞ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک انہوں نے یہ تکبیر خوش ہو کر کہی ہے، کیونکہ ان کا موقف بھی رویت باری کے بارے میں ابن عباس کی طرح ہے کہ آپ ﷺ نے شب معراج میں اللہ کا دیدار کیا ہے۔(۲)

قال: زاه بقلبه، ابن عباس سے دو قسم کی روایتیں منقول ہیں بعض میں تو مطلق دیکھنے کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ جل شانہ کو دیکھا ہے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے نگاہ دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلق روایات بھی مقید روایات پر محمول ہیں، معنیٰ یہ ہیں کہ ابن عباس کے نزدیک دل کی نظر سے دیکھنا مراد ہے۔

ذلک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دیدار کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، نفس رویت کی نفی نہیں بلکہ احاطہ کی نفی مراد ہے۔

فقال نور أنی أراہ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے:

۱۔ نور أنی (ہمزے پر زبر، نون پر تشدید اور کھڑی زبر) اراہ: اللہ جل شانہ تو ایک نور ہے میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں۔

۲۔ نورانی اراہ وہ نورانی ہے بھلا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟ دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہے کہ میں اسے اس دنیا میں کہاں دیکھ سکتا ہوں(۳)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، {الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الإِثْمِ وَالفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ} [النجم:32] قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ تَغْفِرِ اللَّهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا، وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ لَا أَلَمَّا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم" (وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ) کی تفسیر

---

(۱) الکوکب الدری ۲۸۴/۴

(۲) العرف الشذی علی حاشیۃ الترمذی ۱۶۳/۲

(۳) فتح الباری ۷۸۲/۸ کتاب التفسیر باب،

میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ اگر تو بخشنا چاہے تو سب ہی گناہ بخش سکتا ہے، اور تیرا کون سا ایسا بندہ ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو،

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جما: بڑے بڑے گناہ۔ لا الما: الم فعل ماضی کا صیغہ ہے، اس کے ساتھ آخر میں وزن شعر کی وجہ سے الف بڑھادیا گیا ہے، معنی یہ ہیں: گناہ نہ کیا ہو۔

''لمم'' کی تفسیر

''لمم'' کی تفسیر میں صحابہ وتابعین سے دوقول منقول ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ''لمم'' سے صغیرہ گناہ مراد ہیں، یہ خود ہی نیکی سے معاف ہوتے رہتے ہیں جبکہ انسان کبیرہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو۔

۲۔ ''لمم'' سے وہ گناہ مراد ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر کبھی سرزد ہو گیا ہو اور پھر اس سے دل سے توبہ کر لی ہو، اور توبہ کے بعد پھر دوبارہ وہ گناہ نہ کیا ہو، لہٰذا اس قول کے مطابق اگر کسی نیک آدمی سے کبھی اتفاقاً گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا اور اس نے سچی توبہ کر لی تو یہ شخص بھی صالحین اور متقین کی فہرست سے خارج نہیں ہوگا(۱)۔

حدیث میں آپ ﷺ نے امیہ بن صلت کا شعر ذکر کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یا اللہ تو بڑے بڑے گناہ معاف کر سکتا ہے، اور صغیرہ گناہوں سے تو کوئی بندہ محفوظ نہیں،

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْقَمَرِ

یہ باب سورۂ قمر کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَانْشَقَّ الْقَمَرُ فَلْقَتَيْنِ: فَلْقَةٌ مِنْ وَرَاءِ الْجَبَلِ، وَفَلْقَةٌ دُونَهُ، فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اشْهَدُوا - يَعْنِي - {اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ} [القمر:1](۲).

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ (آپ ﷺ کے معجزے سے) چاند دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے یعنی اوپر اور دوسرا پہاڑ کے نیچے، پھر آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا: گواہ رہنا یعنی نبی کریم ﷺ اس سے یہ مراد لیتے تھے: ''اقتربت الساعۃ'' (قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا)۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۳۵/۶۔۳۴، مکتبہ فاروقیہ پشاور

(۲) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب سوال المشرکین، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: سَأَلَ أَهْلُ مَكَّةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةً، فَانْشَقَّ القَمَرُ بِمَكَّةَ مَرَّتَيْنِ، فَنَزَلَتْ {اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ القَمَرُ} [القمر:1]- إِلَى قَوْلِهِ- {سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ} [القمر:2] يَقُولُ: ذَاهِبٌ(۱)۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ مکہ والون نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا تو مکہ میں چاند دومرتبہ پھٹا (یعنی اس کے دوٹکڑے ہوگئے) پھر یہ آیات: "اقتربت الساعۃ" سے "سحر مستمر" تک نازل ہوئیں (یعنی قیامت نزدیک آگئی، اور چاند پھٹ گیا، اور یہ لوگ اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے)۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: انْشَقَّ القَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اشْهَدُوا.

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دوٹکڑے ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہنا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: انْفَلَقَ القَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اشْهَدُوا.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دوٹکڑے ہوگیا تو آپ نے فرمایا: گواہ رہنا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: انْشَقَّ القَمَرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى صَارَ فِرْقَتَيْنِ: عَلَى هَذَا الجَبَلِ، وَعَلَى هَذَا الجَبَلِ، فَقَالُوا: سَحَرَنَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَئِنْ كَانَ سَحَرَنَا فَمَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْحَرَ النَّاسَ كُلَّهُمْ۔

حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں چاند پھٹا اور اس کے دوٹکڑے ہوگئے، ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا اس پہاڑ پر، اس پر کفار کہنے لگے کہ محمد نے ہم پر جادو کردیا ہے، بعض نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کردیا ہے تو وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ سب ہی لوگوں پر جادو کردے(۲)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ مُشْرِكُو قُرَيْشٍ يُخَاصِمُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي القَدَرِ فَنَزَلَتْ {يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ} [القمر:49]۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین قریش تقدیر کے متعلق جھگڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی: "یوم یسحبون ـــ" (جس دن یہ لوگ اپنے منہ کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، تو

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب سوال المشرکین، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب

(۲) مسند احمد ۸۱/۴

ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو، ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے مطابق پیدا کی ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ انشق القمر: چاند پھٹ گیا، دو ٹکڑے ہو گیا۔ فلقة: (فا کے نیچے زیر اور لام ساکن): ٹکڑا۔ یخاصمون: بحث مباحثہ اور جھگڑ رہے ہیں۔

شق قمر کا واقعہ ایک مرتبہ پیش آیا

شق قمر کا واقعہ، اس کی تفصیل اور اس واقعے پر ہونے والے اعتراضات کے جواب، ابواب الفتن، باب ما جاء فی انشقاق القمر میں گذر چکے ہیں، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم دیکھئے، البتہ اتنی بات کی تصریح ضروری ہے کہ شق قمر کا واقعہ صحیح روایات کے مطابق صرف ایک ہی مرتبہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا ہے، دو مرتبہ پیش نہیں آیا، اس لئے ترمذی کی مذکورہ روایت میں جو مرتین (دو بار) کا لفظ ہے اس سے فلقتین یعنی چاند کے دو ٹکڑے مراد ہیں، اس سے یہ مراد نہیں کہ شق قمر کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے (۱)۔

اس سورت کی آخری حدیث: جاءت مشرکو قریش۔ ابواب القدر کے آخری باب میں گذر چکی ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد اوّل دیکھ لیجئے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الرَّحْمَنِ

یہ باب سورہ رحمن کے بارے میں ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَصْحَابِهِ، فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُورَةَ الرَّحْمَنِ مِنْ أَوَّلِهَا إِلَى آخِرِهَا فَسَكَتُوا، فَقَالَ: لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوا أَحْسَنَ مَرْدُودًا مِنْكُمْ، كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلَى قَوْلِهِ {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} [الرحمن: 13] قَالُوا: لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ.

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے، اور ان کے سامنے سورہ رحمن کی شروع سے آخر تک یعنی پوری سورت تلاوت فرمائی، صحابہ خاموش رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے لیلۃ الجن میں جنات پر یہ سورت پڑھی تو ان لوگوں نے تم سے بہتر جواب دیا، چنانچہ میں جب فبأي آلاءِ ربكما تكذبان پڑھتا تو وہ کہتے: اے ہمارے رب ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلاتے اور ہر قسم کی تعریف تو تیرے لئے ہی ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۶/ ۱۴۰، کتاب صفة القيامة باب انشقاق القمر

سورہ رحمن سن کر جنات کا بہترین جواب

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے سامنے سورہ رحمن کی تلاوت کی تو وہ خاموشی سے سنتے رہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے اعتبار سے وہ تم سے بہتر رہے کیونکہ میں جب قرآن کریم کے اس جملے پر پہنچتا تھا: فبأی الاء ۔۔ تو جنات سب کے سب بول اٹھتے تھے: "لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد" اے ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی بھی نعمت کی تکذیب و ناشکری نہیں کرتے، آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی جب تلاوت کی جائے تو اس کے بعد یہ جملہ پڑھنا نہایت پسندیدہ ہے جو جملہ جنات نے پڑھا تھا۔

زہیر بن محمد

امام احمد فرماتے ہیں کہ زہیر بن محمد جن سے اہل شام روایت کرتے ہیں یہ وہ زہیر نہیں جن سے اہل عراق روایت کرتے ہیں، گویا زہیر بن محمد شامی رجل آخر ہے جس کے نام کو تبدیل کر کے زہیر بن محمد نقل کر دیا ہے، یہ ضعیف ہے، اور زہیر بن محمد جن سے اہل عراق روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں، چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اہل شام زہیر سے منکر احادیث اور اہل عراق صحیح احادیث روایت کرتے ہیں (۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْوَاقِعَةِ

یہ باب سورہ واقعہ کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُولُ اللهُ: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} [السجدة: 17] وَفِي الجَنَّةِ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا، وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ، {وَظِلٍّ مَمْدُودٍ} [الواقعة: 30] وَمَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الغُرُورِ}

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۷۰/۹

[آل عمران:185](۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیز (یعنی جنت) تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے نہ کسی کان نے (اس کے متعلق) سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا ہے، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: "فلا تعلم نفس" (چنانچہ کسی انسان کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے) اور جنت میں ایک درخت ہے، اس کے سائے میں کوئی سوار سو سال چلتا رہے تو بھی اسے طے نہ کر سکے، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: "و ظل ممدود" (اور طویل سایہ ہے) اور جنت میں ایک کوڑے کے بقدر جگہ، دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: "فمن زحزح عن النار" (پھر جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہوگیا، اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں)۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ فِي الجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا، وَاقْرَأُوا إِنْ شِئْتُمْ: {وَظِلٍّ مَمْدُودٍ وَمَاءٍ مَسْكُوبٍ} [الواقعة:31](۲)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں کوئی سوار سو سال تک چلتا رہے تو بھی وہ اسے طے نہ کر سکے، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: "و ظل ممدود و ماء مسکوب" (اور دور تک پھیلے ہوئے سائے میں، اور بہتے ہوئے پانی میں)۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ} [الواقعة:34] قَالَ: ارْتِفَاعُهَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، وَمَسِيرَةُ مَا بَيْنَهُمَا خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے: فرش مرفوعہ (اور اہل جنت کے لئے اونچے بچھونے ہوں گے) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ان کی بلندی ایسی ہوگی جیسے آسمان وزمین کے درمیان ہے اور دونوں کے درمیان کی مسافت پانچ سو برس کے بقدر ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس بلندی سے "درجات" مراد ہیں، اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فلا تعلم نفس ما أخفی لهم من قرة أعين

(۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ما جاء فی صفة الجنة

جنت کی نعمتوں کا ذکر

مذکورہ احادیث میں جنت کی کچھ نعمتوں کا ذکر ہے، ان میں سے پہلی دو احادیث کی تشریح ابواب صفۃ الجنۃ کے باب ما جاء فی صفۃ شجر الجنۃ میں گذر چکی ہے، اور تیسری حدیث کی تشریح باب ما جاء فی صفۃ ثیاب أھل الجنۃ میں گذر چکی ہے، اس کی تفصیل معارف ترمذی جلد دوم میں دیکھ لی جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ} [الواقعة: 82] قَالَ: شُكْرَكُمْ، تَقُولُونَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا وَبِنَجْمِ كَذَا وَكَذَا(۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "و تجعلون رزقکم انکم تکذبون" (اورتم نے اسی کو اپنا روزگار بنالیا ہے کہ اس کو جھٹلاتے رہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے رزق کا شکر تکذیب کے ساتھ کرتے ہو کہ ہم پر فلاں اور فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی۔

تشریح: اس حدیث میں کفار کی طرف سے اللہ کی نعمت کی ناشکری اور تکذیب کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضل سے بارش برساتے تو وہ پھر یوں کہنا شروع ہوجاتے کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، اللہ کے فضل کا اقرار نہیں کرتے تھے، "رزق" سے بارش مراد ہے(۲)۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً} [الواقعة: 35] قَالَ: إِنَّ مِنَ الْمُنْشَآتِ اللَّائِي كُنَّ فِي الدُّنْيَا عَجَائِزَ عُمْشًا رُمْصًا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ: "انا انشأناھن انشاءا" (یقیناً ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے) کی تفسیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: خاص طور پر بنائی جانے والی عورتیں وہ ہیں جو دنیا میں ایسی بوڑھی تھیں جو چندھی (یعنی کمزور نگاہ والی) اور ایسی جن کے گوشۂ چشم میں آنکھ کی سفید میل جمع ہوجاتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ منشات: منشیۃ کی جمع ہے: خاص طور پر بنائی جانے والی عورتیں۔ عجائز: عجوز کی جمع ہے بوڑھی عورت۔ عمش: (عین پر پیش اور میم پر پیش اور سکون کے ساتھ) عمشاء کی جمع ہے: چوندھی، کمزور نگاہ والی جس کے اکثر آنسو بہتے رہتے ہوں۔ رمص: رمصاء کی جمع ہے: وہ عورت جس کے گوشۂ چشم میں آنکھ کی سفید میل جمع ہوجاتی ہو۔

---

(۱) مسند احمد ۷۹/۱

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۷۳/۹

جنتی عورتوں کی تخلیق ایک خاص انداز سے

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جنت کی عورتوں کی پیدائش ایک خاص انداز سے کی ہے، یہ خاص انداز حوران جنت کے لئے تو اس طرح ہے کہ انہیں جنت میں ہی بغیر ولادت کے پیدا کیا گیا ہے، اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں جائیں گی ان کی خاص تخلیق کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو عورت دنیا میں بدشکل، سیاہ رنگ یا بوڑھی تھی اب اس کو حسین شکل وصورت میں جوان کردیا جائے گا اور جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں اس آیت کی تفسیر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورتیں دنیا میں بوڑھی، چندھی اور میلی آنکھوں والی ہوں گی، انہیں اس نئی تخلیق میں حسین وجمیل اور نوجوان بنادیا جائے گا(۱)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَارَسُولَ اللهِ قَدْ شِبْتَ، قَالَ: شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ تو بوڑھے ہوگئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کردیا ہے۔

ان سورتوں نے مجھے بوڑھا کردیا

نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک میں صرف چودہ بال سفید تھے، لیکن جب صدیق اکبر نے آپ کی طبیعت میں ضعف کے آثار محسوس کئے، تو عرض کیا کہ آپ تو بوڑھے ہوگئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے، ان میں جہنم کی ہولناکیوں اور قیامت کے احوال کا ذکر ہے، خاص طور پر سورہ ہود میں گذشتہ امتوں کے واقعات اور ان پر سرکشی کی وجہ سے عذاب کے آنے کا ذکر ہے، نیز اس میں ایک آیت ہے یعنی "فاستقم کما أمرت ـــ" اس میں آپ کو اس استقامت پر رہنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا(۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْحَدِيدِ

یہ باب سورۃ الحدید کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَأَصْحَابُهُ إِذْ أَتَى عَلَيْهِمْ سَحَابٌ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا هٰذَا؟ فَقَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: هٰذَا الْعَنَانُ هٰذِهِ رَوَايَا الْأَرْضِ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۶/۹۶/ط: پشاور، تحفۃ الاحوذی ۹/۱۷۴

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۱۷۵

يَسُوقُهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى قَوْمٍ لَا يَشْكُرُونَهُ وَلَا يَدْعُونَهُ ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا فَوْقَكُمْ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا الرَّقِيعُ، سَقْفٌ مَحْفُوظٌ، وَمَوْجٌ مَكْفُوفٌ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ. ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا فَوْقَ ذَلِكَ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ فَوْقَ ذَلِكَ سَمَاءَيْنِ، مَا بَيْنَهُمَا مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ، مَا بَيْنَ كُلِّ سَمَاءَيْنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا فَوْقَ ذَلِكَ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ فَوْقَ ذَلِكَ العَرْشَ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءَيْنِ. ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا الَّذِي تَحْتَكُمْ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا الأَرْضُ. ثُمَّ قَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا الَّذِي تَحْتَ ذَلِكَ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ تَحْتَهَا أَرْضًا أُخْرَى، بَيْنَهُمَا مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ حَتَّى عَدَّ سَبْعَ أَرَضِينَ، بَيْنَ كُلِّ أَرْضَيْنِ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ. ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الأَرْضِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللَّهِ. ثُمَّ قَرَأَ {هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} [الحديد: 3].

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر ایک بادل گذرا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ زمین کو پانی فراہم کرنے والے بادل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ایسے لوگوں کی طرف بھیجتے ہیں جو اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اسے پکارتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اوپر کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رقیع ہے (یعنی آسمان دنیا ہے) جو ایک محفوظ چھت ہے، اور یہ موج کی طرح بغیر ستون کے معلق ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے،

پھر پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے اوپر دو آسمان ہیں، جن کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسی طرح سات آسمان شمار کرائے، اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے، پھر پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے، اور عرش اور ساتویں آسمان کے درمیان اتنی دوری ہے جتنی کہ دو آسمانوں کے درمیان دوری ہے،

پھر پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں؟ آپ ﷺ

نے فرمایا: یہ زمین ہے، پھر پوچھا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے نیچے دوسری زمین ہے، ان دو زمینوں کے درمیان پانچ سو برس کے بقدر فاصلہ ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ساتوں زمینیں شمار کرائیں، اور بتایا کہ ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو برس کے برابر مسافت ہے،

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے: اگر تم لوگ نچلی زمین کی طرف رسی چھوڑو گے تو وہ اللہ کے پاس اترے گی (یعنی پہنچے گی) پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "ھو الاول والآخر والظاھر والباطن و ھو بکل شیء علیم" (وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ رسی، اللہ کے علم، قدرت اور اس کی حکومت تک پہنچے گی، کیونکہ اللہ کا علم، اس کی قدرت اور اس کی بادشاہت ہر جگہ پر ہے، اور وہ خود عرش پر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔روایا: راویۃ کی جمع ہے: وہ اونٹ اور جانور جس پر پانی لاد کر لایا جائے، ''بادل'' کو بھی ''راویہ'' کہتے ہیں، کیونکہ یہ بھی پانی کو اٹھا کر لاتا ہے اور زمین، باغات اور لوگوں کو سیراب کرتا ہے۔یسوقہ اللہ: اللہ تعالیٰ اس بادل کو بھیجتے ہیں۔ رقیع: یہ آسمان دنیا کا ایک نام ہے: بعض کہتے ہیں کہ ہر آسمان کو رقیع کہتے ہیں اس کی جمع أرقعۃ ہے۔مکفوف: جسے نیچے گرنے اور لٹکنے سے روک دیا جائے، آسمان کو موج کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح موج فضا میں بغیر کسی ستون کے معلق ہوتی ہے، ایسے ہی آسمان بھی بغیر ستونوں کے قائم ہے۔دلیتم: تم لٹکاؤ، چھوڑ دو۔

آسمان وزمین کی وسعتیں

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے آسمان وزمین کی وسعتیں، ان کی تعداد اور ہر دو کے درمیان فاصلہ کا ذکر فرمایا ہے، اس سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی بادشاہت اور غلبہ ثابت ہوتا ہے،

لھبط علی اللہ، اس سے کیا مراد ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی معلومات، اس کی قدرت واختیار کا دائرہ، اور اس کی حکومت وتسلط جس طرح آسمان کی بلندیوں اور وسعتوں کو گھیرے ہوئے ہے اسی طرح اس روئے زمین پر اور زمین کی آخری گہرائیوں تک اس کا علم، اس کی قدرت اور اس کا حکم نافذ ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس کی حکومت اور اس کا علم صرف آسمانوں تک ہی ہے، لہذا آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ اللہ جل شانہ کی قدرت کے آگے آسمانوں کی بلندیاں اور زمینوں کی گہرائیاں اور پستیاں سب برابر ہیں، اور غالباً اسی حقیقت کو

ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ: حضرت یونس علیہ السلام کا معراج، ان کا مچھلی کے پیٹ میں پہنچنا تھا جس طرح آپ ﷺ کو آسمانوں کے اوپر معراج حاصل ہوا، نبی کریم ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں قرآن مجید کی آیت پڑھی "ھو الاول والاخر ــ"، مذکورہ تشریح علماء نے اس آیت کی روشنی میں ذکر کی ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرت وحکومت، اس کا ہمیشہ سے ہونا، ہمیشہ رہنا، اس کا ظاہر اور باطن ہونا ذکر کیا گیا ہے(۱)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْمُجَادَلَةِ

یہ باب سورہ مجادلہ کے بارے میں ہے

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا قَدْ أُوتِيتُ مِنْ جِمَاعِ النِّسَاءِ مَا لَمْ يُؤْتَ غَيْرِي، فَلَمَّا دَخَلَ رَمَضَانُ تَظَاهَرْتُ مِنِ امْرَأَتِي حَتَّى يَنْسَلِخَ رَمَضَانُ فَرَقًا مِنْ أَنْ أُصِيبَ مِنْهَا فِي لَيْلَتِي فَأَتَتَابَعَ فِي ذَلِكَ إِلَى أَنْ يُدْرِكَنِي النَّهَارُ وَأَنَا لَا أَقْدِرُ أَنْ أَنْزِعَ، فَبَيْنَمَا هِيَ تَخْدُمُنِي ذَاتَ لَيْلَةٍ إِذْ تَكَشَّفَ لِي مِنْهَا شَيْءٌ فَوَثَبْتُ عَلَيْهَا، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ غَدَوْتُ عَلَى قَوْمِي فَأَخْبَرْتُهُمْ خَبَرِي فَقُلْتُ: انْطَلِقُوا مَعِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُخْبِرَهُ بِأَمْرِي، فَقَالُوا: لَا وَاللَّهِ لَا نَفْعَلُ، نَتَخَوَّفُ أَنْ يَنْزِلَ فِينَا قُرْآنٌ أَوْ يَقُولَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَةً يَبْقَى عَلَيْنَا عَارُهَا، وَلَكِنْ اذْهَبْ أَنْتَ فَاصْنَعْ مَا بَدَا لَكَ. قَالَ: فَخَرَجْتُ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ خَبَرِي، فَقَالَ: أَنْتَ بِذَاكَ؟ قُلْتُ: أَنَا بِذَاكَ. قَالَ: أَنْتَ بِذَاكَ؟ قُلْتُ: أَنَا بِذَاكَ. قَالَ: أَنْتَ بِذَاكَ؟ قُلْتُ: أَنَا بِذَاكَ، وَهَا أَنَا ذَا فَأَمْضِ فِيَّ حُكْمَ اللَّهِ فَإِنِّي صَابِرٌ لِذَلِكَ. قَالَ: أَعْتِقْ رَقَبَةً. قَالَ: فَضَرَبْتُ صَفْحَةَ عُنُقِي بِيَدِي، فَقُلْتُ: لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَصْبَحْتُ أَمْلِكُ غَيْرَهَا. قَالَ: فَصُمْ شَهْرَيْنِ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ أَصَابَنِي مَا أَصَابَنِي إِلَّا فِي الصِّيَامِ. قَالَ: فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا: قُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ بِتْنَا لَيْلَتَنَا هَذِهِ وَحْشَى، مَا لَنَا عَشَاءٌ. قَالَ: اذْهَبْ إِلَى صَاحِبِ صَدَقَةِ بَنِي زُرَيْقٍ، فَقُلْ لَهُ فَلْيَدْفَعْهَا إِلَيْكَ فَأَطْعِمْ عَنْكَ مِنْهَا وَسْقًا سِتِّينَ مِسْكِينًا، ثُمَّ اسْتَعِنْ بِسَائِرِهِ عَلَيْكَ وَعَلَى عِيَالِكَ قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلَى قَوْمِي، فَقُلْتُ: وَجَدْتُ عِنْدَكُمُ الضِّيقَ وَسُوءَ الرَّأْيِ، وَوَجَدْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّعَةَ وَالْبَرَكَةَ، أَمَرَ لِي بِصَدَقَتِكُمْ فَادْفَعُوهَا إِلَيَّ فَدَفَعُوهَا إِلَيَّ۔

حضرت سلمہ بن صخر انصاری فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسا مرد ہوں جسے عورتوں سے جماع کی ایسی طاقت عطا کی گئی ہے جو کسی اور مرد کو نہیں دی گئی، چنانچہ جب رمضان آیا تو میں نے اپنی بیوی سے ظہار کرلیا تا کہ رمضان (صحیح طرح) گذر جائے، اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رات کو جماع شروع کروں، اور اسی میں مسلسل مشغول رہوں

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۱۴۲، کتاب احوال القیامۃ وبدء الخلق باب بدء الخلق وذکر الانبیاء

یہاں تک کہ مجھے دن پالے (یعنی دن ہو جائے) اور میں اسے ختم ہی نہ کر سکوں،
ایک رات وہ میری خدمت کر رہی تھی کہ اچانک میرے سامنے اس کی کوئی چیز ظاہر ہوگئی، تو میں اس پر کود پڑا (یعنی جماع کرنے لگ گیا) جب میں نے صبح کی تو اپنی قوم کے پاس آیا اور ان کو اپنی بات بتائی اور ان سے کہا کہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو تا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا معاملہ بتاؤں، وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم: ہم ایسا نہیں کریں گے، ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل نہ ہو جائے یا یہ کہ ہمارے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کوئی بات کہہ دیں کہ جس کی وجہ سے ہم پر اس کی عار اور عیب باقی رہ جائے، لہذا تم خود ہی جاؤ اور اس طرح کر لو جو تمہیں مناسب لگے۔
کہتے ہیں: میں نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا پورا واقعہ آپ کو بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے ایسا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں میں نے ہی ایسا کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اسی طرح پوچھا، میں یہی کہتا رہا کہ جی ہاں میں نے ایسا کیا ہے، لیجئے میں حاضر ہوں لہذا مجھ پر اللہ کا حکم نافذ کر دیجئے، بس میں اس پر صبر کروں گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک غلام آزاد کر دو، کہتے ہیں: میں نے اپنی گردن کی ایک جانب پر ہاتھ مارا اور عرض کیا: اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی اس گردن کے سوا کسی اور چیز کا مالک نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر دو مہینے مسلسل روزے رکھو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ مصیبت بھی تو مجھ پر روزوں کی وجہ سے ہی آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے: ہم نے یہ رات بھوکی گذاری ہے، ہمارے پاس رات کا کھانا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنوزریق سے زکوۃ وصول کرنے والے عامل کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ تمہیں دے دے پھر تم اس میں سے اپنی طرف سے کھجوروں کا ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، پھر تم اس کے باقی ماندہ سے اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر مدد حاصل کرو یعنی خرچ کر لو،
کہتے ہیں: پھر میں اپنی قوم کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ: میں نے تم لوگوں کے پاس تنگی اور بری رائے پائی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کشادگی اور برکت دیکھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارا صدقہ وزکوۃ لینے کا حکم دیا ہے، لہذا تم لوگ مجھے زکوۃ وصدقہ دو، چنانچہ ان لوگوں نے پھر مجھے اپنی زکوۃ اور صدقہ دے دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔تظاهرت: میں نے ظہار کیا۔ حتی ينسلخ: یہاں تک کہ گذر جائے۔ فرقا: اس اندیشہ سے، اس خطرے اور خوف سے۔ اتتابع: میں مسلسل مشغول رہوں۔ وثبت عليها: میں اس پر کود پڑا یعنی جماع کرنے لگ گیا۔ ان انزع: کہ میں نکال سکوں یعنی جماع ختم کر لوں۔ تكشف لي: میرے لئے ظاہر ہوگئی۔ والله لا نفعل: اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے

یعنی آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ نتخوف: ہم خوف محسوس کرتے ہیں، ہم ڈرتے ہیں۔ مابدالک: جو آپ کے لئے ظاہر ہو یعنی جو آپ کو مناسب لگے۔ صفحة عنقي: اپنی گردن کی ایک جانب پر۔ وحشي: بھوک کی حالت میں۔ وسق: ساٹھ صاع کھجور۔ بسائره: اس کے باقی ماندہ سے۔ سوء الرأي: بری رائے، بری تجویز۔ عشاء: (عین پرزبر) شام کا کھانا۔

ظہار کا ذکر

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے ظہار کا حکم نازل کیا، جس کے مخصوص احکام ہوتے ہیں، ترمذی کی اس حدیث میں بھی ظہار کا ذکر ہے، جب وہ صحابی کفارۂ ظہار کی تین چیزوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو سکے تو آپ ﷺ نے بیت المال سے اس کی امداد کی، جس سے اس نے غریبوں کو کھانا کھلا کر اپنا کفارہ ادا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ظہار کرلے تو کفارہ کی ادائیگی کے بغیر اس کی بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوگی،

۲۔ شریعت میں ظہار کے معنی یہ ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ یعنی ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی ان کی ایک مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لئے استعمال ہوتا تھا، اور یہ طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا، اسلام نے اس رسم کو ختم کر دیا، اور یہ کہ ظہار کے بعد کفارہ دینے سے بیوی حلال ہو جاتی ہے۔

۳۔ شرعی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے شرم وحیا نہیں کرنی چاہیے۔

۴۔ ایک شخص پر کفارہ واجب ہو جائے لیکن وہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اسکی مدد کرنا سنت سے ثابت ہے (۱)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ يَهُودِيًّا أَتَى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكُمْ، فَرَدَّ عَلَيْهِ الْقَوْمُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا قَالَ هَذَا؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، سَلَّمَ يَا نَبِيَّ اللهِ. قَالَ: لَا وَلَكِنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا، رُدُّوهُ عَلَيَّ، فَرَدُّوهُ قَالَ: قُلْتَ: السَّامُ عَلَيْكُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ: إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقُولُوا: عَلَيْكَ مَا قُلْتَ، قَالَ: {وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللهُ}(۲)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے پاس آیا، اور کہا: "السام علیک" (تم پر موت آئے) صحابہ نے اسے جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۱۸۰

(۲) الادب المفرد للبخاری (ص: ۳۲۱)

اس یہودی نے کیا کہا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، اے اللہ کے نبی اس نے سلام کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے سلام نہیں کیا بلکہ اس نے ایسا ایسا کہا ہے، لہذا اسے میرے پاس لاؤ، انہوں نے اسے واپس لایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم نے السام علیکم کہا ہے، یہودی نے کہا: جی ہاں ایسا ہی کہا ہے، چنانچہ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب میں سے جب کوئی تمہیں سلام کرے تو اسے یوں جواب دیا کرو: "علیک ما قلت" (تمہاری بات تم ہی پر ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: " واذا جاء وک حیوک ـــ" (جب اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا)۔

یہودیوں کے سلام کا جواب کیسے دیا جائے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی یہودی کسی مسلمان کو سلام کرتے تو اس کے جواب میں: "علیک یا علیکم یا علیک ما قلت" کہا جائے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً} [المجادلة: 12] قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَى؟ دِينَارٌ؟ قُلْتُ: لَا يُطِيقُونَهُ، قَالَ: فَنِصْفُ دِينَارٍ؟، قُلْتُ: لَا يُطِيقُونَهُ. قَالَ: فَكَمْ؟ قُلْتُ: شَعِيرَةٌ. قَالَ: إِنَّكَ لَزَهِيدٌ. قَالَ: فَنَزَلَتْ {أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ} [المجادلة: 13] الآيَةَ. قَالَ: فَبِي خَفَّفَ اللهُ عَنْ هَذِهِ الأُمَّةِ.

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "یایها الذین امنوا اذا ناجیتم ـــ" (اے ایمان والو جب تم رسول اللہ سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مشورہ لیا کہ صدقہ کی کتنی مقدار مقرر کی جائے، ایک دینار؟ میں نے عرض کیا: لوگ ایک دینار نہیں دے سکیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدھا دینار، میں نے عرض کیا: آدھا دینار بھی نہیں دے سکیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کتنا مقرر کیا جائے؟ میں نے عرض کیا: ایک جو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تو بہت تھوڑا مال مقرر کر رہے ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "أأشفقتم ان تقدموا ـــ" (کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے ڈر گئے چنانچہ جب تم نہ کر سکے تو اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی لہذا تم نماز کے پابند رہو) حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اس امت پر تخفیف کر دی (یعنی یہ حکم منسوخ کر دیا)۔

حضرت علی کی ایک خصوصیت

کچھ لوگ نبی کریم ﷺ سے الگ وقت لے کر خفیہ مشورے اور سرگوشیاں کرتے جن میں کچھ منافقین بھی شامل تھے، اس طرز عمل سے نبی کریم ﷺ بہت تنگ ہوتے تھے لیکن طبعی مروت کی وجہ سے صراحت کے ساتھ کسی کو منع بھی نہ کرتے، اس کے سدباب کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص آپ کے ساتھ الگ ہو کر ملنا چاہے تو وہ پہلے کچھ صدقہ کر کے آیا کرے، اور جو صدقہ نہ کر سکے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے، صدقے کی کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی تھی، جب یہ حکم نازل ہوا تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل فرمایا اور ایک دینار صدقہ کر کے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔

اس حکم سے چونکہ بہت سے صحابہ کرام کو تنگی پیش آئی، اس لئے بہت جلد ہی صدقہ کا یہ حکم منسوخ کر دیا گیا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا، اور نہ میرے بعد کوئی عمل کر سکے گا، پہلے نہ کرنا تو ظاہر ہے اور بعد میں نہ کرنا اس لئے ہے کہ یہ حکم ہی منسوخ ہو گیا ہے، یہ گویا حضرت علی کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ صدقہ کی مقدار مقرر کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے مشورہ کیا، انہوں نے بالآخر رائے دی کہ ایک جو کا دانہ مقرر کیا جائے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "انک لزهید" تم تو دنیا سے بہت بے رغبتی کرنے والے ہو یعنی بہت کم مال کی مقدار مقرر کرنے کے بارے میں رائے دے رہے ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کر کے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر سے صدقہ کا یہ حکم ختم کیا، اس تخفیف کا باعث میں بنا۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الحَشْرِ

یہ باب سورہ حشر کے بارے میں ہے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَرَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَّعَ، وَهِيَ البُوَيْرَةُ، فَأَنْزَلَ اللهُ {مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللهِ وَلِيُخْزِيَ الفَاسِقِينَ} [الحشر:5]۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹ کر جلا دیا، اس جگہ کا نام بویرہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما قطعتم من لينة ـــ" (تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا، اور اس لئے تھا تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: {مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا} [الحشر:5]

قَالَ: اللِّينَةُ النَّخْلَةُ، وَلِيُخْزِيَ الفَاسِقِينَ قَالَ: اسْتَنْزَلُوهُمْ مِنْ حُصُونِهِمْ، قَالَ: أُمِرُوا بِقَطْعِ النَّخْلِ فَحَكَ فِي صُدُورِهِمْ. فَقَالَ المُسْلِمُونَ: قَدْ قَطَعْنَا بَعْضًا وَتَرَكْنَا بَعْضًا، فَلَنَسْأَلَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَنَا فِيمَا قَطَعْنَا مِنْ أَجْرٍ؟ وَهَلْ عَلَيْنَا فِيمَا تَرَكْنَا مِنْ وِزْرٍ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا} [الحشر:5] الآيَةَ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "ما قطعتم من لینة ـــ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "لینہ" کھجور کا درخت ہے، اور "ولیخزی الفاسقین" سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان یہودیوں کو ان کے قلعوں سے اتار دیا، ابن عباس فرماتے ہیں کہ: اور انہیں کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا گیا، تو مسلمانوں کے دلوں میں کھٹکا ہوا، چنانچہ کہنے لگے کہ ہم نے کچھ درخت کاٹ دیئے ہیں اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں (اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟) لہٰذا ہم ضرور نبی کریم ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ جو درخت ہم نے کاٹے ہیں کیا ان کا کاٹنا باعث ثواب ہے؟ اور جو چھوڑ دیئے ہیں کیا ان پر عذاب ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما قطعتم من لینة ـــ"۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ حرق: (باب تفعیل سے) آپ ﷺ نے جلانے کا حکم دیا۔ لینة: کھجور کا درخت۔ استنزلوھم: (صیغہ ماضی) مسلمانوں نے یہودیوں کو اتار دیا۔ حصون: حصن کی جمع ہے: قلعے۔ أمروا: (صیغہ مجہول) مسلمانوں کو حکم دیا گیا۔ حک فی صدورھم: مسلمانوں کے دلوں میں کھٹکا پیدا ہوا کہ کہیں یہ کام جو ہم نے کیا، گناہ تو نہیں۔ وزر: (واؤ کے نیچے زیر اور زا ساکن) عذاب، گناہ۔

حالت جنگ میں دشمن کی املاک کو ضائع کیا جاسکتا ہے

نبی کریم ﷺ نے جب بنی نضیر کے قلعے کا محاصرہ کیا اور یہود قلعہ بند ہو گئے تو بعض صحابہ کرام نے ان لوگوں کو غصہ دلانے اور ان پر رعب ڈالنے کے لئے ان کی کھجوروں کے چند درختوں کو کاٹ کر یا انہیں جلا کر ختم کر دیا، اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے خیال کیا کہ ان شاء اللہ فتح ہماری ہوگی اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے تو ایسے میں کیوں انہیں ضائع کیا جائے، وہ ان کے کاٹنے اور جلانے سے باز رہے، یہ ایک رائے کا اختلاف تھا، بعد میں جب آپس میں گفتگو ہوئی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے یا جلائے تھے، ان کو یہ فکر ہوئی کہ شاید ہم گنہگار ہو گئے، لہٰذا اسی کش مکش میں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ہم نے جو عمل کیا ہے کیا یہ درست ہے، اس پر ہمیں اجر ملے گا اور جو درخت ہم نے چھوڑ دیئے ہیں ان پر کوئی گناہ تو نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما قطعتم من لینة ـــ" اس آیت نے دونوں فریق کے عمل کو جائز اور درست قرار دیا اور دونوں کو باذن اللہ میں داخل کر کے اللہ کے حکم کی تعمیل قرار دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی حکمت عملی کے تحت دشمن کی طاقت کو کچلنے اور ان پر رعب ڈالنے کے لئے اگر ان کے کچھ اموال

ضائع کردیئے جائیں تو یہ درست ہے، جبکہ اس کے بغیر ان پر فتح نہایت مشکل یا ناممکن معلوم ہو رہی ہو، اور اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ کارگر نہ ہو(۱)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الأَنْصَارِ بَاتَ بِهِ ضَيْفٌ فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ إِلَّا قُوتُهُ وَقُوتُ صِبْيَانِهِ، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: نَوِّمِي الصِّبْيَةَ، وَأَطْفِئِي السِّرَاجَ، وَقَرِّبِي لِلضَّيْفِ مَا عِنْدَكِ، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: {وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ} [الحشر: 9](۲)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص (یعنی حضرت ابوطلحہ) کے پاس ایک مہمان آیا، ان کے پاس صرف اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے بقدر ضرورت کھانا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: تم بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو اور جو کچھ تمہارے پاس کھانا ہے مہمان کے قریب کر دو، ان پر یہ آیت نازل ہوئی: "ویؤثرون علی انفسھم۔۔۔" (اور وہ ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں چاہے ان پر تنگ دستی کی حالت ہی گذر رہی ہو)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قوت: بقدر ضرورت کھانے کی مقدار۔ نومی: (بابِ تفعیل سے صیغہ امر) تو سلا دے۔ الصبیة: صبی کی جمع ہے، بچے۔ اطفی: تو بجھا دے۔ السراج: چراغ، ٹیوب لائٹ۔ خصاصة: فقر و فاقہ، حاجت و ضرورت۔ یؤثرون: وہ اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی جو دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر مقدم رکھتے ہیں۔

حضرات انصار کا جذبہ ایثار

انصار مدینہ کے جذبہ ایثار کے واقعات احادیث میں بے شمار ہیں، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے جذبہ ایثار کا ذکر ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ کچھ مہمانوں کو اپنے گھر لے جائیں اور انہیں کھانا کھلائیں تو یہ کچھ مہمان اپنے ساتھ لے گئے، اور ان کی تواضع اور خاطر مدارات اس طرح کی کہ خود کچھ نہیں کھایا اور چراغ بجھا کر مہمانوں کو بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ کچھ نہیں کھا رہے، ان کے اس جذبے اور اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس میں ان کے جذبہ ایثار کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ المُمْتَحِنَةِ

یہ باب سورہ ممتحنہ کے بارے میں ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ فَقَالَ:

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۱۸۶۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار باب قول اللہ عز وجل ویؤثرون علی انفسھم،

انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً مَعَهَا كِتَابٌ، فَخُذُوهُ مِنْهَا فَأْتُونِي بِهِ، فَخَرَجْنَا تَتَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا حَتَّى أَتَيْنَا الرَّوْضَةَ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ فَقُلْنَا: أَخْرِجِي الكِتَابَ، فَقَالَتْ: مَا مَعِي مِنْ كِتَابٍ، فَقُلْنَا: لَتُخْرِجِنَّ الكِتَابَ أَوْ لَتُلْقِيِنَّ الثِّيَابَ، قَالَ: فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا قَالَ: فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بِمَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا هَذَا يَا حَاطِبُ؟ قَالَ: لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا، وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِمَكَّةَ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذَلِكَ مِنْ نَسَبٍ فِيهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ فِيهِمْ يَدًا يَحْمُونَ بِهَا قَرَابَتِي، وَمَا فَعَلْتُ ذَلِكَ كُفْرًا وَارْتِدَادًا عَنْ دِينِي وَلَا رِضًا بِالكُفْرِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ: دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، فَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. قَالَ: وَفِيهِ أُنْزِلَتْ هَذِهِ السُّورَةُ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ} [الممتحنة: 1] السُّورَةَ. قَالَ عَمْرٌو: وَقَدْ رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ وَكَانَ كَاتِبًا لِعَلِيٍّ(۱)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیر اور مقداد بن اسود کو روانگی کا حکم دیا، فرمایا: تم لوگ روضہ خاخ کے مقام پر جاؤ، وہاں ایک عورت کجاوے میں ہے جس کے پاس ایک خط ہے، وہ خط اس سے لو اور اسے میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ ہم فوراً نکلے، ہمارے گھوڑے ہمیں تیز رفتاری سے دوڑاتے ہوئے لے گئے یہاں تک کہ ہم روضہ خاخ کے مقام پر پہنچ گئے، وہ عورت ہمیں وہاں مل گئی، ہم نے اسے کہا: خط نکالو، وہ کہنے لگی: میرے پاس تو کوئی خط نہیں، ہم نے (ذرا سختی سے) کہا: تم ہر صورت میں خط نکالو ورنہ تم اپنے کپڑے اتار دو، کہتے ہیں: پھر اس نے اپنے بالوں کی زلف سے وہ خط نکالا، کہتے ہیں: وہ خط لے کر ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے (جب وہ خط کھول کر دیکھا گیا تو) اس میں لکھا تھا:

حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ میں سے چند لوگوں کے نام، وہ ان کو نبی کریم ﷺ کے کسی مخصوص امر یعنی راز کی خبر دے رہے تھے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: حاطب یہ کیا (حرکت) ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے، (یعنی میری بات سنے بغیر میرے بارے میں کفر یا ارتداد کا حکم نہ لگائیے) بات یہ ہے کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جو باہر سے آکر خاندان قریش میں مل گیا ہوں یعنی ان کا حلیف،

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الجاسوس

اتحادی اور معاہد ہوں میں ان میں سے نہیں ہوں یعنی میرا ان سے کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے، جبکہ آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں، ان کی اہل مکہ سے رشتہ داریاں ہیں، جن کی وجہ سے اہل مکہ ان کے اہل وعیال اور مال و جائداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں، میں نے چاہا کہ جب میرا ان (قریش مکہ) سے کوئی نسبی تعلق تو ہے نہیں، تو ان پر ایک ایسا احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میری قرابت (یعنی میرے اہل وعیال اور مال وغیرہ) کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتے رہیں، (میں صدق دل سے کہتا ہوں کہ) میں نے یہ کام کفر اور دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے کیا کہ اسلام کے بعد میں کفر پر راضی ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حاطب سچ کہہ رہا ہے،

حضرت عمر فاروق نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ غزوہ بدر میں موجود تھے، اور تمہیں کیا معلوم، یقیناً اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو اپنی خصوصی نظر کرم سے نوازا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم جو چاہو کرلو، میں تمہیں بخش چکا ہوں، کہتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: "یایھا الذین امنوا لا تتخذوا ـــ" (اے ایمان والو تم لوگ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ)

حدیث کے راوی عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو دیکھا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ روضة خاخ: مدینہ منورہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ ظعینة: کجاوہ اور ہودج جس میں عورت ہو، پھر یہ لفظ صرف عورت کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا ہے۔ تتعادی بنا: ہمیں تیز رفتاری سے دوڑا کر لے جا رہے تھے۔ او لتلقین: ورنہ ضرور تو اپنے کپڑے اتارے گی۔ عقاص: (عین کے نیچے زیر اور قاف پر زبر) بالوں کی زلف، گیسو۔ امرأ ملصقافی قریش: میں ایک ایسا آدمی ہوں جو قریش میں آ کر مل گیا ہوں، میری ان سے کوئی رشتہ داری نہیں، ہاں میں ان کا اتحادی، معاہد اور حلیف ہوں۔ یحمون بھا: اس رشتہ داری کی وجہ سے وہ حفاظت اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ان اتخذ فیھم یدا: میں مشرکین مکہ پر ایسا کوئی احسان کر دوں۔ لعل اللہ اطلع: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر خصوصی نظر کرم اور شفقت فرمائی۔

سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیات کا شان نزول

اس سورت کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو مکہ مکرمہ کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر ہی توڑ دیا تھا، اور نبی کریم ﷺ نے قریش کے لوگوں پر واضح فرمایا تھا کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا، اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کے کفار پر ایک فیصلہ کن حملے کی تیاری شروع فرما دی تھی، اور ساتھ ہی یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ قریش کے لوگوں کو اس تیاری کا علم نہ ہو، اسی دوران سارہ نام کی ایک عورت جو گانا بجا کر پیسے کماتی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئی، اور اس نے بتایا

کہ وہ مسلمان ہوکر نہیں آئی، بلکہ وہ شدید مفلسی میں مبتلی ہے، کیونکہ جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کی عیش وعشرت کی محفلیں سب ویران ہو چکی ہیں، اب کوئی اسے گانے بجانے کے لئے نہیں بلاتا، اس لئے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے بنوعبدالمطلب کو اس کی مدد کرنے کی ترغیب دی، اوراس کو کچھ نقدی اور کچھ کپڑے دے کر رخصت کیا گیا۔

دوسری طرف مہاجر صحابہ کرام میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ایک ایسے بزرگ تھے جو یمن کے باشندے تھے، اور مکہ مکرمہ آکر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں ان کا قبیلہ اور کوئی رشتہ دار نہیں تھا، وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، لیکن ان کے اہل وعیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے، جن کے بارے میں انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ ان پر ظلم نہ کریں، جبکہ دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ ان کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے ان کو تحفظ دے سکتا ہے، لیکن حضرت حاطب کے اہل وعیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا۔

جب سارہ نامی عورت مکہ مکرمہ واپس جانے لگی تو حضرت حاطب کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں قریش کے لوگوں کو خفیہ طور پر ایک خط میں یہ اطلاع دے دوں کہ حضور اکرم ﷺ ان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے آنحضرت ﷺ کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے، لیکن میری طرف سے قریش پر ایک احسان ہو جائے گا، اوراس احسان کی وجہ سے وہ میرے اہل وعیال کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے، چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر سارہ کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے قریش کے سرداروں تک پہنچادے۔

ادھر اللہ جل شانہ نے وحی کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دے دی کہ سارہ ایک خفیہ خط لے کر گئی ہے، اوراس وقت وہ روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے، آپ نے حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت مقداد بن اسود اور حضرت مرثد کو اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ اس عورت کا پیچھا کر کے اس سے وہ خط برآمد کریں، اور یہاں واپس لے آئیں، یہ حضرات وہاں اس کے پاس گئے اور وہ خط برآمد کرلیا۔

حضرت حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کردی، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، نبی کریم ﷺ نے جب ان کی پوری بات سنی تو ان کی نیک نیتی کی وجہ سے انہیں معاف کر دیا، اس واقع پر اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے وہ خط اپنے بالوں کی زلف اور گیسو سے نکالا، جبکہ دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس نے وہ خط پاجامہ اور شلوار باندھنے کی جگہ یعنی معقد الازار سے نکالا، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

شارحین نے ان میں دو طرح سے تطبیق ذکر کی ہے:

۱۔ اصل میں تو اس عورت نے وہ خط پاجامہ باندھنے کی جگہ پر چھپایا ہوا تھا، جب اس پر سختی کی گئی کہ خط نکالو، تو اس نے وہاں سے خط نکال کر بالوں کی زلف میں اسے دوبارہ چھپالیا، پھر جب اس پر مزید دباؤ ڈالا گیا تو پھر اس نے گیسو سے خط نکال کر صحابہ کرام کو دے دیا، بعض راویوں نے پہلی حالت کو ذکر کیا اور بعض نے دوسری حالت کو، اس لئے دونوں روایات میں کوئی تعارض

نہیں(۱)۔

۲۔ اس نے وہ خط بالوں کے نچلے حصے میں باندھا تھا، اور بال ان کے اتنے لمبے تھے کہ پاجامہ باندھنے کی جگہ تک پہنچ رہے تھے، تو ہوسکتا ہے کہ اس نے نیچے سے اسے پاجامہ باندھنے کی جگہ میں داخل کر دیا ہو، یہ جواب حافظ ابن حجر کے نزدیک راجح ہے (۲)۔

فقال عمر بن الخطاب: دعنی یا رسول اللہ اضرب عنق ھذا المنافق۔

نبی کریم ﷺ نے جب حضرت حاطب کو معاف کر دیا تو پھر حضرت عمر نے یہ کیوں کہا کہ مجھے اجازت دیں یا رسول اللہ تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں،

اس بارے میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

❁ حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اس وقت قتل کرنے کی اجازت مانگی ہو کہ جس وقت آپ ﷺ نے معاف نہیں کیا تھا، بعد میں معاف کیا تھا، گویا اس واقعہ میں تقدیم وتاخیر ہے، راوی نے ترتیب کے بغیر اس بات کو بیان کیا ہے (۳)۔

❁ بعض نے کہا کہ گو کہ نبی کریم ﷺ نے معاف فرما دیا تھا لیکن حضرت عمر فاروق اپنے مخصوص مزاج کے مطابق چونکہ دین کے امور میں بہت سخت تھے، ان کا کہنا تھا کہ اس نے آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی ہے لہذا یہ عملاً منافق ہے، لہذا اس سنگین جرم کی سزا قتل ہونی چاہیے، اس لئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے انہیں قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت نہیں دی کہ وہ مخلص بدری صحابی ہیں، اور اہل بدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں بلند درجات عطا فرمائیں گے (۴)۔

البتہ اگر دنیا میں ان سے کوئی ایسا کام سرزد ہو گیا جو باعث حد اور قصاص ہے تو یہ سزا اس بدری صحابی پر بھی نافذ ہوگی جیسا کہ واقعہ افک میں حضرت مسطح بن اثاثہ منافقین کے پروپیگنڈے میں آ گئے تھے، جس کی وجہ سے ان پر حد قذف لگائی گئی تھی (۵)۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْتَحِنُ إِلَّا بِالآيَةِ الَّتِي قَالَ اللهُ {إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ} [الممتحنة: 12] الآيَةَ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (مومن مہاجرات) کا اس آیت سے امتحان لیتے تھے: "یایھا النبی اذا

---

(۱) الکوکب الدری ۲۹۷/۴
(۲) فتح الباری ۲۳۵/۶، کتاب الجہاد والسیر باب اذا اضطر الرجل
(۳) مظاہر حق ۸۳۹/۵ حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ
(۴) فتح الباری ۸۱۸/۸، کتاب التفسیر، باب لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء
(۵) تکملۃ فتح الملہم ۲۱۳/۵ کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل اھل بدر

جاءک المؤمنات یبایعنک'' (اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں مانیں گی اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو اور نہ کسی بھلے کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو تم ان کو بیعت کر لیا کرو اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے)

قَالَ مَعْمَرٌ: فَأَخْبَرَنِي ابْنُ طَاوُوسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا(۱).

معمر کہتے ہیں کہ ابن طاؤس نے مجھے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے (عورتوں سے بیعت کے وقت) کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا سوائے اس عورت کے جس کے آپ مالک تھے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ الأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ: قَالَتْ امْرَأَةٌ مِنَ النِّسْوَةِ: مَا هَذَا الْمَعْرُوفُ الَّذِي لَا يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَعْصِيَكَ فِيهِ؟ قَالَ: لَا تَنُحْنَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ بَنِي فُلَانٍ قَدْ أَسْعَدُونِي عَلَى عَمِّي وَلَا بُدَّ لِي مِنْ قَضَائِهِمْ، فَأَبَى عَلَيَّ، فَعَاتَبْتُهُ مِرَارًا، فَأَذِنَ لِي فِي قَضَائِهِنَّ، فَلَمْ أَنُحْ بَعْدَ قَضَائِهِنَّ وَلَا غَيْرِهِ حَتَّى السَّاعَةَ، وَلَمْ يَبْقَ مِنَ النِّسْوَةِ امْرَأَةٌ إِلَّا وَقَدْ نَاحَتْ غَيْرِي(۲).

حضرت ام سلمہ انصاریہ فرماتی ہیں کہ عورتوں میں سے ایک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ''ولا یعصینک فی معروف'' میں اس ''معروف'' سے کیا مراد ہے جس میں ہمارے لئے آپ کی نافرمانی کرنا جائز نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معروف یہی ہے کہ تم نوحہ مت کیا کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرے چچا کی وفات کے موقع پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی، لہذا میرے لئے ان کا بدلہ اتارنا ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دینے سے انکار کر دیا، پھر میں بار بار آپ سے رجوع کرتی رہی تو آپ نے مجھے ان عورتوں کے احسان کا بدلہ اتارنے کی اجازت دے دی، چنانچہ ان عورتوں کے نوحہ کا بدلہ اتارنے کے بعد پھر میں نے آج تک کبھی کسی پر نوحہ نہیں کیا، نہ ان پر اور نہ ان کے علاوہ کسی اور پر، اور ان عورتوں میں سے ایسی کوئی عورت باقی نہ رہی (جس نے میرے ساتھ بیعت کی تھی) مگر یہ کہ اس نے نوحہ کیا سوائے میرے (کہ میں نے اس کے بعد کبھی نوحہ نہ کیا)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لاتنحن: تم نوحہ نہ کرو۔ قد اسعدونی: ان لوگوں نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی۔ لابد لی من قضاءھن: مجھ پر ان کا بدلہ اتارنا ضروری ہے، عاتبتہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا، عرض کیا۔ فلم انح: اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ا۔ میں

---

(۱) صحیح بخاری / کتاب الاحکام باب بیعة النساء، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کیفیة بیعة النساء

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الجنائز باب فی النهی عن النیاحة

نے نوحہ نہیں کیا، ۲۔ میں نے قصد اور ارادہ نہیں کیا۔ وقد ناحت غیری: مگر اس عورت نے نوحہ کیا سوائے میرے

مہاجر صحابیات سے امتحان لینے کا حکم

صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، لیکن اس حکم سے مسلمان عورتیں مستثنیٰ ہوں گی، لہٰذا اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئے گی تو نبی کریم ﷺ سورۂ ممتحنہ کی مذکورہ آیت "یایها النبی اذا جاءک المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن۔" کی روشنی میں جائزہ اور امتحان لیں گے اگر تحقیق اور جائزے سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقعی یہ مسلمان ہو کر آئی ہے، تو پھر اسے واپس نہیں بھیجا جائے گا، چونکہ اس سورت میں نبی کریم ﷺ کو ان عورتوں کا امتحان یا جائزہ لینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام ممتحنہ ہے یعنی امتحان لینے والی۔

عورتوں کی بیعت

ترمذی کی مذکورہ روایت اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ نے عورتوں کی بیعت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ سے ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا اور عورتوں کی بیعت کئی بار مختلف مواقع میں ہوتی رہی، چنانچہ جب کوئی عورت مکہ سے ہجرت کر کے آتی یا اور کوئی مسلمان عورت آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتی تو سورہ ممتحنہ کی مذکورہ آیت میں جو اہم احکام ہیں ان کا عہد لے کر اس سے بیعت کر لی جاتی، آپ ﷺ زبان سے ارشاد فرما دیتے کہ ہم نے بیعت کر لی ہے، ہاتھ میں بیعت نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اس پر حضرت ام عطیہ سے منقول دو روایتوں کے ذریعہ اشکال ہوتا ہے، ایک روایت میں وہ فرماتی ہیں: "فمد یده من خارج البیت و مددنا ایدینا من داخل البیت، ثم قال: اللهم اشهد" (آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک گھر کے باہر سے اور ہم نے اپنے ہاتھ کمرے کے اندر سے دراز کئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا) اسی طرح ام عطیہ ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں بیعت کرتے ہوئے نوحہ کرنے سے منع فرمایا تو ایک عورت نے اپنا ہاتھ بیعت کرنے سے کھینچ لیا "فقبضت امراة یدها"۔

ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی بیعت بھی مردوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ ڈال کر ہوا کرتی تھی، جبکہ ترمذی اور حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی عورت کی بیعت میں ہاتھ استعمال نہیں کیا، بظاہر ام عطیہ اور حضرت عائشہ و ترمذی کی روایات میں تعارض ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تعارض کا جواب یہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول تو وہی تھا جو ترمذی کی روایت میں ہے اور جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور ام عطیہ کی پہلی روایت کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ "مد الایدی" یعنی "ہاتھ پھیلانا" یہ بطور محاورے کے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بیعت واقع ہوگئی ہے، اس سے مصافحہ مراد نہیں ہے، اور ام عطیہ کی دوسری روایت میں "قبض ید" سے مراد یہ ہے کہ اس عورت نے بیعت قبول کرنے کو مؤخر کیا چنانچہ پہلے اس نے نوحہ کیا اور پھر آکر اس نے بیعت قبول کر لی تھی۔

بعض نے کہا کہ آپ ﷺ عورتوں سے بیعت ایک بڑی چادر کے ذریعہ کرتے تھے جس کا ایک کنارہ آپ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ بیعت کرنے والی عورت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ چنانچہ امام ابوداؤد نے "مراسیل" میں شعبی سے اس مفہوم کی روایت نقل کی ہے۔

ابن اسحاق نے مغازی میں صالح بن ابان سے روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں سے اس طرح بیعت کی کہ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک برتن میں ڈبو دیا اور پھر وہ عورت بھی اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈبو دیتی، یوں بیعت ہو جاتی (۱)۔

نوحہ کا شرعی حکم

حضرت ام سلمہ انصاریہ کی روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ سورہ ممتحنہ کی آیت: "ولا یعصینک فی معروف" میں یہ بات بھی معروف میں داخل ہے کہ کسی کی فوتگی کے موقع پر نوحہ نہ کیا جائے۔

۲۔ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ انصاریہ کو نوحہ کا بدلہ اتارنے کی اجازت دی تھی، اور بخاری کی روایت میں حضرت ام عطیہ کا بھی ذکر ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے انہیں بھی نوحہ کا بدلہ اتارنے کی رخصت دی تھی۔

لیکن ترمذی اور بخاری کی اس روایت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان صحابیات کو نوحہ کا بدلہ چکانے کی اجازت کس طرح دی جبکہ شریعت میں نوحہ حرام ہے۔

اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

۱۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حضرت ام عطیہ اور حضرت ام سلمہ انصاریہ کی خصوصیت تھی کہ آپ نے ان کو اس حکم عام سے صرف اس ایک موقع پر مستثنیٰ قرار دیا، اور صاحب شریعت کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی کو حکم عام سے مستثنیٰ قرار دے دیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ جواب ضعیف ہے، اس لئے کہ حرام چیز اس مقصد کے لئے کیسے حلال قرار دی جاسکتی ہے،

(۱) فتح الباری ۸/۸۲۱، کتاب التفسیر باب اذا جاءک المؤمنات مهاجرات

۲۔ بعض نے کہا کہ ابتداء میں نوحہ مباح تھا، پھر مکروہ تنزیہی ہوا اور پھر حرام ہوا، مذکورہ واقعات جس وقت پیش آئے اس وقت نوحہ کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، صرف کراہت تنزیہی کا حکم تھا، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نوحہ کرنے کی رخصت دی تھی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو پسندیدہ قرار دیا(۱)۔

ولم یبق من النسوۃ امراۃ الا وقد ناحت غیری،

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ کے ساتھ جو خواتین بیعت میں شریک تھیں، انہوں نے نوحہ کرنا ترک نہیں کیا سوائے حضرت ام عطیہ کے کہ انہوں نے اور ان کے ساتھ مزید پانچ عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا، اور نوحہ نہیں کیا، بخاری کی روایت میں ان پانچ خواتین کے نام یہ ہیں: ام سلیم، ام العلاء، ابنۃ ابی سبرہ، امراۃ معاذ اور ایک اور عورت، اس جملے کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان خواتین نے نوحہ ترک نہیں کیا بلکہ یہ بات صرف ان عورتوں سے متعلق ہے جنہوں نے حضرت ام عطیہ کے ساتھ بیعت کی تھی(۲)۔

فلم انح بعد قضاء ھن ولا غیرہ، اصل عبارت یوں ہے: لا فی قضاء ھن ولا فی غیرہ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد پھر میں نے کبھی نوحہ نہیں کیا، نہ کسی کا بدلہ چکانے میں اور نہ اس کے علاوہ کسی اور موقع پر، میں نے اس کی وفا کی، اسے توڑا نہیں(۳)۔

بَاب: وَمِنْ سُورَةِ الصَّفِّ

یہ باب سورہ صف کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ، قَالَ: قَعَدْنَا نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَذَاكَرْنَا، فَقُلْنَا: لَوْ نَعْلَمُ أَيَّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰہِ لَعَمِلْنَاهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالَى {سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ}، قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ: فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ يَحْيَى: فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا أَبُو سَلَمَةَ قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ: فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ: فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا ابْنُ كَثِيرٍ(۴).

حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم چند رسول اللہ کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپس میں ہم مذاکرہ کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسند ہے تو ہم اس پر عمل کریں گے، اس پر

---

(۱) فتح الباری ۸/۸۲۳، کتاب التفسیر باب اذا جاءک المؤمنات یبایعنک
(۲) فتح الباری کتاب الجنائز، باب ماینھی من النوح والبکاء
(۳) الکوکب الدری ۴/۳۰۰
(۴) سنن دارمی، کتاب الجہاد باب الجہاد فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: "سبح لله ما فی السموات و الارض" (سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے، اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو) عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی، اور ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے عبداللہ بن سلام نے یہ سورت پڑھی، یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ابو سلمہ نے ہمارے سامنے اس کی تلاوت کی، اور محمد بن کثیر کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اوزاعی نے اس کی تلاوت کی، اور عبداللہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے ابن کثیر نے اس سورت کو پڑھ کر سنایا۔

سورہ صف کا شان نزول

ترمذی کی مذکورہ روایت میں سورہ صف کا شان نزول بیان کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "احب الاعمال" جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے، اور ان حضرات نے جو یہ کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل کریں گے، اس میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں، اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی مؤمن کے لئے ایسا دعویٰ کرنا درست نہیں، اسے کیا معلوم ہے کہ وقت آنے پر وہ اپنے ارادے کو کر بھی سکے گا یا نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ کی سخت ناراضی کا سبب ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ کرنے کا ارادہ ہو وہاں بھی محض اپنی قوت وقدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع ہے، اسے اسلام نے پسند نہیں کیا(۱)۔

امام ترمذی کی مذکورہ حدیث کو مسلسل بقراءۃ سورۃ الصف کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر راوی نے اپنے شاگردوں کے سامنے یہ سورت پڑھ کر سنائی جس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے اس سورت کی تلاوت کی(۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْجُمُعَةِ

یہ باب سورہ جمعہ کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَتْ سُورَةُ الْجُمُعَةِ فَتَلَاهَا، فَلَمَّا بَلَغَ {وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ} [الجمعة: 3] قَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِنَا؟ فَلَمْ يُكَلِّمْهُ، قَالَ: وَسَلْمَانُ فِينَا، قَالَ: فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ فَقَالَ: وَالَّذِي

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲۰۲/۶

(۲) تحفۃ الاحوذی ۱۹۷/۹

نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ.(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی، آپ نے اس سورت کی تلاوت کی جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے: "واخرین منهم لما یلحقوا بهم" (اور دوسروں کے لئے بھی آپ کو مبعوث فرمایا جو ان میں سے ہونے والے ہیں اور ابھی تک ان میں شامل نہیں ہوئے) تو ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ: وہ کون لوگ ہیں جو ابھی تک ہم میں شامل نہیں ہوئے؟ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان بھی ہم میں موجود تھے، کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان پر رکھا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو ان میں سے یعنی اہل فارس کے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیتے۔

لوکان الایمان بالثریا کا مطلب

نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی اس آیت: "واخرین منهم لما یلحقوا —" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے اہل فارس مراد ہیں اور فرمایا کہ اگر ایمان اور علم ثریا ستارے پر ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیتے۔

"رجال من هؤلاء" سے کون لوگ مراد ہیں؟ حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے عجم میں دین کی خدمت کرنے والے بڑے بڑے علماء مراد ہیں جن میں حضرات فقہاء، محدثین اور صحاح ستہ کے مصنفین داخل ہیں (۲)

بعض نے کہا کہ اس سے امام ابوحنیفہ مراد ہیں جب کہ روایت میں "رجل" کا لفظ ہو،

جمہور علماء کے نزدیک "رجال من هؤلاء" سے وہ تمام محدثین اور فقہاء کرام مراد ہیں جن کی اصل فارس ہو، جن میں امام بخاری اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی داخل ہیں (۳)۔

اہل نسب نے فارس کے سلسلہ نسب کے بارے میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا کہ ان کا نسب حضرت آدم تک پہنچتا ہے، بعض نے انہیں یافث بن نوح کی اولاد، بعض نے لاوی بن سام بن نوح سے جبکہ بعض نے فارس بن یاسور بن سام کی اولاد قرار دیا ہے، اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں (۴)۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَائِمًا إِذْ قَدِمَتْ عِيرُ الْمَدِينَةِ فَابْتَدَرَهَا

(۱) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل فارس

(۲) فیض الباری ۲۴۵/۴

(۳) تکملة فتح الملهم ۳۲۳/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل فارس

(۴) فتح الباری ۸۲۹/۸، کتاب التفسیر باب قوله: وآخرین منهم۔

أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ {وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا} [الجمعة:11] (۱)۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ مدینہ منورہ کا تجارتی قافلہ آپہنچا، صحابہ اس کی طرف دوڑ پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں ابوبکر و عمر بھی تھے، اور یہ آیت نازل ہوئی: "واذا رأوا تجارة ـــ" (وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ـ عیر: دراصل یہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو تجارتی ساز و سامان اٹھا کر لاتا ہے، پھر یہ "قافلہ" کے معنی میں استعمال ہونے لگ گیا۔ فابتدرها: اس قافلے کی طرف دوڑ پڑے، لپک پڑے۔ انفضوا: منتشر ہو گئے، بکھر گئے۔

خطبہ جمعہ سننے کا حکم

امام تفسیر مقاتل فرماتے ہیں کہ مذکورہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا جو ملک شام سے آیا تھا، اور اس کا قافلہ ضرورت کی تمام اشیاء لے کر آیا کرتا تھا، اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد و عورت اس کی طرف دوڑ پڑتے تھے، یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے، اس کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اور حسن بصری اور ابو مالک نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ منورہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی، اس وجہ سے حضرات صحابہ کی بڑی جماعت تجارتی قافلے کی آواز پر مسجد سے نکل گئی، کیونکہ اس وقت خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا اور صحابہ کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ اسے سننا بھی ضروری ہے،

صحابہ کرام کو اس لغزش پر تنبیہ کرنے کے لئے مذکورہ آیت نازل ہوئی: "واذا رأوا تجارة"، پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے (۲)۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ الْمُنَافِقِينَ

یہ باب سورہ منافقین کے بارے میں ہے

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَمِّي فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ لِأَصْحَابِهِ: {لَا تُنْفِقُوا عَلَى

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب اذا نفر الناس عن الامام، صحیح مسلم کتاب الجمعة باب من قوله تعالی: "واذا رأوا تجارة ـــ"۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۲۱۹/۶، معارف القرآن ۴۴۴/۸

مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا} [المنافقون: 7] وَ{لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ} [المنافقون: 8] فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي، فَذَكَرَ ذٰلِكَ عَمِّي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ، فَحَلَفُوا: مَا قَالُوا، فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَهُ، فَأَصَابَنِي شَيْءٌ لَمْ يُصِبْنِي شَيْءٌ قَطُّ مِثْلُهُ، فَجَلَسْتُ فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ عَمِّي: مَا أَرَدْتَ إِلَّا أَنْ كَذَّبَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَقَتَكَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى {إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ} [المنافقون: 1] فَبَعَثَ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهَا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ(۱)۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا کہ میں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: تم لوگ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس سے ہٹ جائیں، اور اگر ہم مدینہ میں واپس آئے، تو عزت والے لوگ مدینہ سے ذلیل لوگوں (یعنی آپ ﷺ اور صحابہ ومہاجرین) کو نکال دیں گے، میں نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی۔

اور میرے چچا نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتادی، چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا (اور پوچھا) تو میں نے پوری بات آپ کو بتادی، آپ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا، انہوں نے قسم کھائی کہ ہم نے یہ بات نہیں کی، آپ ﷺ نے مجھے جھٹلا دیا اور اس کی تصدیق کر دی یعنی اسے سچا تسلیم کرلیا، مجھے اس کا اتنا دکھ ہوا کہ زندگی بھر کبھی اتنا دکھ نہیں ہوا تھا، چنانچہ میں گھر میں بیٹھ گیا، میرے چچا مجھ سے کہنے لگے: تم یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جھٹلائیں اور تم سے ناراض ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: "اذا جاء ک المنافقون ـ" پھر آپ ﷺ نے میری طرف پیغام بھیجا (میں حاضر خدمت ہوا تو) آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ اللہ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَعَنَا أُنَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ فَكُنَّا نَبْتَدِرُ الْمَاءَ، وَكَانَ الْأَعْرَابُ يَسْبِقُونَا إِلَيْهِ، فَسَبَقَ أَعْرَابِيٌّ أَصْحَابَهُ، فَيَسْبِقُ الْأَعْرَابِيُّ فَيَمْلَأُ الْحَوْضَ وَيَجْعَلُ حَوْلَهُ حِجَارَةً وَيَجْعَلُ النِّطْعَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَجِيءَ أَصْحَابُهُ. قَالَ: فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْرَابِيًّا فَأَرْخَى زِمَامَ نَاقَتِهِ لِتَشْرَبَ فَأَبَى أَنْ يَدَعَهُ فَانْتَزَعَ قِبَاضَ الْمَاءِ، فَرَفَعَ الْأَعْرَابِيُّ خَشَبَةً فَضَرَبَ بِهَا رَأْسَ الْأَنْصَارِيِّ فَشَجَّهُ، فَأَتَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ رَأْسَ الْمُنَافِقِينَ فَأَخْبَرَهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَغَضِبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ، ثُمَّ قَالَ: {لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا} [المنافقون: 7] - يَعْنِي الْأَعْرَابَ - وَكَانُوا

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب قولہ اذا جاء ک المنافقون، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب

يَحْضُرُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الطَّعَامِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: إِذَا انْفَضُّوا مِنْ عِنْدِ مُحَمَّدٍ فَأْتُوا مُحَمَّدًا بِالطَّعَامِ، فَلْيَأْكُلْ هُوَ وَمَنْ عِنْدَهُ، ثُمَّ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: لَئِنْ رَجَعْتُمْ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، قَالَ زَيْدٌ: وَأَنَا رِدْفُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ، فَأَخْبَرْتُ عَمِّي، فَانْطَلَقَ فَأَخْبَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَفَ وَجَحَدَ، قَالَ: فَصَدَّقَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَّبَنِي، قَالَ: فَجَاءَ عَمِّي إِلَيَّ، فَقَالَ: مَا أَرَدْتَ إِلَّا أَنْ مَقَتَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَّبَكَ وَالْمُسْلِمُونَ. قَالَ: فَوَقَعَ عَلَيَّ مِنَ الْهَمِّ مَا لَمْ يَقَعْ عَلَى أَحَدٍ. قَالَ: فَبَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَدْ خَفَقْتُ بِرَأْسِي مِنَ الْهَمِّ، إِذْ أَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَكَ أُذُنِي وَضَحِكَ فِي وَجْهِي، فَمَا كَانَ يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الْخُلْدَ فِي الدُّنْيَا، ثُمَّ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لَحِقَنِي فَقَالَ: مَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ: مَا قَالَ لِي شَيْئًا، إِلَّا أَنَّهُ عَرَكَ أُذُنِي وَضَحِكَ فِي وَجْهِي. فَقَالَ: أَبْشِرْ، ثُمَّ لَحِقَنِي عُمَرُ، فَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ قَوْلِي لِأَبِي بَكْرٍ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَةَ الْمُنَافِقِينَ۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے گئے، ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی بھی تھے، ہم لوگ جلدی سے پانی کی طرف دوڑ پڑے اور دیہاتی اس پانی تک پہنچنے میں ہم سے سبقت کر گئے، چنانچہ ایک دیہاتی اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھا، اس نے حوض کو پانی سے بھرا، اس کے اردگرد پتھر لگا کر اس پر چمڑا ڈال دیا (تا کہ اور کوئی پانی نہ لے سکے) یہاں تک کہ اس کے ساتھی آجائیں۔

ایک انصاری اس دیہاتی کے پاس آیا اور اپنی اونٹنی کی لگام ڈھیلی کر دی تا کہ وہ پانی پی لے، لیکن دیہاتی نے اس کو چھوڑنے سے انکار کر دیا، اس پر انصاری نے پانی کی رکاوٹ کو ہٹا دیا (تا کہ پانی بہہ جائے) دیہاتی نے ایک لکڑی اٹھائی اور انصاری کے سر پر دے ماری، جس نے اس کے سر کو زخمی کر دیا، پھر وہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس آیا اور اس کو یہ ساری بات بتائی، اور یہ دیہاتی اس منافق کے ساتھیوں میں سے تھا، عبداللہ بن ابی یہ واقعہ سن کر غصہ ہو گیا اور کہنے لگا: تم لوگ ان لوگوں پر ہرگز خرچ نہ کرو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں یعنی دیہاتی لوگ، اور یہ دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کے وقت حاضر ہوا کرتے تھے،

عبداللہ بن ابی نے کہا: جب یہ دیہاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جائیں تو اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا کرو تا کہ صرف وہ اور ان کے ساتھی ہی کھا سکیں پھر اس منافق نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اگر ہم مدینہ منورہ واپس گئے تو چاہیے کہ وہاں کے عزت مند لوگ (یعنی ہم لوگ) ذلیل لوگوں (یعنی محمد اور آپ کے صحابہ و مہاجرین) کو نکال دیں،

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں اس وقت نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، میں نے عبداللہ کی بات سن لی پھر اپنے چچا کو بتادی، پھر چچا گئے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتادی، آپ ﷺ نے اس منافق کی طرف پیغام بھیجا (اور اس سے پوچھا) اس نے قسم کھائی اور انکار کر دیا، زید کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو سچا اور مجھے جھوٹا قرار دیا، کہتے ہیں میرے چچا میرے پاس آکر کہنے لگے کہ: تم یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تم سے ناراض ہوں اور آپ ﷺ اور مسلمان تمہیں جھوٹا قرار دیں، کہتے ہیں کہ مجھ پر اس کا اتنا رنج ہوا کہ کسی اور کو ایسا رنج نہ ہوا ہوگا۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں چل رہا تھا اور غم کی وجہ سے میں نے اپنا سر جھکا رکھا تھا کہ اچانک آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میرے کان کو آپ نے ملا اور میرے سامنے ہنسنے لگے، آپ ﷺ کے ہنسنے پر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ آپ کی مسکراہٹ کے بدلے میں اگر مجھے دنیا میں ہمیشہ رہنے کی خوشخبری ملتی تو یہ بات میرے لئے ہرگز باعث مسرت نہ ہوتی، پھر ابوبکر مجھ سے ملے اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا: آپ نے مجھے کچھ فرمایا تو نہیں، بس آپ نے میرا کان ملا اور ہنسنے لگے، ابوبکر نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو، پھر عمر مجھ سے ملے (اور انہوں نے مجھ سے پوچھا) اور میں نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو ابوبکر کو دیا تھا، پھر جب ہم نے صبح کی تو رسول اللہ ﷺ نے سورہ منافقون کی تلاوت فرمائی۔

عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ الْقُرَظِيَّ، مُنْذُ أَرْبَعِينَ سَنَةً يُحَدِّثُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أُبَيٍّ، قَالَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ: {لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ} [المنافقون: 8] قَالَ: فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَحَلَفَ مَا قَالَهُ، فَلَامَنِي قَوْمِي وَقَالُوا: مَا أَرَدْتَ إِلَّا هَذِهِ، فَأَتَيْتُ الْبَيْتَ وَنِمْتُ كَئِيبًا حَزِينًا، فَأَتَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ صَدَّقَكَ قَالَ: فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: {هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا} [المنافقون: 7] (1)۔

حکم بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن کعب قرظی سے چالیس سال سے زید بن ارقم کے حوالے سے یہ حدیث سنی کہ عبداللہ بن ابی نے غزوہ تبوک کے موقع پر کہا کہ اگر ہم مدینہ گئے تو ضرور وہاں کے عزت مند لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے، زید کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کو یہ بات بتائی تو عبداللہ نے قسم کھائی کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، اس پر میری قوم نے مجھے ملامت کی اور کہنے لگے: اس جھوٹ سے تمہاری یہی مقصد تھا؟ میں گھر آیا، غمگین اور پریشان ہو کر سو گیا، پھر آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے یا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے، کہتے ہیں: اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(1) صحیح بخاری، تاب التفسیر باب قولہ: ذلک بانهم آمنوا ثم کفروا

"هم الذین یقولون ـ" (وہ لوگ کہتے ہیں: تم ان لوگوں پر مت خرچ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس سے چلے جائیں)۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: كُنَّا فِي غَزَاةٍ - قَالَ سُفْيَانُ: يَرَوْنَ أَنَّهَا غَزْوَةُ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ وَقَالَ الأَنْصَارِيُّ: يَا لَلأَنْصَارِ، فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالُوا: رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَسَعَ رَجُلًا مِنَ الأَنْصَارِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ، فَسَمِعَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ، فَقَالَ: أَوَقَدْ فَعَلُوهَا؟ وَاللّٰهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الأَعَزُّ مِنْهَا الأَذَلَّ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو، فَقَالَ: لَهُ ابْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتَّى تُقِرَّ أَنَّكَ الذَّلِيلُ، وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيزُ، فَفَعَلَ (۱)۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں تھے، سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ غزوہ بنی المصطلق کا واقعہ ہے، ایک مہاجر شخص نے انصاری کی سرین پر گھونسا مار دیا، اس پر مہاجر نے (اپنی مدد کے لئے) کہا: اے مہاجرو میری مدد کرو، اور انصاری نے کہا: اے انصاریوں میری مدد کے لئے آجاؤ، یہ بات نبی کریم ﷺ نے سن لی، تو فرمایا: جاہلیت کی اس پکار کی کیا وجہ ہے؟ صحابہ نے بتایا: ایک مہاجر نے انصاری کی سرین پر لات دے ماری، آپ ﷺ نے فرمایا: جاہلیت کی اس پکار اور نعرے کو چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار ہے، یہ بات عبداللہ بن ابی نے سنی تو کہنے لگا: کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم اگر ہم مدینہ گئے تو ضرور وہاں کے عزت مند لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے، حضرت عمر فرمانے لگے: یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات چھوڑ دو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے، عمرو بن دینار کے علاوہ دوسرے راوی نے کہا کہ: عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا: اللہ کی قسم ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں لوٹیں گے جب تک کہ تم اس بات کا اقرار نہ کرلو کہ تم ہی ذلیل ہو اور رسول اللہ ﷺ معزز ہیں، چنانچہ اس نے ایسا اقرار کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔عبداللہ بن ابی ابن سلول: یہ رئیس المنافقین تھا، اس میں ابن سلول عبداللہ کی صفت ہے اور سلول اس منافق کی ماں کا نام ہے۔مقت: ناراضگی اور غصہ۔ مبتدر: ہم جلدی جاتے، دوڑ کر جاتے۔نطع: (نون کے نیچے زیر اور طاء پر زبر) چمڑے کا بچھونا۔ارخی: ڈھیلا چھوڑا۔زمام: لگام۔انتزع: نکال دیا، کھینچ دیا۔قیاض: (قاف کے نیچے زیر) رکاوٹ، روک جس

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب ماینھی من دعوی الجاھلیۃ، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب نصر الاخ ظالما

سے پانی کو روکا گیا تھا۔ فشجہ: اس لکڑی نے اس کے سر کو زخمی کر دیا۔ ردف: پچھلا سوار۔ قد خفقت براسی: میں نے اپنا سر جھکا رکھا تھا۔ عرک اذنی: آپ نے میرے کان ملے۔ کسیا: رنجیدہ، غمزدہ۔ حزینا: غمگین، پریشان۔ کسع: اس نے سرین پر ہاتھ سے گھونسا مارا، یالات ماری۔ منتنۃ: بدبودار، سڑا ہوا۔

غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں سورہ منافقین کا نزول

امام ترمذی رحمہ اللہ کی مذکورہ احادیث میں سورہ منافقین کا شان نزول بیان کیا گیا ہے، اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اگر لشکر اور مجمع میں کوئی بندہ اسلام کے خلاف بات کرے تو وہ بات متعلقہ ذمہ دار اور امیر کو بتانی چاہیے۔

۲۔ سورہ منافقین کا نزول غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں ہوا ہے، اور عبداللہ بن ابی نے یہ جملہ: "لئن رجعنا الی المدینۃ ..." اسی سفر میں کہا تھا، بعض روایتوں میں جو غزوہ تبوک کا ذکر ہے یہ غلط ہے، راوی کو سہو ہو گیا ہے، کیونکہ یہ منافق غزوہ تبوک کے موقع پر راستے سے واپس آ گیا تھا، اس میں شریک نہیں ہوا تھا، اس لئے یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے سفر کا ہے، غزوہ تبوک کا نہیں ہے۔

۳۔ اگر خدانخواستہ لڑائی ہو جائے تو قومیت اور عصبیت کی بنا پر کسی کو اپنی مدد کے لئے نہ بلایا جائے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، چنانچہ جب دو صحابہ میں لڑائی ہوگئی ایک انصاری حضرت سنان بن وبرہ جہنی اور ایک مہاجر حضرت جہجاہ بن قیس کے درمیان، تو انصاری نے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے پکارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ اس قسم کے نعرے زمانہ جاہلیت کے ہیں، انہیں اختیار کرنا جائز نہیں۔

۴۔ فتنہ سے بچنے اور مصلحت وحکمت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مخصوص حالات میں شر سے بچنے کے لئے اگر حاکم وقت کسی کو سزا نہ دے تو اس کی گنجائش ہے۔

۵۔ حضرت زید بن ارقم ایک نوجوان اور کم عمر صحابی تھے، جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منافق کی بات بتائی تو آپ نے ان کی تصدیق نہ کی، اس منافق کی بات مان لی، یہ بڑے غمگین اور پریشان ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقین نازل فرمائی، جس میں واضح کر دیا گیا کہ زید بن ارقم سچے اور وہ منافق سراسر جھوٹا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت اور پیار کی وجہ سے حضرت زید کے کان کو ملا اور ہنسنے لگے تا کہ ان کا وہ غم ڈھل جائے جس میں وہ مبتلی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت اور نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے (۱)۔

بعض جملوں کی تشریح:

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۰۵/۹

کنت مع عمي: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے چچا سے سعد بن عبادہ مراد ہیں، یہ ان کے حقیقی چچا نہیں بلکہ ان کے قبیلہ خزرج کے سردار ہیں، ان کے حقیقی چچا ثابت بن قیس ہیں، یہ یہاں مراد نہیں (۱)۔

کنت نبتدر الماء و کان الاعراب یسبقونا الیہ.

اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

- کبھی ہم ان سے سبقت کر جاتے اور کبھی وہ دیہاتی اس پانی پر پہونچنے میں ہم سے سبقت کر جاتے۔
- ہم اس پانی تک پہونچنے میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے لیکن وہ دیہاتی ہم سے سبقت کر جاتے تھے۔

اور اس کے بعد یہ جملے بطور حکایت کے ہیں کہ گذشتہ بات کو بیان کر رہے ہیں: سبق اعرابی اصحابہ فیسبق الاعرابی، اس سے کوئی نئے معنی مراد نہیں (۲)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ يُبَلِّغُهُ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهِ، أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ فِيهِ زَكَاةٌ فَلَمْ يَفْعَلْ، يَسْأَلِ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، اتَّقِ اللَّهَ، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ الرَّجْعَةَ الْكُفَّارُ؟ فَقَالَ: سَأَتْلُو عَلَيْكَ بِذَلِكَ قُرْآنًا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ} -إِلَى قَوْلِهِ- {وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ} [المنافقون: 11] قَالَ: فَمَا يُوجِبُ الزَّكَاةَ؟ قَالَ: إِذَا بَلَغَ الْمَالُ مِائَتَيْنِ فَصَاعِدًا. قَالَ: فَمَا يُوجِبُ الْحَجَّ؟ قَالَ: الزَّادُ وَالْبَعِيرُ.

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اس کو حج بیت اللہ تک پہنچا سکے یا اس کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہو لیکن اس نے ایسا نہ کیا یعنی نہ حج کیا اور نہ زکوٰۃ ادا کی تو وہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دنیا میں لوٹنے کا سوال کرتا ہے (تا کہ وہ حج کر سکے اور فرائض سے سبکدوش ہو جائے) ایک شخص نے عرض کیا: ابن عباس اللہ سے ڈرو، دنیا میں دوبارہ لوٹنے کا مطالبہ تو کافر کریں گے، ابن عباس نے فرمایا: میں اس بارے میں تمہارے سامنے قرآن کریم کی آیات پڑھتا ہوں، (پھر انہوں نے یہ آیات پڑھیں) ”یایھا الذین اٰمنوا لاتلھکم أموالکم ولا أولادکم عن ذکر اللہ ــــ“ (اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں، اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں، اور ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس

(۱) فتح الباری ۸۳۲/۸، کتاب التفسیر

(۲) الکوکب الدری ۳۰۲/۴.

کی میعاد (یعنی عمر کی مدت ختم ہونے پر) آجاتی ہے، ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے) پھر اس شخص نے پوچھا کہ زکوۃ کتنے مال پر واجب ہوتی ہے؟ ابن عباس نے فرمایا: جب مال دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ کو پہنچ جائے، پھر اس نے پوچھا کہ حج کب فرض ہوتا ہے؟ فرمایا: توشہ اور سواری سے۔

موت سے پہلے فرائض اور واجبات سے فارغ ہو جاؤ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو اس انداز سے زندگی گذارنی چاہیے کہ اس کے ذمے میں کوئی فرض، کوئی واجب اور کوئی حق باقی نہ رہے، ورنہ وہ موت کے وقت تمنا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دنیا میں دوبارہ لوٹا دیں تاکہ میں یہ فرائض سرانجام دے سکوں، لیکن اس وقت کی تمنا کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، آج کتنے ہی مسلمان دنیا کے لہو ولعب، مال و دولت کی ہوس اور طرح طرح کے دھندوں میں مشغول ہیں، انہیں نہ نماز روزے کی فکر ہے اور نہ زکوۃ کی ادائیگی اور حج کی، اور آئے دن ان کی غفلت اور بے دینی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ التَّغَابُنِ

یہ باب سورہ تغابن کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ} [التغابن: 14] قَالَ: هَؤُلَاءِ رِجَالٌ أَسْلَمُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَأَرَادُوا أَنْ يَأْتُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبَى أَزْوَاجُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ أَنْ يَدَعُوهُمْ أَنْ يَأْتُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَوُا النَّاسَ قَدْ فَقِهُوا فِي الدِّينِ هَمُّوا أَنْ يُعَاقِبُوهُمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ} [التغابن: 14] الآيَةَ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے کسی نے اس آیت کی تفسیر پوچھی: "یایھا الذین اٰمنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم" (اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو) ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو مکہ مکرمہ میں اسلام لائے تھے اور چاہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوں، مگر ان کی بیویوں اور اولاد نے ان کو چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوں، چنانچہ جب وہ لوگ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے (پہلے ہجرت کرنے والے) لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں کافی سمجھ حاصل کر چکے ہیں تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ ان

(بیویوں اور اولاد) کو سزا دیں (جنہوں نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا ہے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "یایھا الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم۔۔"۔

مال واولاد انسان کے لئے بڑا فتنہ ہیں

مذکورہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل اسلام ہوئے، اور ہجرت کر کے مدینہ میں آنا چاہا تو ان کے اہل وعیال نے ان کو نہ چھوڑا کہ وہ ہجرت کر کے چلے جائیں،

یہ وہ زمانہ تھا کہ مکہ سے ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا، قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں ایسی بیوی اور اولاد کو انسان کا دشمن قرار دیا، اور ان کے شر سے بچتے رہنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ اس سے بڑا دشمن انسان کا کون ہوسکتا ہے جو اس کو ہمیشہ کے عذاب اور جہنم کی آگ میں مبتلی کر دے۔

جب وہ ہجرت کر کے مدینہ میں پہونچے تو دیکھا کہ ہم سے پہلے جو مسلمان ہجرت کر کے آچکے ہیں انہوں نے دین کا بہت سا علم حاصل کر لیا ہے تو انہیں بہت افسوس ہوا اور ارادہ کر لیا کہ ہم اپنی بیویوں اور اولاد کو سزا دیں گے کہ انہوں نے ہمیں ہجرت سے منع کیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ جس میں ان کو حکم دیا کہ وہ ان کو سزا نہ دیں، بلکہ ان سے عفو و درگذر اور معافی کا معاملہ کریں۔

اس آیت سے استدلال کر کے علماء نے لکھا ہے کہ اگر اہل وعیال سے کوئی کام شریعت کے خلاف بھی ہو جائے تو اسے برداشت کر کے ان کی اصلاح کی فکر کی جائے، دل میں ان سے بغض رکھنا یا ان کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں(۱)۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ التَّحْرِيمِ

یہ باب سورہ تحریم کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: لَمْ أَزَلْ حَرِيصًا أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّتَيْنِ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا} [التحريم: 4] حَتَّى حَجَّ عُمَرُ، وَحَجَجْتُ مَعَهُ، فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ مِنَ الإِدَاوَةِ فَتَوَضَّأَ، فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، مَنِ الْمَرْأَتَانِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّتَانِ قَالَ اللهُ: {إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا} [التحريم: 4] فَقَالَ لِي: وَاعَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَكَرِهَ وَاللهِ مَا سَأَلَهُ عَنْهُ وَلَمْ يَكْتُمْهُ: فَقَالَ: هِيَ عَائِشَةُ، وَحَفْصَةُ، قَالَ: ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنِي الْحَدِيثَ فَقَالَ: كُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَجَدْنَا قَوْمًا تَغْلِبُهُمْ

(۱) معارف القرآن ۸/۴۶۹

نِسَاؤُهُمْ، فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَتَعَلَّمْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ، فَتَغَضَّبْتُ يَوْمًا عَلَى امْرَأَتِي، فَإِذَا هِيَ تُرَاجِعُنِي، فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِي، فَقَالَتْ: مَا تُنْكِرُ مِنْ ذَلِكَ؟ فَوَاللهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُرَاجِعْنَهُ، وَتَهْجُرُهُ إِحْدَاهُنَّ الْيَوْمَ إِلَى اللَّيْلِ. قَالَ: قُلْتُ فِي نَفْسِي: قَدْ خَابَتْ مَنْ فَعَلَتْ ذَلِكَ مِنْهُنَّ وَخَسِرَتْ قَالَ: وَكَانَ مَنْزِلِي بِالْعَوَالِي فِي بَنِي أُمَيَّةَ، وَكَانَ لِي جَارٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، كُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَيَنْزِلُ يَوْمًا فَيَأْتِينِي بِخَبَرِ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ، وَأَنْزِلُ يَوْمًا فَآتِيهِ بِمِثْلِ ذَلِكَ. قَالَ: فَكُنَّا نُحَدِّثُ أَنَّ غَسَّانَ تُنْعِلُ الْخَيْلَ لِتَغْزُوَنَا.

قَالَ: فَجَاءَنِي يَوْمًا عِشَاءً فَضَرَبَ عَلَيَّ الْبَابَ، فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ. قُلْتُ: أَجَاءَتْ غَسَّانُ قَالَ: أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ، طَلَّقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءَهُ. قَالَ: قُلْتُ فِي نَفْسِي: خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ، قَدْ كُنْتُ أَظُنُّ هَذَا كَائِنًا، قَالَ: فَلَمَّا صَلَّيْتُ الصُّبْحَ شَدَدْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي، ثُمَّ انْطَلَقْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ، فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: أَطَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: لَا أَدْرِي، هُوَ ذَا مُعْتَزِلٌ فِي هَذِهِ الْمَشْرَبَةِ قَالَ: فَانْطَلَقْتُ فَأَتَيْتُ غُلَامًا أَسْوَدَ، فَقُلْتُ: اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، قَالَ: فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيَّ، قَالَ: قَدْ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا. قَالَ: فَانْطَلَقْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا حَوْلَ الْمِنْبَرِ نَفَرٌ يَبْكُونَ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِمْ، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَأَتَيْتُ الْغُلَامَ فَقُلْتُ: اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، فَدَخَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيَّ، قَالَ: قَدْ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، قَالَ: فَانْطَلَقْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ أَيْضًا فَجَلَسْتُ، ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ، فَأَتَيْتُ الْغُلَامَ، فَقُلْتُ: اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، فَدَخَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيَّ فَقَالَ: ذَكَرْتُكَ لَهُ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا.

قَالَ: فَوَلَّيْتُ مُنْطَلِقًا، فَإِذَا الْغُلَامُ يَدْعُونِي، فَقَالَ: ادْخُلْ فَقَدْ أُذِنَ لَكَ، قَالَ: فَدَخَلْتُ، فَإِذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ عَلَى رَمْلِ حَصِيرٍ، فَرَأَيْتُ أَثَرَهُ فِي جَنْبِهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ قَالَ: لَا. قُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ، لَقَدْ رَأَيْتَنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَجَدْنَا قَوْمًا تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ، فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَتَعَلَّمْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ، فَتَغَضَّبْتُ يَوْمًا عَلَى امْرَأَتِي، فَإِذَا هِيَ تُرَاجِعُنِي، فَأَنْكَرْتُ ذَلِكَ، فَقَالَتْ: مَا تُنْكِرُ؟ فَوَاللهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُرَاجِعْنَهُ وَتَهْجُرُهُ إِحْدَاهُنَّ الْيَوْمَ إِلَى اللَّيْلِ، قَالَ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: أَتُرَاجِعِينَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَتَهْجُرُهُ إِحْدَانَا الْيَوْمَ إِلَى اللَّيْلِ، فَقُلْتُ: قَدْ خَابَتْ مَنْ فَعَلَتْ ذَلِكَ مِنْكُنَّ وَخَسِرَتْ، أَتَأْمَنُ إِحْدَاكُنَّ أَنْ يَغْضَبَ اللهُ عَلَيْهَا لِغَضَبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هِيَ قَدْ هَلَكَتْ؟ فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: لَا تُرَاجِعِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا تَسْأَلِيهِ شَيْئًا، وَسَلِينِي مَا بَدَا لَكِ، وَلَا يَغُرَّنَّكِ إِنْ كَانَتْ صَاحِبَتُكِ أَوْسَمَ مِنْكِ، وَأَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَتَبَسَّمَ أُخْرَى،

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَسْتَأْنِسُ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَمَا رَأَيْتُ فِي الْبَيْتِ إِلَّا أُهُبَةً ثَلَاثَةً. قَالَ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يُوَسِّعَ عَلَى أُمَّتِكَ، فَقَدْ وَسَّعَ عَلَى فَارِسَ وَالرُّومِ وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَهُ، فَاسْتَوَى جَالِسًا، فَقَالَ: أَفِي شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ أُولَئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.

قَالَ: وَكَانَ أَقْسَمَ أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَى نِسَائِهِ شَهْرًا، فَعَاتَبَهُ اللهُ فِي ذَلِكَ وَجَعَلَ لَهُ كَفَّارَةَ الْيَمِينِ قَالَ الزُّهْرِيُّ، فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ بِي قَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ شَيْئًا فَلَا تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ قَالَتْ: ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ: {يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ} [الأحزاب: 28] الآيَةَ. قَالَتْ: عَلِمَ وَاللهِ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: أَفِي هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ. قَالَ مَعْمَرٌ، فَأَخْبَرَنِي أَيُّوبُ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَا تُخْبِرْ أَزْوَاجَكَ أَنِّي اخْتَرْتُكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا بَعَثَنِي اللهُ مُبَلِّغًا وَلَمْ يَبْعَثْنِي مُتَعَنِّتًا(۱).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں مسلسل اس خواہش میں رہا کہ میں حضرت عمر سے ازواج مطہرات میں سے ان دو عورتوں سے متعلق پوچھوں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: "ان تتوبا الی اللہ" (اے پیغمبر کی دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو (بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل (اس طرف) مائل ہورہے ہیں)، یہاں تک کہ عمر نے حج کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ حج کرلیا، میں نے چمڑے کے برتن سے ان پر پانی ڈالا جس سے انہوں نے وضو کیا،

میں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین: نبی کی بیویوں میں سے وہ دو بیویاں کونسی ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: "ان تتوبا الی اللہ"، حضرت عمر نے مجھے فرمایا: ابن عباس تعجب ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم نہیں، امام زہری کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم حضرت عمر کو یہ بات ناگوار تو لگی جو ابن عباس نے پوچھی لیکن انہوں نے ان سے چھپایا کچھ نہیں، حضرت عمر نے فرمایا: وہ عائشہ اور حفصہ ہیں،

ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر مجھے وہ واقعہ بیان کرنے لگے (جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے) فرمانے لگے: ہم قریش والے عورتوں پر غالب رہتے تھے (یعنی ان کو دبا کر رکھتے تھے) جب ہم مدینہ منورہ میں آئے ہم نے ایسے لوگوں کو پایا جن پر ان کی عورتیں غالب تھیں (یعنی عورتیں ان کو دبا کر رکھتی تھیں) اس وجہ سے ہماری عورتیں بھی ان کی عورتوں کی عادتیں سیکھنے لگیں، میں ایک دن اپنی بیوی پر غصہ ہوگیا تو اچانک وہ مجھے جواب دینے لگی تو مجھے یہ بات ناگوار گذری کہ وہ مجھے جواب دے رہی ہے، وہ کہنے لگی: تمہیں کیوں یہ ناگوار گذرا ہے؟ اللہ کی قسم ازواج

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم

مطہرات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک دن سے رات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنا بھی چھوڑ دیتی ہے، حضرت عمر کہتے ہیں: میں نے دل میں سوچا: وہ ناکام ہوگئی جس نے ان میں سے ایسا کیا اور وہ محروم ہوگئی،

حضرت عمر نے فرمایا: میری رہائش قبیلہ بنی امیہ کے ساتھ مقام عوالی میں تھی، اور ایک انصاری میرا پڑوسی تھا، ہم آپس میں باری باری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے، ایک دن وہ آتا تو وحی وغیرہ کی خبر میرے پاس لے آتا، اور ایک دن میں جاتا تو میں اس کے پاس اسی طرح کی خبر لے آتا، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں میں ان دنوں اس کا چرچا تھا کہ قبیلہ غسان گھوڑوں کو نعل لگا رہے ہیں تاکہ وہ ہم پر جنگ کرے، کہتے ہیں ایک دن میرا پڑوسی عشاء کے وقت میرے پاس آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی طرف نکلا تو کہنے لگا: ایک بڑا واقعہ پیش آیا ہے، میں نے کہا: کیا غسان آگیا ہے؟ وہ کہنے لگا: نہیں اس سے بھی بڑا واقعہ ہوا ہے، اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا کہ حفصہ ناکام اور محروم ہوگئی، مجھے یہی کھٹکا تھا کہ ایسا ہوگا،

کہتے ہیں: پھر جب میں نے فجر کی نماز پڑھی تو اپنے اوپر میں نے کپڑے مضبوطی سے باندھے (یعنی لباس وغیرہ پہن کر تیار ہوگیا) پھر میں چل پڑا یہاں تک کہ میں حفصہ کے پاس داخل ہوا تو وہ رو رہی تھی، میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو طلاق دے دی ہے؟ کہنے لگی: مجھے معلوم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کمرے میں کنارہ کش ہو کر تشریف فرما ہیں، کہتے ہیں: میں چلا اور کالے غلام یعنی رباح کے پاس آیا، اور میں نے اسے کہا کہ: عمر کے لئے اجازت مانگو، وہ اندر گیا پھر میری طرف باہر آیا اور کہنے لگا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکا ذکر کیا مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا، کہتے ہیں: پھر میں مسجد چلا گیا، تو دیکھا کہ منبر کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے رو رہے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا، پھر مجھ پر وہ فکر غالب آگئی جس کو میں اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا، پھر میں اس غلام کے پاس آیا، اور اس سے کہا: جاؤ، عمر کے لئے اجازت مانگو، وہ اندر داخل ہوا پھر میرے پاس باہر آگیا، کہنے لگا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کا ذکر کیا مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، کہتے ہیں: پھر میں مسجد چلا گیا اور وہاں بیٹھ گیا، پھر مجھ پر وہ فکر غالب آگئی جو میں محسوس کر رہا تھا، اس لئے میں غلام کے پاس آیا اور اس سے کہا: عمر کے لئے اجازت حاصل کرو، وہ اندر گیا اور پھر میرے پاس باہر آگیا، اور کہنے لگا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کا ذکر کیا مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، کہتے ہیں: پھر میں نے جانے کے لئے پیٹھ پھیری تو اچانک وہ غلام مجھے بلانے لگا، اور کہا: آپ اندر چلے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی ہے،

کہتے ہیں میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بٹی ہوئی چٹائی پر ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، جس کے نشانات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جانب دیکھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: اللہ اکبر، یارسول اللہ! آپ دیکھیے ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، جب ہم مدینہ منورہ آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں تو ہماری عورتیں ان کی عورتوں کی عادتیں سیکھنے لگیں، چنانچہ میں ایک مرتبہ اپنی بیوی پر غصہ ہوا تو وہ مجھے جواب دینے لگی تو مجھے اس کا یہ انداز برا لگا، اس پر وہ کہنے لگی: تمہیں کس وجہ سے برا لگتا ہے، اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی ان کو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک دن سے رات تک آپ ﷺ سے بات کرنا چھوڑ دیتی ہے،

حضرت عمر نے عرض کیا: پھر میں نے حفصہ سے پوچھا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، اور ہم میں سے کوئی ایک سارا دن حضور ﷺ سے بات کرنا چھوڑ دیتی ہے، کہتے ہیں: میں نے کہا: تم میں سے جس نے بھی ایسا کیا وہ ناکام اور محروم ہوگئی، کیا تم میں سے کوئی ایک اس بات سے امن میں ہے یعنی وہ اس سے نہیں ڈرتی کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض نہ ہو جائیں، ایسے میں وہ تو ہلاک ہی ہوگئی، اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے، کہتے ہیں: میں نے حفصہ سے کہا: تم نے (آئندہ) رسول اللہ ﷺ کے سامنے کبھی نہیں بولنا اور نہ ان سے کوئی چیز مانگنا، اور مجھ سے ہر وہ چیز مانگو جو تمہارے لئے ظاہر ہو (یعنی جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو) اور ہرگز تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری سوکن (یعنی حضرت عائشہ) تم سے زیادہ خوبصورت اور رسول اکرم ﷺ کو زیادہ محبوب ہے (یعنی ان کی برابری نہ کر) کہتے ہیں (یہ بات سن کر) نبی کریم ﷺ دوبارہ مسکرائے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا میں بیٹھا رہوں؟ فرمایا: جی ہاں، کہتے ہیں پھر میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو گھر میں تین کھالوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آیا، کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر (رزق کے اعتبار سے) وسعت اور کشادگی پیدا کر دے، اس نے فارس و روم کو خوب وسعت عطا کر رکھی ہے حالانکہ وہ تو اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے، (یہ بات سن کر) آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن خطاب کیا تم ابھی تک شک میں ہو (کہ آخرت کی وسعت، دنیا کی وسعت سے بہتر ہے)؟ وہ تو ایسے لوگ ہیں جن کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیاوی زندگی میں ہی پیشگی دے دیا گیا ہے،

کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس داخل نہیں ہوں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور آپ ﷺ کے لئے کفارہ یمین کو مقرر فرمایا،

زہری کہتے ہیں کہ مجھے عروہ نے حضرت عائشہ کے حوالے سے بتایا کہ جب انتیس دن گذر گئے تو رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور مجھ سے ہی ابتداء کی، اور فرمایا: عائشہ میں تم سے کچھ کہنے لگا ہوں، تم (اس کے جواب میں) جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ نہ کرلو، فرماتی ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت

فرمائی: "یایھا النبی قل لازواجک۔" (اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اوراس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ [illegible] کردوں، اور اگر تم اللہ اوراس کے رسول اور عالم آخرت کی طلبگار ہو، تو یقین جانو، اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے ماں باپ کبھی بھی آپ سے علیحدگی کا حکم نہیں دیں گے، فرماتی ہیں: میں نے (جواب میں) عرض کیا: کیا میں اس بارے میں اپنے والدین سے مشورہ لوں؟ میں تو یقیناً اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو ہی چاہتی ہوں،

معمر کہتے ہیں کہ مجھے ایوب نے بتایا کہ حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی دوسری بیویوں کو ذرا یہ بات نہ بتانا کہ میں نے آپ کو اختیار کرلیا ہے، آپ ﷺ نے (جواب میں) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے، مشقت اور تکلیف میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حریصا: خواہشمند، چاہنے والا۔ صببت: میں نے پانی ڈالا۔ اداوۃ: چمڑے کا برتن۔ ھی تراجعی: وہ مجھے جواب دینے لگی۔ فانکرت: مجھے ناگوار لگا، برا لگا۔ عوالی: عالیۃ کی جمع ہے، مدینہ کے قریب کے گاؤں جو مشرق کی جانب تھے۔ نتناوب: ہم باری باری آتے۔ تنعل الخیل: گھوڑوں کو نعل لگارہے تھے یعنی کھر کی حفاظت کے لئے گول مڑی ہوئی لوہے کی پتی لگارہے تھے تاکہ ان کے پاؤں خراب نہ ہوں۔ خسرت: وہ محروم ہوگئی۔ شددت علی ثیابی: میں نے اپنے اوپر مضبوطی سے کپڑے باندھ لئے یعنی جانے کے لئے تیار ہوگیا لباس وغیرہ پہن لیا۔ معتزل: کنارہ کش، الگ تھلگ۔ مشربۃ: (میم پر زبر اور شین ساکن) کمرہ۔ غلاماً اسود: کالا غلام ان کا نام "رباح" تھا۔ ولیت منطلقا: میں نے جانے کے لئے پیٹھ پھیرلی۔ رمل حصیر: بنی ہوئی چٹائی۔ أوسم منک: تم سے زیادہ خوبصورت۔ استأنس: میں بیٹھا رہوں، مجھے مزید بیٹھنے کی اجازت ہے۔ اھبۃ: اھاب کی جمع ہے وہ کھال جس کی دباغت نہ ہوئی ہو، یعنی جس کی کیمکل وغیرہ سے ابھی تک صفائی نہ ہوئی ہو۔ یوسع: رزق میں وسعت اور کشادگی کردے۔ أفی شک أنت: ابن خطاب کیا تم ابھی تک شک میں ہو کہ آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہتر ہے۔ عجلت: (صیغہ مجہول) پیشگی دیا گیا۔ طیباتھم: ان کی نیکیاں۔ عاتبہ اللہ: اللہ تعالیٰ نے آپ سے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ حتی تستأمری: یہاں تک کہ تم مشورہ کرلو۔ متعنتا: سختی اور مشقت میں ڈالنے والا بنا کر۔

آیات تحریم سے متعلق حضرت ابن عباس کی طویل حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث میں ازواج مطہرات سے متعلق دو قسم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ غزوہ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہوگئی تو انصار و مہاجرین کی

عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی اپنے لئے نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا، آپ ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لئے آپ اس مطالبے پر سخت رنجیدہ اور پریشان ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک ماہ تک جاری رہی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی، اس کے بعد سب سے پہلے آپ حضرت عائشہ کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنے لگا ہوں۔ جس کا ذکر ترمذی کی مذکورہ روایت میں گذر چکا ہے، اس واقعہ کی مکمل تفصیل سورہ احزاب میں ہے۔

۲۔ سورہ تحریم یعنی "یایھا النبی لم تحرم" میں نبی کریم ﷺ نے جس چیز کو اپنے لئے حرام کیا تھا، وہ کیا تھی؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس سلسلے میں دو قسم کے واقعات منقول ہیں:

❁ ایک وہ واقعہ ہے جس کی طرف ابن عباسؓ نے مذکورہ حدیث میں اشارہ کیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس حال پوچھنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک دن حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہر گئے اور شہد پی لیا اس کے بعد حضرت عائشہ اور حفصہ کے پاس آپ تشریف لے گئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ (مغافیر ایک گھاس کا نام ہے، جس میں کچھ بو ہوتی ہے) آپ نے نفی میں جواب دیا، تو انہوں نے پوچھا کہ "آپ کے منہ میں یہ بو کیسی ہے"؟ آپ کو اس سے شبہ ہوا کہ شاید جو شہد میں نے پیا تھا، اس کی مکھی نے مغافیر کو چوسا ہو، رسول اللہ ﷺ بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے، اس لئے آپ نے اس وقت یہ قسم کھا لی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا، اس پر آیت تحریم نازل ہوئی۔

آپ نے شہد نہ پینے کی جو قسم کھائی اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ وہ قسم توڑ دیں اور اس کا کفارہ ادا کریں۔

جمہور علماء کے نزدیک یہی واقعہ سورہ تحریم کے نزول کا سبب ہے۔

❁ بعض حضرات کے نزدیک آپ ﷺ نے اپنے اوپر ایک لونڈی کو حرام کیا تھا، یہ باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے، یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ کے گھر آ گئی تھیں جبکہ حضرت حفصہ موجود نہیں تھیں، اتفاق سے انہی کی موجودگی میں حضرت حفصہ آ گئیں، انہیں یہ بات ناگوار گذری جسے نبی کریم ﷺ نے بھی محسوس فرمایا، اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ کو راضی کرنے کے لئے قسم کھا کر حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا، اور حضرت حفصہ کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتلائے، لیکن انہوں نے پھر بھی چپکے سے حضرت عائشہ کو یہ بات بتلا دی، اس پر آیت نازل ہوئی،

علماء نے اس واقعہ کو ضعیف قرار دیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہی آیات تحریم کے نزول کا سبب بنے ہوں۔

حدیث کے بعض جملوں کی تشریح:

"ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما" یہ حضرت عائشہ اور حفصہ سے خطاب ہے کہ اگر تم توبہ کرو جیسا کہ اس واقعہ کا تقاضا

ہے کہ تمہارے دل حق سے مائل ہوگئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مؤمن کا فرض ہے، مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کرکے ایسی صورت اختیار کی، جس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی، یہ ایسا گناہ ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

واعجبالک یاابن عباس، حضرت عمر کو تعجب ہوا کہ ابن عباس سے یہ بات کیسے مخفی ہے جبکہ اتنے بڑے قرآن کے مفسر ہیں، امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کو یہ سوال ناگوار لگا لیکن انہوں نے جواب دے دیا اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی۔

ان غسان ـــ، اس سے قبیلہ غسان مراد ہے، اس وقت ان کا بادشاہ حارث بن ابی شمر تھا۔

قد کنت اظن هذا کائنا حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ ایسا ہوکر رہے گا کیونکہ حضرت حفصہ حضور ﷺ کو جواب دیتی تھیں، اور کبھی ترکی بہ ترکی جواب آپس کی جدائی کا باعث بن جاتا ہے۔

قلت: اللہ اکبر، یہ تکبیر تعجب کی وجہ سے کہی کہ باہر تو یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے،

ولا یعزنک ان کانت صاحبتک مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری سوکن حضرت عائشہ تم سے زیادہ خوبصورت اور حضور ﷺ کی محبوب ہے تو تم بھی ایسی ہی ہو، ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کی نظر میں تمہارا وہ مقام نہ ہو جو حضرت عائشہ کا ہے، لہذا کسی بات پر تمہاری گرفت ہوسکتی ہے(۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُوْرَةِ نٓ

یہ باب سورہ ن والقلم کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ سُلَيْمٍ، قَالَ: قَدِمْتُ مَكَّةَ فَلَقِيتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّ نَاسًا عِنْدَنَا يَقُولُونَ فِي الْقَدَرِ، فَقَالَ عَطَاءٌ: لَقِيتُ الْوَلِيدَ بْنَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَجَرَى بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ.

عبدالواحد بن سلیم کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آیا تو میں نے عطاء بن ابی رباح سے ملاقات کی، میں نے ان سے عرض کیا: اے ابومحمد! ہمارے ہاں کچھ لوگ تقدیر کے بارے میں کہتے ہیں یعنی اس کا انکار کرتے ہیں، عطاء نے فرمایا: میری ولید بن عبادہ بن صامت سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اسے حکم دیا کہ لکھو، چنانچہ وہ چل پڑا، ہر اس چیز کو لکھنے میں، جو ہو چکا اور جو ہمیشہ ہمیشہ تک ہونے والا ہے۔

اس حدیث سے متعلق تمام کلام اور بحث ابواب القدر کے آخری باب میں گذر چکی ہے، اس کے لئے دیکھئے معارف

---

(۱) فتح الباری ۹/۳۶۰، کتاب النکاح باب موعظة الرجل ابنته، ۹/۴۷۰، کتاب الطلاق باب لم تحرم ما أحل الله لک؟

ترمذی جلد اوّل رص: ۱۶۸

بَاب وَمِنْ سُورَةِ الحَاقَّةِ

یہ باب سورہ حاقہ کے بارے میں ہے

عَنْ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: زَعَمَ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا فِي الْبَطْحَاءِ فِي عِصَابَةٍ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيهِمْ، إِذْ مَرَّتْ عَلَيْهِمْ سَحَابَةٌ فَنَظَرُوا إِلَيْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُونَ مَا اسْمُ هَذِهِ؟ قَالُوا: نَعَمْ، هَذَا السَّحَابُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالْمُزْنُ؟ قَالُوا: وَالْمُزْنُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالْعَنَانُ؟ قَالُوا: وَالْعَنَانُ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُونَ كَمْ بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؟ قَالُوا: لَا، وَاللَّهِ مَا نَدْرِي، قَالَ: فَإِنَّ بُعْدَ مَا بَيْنَهُمَا إِمَّا وَاحِدَةٌ، وَإِمَّا اثْنَتَانِ، أَوْ ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ سَنَةً، وَالسَّمَاءُ الَّتِي فَوْقَهَا كَذَلِكَ، حَتَّى عَدَّدَهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ كَذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ: فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى السَّمَاءِ، وَفَوْقَ ذَلِكَ ثَمَانِيَةُ أَوْعَالٍ بَيْنَ أَظْلَافِهِنَّ وَرُكَبِهِنَّ مِثْلُ مَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلَى سَمَاءٍ، ثُمَّ فَوْقَ ظُهُورِهِنَّ الْعَرْشُ، بَيْنَ أَسْفَلِهِ وَأَعْلَاهُ مِثْلُ مَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلَى سَمَاءٍ، وَاللَّهُ فَوْقَ ذَلِكَ(۱).

حضرت عباس بن عبد المطلب فرماتے ہیں کہ وہ یعنی میں اپنے (کافر دوستوں کی) جماعت کے ساتھ بطحاء مکہ میں بیٹھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں تشریف فرما تھے، اچانک ایک بدلی گذری، لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اس بدلی کا کیا نام ہے؟ عرض کیا: جی ہاں یہ بادل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور مزن بھی اس کا نام ہے، انہوں نے عرض کیا: جی ہاں مزن بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے عنان بھی کہتے ہیں انہوں نے عرض کیا: جی ہاں عنان بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان وزمین کے درمیان کتنی دوری اور فاصلہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ نے فرمایا: ان دونوں کے درمیان اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ اور دوری ہے، اور آسمان دنیا سے اوپر کا آسمان بھی اتنا ہی دور ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتوں آسمان اسی طرح شمار کرائے، پھر فرمایا: ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے اوپر اور نچلے کناروں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان فاصلہ ہے، اور اس سمندر کے اوپر جنگلی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں جن کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ دو آسمانوں کے درمیان ہے، پھر ان کی پیٹھ پر عرش رحمن ہے، جس کے نچلے اور

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی الجهمية ابن ماجة، المقدمة، باب فيما انكرته الجهمية

اوپر کے کناروں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے، اور اللہ جل جلالہ اس کے اوپر ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ الرَّازِيِّ وَهُوَ الدَّشْتَكِيُّ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ، قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلًا بِبُخَارَى عَلَى بَغْلَةٍ، وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ، يَقُولُ: كَسَانِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(۱)۔

عبدالرحمن بن عبداللہ بن سعد رازی دشتکی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بخارا میں ایک شخص کو دیکھا جو خچر پر سوار تھا، اس کے سر پر سیاہ عمامہ تھا، اس کا کہنا تھا کہ یہ پگڑی رسول اللہ ﷺ نے اسے پہنائی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔زعم: قال کے معنی میں ہے: کہا۔ عصابة: (عین کے نیچے زیر) جماعت۔ سحابة: بدلی۔ مزن: مزنة کی جمع ہے: پانی سے بھرے ہوئے بادل۔ عنان: بادل، اس کا واحد عنانة ہے۔ اوعال: وعل کی جمع ہے۔ جنگلی بکرے، یہاں حدیث میں فرشتے مراد ہیں، جن کی شکلیں بکروں کی طرح ہوں گی۔ اظلاف: ظلف (ظاء کے نیچے زیر) کی جمع ہے کھر۔ رکب: (را پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ) رکبة کی جمع ہے گھٹنے۔

ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے

پہلی حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عباس جس وقت مسلمان نہیں تھے، اس وقت انہوں نے اپنے کافر دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ نشست کی، جس میں آپ ﷺ نے اللہ جل شانہ کی قدرت کو مثالوں کے ذریعہ سمجھایا(۲)۔

۲۔ مذکورہ روایت میں تہتر سال کی مسافت کے بقدر فاصلے کا ذکر ہے، جبکہ دیگر بعض روایات میں پانچ سو سال کا ذکر ہے، اس لئے شارحین حدیث یہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی مخصوص عدد مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت اور زیادتی مراد ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی زیادہ فاصلہ ہے۔

۳۔ ساتوں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے، اور اس کے اوپر جنگلی بکروں کی شکل کے آٹھ فرشتے ہیں، جنہوں نے اپنی پشت پر عرش کو اٹھایا ہوا ہے، اس کے اوپر اللہ جل جلالہ جلوہ افروز ہیں، قیامت کے دن عرش رحمن کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے امام ترمذی نے اسی آیت کی تفسیر میں اوپر والی حدیث ذکر کی ہے، جبکہ بعض روایات حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے تو یہ کام چار فرشتوں کے سپرد ہے، قیامت کے دن ان کے ساتھ اور چار بڑھا دیئے جائیں گے،

رہا یہ معاملہ کہ عرش رحمن کیا چیز ہے، اس کی حقیقت اور شکل وصورت کیا ہے، اور فرشتوں نے اسے کس طرح اٹھایا ہوا ہے،

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الخز

(۲) الکوکب الدری ۱۴، تحفۃ الاحوذی ۲۱۸/۹

ہے، اور اللہ جل شانہ عرش پر کس طرح جلوہ افروز ہیں،

سلف صالحین صحابہ وتابعین کا مسلک اس جیسے تمام معاملات میں یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، کہ اس سے جو کچھ اللہ جل شانہ کی مراد ہے وہ حق ہے، اگرچہ اس وقت ہمیں اس کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں۔

دوسری حدیث سے متعلق دو باتیں ہیں:

- اس روایت میں صرف کالی پگڑی کا ذکر ہے، جبکہ اس کے بعض طرق میں ریشم کا بھی ذکر ہے کہ وہ پگڑی ریشم کی تھی، اس صورت میں کسانیھا کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی یعنی حضرت عبداللہ بن خازم کو صرف ریشم کی پگڑی دی تھی، اس سے پہننا اور استعمال کرنا مراد نہیں، کیونکہ یہ تو مردوں کے لئے حرام ہے،
- اس دوسری روایت کو امام ترمذی نے اس مقام پر صرف یہ بتانے کے لئے ذکر کیا کہ اس سے پہلے والی حدیث کی سند میں جو عبدالرحمن بن سعد مذکور ہے، اس سے عبدالرحمن بن عبداللہ بن سعد رازی ہی مراد ہیں جو تبع تابعین میں سے ہیں(۱)۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ سَأَلَ سَائِلٌ

یہ باب سورہ معارج کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: {كَالْمُهْلِ} قَالَ: كَعَكَرِ الزَّيْتِ، فَإِذَا قَرَّبَهُ إِلَى وَجْهِهِ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهِ فِيهِ.

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت "یوم تکون السماء کالمھل" (جس دن آسمان مہل کی طرح ہو جائے گا) کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مہل" تیل کی تلچھٹ کی مانند ایک چیز ہے، پھر جب وہ اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا تو اس کے منہ کی کھال اس میں گر جائے گی۔

اس حدیث کی تشریح و تفصیل ابواب صفۃ النار، باب ما جاء فی صفۃ شراب أھل النار میں گذر چکی ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم کو دیکھ لیا جائے۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ الْجِنِّ

یہ باب سورہ جن کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجِنِّ وَلَا رَآهُمْ، انْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ،

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۲۱۹

وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ، فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ إِلَى قَوْمِهِمْ، فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟ قَالُوا: حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ فَقَالُوا: مَا حَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا أَمْرٌ حَدَثَ، فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا، فَانْظُرُوا مَا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ؟ قَالَ: فَانْطَلَقُوا يَضْرِبُونَ مَشَارِقَ الأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا، يَبْتَغُونَ مَا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَانْصَرَفَ أُولَئِكَ النَّفَرُ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدًا إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا القُرْآنَ اسْتَمَعُوا لَهُ فَقَالُوا: هَذَا وَاللَّهِ الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ. قَالَ: فَهُنَالِكَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ، فَقَالُوا: يَا قَوْمَنَا {إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا} [الجن: 2] فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى نَبِيِّهِ: {قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الجِنِّ} وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الجِنِّ (۱)۔

قَالَ: وَبِهَذَا الاِسْنَادِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ قَوْلُ الْجِنِّ لِقَوْمِهِمْ: (لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا) قَالَ: لَمَّا رَأَوْهُ يُصَلِّي وَاَصْحَابُهُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ فَيَسْجُدُوْنَ بِسُجُوْدِهِ. قَالَ: فَعَجِبُوْا مِنْ طَوَاعِيَةِ اَصْحَابِهِ لَهُ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ: لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو جنات کو دیکھا اور نہ ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ جانے کے لئے چلے تو شیاطین اور آسمان کی خبر یعنی وحی کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا، اور ان پر آگ کے شعلے چھوڑے جانے لگے، شیاطین اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو قوم نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے: ہم سے آسمان کی خبریں روک دی گئی ہیں، اور ہم پر آگ کے شعلے چھوڑے جاتے ہیں، وہ کہنے لگے: ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کسی نئے امر کی وجہ سے ہے لہٰذا تم لوگ مشرق و مغرب کی زمین میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کا باعث بنی ہے؟ راوی کہتے ہیں: چنانچہ وہ چل پڑے تاکہ مشرق و مغرب کی زمینوں کو طے کریں، اور تلاش کریں کہ کیا وہ چیز ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے؟ وہ جماعت جو تہامہ کی طرف گئی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچی جبکہ آپ مقام نخلہ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار عکاظ کے ارادے سے نکلے تھے، اور آپ اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔

جب جنوں نے قرآن سنا تو کان لگا کر اسے سننے لگے، اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم یہی چیز ہے جو تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہے راوی کہتے ہیں: یہیں سے وہ اپنی قوم کے پاس واپس لوٹ گئے اور کہنے لگے: اے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الجہر بقراءة صلاة الفجر

ہماری قوم ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، جو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: "قل اوحی الی انه استمع"، آپ ﷺ پر جنوں کا قول سے (آیت بن کر) نازل کر دیا گیا،

اور اسی سند سے ابن عباس ہی سے منقول ہے کہ یہ بھی جنوں کا قول ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "لما قام عبدالله یدعوه کادوا یکونون علیه لبدا"، کہتے ہیں جب جنوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے صحابہ بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے سجدے کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں، کہتے ہیں: جنات کو صحابہ کرام کی اطاعت وفرمانبرداری پر تعجب ہوا، اپنی قوم سے کہنے لگے: "لما قام عبدالله" (جب خدا کا خاص بندہ یعنی نبی کریم ﷺ خدا کی عبادت یعنی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ یعنی آپ کے صحابہ اس بندے پر بھیڑ لگانے کو ہوجاتے ہیں یعنی آپ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ الْجِنُّ يَصْعَدُونَ إِلَى السَّمَاءِ يَسْتَمِعُونَ الْوَحْيَ، فَإِذَا سَمِعُوا الْكَلِمَةَ زَادُوا فِيهَا تِسْعًا، فَأَمَّا الْكَلِمَةُ فَتَكُونُ حَقًّا، وَأَمَّا مَا زَادُوهُ فَيَكُونُ بَاطِلًا، فَلَمَّا بُعِثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنِعُوا مَقَاعِدَهُمْ، فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِإِبْلِيسَ، وَلَمْ تَكُنِ النُّجُومُ يُرْمَى بِهَا قَبْلَ ذٰلِكَ، فَقَالَ لَهُمْ إِبْلِيسُ: مَا هٰذَا إِلَّا مِنْ أَمْرٍ قَدْ حَدَثَ فِي الْأَرْضِ، فَبَعَثَ جُنُودَهُ فَوَجَدُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا يُصَلِّي بَيْنَ جَبَلَيْنِ أُرَاهُ قَالَ: بِمَكَّةَ، فَلَقُوهُ فَأَخْبَرُوهُ، فَقَالَ: هٰذَا الْحَدَثُ الَّذِي حَدَثَ فِي الْأَرْضِ(۱).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جنات آسمان کی طرف چڑھا کرتے تھے وحی کی باتیں سننے کے لئے، ایک بات سنتے تو اس میں (اپنی طرف سے) نو باتوں کا اضافہ کر دیتے، لہٰذا جو بات سنی ہوتی وہ تو سچی ہوتی، اور جو اضافہ ہوتا تو وہ جھوٹ ہونے کی وجہ سے باطل ہوجاتا، جب رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تو جنوں کو (آسمان کے قریب) اپنی نشستوں (پر بیٹھنے) سے روک دیا گیا انہوں نے ابلیس سے اس کا تذکرہ کیا، اور اس سے پہلے (اس شدت اور کثرت کے ساتھ) جنات کو ستاروں سے نہیں مارا جاتا تھا، ابلیس نے ان سے کہا: یہ کسی نئے امر کی وجہ سے ہے جو زمین پر رونما ہوا ہے، چنانچہ (اس کی معلومات کے لئے) اس نے اپنے لشکر (زمین کے مختلف اطراف میں) بھیج دیئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے پایا دو پہاڑوں کے درمیان، امام ترمذی فرماتے ہیں: میرا خیال یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ راوی نے کہا ہے: مکہ کے دو پہاڑوں کے درمیان، (جنات واپس آگئے) شیطان سے ملاقات کی اور اس کو یہ ساری بات بتائی، شیطان کہنے لگا: یہی نیا واقعہ ہے جو زمین پر ہوا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ شهب: شهاب کی جمع ہے: روشن چمکدار ستارہ جس سے شعلہ نکل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ فاضربوا

(۱) مسند احمد

مشارق الارض: لہذا تم لوگ زمین کے مشارق کو طے کرو، سفر کرو۔ یبتغون: وہ تلاش کریں۔ طواعیۃ: اطاعت وفرمانبرداری۔ لبدا: جمع ہو کر، بھیڑ لگا کر۔ منعوا مقاعدھم: جنات کو ان کی آسمان کے قریب کی نشستوں سے روک دیا گیا، بعثت سے پہلے یہ مکمل آزادی کے ساتھ اوپر جاتے، اور آسمان کے قریب فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے اپنے لئے مخصوص جگہیں بنا رکھی تھیں، مقاعد جمع ہے مقعد کی: نشست۔ امر قد حدث: کوئی نیا امر پیش آیا ہے۔ جنود: جند کی جمع ہے: لشکر۔ اراہ قال: یہ امام ترمذی کا قول ہے، اور "ہ" ضمیر اور "قال" کی ضمیر فاعل "محمد بن یحیی" راوی کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ محمد بن یحیی راوی نے "بمکۃ" کا لفظ بھی روایت کیا ہے یعنی مکہ مکرمہ کے دو پہاڑوں کے درمیان۔ فلقوہ: جنات کے دستے نے واپس آ کر ابلیس سے ملاقات کی۔

سورہ جن کا شان نزول

ترمذی کی مذکورہ روایت میں سورہ جن کے نازل ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جنات نے جب دیکھا کہ انہیں فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے آسمان کے قریب نہیں جانے دیا جا رہا، ضرور کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے، تحقیق کے بعد انہیں پتہ چلا کہ نبی آخر الزمان دنیا میں مبعوث ہو چکے ہیں، اس لئے اب ہماری آزادی ختم ہو چکی ہے۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ طائف سے واپس تشریف لا کر مقام نخلہ میں اپنے صحابہ کرام کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے، جنات نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے، واپس جا کر انہوں نے اپنی قوم کو یہ ساری بات بتائی جس کا ذکر ان آیات میں ہے "انا سمعنا قرانا عجبا"۔

جنات کے اس واقعہ کا علم نبی کریم ﷺ کو نہیں تھا، آپ نے اس موقع پر نہ تو ان کو دیکھا اور نہ ان کے سامنے تلاوت کی، بذریعہ وحی اس واقعہ کا آپ کو بتایا گیا ہے، اسی کا ذکر ابن عباس نے ترمذی کی مذکورہ روایت میں کیا، اس کے یہ معنی نہیں کہ کبھی بھی آپ علیہ السلام نے جنات سے ملاقات نہیں کی، یہ ابتداء کا واقعہ ہے، اس کے بعد چھ مرتبہ آپ نے جنات سے براہ راست ملاقات کی، ان کو اسلام کی دعوت دی، اس ملاقات میں بعض دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ساتھ تھے۔

لما قام عبداللہ کادوا یکونون علیہ لبدا،

حضرت عبداللہ بن عباس نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جنات نے جب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو باجماعت نماز پڑھا رہے ہیں، ان لوگوں نے رکوع وسجود میں صحابہ کو آپ کی اطاعت کرتے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے اور اس نورانی ماحول سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جنات کے اس وفد نے ایمان قبول کر لیا۔

ولم تکن النجوم یرمی بہا قبل ذلک،

ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ جنات کو آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی آسمان سے دھتکارا جاتا تھا، لیکن اس شدت، سختی اور کثرت کے ساتھ نہیں مارا جاتا تھا جتنا کہ آپ کے نبی بننے کے بعد انہیں شہاب سے مارا جاتا تھا، چنانچہ اس سے پہلے وہ کچھ نہ کچھ باتیں فرشتوں کی سن لیتے تھے، ایک بات سن لیتے تو نو باتیں اپنی طرف سے جھوٹ کی شامل کر دیتے، لیکن بعثت نبوی کے بعد انہیں آسمان کے قریب بالکل نہ جانے دیا جاتا، اور نہ ہی وہ کوئی بات سن پاتے تھے۔

انطلق رسول اللہ ﷺ فی طائفة من أصحابه،

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفرِ طائف میں صرف حضرت زید بن حارثہ تھے، پھر حدیث میں "صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ" کے الفاظ کیسے ذکر کیے ہیں؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے طائف کی طرف کئی سفر ہوئے ہوں، جس میں ایک دفعہ تو حضرت زید بن حارثہ ساتھ ہوں اور پھر کسی موقع پر آپ کے ساتھ ایک سے زیادہ صحابہ کرام ہوں، اس لئے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

۲۔ سفر طائف سے واپسی پر ایک ایک کر کے صحابہ کرام آپ کے ساتھ ہو گئے، یوں ایک جماعت کی شکل بن گئی، اس لئے حدیث میں فی طائفة من اصحابه کہا ہے(۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الْمُدَّثِّرِ

یہ باب سورہ مدثر کے بارے میں ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ، فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: بَيْنَمَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءَ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَدَثَّرُونِي، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ} [المدثر: 2] - إِلَى قَوْلِهِ - {وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ} [المدثر: 5] قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ(۲)۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا جبکہ آپ فترت وحی یعنی اس زمانے کی بات کر رہے تھے جب آپ پر وحی کا سلسلہ عارضی طور پر بند کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے کلام میں فرمایا: میں جا رہا تھا کہ آسمان سے میں نے ایک آواز سنی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اچانک میرے سامنے وہی فرشتہ ہے، جو میرے

(۱) فتح الباری ۸/۶۹۸، کتاب التفسیر باب سورة قل أوحی الیٰ، تحفة الاحوذی ۹/۲۲۳، الکوکب الدری ۴/۳۱۰
(۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب،

پاس غار حراء میں آیا تھا، وہ آسمان وزمین کے درمیان فضا میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، میں اسے اصلی حالت میں دیکھ کر گھبرا گیا، میں واپس آیا اور کہا: مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھاؤ، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "یایھا المدثر" (اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو، اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، اور گندگی سے کنارہ کرلو) یہ حکم (یعنی پاک صاف رہنے کا) نماز کو فرض قرار دینے سے پہلے کا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: فترة الوحی: وہ زمانہ جس میں کچھ مدت تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا ہو۔ جثثت منه رعبا: (صیغہ متکلم مجہول) میں اس فرشتے کو دیکھ کر گھبرا گیا، خوفزدہ ہوگیا۔ زملونی: مجھے کمبل اڑھاؤ، تاکہ خوف کی کیفیت ختم ہو۔ مدثر: لپیٹے والا۔ رجز: (را پر پیش اور زیر کے ساتھ) اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ مجاہد، قتادہ، زہری اور دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی بتوں کے ہیں۔ ۲۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں منقول ہے کہ اس سے ہر گناہ اور معصیت مراد ہے۔

فترت وحی کے بعد نازل ہونے والی آیتیں

صحیح روایت میں یہ بات منقول ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں پھر کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ بند رہا، جس کو فترت وحی کا زمانہ کہا جاتا ہے، اسی زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا، جو ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے کہ اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، دیکھا کہ وہی فرشتہ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام جو غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان کے نیچے فضا میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، ان کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی طبعی رعب اور ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو غار حراء میں ہوئی تھی، سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے اور فرمایا: زملونی زملونی، اس پر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الصَّعُودُ جَبَلٌ مِنْ نَارٍ يَتَصَعَّدُ فِيهِ الكَافِرُ سَبْعِينَ خَرِيفًا، ثُمَّ يَهْوِي بِهِ كَذَلِكَ أَبَدًا.

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صعود" جہنم میں ایک پہاڑ کا نام ہے، کافر اس پر ستر برس میں چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں وہ اس سے گرے گا، اور ہمیشہ اسی چڑھنے اور اترنے کے عذاب میں مبتلی رہے گا۔

اس حدیث کی تشریح "ابواب صفۃ جہنم، باب ما جاء فی صفۃ قعر جھنم" میں گذر چکی ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم کو دیکھ لیا جائے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ نَاسٌ مِنَ اليَهُودِ لِأُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ يَعْلَمُ

نَبِيُّكُمْ: كَمْ عَدَدُ خَزَنَةِ جَهَنَّمَ؟ قَالُوا: لَا نَدْرِي حَتَّى نَسْأَلَهُ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، غُلِبَ أَصْحَابُكَ الْيَوْمَ. قَالَ: وَبِمَ غُلِبُوا؟ قَالَ: سَأَلَهُمْ يَهُودُ: هَلْ يَعْلَمُ نَبِيُّكُمْ كَمْ عَدَدُ خَزَنَةِ جَهَنَّمَ؟ قَالَ: فَمَا قَالُوا؟ قَالَ: قَالُوا: لَا نَدْرِي حَتَّى نَسْأَلَ نَبِيَّنَا. قَالَ: أَفَغُلِبَ قَوْمٌ سُئِلُوا عَمَّا لَا يَعْلَمُونَ؟ فَقَالُوا: لَا نَعْلَمُ حَتَّى نَسْأَلَ نَبِيَّنَا، لَكِنَّهُمْ قَدْ سَأَلُوا نَبِيَّهُمْ، فَقَالُوا: أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً، عَلَيَّ بِأَعْدَاءِ اللّٰهِ، إِنِّي سَائِلُهُمْ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ وَهِيَ الدَّرْمَكُ، فَلَمَّا جَاءُوا قَالُوا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ، كَمْ عَدَدُ خَزَنَةِ جَهَنَّمَ؟ قَالَ: هٰكَذَا وَهٰكَذَا فِي مَرَّةٍ عَشَرَةٌ، وَفِي مَرَّةٍ تِسْعَةٌ، قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تُرْبَةُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: فَسَكَتُوا هُنَيْهَةً، ثُمَّ قَالُوا: خُبْزَةٌ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْخُبْزُ مِنَ الدَّرْمَكِ(۱).

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ چند یہودیوں نے صحابہ کرام سے پوچھا: کیا تمہارے نبی کو معلوم ہے کہ جہنم کے نگران کتنے فرشتے ہیں؟ صحابہ نے فرمایا: ہم نہیں جانتے لیکن ہم اپنے نبی ﷺ سے پوچھیں گے، پھر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد آج آپ کے صحابہ مغلوب اور شکست کھا گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کس وجہ سے مغلوب ہو گئے ہیں؟ وہ کہنے لگا: ان سے یہود نے پوچھا کہ کیا تمہارا نبی جانتا ہے کہ جہنم کے نگران کتنے فرشتے ہیں؟ آپ نے پوچھا کہ پھر صحابہ نے اسے کیا جواب دیا؟ اس نے کہا: صحابہ نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے مگر ہم اپنے نبی ﷺ سے پوچھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ارے، کیا وہ قوم مغلوب شمار ہوتی ہے، جس سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے جس کو وہ نہیں جانتے، اور انہوں نے کہا ہو کہ ہم نہیں جانتے یہاں تک کہ ہم اپنے نبی ﷺ سے پوچھیں گے، ارے ان یہودیوں نے تو اپنے نبی سے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ آپ ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کا دیدار کرائیں، اللہ کے ان دشمنوں کو میرے پاس لاؤ، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جنت کی مٹی کس چیز کی ہے؟ وہ میدہ ہے، چنانچہ جب وہ لوگ آگئے تو کہنے لگے: اے ابوالقاسم ﷺ جہنم کے نگران فرشتے کتنے ہیں؟ آپ ﷺ نے ہاتھوں سے دو مرتبہ اشارہ کیا، ایک مرتبہ دس انگلیوں سے اور ایک مرتبہ نو انگلیوں سے (ٹوٹل انیس ہو گئے) یہودی کہنے لگے: جی ہاں (ٹھیک جواب ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: جنت کی مٹی کس چیز کی ہے؟ راوی کہتے ہیں تھوڑی دیر وہ خاموش رہے اور پھر کہنے لگے: اے ابوالقاسم روٹی کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میدے کی روٹی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔خزنة: خازن کی جمع ہے: نگران، محافظ، داروغے۔ غلب: (صیغہ مجہول) مغلوب ہو گئے، ہار گئے۔ ارنا: تو ہمیں دکھلا دے، دیدار کرا دے۔ جهرة: کھلم کھلا، علانیہ طور پر۔ درمک: (دال پر زبر، را ساکن اور میم پر زبر) سفید آٹا یعنی میدہ، ملائم مٹی۔ هنيهة: (ھا پر پیش، نون پر زبر اور دوسری ہاء پر زبر) تھوڑی دیر کے لئے۔

(۱) مسند احمد ۳/۳۶۱

جہنم کے نگران فرشتوں کی تعداد

مذکورہ حدیث سے تین امر معلوم ہوئے:

۱۔ کسی شخص سے ایسی چیز کا سوال کیا جائے کہ جو اس کے علم میں نہ ہو اور نہ وہ اسے جانتا ہو تو اس سے اس پر ہار جیت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

۲۔ جہنم پر نگران فرشتوں کی تعداد انیس ہے، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے: "علیها تسعة عشر"۔

۳۔ جنت کی زمین میدے کی روٹی کی طرح سفید اور نرم ہوگی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي هٰذِهِ الآيَةِ: {هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ} [المدثر:56] قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا أَهْلُ أَنْ أُتَّقٰى، فَمَنِ اتَّقَانِي فَلَمْ يَجْعَلْ مَعِي إِلٰهًا، فَأَنَا أَهْلُ أَنْ أَغْفِرَ لَهُ(۱)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "هو اهل التقوى و اهل المغرفة" کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: میں ہی اس بات کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، لہذا جو شخص مجھ سے ڈرتا رہا اور میرے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنایا تو میں ہی اس بات کا اہل ہوں کہ اس کی مغفرت کردوں۔

اللہ ہی سے ڈرنے کا حکم

اس آیت کی تفسیر حدیث قدسی سے امام ترمذی نے ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا اہل ہے کہ ہر حال میں اسی سے ڈرا جائے، اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے، اور اللہ ہی ایسی ذات ہے جو بڑے سے بڑے مجرم گنہگار کو اس کے سب گناہ جب چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں، اور کسی کا یہ حوصلہ نہیں ہوسکتا، لہذا اسی کے در کو مضبوطی سے تھاما جائے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں تقویٰ کی دولت عطا فرمادے، آمین یارب العالمین۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الْقِيَامَةِ

یہ باب سورہ قیامہ کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ يُرِيدُ أَنْ يَحْفَظَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: {لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ} [القيامة: 16] قَالَ: فَكَانَ يُحَرِّكُ بِهِ

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الزهد باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيامة

شَفَتَيْهِ، وَحَرَّكَ سُفْيَانُ شَفَتَيْهِ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب قرآن مجید نازل ہوتا تو آپ اس کی وجہ سے اپنی زبان ہلاتے، تاکہ اسے یاد کرلیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "لا تحرک به لسانک لتعجل به" (اے پیغمبر تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو ہلایا نہ کرو) راوی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن ابی عائشہ راوی بھی اس کے ساتھ اپنے ہونٹ ہلاتے تھے، اور سفیان بھی اپنے ہونٹ ہلاتے تھے۔

تشریح: نبی کریم ﷺ پر جب قرآن کی وحی نازل ہوتی تو آپ اسے یاد کرنے کے لئے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے لگتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ آپ اس موقع پر خاموش رہا کریں، اس قرآن کو آپ کے دل میں محفوظ کرنا ہمارے ذمے ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ يَنْظُرُ إِلَى جِنَانِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَخَدَمِهِ وَسُرُرِهِ مَسِيرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ، وَأَكْرَمُهُمْ عَلَى اللَّهِ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهِ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ} [القيامة:23] (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک ادنیٰ درجہ کا جنتی بھی اپنے باغات، اپنی بیویوں، خدمت گاروں اور اپنے تخت وکرسی کو ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر رقبہ میں پھیلا ہوا دیکھے گا، اور اللہ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ محترم ومکرم وہ شخص ہوگا جو صبح وشام اللہ کے چہرے کو دیکھے گا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "وجوه يومئذ ناضرة، الى ربها ناظرة" (اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے پروردگار کو دیکھیں گے)۔

اس حدیث سے متعلق تفصیلی کلام ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی رؤیۃ الرب تبارک وتعالیٰ میں گذر چکا ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم کو دیکھ لیا جائے۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ عَبَسَ

یہ باب سورہ عبس کے بارے میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أُنْزِلَ: {عَبَسَ وَتَوَلَّى} [عبس: 1] فِي ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ الأَعْمَى، أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْشِدْنِي، وَعِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مِنْ عُظَمَاءِ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الاستماع للقراءۃ

(۲) مسند احمد ۱۳/۲

الْمُشْرِكِينَ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرِضُ عَنْهُ وَيُقْبِلُ عَلَى الآخَرِ، وَيَقُولُ: أَتَرَى بِمَا أَقُولُ بَأْسًا؟ فَيَقُولُ: لَا، فَفِي هَذَا أُنْزِلَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سورہ عبس ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل کی گئی، ایک مرتبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ میری رہنمائی کر دیجیے؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے سرداروں میں سے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کرتے رہے اور دوسرے شخص یعنی اس کافر کی طرف متوجہ رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس مشرک سے) فرماتے: میں جو کچھ تم سے (توحید کی) بات کر رہا ہوں، کیا اس میں تم کوئی ضرر اور حرج محسوس کرتے ہو؟ وہ کافر کہتا: نہیں (میں تو کوئی ضرر نہیں دیکھتا) چنانچہ اس بارے میں سورہ عبس اتاری گئی۔

سورہ عبس کا شان نزول

مذکورہ روایت میں سورہ عبس کا شان نزول بیان کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو سمجھانے کی غرض سے یہ مناسب سمجھا کہ اس صحابی کی بات کا بعد میں جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، سر دست ان کفار کو سمجھا لیا جائے، لیکن اللہ جل شانہ کو یہ طرز پسند نہیں آیا، سورہ عبس نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اجتہادی غلطی پر تنبیہ فرمائی۔

اس نابینا صحابی کا نام عبداللہ ہے بعض کے نزدیک ان کا نام عمرو بن قیس بن زائدہ ہے اور ام مکتوم ان کی والدہ کا نام ہے (۱)۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا. فَقَالَتْ امْرَأَةٌ: أَيُبْصِرُ أَوْ يَرَى بَعْضُنَا عَوْرَةَ بَعْضٍ؟ قَالَ: يَا فُلَانَةُ {لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ} [عبس: 37].

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں قیامت کے دن برہنہ پا، ننگے بدن، اور بغیر ختنہ کے اٹھایا جائے گا، ایک عورت نے عرض کیا: کیا ہم میں سے ہر ایک دوسرے کا ستر دیکھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں عورت: "لکل امری منھم یومئذ شأن یغنیه" (ان میں سے ہر ایک کو اس دن اپنی ایسی فکر پڑی ہوگی کہ اسے دوسروں کا ہوش نہیں ہوگا)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حفاۃ: حاف کی جمع ہے: برہنہ پا۔ عراۃ: عار کی جمع ہے: ننگے بدن والا۔ غرلا: أغرل کی جمع ہے: وہ شخص جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۲۳۲

قیامت کی ہولناکی

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قیامت کا منظر اس قدر سخت اور شدید ہوگا کہ ہر شخص کو اپنی ہی فکر پڑی ہوگی کہ میں آج بچ جاؤں، ہر شخص وہاں پر ننگا ہوگا لیکن کوئی کسی کو نہیں دیکھے گا اور نہ اس طرف کسی کا دھیان ہوگا، اللہ تعالیٰ اس دن کی ہولناکی سے محفوظ رکھے، آمین یارب العالمین۔

اس بارے میں مزید تفصیل ابواب صفۃ القیامۃ باب ما جاء فی شأن الحشر میں گذر چکی ہے، اسے معارف ترمذی جلد دوم میں دیکھ لیا جائے۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

یہ باب سورہ تکویر کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ رَأْيُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ، وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ وہ قیامت کے دن کو یوں دیکھے گویا کہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان (تین سورتوں) کو پڑھا کرے: سورہ تکویر، سورہ انفطار اور سورہ انشقاق۔

تین سورتوں کا خاص طور پر مطالعہ کیا جائے

مذکورہ تین سورتوں میں چونکہ قیامت کے دن کے احوال کو بڑے واضح انداز سے بیان کیا گیا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین سورتوں سورہ تکویر، سورہ انفطار اور سورہ انشقاق میں غور وفکر اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ

یہ باب سورہ مطففین کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللهُ

(۱) مسند احمد ۲/۲۷

{كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ} [المطففين:14](۱)۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے، تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے پھر جب وہ اس گناہ کو چھوڑ دے، استغفار اور توبہ کر لے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے، اور اگر وہ اس گناہ کو دوبارہ کرے تو اس سیاہ نقطہ کو بڑھا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سیاہی اس کے دل پر چھا جاتی ہے، اور یہی وہ ''ران'' (زنگ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے، ''کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون''۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ نکتت: (صیغہ مجہول) نقطہ لگا دیا جاتا ہے، نشان لگا دیا جاتا ہے۔ نزع: اس گناہ سے اپنے نفس کو کھینچ لے یعنی اسے ترک کر دے۔ سُقِلَ قلبه: (صیغہ مجہول) اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے، ران: اصل میں ''رین'' ہے جس کے معنی زنگ کے ہیں، پھر خلاف قیاس اس میں یاء کو الف سے بدل دیا تو ''ران'' ہو گیا۔

دل زنگ آلود ہو جاتا ہے

اللہ کی نافرمانی سے دلوں پر گناہوں کا زنگ لگ جاتا ہے، اور جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے، اسی طرح گناہوں کے زنگ نے ان کافروں کے دل کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا ہے جس سے ایک انسان اچھے اور برے کی تمیز کرتا ہے۔

یہ آیت اصل میں تو کافروں سے متعلق ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کی وجہ سے حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت کو ختم کر دیا ہے، ان کے دل زنگ آلود اور ان پر سیاہ نقطے لگ چکے ہیں، اور مسلمانوں کو اس سے ڈرایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے بچ کر رہیں کیونکہ ہر گناہ سے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر اس سے توبہ نہ کی جائے بلکہ مسلسل اس کی نافرمانی کی جائے تو وہ دل پھر بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، یوں اس سے نیکی کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے، ہاں اگر وہ تہ دل سے توبہ کر لے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا مکمل اہتمام رکھے تو پھر اس کا دل گناہوں سے صاف ہو سکتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: حَمَّادٌ: هُوَ عِنْدَنَا مَرْفُوعٌ، {يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ} [المطففين: 6] قَالَ: يَقُومُونَ فِي الرَّشْحِ إِلَى أَنْصَافِ آذَانِهِمْ۔

حضرت عبداللہ بن عمر: ''یوم یقوم الناس'' (جس دن تمام انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس روز لوگ اپنے آدھے کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔

اس حدیث سے متعلق ابواب صفۃ القیامۃ کے پہلے باب میں کلام گذر چکا ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم کو دیکھ لیا جائے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب ذكر الذنوب،

بَاب وَمِنْ سُورَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ

یہ باب سورہ انشقاق کے بارے میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ نُوقِشَ الحِسَابَ هَلَكَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ يَقُولُ: {فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ} [الانشقاق: 7] - إِلَى قَوْلِهِ - {يَسِيرًا} قَالَ: ذَلِكَ العَرْضُ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے ساتھ (قیامت کے دن) حساب میں مناقشہ یعنی بحث کی گئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جس شخص کو اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس کا آسان حساب ہوگا" آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آسان حساب صرف (اعمال کو اللہ جل شانہ کے سامنے) پیش کرنا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ.

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کا حساب (مباحثہ ومناقشہ کے ساتھ) لیا گیا تو اسے عذاب دیا جائے گا (کیونکہ ضرور وہ حساب میں پھنس جائے گا)

ان احادیث سے متعلق تفصیلی بحث گذر چکی ہے اس کے لئے دیکھئے: معارف ترمذی جلد دوم ابواب صفۃ القیامۃ باب العرض۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ البُرُوجِ

یہ باب سورہ بروج کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اليَوْمُ المَوْعُودُ يَوْمُ القِيَامَةِ، وَاليَوْمُ المَشْهُودُ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الجُمُعَةِ، وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلَى يَوْمٍ أَفْضَلَ مِنْهُ، فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يَدْعُو اللهَ بِخَيْرٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللهُ لَهُ، وَلَا يَسْتَعِيذُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَعَاذَهُ اللهُ مِنْهُ.

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (قرآن کریم میں) "الیوم الموعود" سے قیامت کا دن، یوم مشہود سے یوم عرفہ اور شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے، سورج کسی ایسے دن پر نہ طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو، اس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں کوئی ایمان والا بندہ جب کوئی اچھی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں اور کسی چیز سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے اس چیز کے شر سے پناہ دے دیتے ہیں۔

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ هَمَسَ - وَالْهَمْسُ فِي قَوْلِ بَعْضِهِمْ تَحَرُّكُ شَفَتَيْهِ كَأَنَّهُ يَتَكَلَّمُ - فَقِيلَ لَهُ: إِنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا صَلَّيْتَ الْعَصْرَ هَمَسْتَ؟ قَالَ: إِنَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ كَانَ أُعْجِبَ بِأُمَّتِهِ فَقَالَ: مَنْ يَقُومُ لِهَؤُلَاءِ؟ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنْ خَيِّرْهُمْ بَيْنَ أَنْ أَنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَبَيْنَ أَنْ أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ، فَاخْتَارُوا النِّقْمَةَ، فَسَلَّطَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ، فَمَاتَ مِنْهُمْ فِي يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفًا.

قَالَ: وَكَانَ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ الْآخَرِ قَالَ: كَانَ مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ وَكَانَ لِذَلِكَ الْمَلِكِ كَاهِنٌ يَكْهَنُ لَهُ، فَقَالَ الْكَاهِنُ: انْظُرُوا لِي غُلَامًا فَهِمًا - أَوْ قَالَ: فَطِنًا - لَقِنًا فَأُعَلِّمَهُ عِلْمِي هَذَا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ أَمُوتَ فَيَنْقَطِعَ مِنْكُمْ هَذَا الْعِلْمُ، وَلَا يَكُونَ فِيكُمْ مَنْ يَعْلَمُهُ. قَالَ: فَنَظَرُوا لَهُ عَلَى مَا وَصَفَ، فَأَمَرُوهُ أَنْ يَحْضُرَ ذَلِكَ الْكَاهِنَ وَأَنْ يَخْتَلِفَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ يَخْتَلِفُ إِلَيْهِ وَكَانَ عَلَى طَرِيقِ الْغُلَامِ رَاهِبٌ فِي صَوْمَعَةٍ - قَالَ مَعْمَرٌ: أَحْسِبُ أَنَّ أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ كَانُوا يَوْمَئِذٍ مُسْلِمِينَ - قَالَ: فَجَعَلَ الْغُلَامُ يَسْأَلُ ذَلِكَ الرَّاهِبَ كُلَّمَا مَرَّ بِهِ، فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتَّى أَخْبَرَهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا أَعْبُدُ اللهَ. قَالَ: فَجَعَلَ الْغُلَامُ يَمْكُثُ عِنْدَ الرَّاهِبِ وَيُبْطِئُ عَنِ الْكَاهِنِ، فَأَرْسَلَ الْكَاهِنُ إِلَى أَهْلِ الْغُلَامِ إِنَّهُ لَا يَكَادُ يَحْضُرُنِي، فَأَخْبَرَ الْغُلَامُ الرَّاهِبَ بِذَلِكَ، فَقَالَ لَهُ الرَّاهِبُ: إِذَا قَالَ لَكَ الْكَاهِنُ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَقُلْ: عِنْدَ أَهْلِي، وَإِذَا قَالَ لَكَ أَهْلُكَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّكَ كُنْتَ عِنْدَ الْكَاهِنِ.

قَالَ: فَبَيْنَمَا الْغُلَامُ عَلَى ذَلِكَ إِذْ مَرَّ بِجَمَاعَةٍ مِنَ النَّاسِ كَثِيرٍ قَدْ حَبَسَتْهُمْ دَابَّةٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ تِلْكَ الدَّابَّةَ كَانَتْ أَسَدًا. قَالَ: فَأَخَذَ الْغُلَامُ حَجَرًا فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ مَا يَقُولُ الرَّاهِبُ حَقًّا فَأَسْأَلُكَ أَنْ أَقْتُلَهَا. قَالَ: ثُمَّ رَمَى فَقَتَلَ الدَّابَّةَ. فَقَالَ النَّاسُ: مَنْ قَتَلَهَا؟ قَالُوا: الْغُلَامُ، فَفَزِعَ النَّاسُ وَقَالُوا: لَقَدْ عَلِمَ هَذَا الْغُلَامُ عِلْمًا لَمْ يَعْلَمْهُ أَحَدٌ. قَالَ: فَسَمِعَ بِهِ أَعْمَى، فَقَالَ لَهُ: إِنْ أَنْتَ رَدَدْتَ بَصَرِي فَلَكَ كَذَا وَكَذَا. قَالَ: لَا أُرِيدُ مِنْكَ هَذَا، وَلَكِنْ أَرَأَيْتَ إِنْ رَجَعَ إِلَيْكَ بَصَرُكَ، أَتُؤْمِنُ بِالَّذِي رَدَّهُ عَلَيْكَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَدَعَا اللهَ فَرَدَّ عَلَيْهِ بَصَرَهُ، فَآمَنَ الْأَعْمَى، فَبَلَغَ الْمَلِكَ أَمْرُهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ، فَأُتِيَ بِهِمْ، فَقَالَ: لَأَقْتُلَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْكُمْ قِتْلَةً لَا أَقْتُلُ بِهَا صَاحِبَهُ، فَأَمَرَ بِالرَّاهِبِ وَالرَّجُلِ الَّذِي كَانَ أَعْمَى فَوَضَعَ الْمِنْشَارَ عَلَى مَفْرِقِ أَحَدِهِمَا فَقَتَلَهُ، وَقَتَلَ الْآخَرَ بِقِتْلَةٍ أُخْرَى. ثُمَّ أَمَرَ بِالْغُلَامِ، فَقَالَ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَأَلْقُوهُ مِنْ رَأْسِهِ، فَانْطَلَقُوا بِهِ إِلَى ذَلِكَ الْجَبَلِ، فَلَمَّا انْتَهَوْا إِلَى ذَلِكَ الْمَكَانِ الَّذِي أَرَادُوا أَنْ يُلْقُوهُ مِنْهُ جَعَلُوا يَتَهَافَتُونَ مِنْ ذَلِكَ الْجَبَلِ وَيَتَرَدَّوْنَ، حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا الْغُلَامُ. قَالَ: ثُمَّ رَجَعَ، فَأَمَرَ بِهِ الْمَلِكُ أَنْ يَنْطَلِقُوا بِهِ إِلَى الْبَحْرِ فَيُلْقُونَهُ فِيهِ، فَانْطُلِقَ بِهِ إِلَى الْبَحْرِ، فَغَرَّقَ اللهُ الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ وَأَنْجَاهُ.

فَقَالَ الْغُلَامُ لِلْمَلِكِ: إِنَّكَ لَا تَقْتُلُنِي حَتَّى تَصْلُبَنِي وَتَرْمِيَنِي وَتَقُولَ إِذَا رَمَيْتَنِي: بِسْمِ اللهِ رَبِّ هَذَا الْغُلَامِ.

قَالَ فَأَمَرَ بِهِ فَصُلِبَ، ثُمَّ رَمَاهُ فَقَالَ: بِسْمِ اللَّهِ رَبِّ هَذَا الغُلَامِ. قَالَ: فَوَضَعَ الغُلَامُ يَدَهُ عَلَى صُدْغِهِ حِينَ رُمِيَ، ثُمَّ مَاتَ، فَقَالَ أُنَاسٌ: لَقَدْ عَلِمَ هَذَا الغُلَامُ عِلْمًا مَا عَلِمَهُ أَحَدٌ، فَإِنَّا نُؤْمِنُ بِرَبِّ هَذَا الغُلَامِ. قَالَ: فَقِيلَ لِلْمَلِكِ أَجَزِعْتَ أَنْ خَالَفَكَ ثَلَاثَةٌ، فَهَذَا العَالَمُ كُلُّهُمْ قَدْ خَالَفُوكَ. قَالَ: فَخَدَّ أُخْدُودًا ثُمَّ أَلْقَى فِيهَا الحَطَبَ وَالنَّارَ، ثُمَّ جَمَعَ النَّاسَ. فَقَالَ: مَنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ تَرَكْنَاهُ، وَمَنْ لَمْ يَرْجِعْ أَلْقَيْنَاهُ فِي هَذِهِ النَّارِ، فَجَعَلَ يُلْقِيهِمْ فِي تِلْكَ الأُخْدُودِ. قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِيهِ: {قُتِلَ أَصْحَابُ الأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الوَقُودِ} [البروج: 5] حَتَّى بَلَغَ {العَزِيزِ الحَمِيدِ} [إبراهيم: 1] قَالَ: فَأَمَّا الغُلَامُ فَإِنَّهُ دُفِنَ "قَالَ: فَيُذْكَرُ أَنَّهُ أُخْرِجَ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ وَإِصْبَعُهُ عَلَى صُدْغِهِ كَمَا وَضَعَهَا حِينَ قُتِلَ (۱)۔

حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عصر کی نماز پڑھ لیتے تو آہستہ آہستہ کچھ پڑھا کرتے تھے، (اور بعض کے نزدیک "ہمس" کے معنیٰ ہیں: اپنے ہونٹ یوں ہلانا گویا کہ وہ بات کررہا ہے) چنانچہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول جب آپ عصر کی نماز پڑھ لیتے ہیں تو آہستہ سے کچھ پڑھتے ہیں، (اس کی کیا وجہ ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء میں سے ایک نبی کو اس کی امت کی کثرت پسند آئی، تو انہوں نے (دل ہی دل میں) کہا کہ ان کا کون مقابلہ کرسکتا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی بھیجی کہ ان کو دو چیزوں میں اختیار دے دیں یا تو میں ان کو سزا دے دوں یا میں ان پر ان کا دشمن مسلط کردوں، چنانچہ ان لوگوں نے سزا اور ہلاکت کا راستہ اختیار کیا، پھر ان پر موت مسلط کی گئی، ایک ہی دن میں ان میں سے ستر ہزار آدمی مرگئے،

راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ حدیث بیان کرتے تو اس کے ساتھ اس دوسری حدیث کو بھی بیان فرماتے، آپ ﷺ نے فرمایا: (یمن میں) ایک بادشاہ تھا، اس کا ایک کاہن تھا جو اسے غیب کی خبریں بتایا کرتا تھا، اس کاہن نے کہا: میرے لئے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کرو یا فرمایا: ایک ذہین لڑکے کو تلاش کرو جو کہی ہوئی بات کو خوب سمجھنے والا ہو، تاکہ میں اسے اپنا یہ علم سکھا دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں (سکھلائے بغیر) مرگیا تو تم لوگوں سے یہ علم ختم ہو جائے گا، اور تم میں ایسا کوئی بندہ نہیں ہوگا جو اس علم کو جانتا ہوگا، فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس کاہن کے لئے اس طرح کا لڑکا تلاش کرلیا جو اس نے ذکر کیا تھا، اسے حکم دیا کہ وہ کاہن کے پاس حاضر ہوا کرے اور اس کے ہاں آمد و رفت رکھے، چنانچہ اس لڑکے نے کاہن کے پاس آنا جانا شروع کردیا،

اس کے راستے میں ایک پادری تھا اپنے عبادت خانے میں، معمر راوی کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت عبادت خانوں والے لوگ مسلمان تھے (یعنی دین برحق پر تھے) کہتے ہیں وہ لڑکا جب بھی اس پادری کے پاس سے گذرتا تو اس سے دین کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور پوچھتا، چنانچہ وہ لڑکا اس پادری کے پاس مسلسل جاتا رہا یہاں تک کہ اس پادری

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب قصة أصحاب الأخدود

نے اسے بتادیا کہ میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں، کہتے ہیں کہ وہ لڑکا پادری کے پاس زیادہ ٹھہرنے لگا اور کاہن کے پاس سستی کرنے لگا یعنی تھوڑی دیر وہاں گذارنے لگا، اس کاہن نے لڑکے کے گھر والوں کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ مجھے نہیں لگتا کہ اب یہ لڑکا میرے پاس آئے، لڑکے نے پادری کو یہ ساری بات بتائی، پادری نے اس سے کہا کہ جب کاہن تمہیں کہے کہ تم کہاں تھے؟ تم کہنا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس تھا، اور جب تمہارے اہل خانہ تم سے پوچھیں کہ تم کہاں تھے؟ تم بتانا کہ میں کاہن کے پاس تھا،

کہتے ہیں وہ لڑکا اسی طرح کرتا رہا کہ ایک دن وہ لوگوں کی ایک ایسی جماعت کے پاس سے گذرا جنہیں ایک جانور نے روک رکھا تھا، بعض کا خیال یہ ہے کہ وہ جانور شیر تھا، اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ یا اللہ اگر پادری کی بات سچ ہے تو میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میں اس کو قتل کردوں، پھر اس نے پتھر پھینکا تو اس نے جانور کو ماردیا، لوگوں نے پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا؟ لوگ کہنے لگے کہ اس لڑکے نے مارا ہے، لوگ حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ اس لڑکے نے ایسا علم جان لیا ہے جو کسی نے نہیں جانا، کہتے ہیں یہ بات ایک نابینا شخص نے سن لی تو وہ اس لڑکے سے کہنے لگا: اگر تم میری بینائی کو لوٹا دو تو تمہارے لئے اتنا اور اتنا مال ہوگا، لڑکے نے اس سے کہا: میں تم سے مال نہیں چاہتا، لیکن تم مجھے بتاؤ کہ اگر تمہاری بینائی لوٹ آئی تو کیا تم اس ذات پر ایمان لے آؤ گے جس نے تمہاری طرف اس بینائی کو لوٹایا ہوگا، نابینا نے کہا: جی ہاں (ایمان لے آؤں گا) کہتے ہیں اس لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ نے اس کی بینائی کو اس کی طرف لوٹا دیا، چنانچہ وہ نابینا آدمی ایمان لے آیا۔

بادشاہ کو ان کے معاملے کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا، ان کو لایا گیا، اس بادشاہ نے کہا: میں تم میں سے ہر ایک کو ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ جس طریقے سے میں اس کے ساتھی کو قتل نہیں کروں گا (یعنی ہر ایک کو نئے طریقے سے قتل کروں گا) پھر اس بادشاہ نے اس پادری اور نابینا شخص کے بارے میں حکم دیا، اور ان میں سے ایک کے سر کے درمیان آرہ رکھا (اور اس کے سر کو چیر دیا) یوں اس کو قتل کردیا اور دوسرے کو کسی اور طریقے سے قتل کرادیا، پھر اس نے لڑکے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور کہا: اس کو فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور اس کی چوٹی سے اس کو گرادو، چنانچہ وہ لوگ اس کو اس پہاڑ پر لے گئے، جب یہ اس جگہ پر پہنچے جہاں سے انہوں نے اس کو گرانا تھا، تو وہ خود اس پہاڑ سے لڑکھڑانے اور گرنے لگے، یہاں تک کہ ان میں سے صرف لڑکا باقی بچ گیا (باقی سب مرگئے)

کہتے ہیں وہ لڑکا بادشاہ کے پاس واپس گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسکو سمندر میں لے جاؤ اور اس میں اسے ڈال دو چنانچہ اسے سمندر کی طرف لے جایا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو غرق کردیا جو اس لڑکے کے ساتھ تھے اور اسے بچالیا، لڑکے نے بادشاہ سے کہا: تم مجھے قتل نہیں کرسکتے الا یہ کہ تم لوگ مجھے سولی پر لٹکاؤ اور تیر پھینکو، اور جب مجھے تیر مارو تو یوں کہو بسم اللہ رب ھذا الغلام (اس اللہ کے نام سے قتل کرتا ہوں جو اس لڑکے کا پروردگار ہے) کہتے ہیں بادشاہ نے

اس چیز کا حکم دیا، چنانچہ اسے سولی پر لٹکایا گیا، پھر اسے یہ کہہ کر تیر مارا: بسم اللہ رب ھذا الغلام، لڑکے نے اپنا ہاتھ اپنی کنپٹی پر رکھ دیا جب اسے تیر مارا گیا پھر وہ مر گیا۔

لوگ کہنے لگے اس لڑکے نے ایسا علم حاصل کیا جس کو کوئی نہیں جانتا تھا، لہذا ہم سب بھی اس لڑکے کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ سے کہا گیا: تم تو اس بات سے گھبرا رہے تھے کہ تین آدمی تمہارے مخالف ہو گئے ہیں تو اب لو یہ سارا جہاں تمہارا مخالف ہو چکا ہے، پھر بادشاہ نے خندق کھدوائی، اس میں لکڑیاں ڈلوائیں اور آگ لگا دی پھر لوگوں کو جمع کیا اور کہنے لگا: جو شخص اپنے نئے دین سے واپس لوٹ آئے گا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے اور جو نہیں لوٹے گا تو ہم اسے اس آگ میں پھینک دیں گے، پھر وہ ان کو اس خندق میں پھینکنے لگا، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قتل اصحاب الاخدود ــ العزیز الحمید" (خدا کی مار ہے اس خندق کھودنے والوں پر، اس آگ والوں پر جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی، جب وہ اس کے پاس بیٹھے تھے اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے) اس کا نظارہ کرتے جاتے تھے اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابل تعریف ہے)

راوی کہتے ہیں کہ اس لڑکے کو دفن کر دیا گیا، کہا جاتا ہے کہ اس لڑکے کی نعش کو حضرت عمر کے زمانے میں نکالا گیا تو اس کی انگلی کنپٹی پر اسی طرح تھی جس طرح کہ اس لڑکے نے قتل ہوتے وقت رکھی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی: ــ **أعجب بأمته:** امت کی کثرت اس نبی کو اچھی لگی، پسند آئی۔ **من یقوم لهؤلاء:** ان کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ **انتقم:** میں سزا دوں، گناہوں کی سزا دوں۔ **النقمة:** (نون کے نیچے زیر اور قاف ساکن) ہلاکت، عذاب۔ **کاهن:** اس شخص کو کہتے ہیں جو شیاطین کے ذریعے یا ستاروں کے ذریعہ کچھ مستقبل کی غیبی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو بتائے۔ **فطن:** سمجھدار۔ **لقن:** (لام کے اوپر زبر اور قاف کے نیچے زیر) وہ شخص جو سنی ہوئی بات کو خوب سمجھنے والا ہو۔ **ان یختلف فیه:** کہ وہ اس کے پاس آنا جانا رکھے۔ **صومعة:** عیسائیوں کی عبادت کی جگہ، عبادت خانہ، اس کی جمع صوامع ہے۔ **یبطی:** وہ تاخیر کرتا۔ **منشار:** (میم کے نیچے زیر) آرہ۔ **مفرق:** مانگ یعنی سر کا درمیان۔ **یتهافتون:** وہ گرنے لگے، لڑکھڑانے لگے۔ **یتردون:** گرنے لگے۔ **حتی تصلبنی:** الا یہ کہ تو مجھے سولی پر لٹکائے۔ **وترمینی:** اور تو مجھے تیر مارے۔ **صدغه:** اپنی کنپٹی۔ **خد:** اس نے کھودی۔ **اخدود:** خندق، اس کی جمع اخادید ہے۔

سورہ بروج کا شان نزول

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اوپر جو احادیث ذکر کی ہیں، ان سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سورہ بروج میں لفظ یوم موعود سے قیامت کا دن، یوم مشہود سے عرفہ کا دن اور شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے، اور جمعہ کا دن

تمام دنوں میں فضیلت والا ہے، اس میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے، اکثر حضرات کے نزدیک اس گھڑی سے جمعہ کے دن غروب آفتاب سے پہلے کا وقت مراد ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے،

۲۔ نبی کریم ﷺ غزوہ حنین کے موقع پر نماز فجر اور بعض روایات میں نماز عصر کا ذکر ہے، نماز سے فراغت کے بعد آہستہ آواز سے کچھ کلمات پڑھتے تھے جو کسی کو سمجھ نہیں آتے تھے، صحابہ کرام نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے بتایا کہ میں لشکرِ اسلام کی کثرت کو دیکھ کر یہ پڑھتا ہوں: "اللھم بک اقاتل و بک اصاول و لا حول و لا قوۃ الا باللہ" (اے اللہ میں آپ ہی کی مدد سے جہاد کرتا ہوں، اور آپ ہی کے سہارے حملہ آور ہوتا ہوں، اور ہر قسم کی طاقت اور قوت تو اللہ ہی سے ہے) یہ دعا میں اس لئے پڑھتا ہوں کہ گذشتہ زمانے میں ایک نبی اپنی امت کی کثرت میں مگن ہو گئے، ان کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ اب ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے، اور وہ امت اللہ کی نافرمانی میں مبتلی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اس امت سے کہہ دو کہ دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لو، جس کی تفصیل مذکورہ روایت میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک انسان کی نظر صرف اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونی چاہیے، ظاہری وسائل اور افراد کی کثرت کو مقصود نہیں بنانا چاہیے۔

۳۔ "و کان اذا حدث بھذا الحدیث"، اس عبارت میں دو احتمال ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ مراد ہوں کہ آپ اس حدیث کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی بیان کرتے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صہیب رومی کا کلام ہو، کیونکہ ان کو نصاریٰ کی خبریں معلوم تھیں(۱)۔

۴۔ "کان ملک من الملوک۔" یہاں سے سورہ بروج میں ایک قصہ کا اختصار کے ساتھ ذکر ہے، اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اسی کو اس سورت کا شان نزول کہا جاتا ہے۔

یہ یمن کا بادشاہ تھا، جس کا نام یوسف ذونواس تھا، آپ ﷺ سے ستر سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین ہی دین برحق تھا، اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا، اور اس راہب کا نام فیتمون تھا(۲)۔

۵۔ فقل: عند اعلی، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر جبکہ اپنے دین کو بچانا مقصود ہو، جھوٹ بولنا جائز ہے۔

۶۔ فمات۔ اس لڑکے نے بادشاہ کو خود طریقہ بتایا کہ مجھے اس طرح قتل کرو گے تو میں مر جاؤں گا، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس لڑکے نے اپنے آپ کو قتل کرنے کا طریقہ بتایا یہ تو خودکشی کے مترادف ہے جو حرام ہے، پھر اس لڑکے نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس لڑکے کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ نے مجھے کسی صورت میں نہیں چھوڑنا، اور اب تک میں محض

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴۲/۹

(۲) الکوکب الدری ۳۱۶/۴

کرامت کی وجہ سے بچ رہا ہوں، لہٰذا اس نے خود ہی ایک طریقہ بتایا تاکہ تمام لوگ اس منظر کو دیکھ لیں، اس طرح ان کے سامنے حق واضح ہوجائے گا، اور وہ ایمان لے آئیں گے، اس لڑکے کی موت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے گی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مجاہد اپنے نفس کو لڑائی میں ڈال دیتا ہے تاکہ دین کی سربلندی ہوجائے (۱)۔

۷۔ فجعل یلقیھم فی الاخدود، وہ بادشاہ اہل ایمان کو آگ سے بھڑکتی خندق میں ڈالنے لگا، جن کی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار، بعض میں اس سے زیادہ منقول ہے (۲)۔

روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین کی روحوں کو آگ میں پہنچنے سے پہلے ہی قبض کرلیا تھا، اس لئے انہیں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، وہ آگ اپنی آب وتاب کے ساتھ اس خندق سے باہر نکل آئی اور اس کے کناروں پر بیٹھے تمام تماشا گیروں کو جلا کر خاکستر کردیا۔

۸۔ فیذکر انہ اخرج۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس جگہ مدفون تھا، اتفاقاً کسی ضرورت سے وہ زمین حضرت عمر فاروق کے زمانے میں کھودی گئی تو اس میں عبداللہ بن تامر کی لاش صحیح سالم اس طرح برآمد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کا ہاتھ ان کی کنپٹی پر تھا، جہاں انہیں تیر لگا تھا، کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا تو زخم سے خون جاری ہو گیا پھر ویسے ہی رکھ دیا تو بند ہوگیا، ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر "اللہ ربی" لکھا ہوا تھا، یمن کے گورنر نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاروق اعظم کو دی تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ ان کو سابقہ حالت پر انگوٹھی سمیت دفن کردو (۳)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الْغَاشِيَةِ

یہ باب سورہ غاشیہ کے بارے میں ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوهَا عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ، ثُمَّ قَرَأَ: {إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ} [الغاشية: 22] (۴)۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں، جب وہ اسے کہہ لیں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے جان ومال کو محفوظ کرلیا مگر اس کلمہ کے

---

(۱) تکملة فتح الملہم ۶/۵۰۵، کتاب الزھد باب قصة اصحاب الاخدود

(۲) معارف القرآن ۸/۷۱۳

(۳) تحفة الاحوذی ۹/۲۴۵

(۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الأمر بقتال الناس

حق کے ساتھ، اوران کا حساب اللہ پر ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "انما انت مذکر" (آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا)۔

قتال کا حکم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ قتال سے مقصود اللہ کے دین کی سربلندی ہے، جس میں صلح بھی داخل ہے، حالات کے مطابق امام صلح بھی کرسکتا ہے جبکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کی بہتری ہو۔

۲۔ جب کوئی شخص اسلام قبول کرلے تو اس کے جان و مال محفوظ ہوجاتے ہیں، پھر ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔

۳۔ "الا بحقها" کے معنی یہ ہیں کہ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا کوئی کام کرلیا جس سے قصاص یا حد واجب ہوجاتی ہے تو یہ اس پر نافذ ہوگی کیونکہ اس موقع پر اسلام کا یہی حکم ہے (۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الفَجْرِ

یہ باب سورہ فجر کے بارے میں ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ، فَقَالَ: هِيَ الصَّلَاةُ بَعْضُهَا شَفْعٌ وَبَعْضُهَا وِتْرٌ (۲)۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے "والشفع والوتر" (جفت اور طاق) کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے نمازیں مراد ہیں ان میں بعض جفت ہیں اور بعض طاق۔

والشفع والوتر کے معنی

"شفع" کے معنی جوڑ کے ہیں جس کو اردو میں "جفت" کہا جاتا ہے، اور وتر کے معنی طاق اور فرد کے ہیں، قرآن کریم نے یہاں یہ متعین نہیں کیا کہ اس جفت اور طاق سے کیا مراد ہے؟ اس لئے مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں، جن میں دو قول یہ ہیں جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے:

۱۔ جفت سے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور طاق سے نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ مراد ہے،

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴۶/۹

(۲) مسند احمد ۴۳۷/۴

۲۔ دوسری تفسیر ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ اس سے نمازیں مراد ہیں، ان میں بعض جفت رکعت والی اور بعض طاق رکعت والی ہیں،

شفع اور وتر کی تفسیر میں دوسرے اقوال بھی ہیں(۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا

یہ باب سورہ شمس کے بارے میں ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا يَذْكُرُ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَهَا فَقَالَ: {إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا} [الشمس: 12] انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَارِمٌ عَزِيزٌ مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ النِّسَاءَ فَقَالَ: إِلَامَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ، فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ وَلَعَلَّهُ أَنْ يُضَاجِعَهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ قَالَ: ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ فَقَالَ: إِلَامَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ حضرت صالح کی اونٹنی کا اور اس شخص کا ذکر کر رہے تھے جس نے اسے زخمی کیا تھا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: "اذ انبعث اشقها" (جب ان کا سب سے سنگدل شخص اٹھ کھڑا ہوا) اس اونٹنی کو زخمی کرنے کے لئے وہ شخص کھڑا ہوا جو انتہائی شریر، طاقتور اور اپنی قوم کا مضبوط ترین آدمی تھا، جیسا کہ ابوزمعہ ہے،

پھر میں نے آپ ﷺ کو سنا کہ آپ نے عورتوں سے متعلق ارشاد فرمایا: کس وجہ سے تم میں سے کوئی ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارے، ہوسکتا ہے کہ وہ اس دن کے آخری حصے میں اس کے ساتھ لیٹ جائے،

پھر آپ ﷺ نے ان کو گوز نکلنے سے ہنسی (نہ کرنے) کی نصیحت فرمائی، اور فرمایا: تم میں سے کوئی، اس وجہ سے کیوں ہنستا ہے جسے وہ خود بھی کرتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ عقرها: اس نے اونٹنی کو زخمی کیا۔ عارم: بدخصلت، انتہائی شریر۔ عزیز: طاقتور۔ منیع: مضبوط، طاقتور۔ رهط: قوم۔ الام: کس وجہ سے۔ ضرطه: گوز نکلنا، سرین سے باآواز ہوا کا نکلنا، خروج ریح۔

ناقۃ اللہ کو ایک بدبخت نے قتل کر دیا

مذکورہ حدیث میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) تحفة الاحوذی ۲۴۷/۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب سورۃ والشمس، صحیح مسلم کتاب الجنة باب النار یدخلها الجبارون

۱۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے مخصوص صفات پر مشتمل ایک اونٹنی کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اسے ایک چٹان سے پیدا فرمادیا، اسے دیکھ کر کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ اپنے کفر پر ہی ڈٹے رہے، جب کہ اتفاق سے یہ طے ہوا کہ یہ اونٹنی آزاد پھرے گی جہاں اس کی مرضی ہو وہاں جاسکتی ہے، اور ایک دن میں گھاٹ سے پانی پیئے گی اور ایک دن لوگ اپنے لئے وہاں سے پانی بھریں گے، لیکن جب اونٹنی پانی پی لیتی تو اس گھاٹ کا سارا پانی ختم ہو جاتا، جو ان کے لئے بڑا بھاری ہوا، مشکلات پیش آئیں، باہمی گٹھ جوڑ کر کے اسے مارنے کا منصوبہ بنالیا، قدار بن سالف نے اسے ماردیا، یہ اپنی قوم میں بڑا مضبوط اور طاقتور آدمی تھا، ابوزمعہ کی طرح، جب یہ خبر حضرت صالح تک پہنچی تو انہوں نے ان سے فرمادیا کہ اب تیار ہو جاؤ، تین دن کے اندر اللہ کا عذاب تم پر آئے گا، جو تمہیں تہس نہس کر دے گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔

۲۔ اس کے ساتھ ضمناً آپ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ انہیں غلاموں کی طرح کوڑے نہ مارا کرو، بلکہ نرمی کا معاملہ کرو، تمہاری جنسی تسکین کی غرض ان سے وابستہ ہے، ہوسکتا ہے کہ جس دن اسے مارا ہے، اسی کے آخری حصے میں اس کے ساتھ جماع کرنے لگ جاؤ، لہٰذا ان کا خاص خیال رکھو، ان کی تربیت کرتے رہو، اور شرعی حدود میں رہ کر ان کے حقوق پورے کرتے رہو۔

۳۔ زمانہ جاہلیت سے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ مجلس میں اگر کسی کا گوز نکل جائے یعنی بلند آواز سے خروج ریح ہو جائے تو لوگ اس پر ہنسا کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ اس موقع پر ہنسا نہ کرو، کیونکہ تم سے بھی یہ کام ہوسکتا ہے، ایسے میں پھر دوسروں پر ہنسنے کے کیا معنی، اس لئے ایسے موقع پر چشم پوشی کی جائے(۱)۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى

یہ باب سورہ واللیل کے بارے میں ہے

عَنْ عَلِيٍّ: قَالَ: كُنَّا فِي جَنَازَةٍ فِي الْبَقِيعِ، فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ وَجَلَسْنَا مَعَهُ وَمَعَهُ عُودٌ يَنْكُتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَدْخَلُهَا، فَقَالَ الْقَوْمُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَهُوَ يَعْمَلُ لِلسَّعَادَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ، فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ؟ قَالَ: بَلْ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَإِنَّهُ مُيَسَّرٌ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ مُيَسَّرٌ لِعَمَلِ الشَّقَاءِ، ثُمَّ قَرَأَ: {فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى} [الليل:6]۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۲۴۹/۹

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بقیع میں ایک جنازے کے ساتھ تھے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے، پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: کوئی بھی پیدا شدہ نفس ایسا نہیں کہ اس کا ٹھکانہ لکھا نہ جاچکا ہو، لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: تو کیا پھر ہم اپنے توشۂ تقدیر پر ہی بھروسہ نہ کرلیں؟ جو نیک بخت ہوگا وہ نیک بختی والے اعمال کرے گا، اور جو بد بختوں میں سے ہوگا وہ بدبختی والے اعمال کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ عمل کرو، ہر ایک کے لئے آسان کر دیا گیا ہے، لہذا جو اہل سعادت میں سے ہوگا تو اس کے لئے نیک بختی کے اعمال کو آسان کر دیا گیا ہے، اور جو بد بختوں میں سے ہوگا، تو اس کے لئے بدبختی والے اعمال آسان کر دیئے گئے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: "فأما من اعطى واتقى و صدق بالحسنى ـ" (اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا، تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرا دیں گے، رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے)

اس حدیث سے متعلق تفصیلی کلام دیکھئے: معارف ترمذی جلد اوّل ابواب القدر، باب ما جاء في الشقاء والسعادة" سعادت وشقاوت کا معیار"

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ وَالضُّحَى

یہ باب سورہ ضحیٰ کے بارے میں ہے

عَنْ جُنْدُبٍ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَارٍ، فَدَمِيَتْ إِصْبَعُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ قَالَ: وَأَبْطَأَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: قَدْ وُدِّعَ مُحَمَّدٌ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى} [الضحى:3](۱)۔

حضرت جندب بجلی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی سے خون نکل آیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہے، اللہ کے راستے میں تمہیں تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے (ایک مرتبہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کی تو مشرکین کہنے لگے:

(۱) صحيح بخاري، كتاب التهجد باب ترک القيام للمريض، صحيح مسلم، كتاب الجهاد باب ما لقى النبي ﷺ من اذى المشركين

محمد ﷺ کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ما ودعک ربک وماقلی" (آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ناراض ہوا ہے)۔

سورہ ضحیٰ کا شان نزول

مذکورہ حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر حفاظتی نقطہ نظر سے آپ ﷺ ایک غار میں تھے کہ پتھر لگنے سے آپ کی انگلی زخمی ہو گئی، جس سے خون بہنے لگا، اس پر آپ ﷺ نے مذکورہ شعر پڑھا، یہ ذہن میں رہے کہ آپ کی انگلی مختلف موقعوں پر زخمی ہوئی ہے: اس حدیث میں غار کا ذکر ہے، بعض روایات میں بعض غزوات کا ذکر ہے، اس لئے دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

۲۔ ایک مرتبہ دو یا تین راتیں یوں گذریں کہ جرائیل امین نبی کریم ﷺ کے پاس وحی لے کر نہ آئے تو مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد کو اس کے خدا نے چھوڑ دیا ہے، بعض دوسری روایات میں ہے کہ یہ طعنہ آپ ﷺ کو ابولہب کی بیوی ام جمیل نے دیا تھا، اس پر اللہ جل شانہ نے سورہ ضحیٰ نازل فرمائی(۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ أَلَمْ نَشْرَحْ

یہ باب سورہ الم نشرح کے بارے میں ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، إِذْ سَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ: أَحَدٌ بَيْنَ الثَّلَاثَةِ، فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ، فِيهَا مَاءُ زَمْزَمَ، فَشَرَحَ صَدْرِي إِلَى كَذَا وَكَذَا، قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: مَا يَعْنِي؟ قَالَ: إِلَى أَسْفَلِ بَطْنِي، فَاسْتُخْرِجَ قَلْبِي، فَغُسِلَ قَلْبِي بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ أُعِيدَ مَكَانَهُ، ثُمَّ حُشِيَ إِيمَانًا وَحِكْمَةً، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ(۲)۔

حضرت انس بن مالک اپنی ہی قوم کے ایک شخص مالک بن صعصعہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بیت اللہ کے پاس لیٹا ہوا تھا، نہ تو سو رہا تھا اور نہ ہی جاگ رہا تھا، کہ ایک کہنے والے کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: تین کے درمیان ایک ہے، (یعنی حضرت حمزہ اور جعفر کے درمیان آپ ﷺ ہیں) پھر مجھے سونے کی ایک ٹرے

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۲۵۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ

کے پاس لایا گیا، جس میں آب زمزم تھا، اس نے میرے سینے کو یہاں اور یہاں تک چاک کیا، قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ آپ کی اس سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میرے پیٹ کے نیچے تک، پھر میرے دل کو نکالا گیا، اور اسے آب زمزم سے دھویا گیا، پھر اس کو دوبارہ اس کی اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا اور اسے ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا، اور حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

شق صدر کا واقعہ

سورہ الم نشرح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی، آپ کے سینے کو علوم و معارف کے لئے کھول دیا گیا، اور آپ کا شرح صدر کر دیا گیا،

اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی داخل ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چار مرتبہ کیا گیا:

۱۔ ایک مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس بچپن میں شق صدر کیا گیا، اس وقت آپ کی عمر چار سال تھی، حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چیرا اور اس سے وہ حصہ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہوتا ہے، پھر اسے دھو کر بند کر دیا۔

۲۔ دس سال کی عمر میں دوسری مرتبہ شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔

۳۔ جس وقت آپ نبی بنے۔

۴۔ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس حضرت حمزہ اور جعفر کے درمیان آرام فرما رہے تھے، نہ تو مکمل سو رہے تھے اور نہ مکمل بیدار تھے، بس درمیانی سی کیفیت تھی، اس حالت میں آپ کا سینہ چاک کر کے آب زمزم سے دھویا گیا اور اسے علم وحکمت سے بھر دیا گیا تاکہ معراج کے موقع پر انوار و برکات کا متحمل ہو سکے(۱)۔

احد بین الثلاثۃ سے مراد یہ ہے کہ حضرت جعفر اور حمزہ کے درمیان موجود ایک شخص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسراء اور معراج کے سفر کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ اس سلسلے میں مختلف روایتیں منقول ہیں، بعض روایتوں سے حطیم، بعض میں شعب ابو طالب کا اور بعض روایتوں میں ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لینے آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر میں آرام فرما رہے اور یہی روایت زیادہ مشہور ہے،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایتوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ معراج پر جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۵۲۹، کتاب الفضائل باب علامات النبوۃ

کے گھر میں سوئے ہوئے تھے، جو شعب ابی طالب میں واقع تھا، چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مکان کی چھت پھاڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور آپ کو جگا کر بیت اللہ کے پاس لے آئے جہاں حطیم ہے، آپ حطیم میں لیٹ گئے اور چونکہ ابھی تک نیند کا اثر باقی تھا، اس لئے آپ وہاں پھر سو گئے، حضرت جبرائیل نے آپ کو پھر جگایا اور شق صدر کے مراحل سے گذارنے کے بعد آپ کو مسجد حرام کے دروازے پر لے آئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو براق پر سوار کر کے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ سفر معراج کا آغاز حضرت ام ہانی کے گھر سے ہوا تھا(۱)۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ التِّينِ

یہ باب سورہ تین کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْوِيهِ يَقُولُ: مَنْ قَرَأَ سُورَةَ: وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَقَرَأَ: {أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الحَاكِمِينَ} [التين: 8] فَلْيَقُلْ: بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ(۲)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ والتین پڑھے اور الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو اسے یہ پڑھنا چاہیے بلی و انا علی ذالک من الشاھدین (ہاں کیوں نہیں میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سارے حکمرانوں سے بڑھ کر حکمران ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان سورہ تین کی تلاوت کرے تو بہتر یہ ہے کہ اس کے آخر میں یہ جملہ پڑھ لیا کرے "بلی و انا علی ذلک من الشاھدین"۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

یہ باب سورہ علق کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ} [العلق: 18] قَالَ: قَالَ أَبُو جَهْلٍ، لَئِنْ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا يُصَلِّي لَأَطَأَنَّ عَلَى عُنُقِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ فَعَلَ لَأَخَذَتْهُ المَلَائِكَةُ عِيَانًا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما "سندع الزبانیۃ" (ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا: اگر میں نے محمد کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ضرور میں ان کی گردن روند دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کیا تو عذاب کے فرشتے اسے دیکھتے ہی (سرعام) پکڑ لیں گے۔

---

(۱) فتح الباری ۲۵۸/۷، کتاب مناقب الانصار باب المعراج

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مقدار الرکوع والسجود

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَجَاءَ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ: أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هَذَا؟ أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هَذَا؟ أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هَذَا؟ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَبَرَهُ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ: إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا بِهَا نَادٍ أَكْثَرَ مِنِّي، فَأَنْزَلَ اللهُ: {فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ} [العلق: 18] فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَاللهِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَأَخَذَتْهُ زَبَانِيَةُ اللهِ(۱)،

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو جہل آیا اور کہنے لگا: کیا میں نے تمہیں اس (نماز پڑھنے) سے منع نہیں کیا؟ (تین مرتبہ یہی جملہ دھرایا) آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اسے سخت ڈانٹا، کہنے لگا: تم جانتے ہو کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے زیادہ کسی کی مجلس زیادہ بڑی نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "فلیدع نادیہ۔" (اب وہ بلا لے اپنی مجلس والوں کو، ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلا لیں گے) عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: اللہ کی قسم اگر وہ اپنی مجلس والوں کو بلاتا تو اللہ کے سخت فرشتے اسے پکڑ لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لأطأن: میں ضرور روند دوں گا، پاؤں سے کچل دوں گا۔ عیانا: دیکھتے ہی، مشاہدہ کرتے ہی، سرعام۔ زبرہ: آپ ﷺ نے ابو جہل کو سخت ڈانٹا۔ ناد: مجلس، ہم نشین، مجمع مجلس والے۔ زبانیۃ: وہ مخصوص سخت فرشتے جو دوزخیوں کو سختی سے جہنم میں دھکیلیں گے۔

ابو جہل کو عذاب کی وعید

نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابو جہل نے نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی۔ جس کی تفصیل اوپر کی احادیث میں ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ابو جہل نے آگے بڑھ کر نماز کی حالت میں آپ ﷺ کی گردن پر اپنا پاؤں رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا، اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچانے لگا، اس سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے؟ ابو جہل نے جواب دیا کہ "میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سے پر ہیں" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے(۲)۔

عقبہ بن ابی معیط نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی گردن پر اونٹنی کی بچہ دانی ڈالی، جبکہ آپ ﷺ سجدے کی حالت میں تھے، یہ بھی اگرچہ بہت بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے، اس کے باوجود اس پر دنیا میں فوراً عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی، اس کے برعکس ابو جہل کو مذکورہ واقعہ میں فوراً عذاب کی وارننگ دی گئی کہ اگر یہ آپ ﷺ کے قریب آتا تو جہنم کے سخت فرشتے اسے پکڑ

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب کلا لئن لم ینتہ لنسفعا بالناصیۃ

(۲) صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ باب ان الانسان لیطغی

لیتے اور اس کی بوٹی بوٹی کر دیتے، وجہ یہ ہے کہ ابوجہل نے اس واقعہ میں دھمکی دی، یہ کہا کہ اس علاقے میں میری مجلس بہت بڑی ہوتی ہے، سب لوگ میری اطاعت کرتے ہیں، اور یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو میں ان کی گردن روند دوں گا، یہ وہ امور ہیں جو اس پر جلدی سزا کے باعث بنے ہیں، اور عقبہ اپنے ساتھیوں سمیت غزوہ بدر میں قتل کیا گیا۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ ہستی کی بے ادبی کی سزا دنیا میں بھی دے دی جاتی ہے۔

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

یہ باب سورہ قدر کے بارے میں ہے

عَنْ يُوسُفَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَامَ رَجُلٌ إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، بَعْدَ مَا بَايَعَ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: سَوَّدْتَ وُجُوهَ الْمُؤْمِنِينَ، أَوْ يَا مُسَوِّدَ وُجُوهِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ: لَا تُؤَنِّبْنِي رَحِمَكَ اللهُ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيَ بَنِي أُمَيَّةَ عَلَى مِنْبَرِهِ فَسَاءَهُ ذَلِكَ، فَنَزَلَتْ: {إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ} [الكوثر: 1] يَا مُحَمَّدُ، يَعْنِي نَهْرًا فِي الْجَنَّةِ، وَنَزَلَتْ: {إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ} [القدر: 2] يَمْلِكُهَا بَعْدَكَ بَنُو أُمَيَّةَ يَا مُحَمَّدُ قَالَ الْقَاسِمُ، فَعَدَدْنَاهَا فَإِذَا هِيَ أَلْفُ شَهْرٍ لَا تَزِيدُ يَوْمًا وَلَا تَنْقُصُ.

حضرت یوسف بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت حسن بن علی کے پاس کھڑا ہوا بعد اس کے کہ حضرت حسن حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، وہ کہنے لگا کہ تم نے تمام اہل ایمان کے منہ کالے کر دیئے ہیں، حضرت حسن نے فرمایا: تو مجھے نہ ڈانٹ، اللہ تجھ پر رحم کرے، پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بنوامیہ کے لوگ اپنے منبر پر دکھائے گئے، تو آپ کو یہ برا لگا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "انا اعطیناک الکوثر" اے محمد ہم نے تمہیں کوثر عطا کی اور کوثر سے جنت کی نہر مراد ہے، اور یہ آیت نازل ہوئی "انا انزلناه فی لیلة القدر" (ہم نے قرآن مجید کو شب قدر میں اتارا ہے) اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے،) اے محمد: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد بنوامیہ ایک ہزار مہینے حکومت کریں گے، قاسم راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی حکومت کے دن شمار کئے تو وہ پورے ایک ہزار ماہ تھے نہ ایک دن زیادہ اور نہ ایک دن کم۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، يَقُولُ: قُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، إِنَّ أَخَاكَ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ: مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، فَقَالَ: يَغْفِرُ اللهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، لَقَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ، وَلَكِنَّهُ أَرَادَ أَنْ لَا يَتَّكِلَ النَّاسُ، ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِي أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُولُ ذَلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ؟ قَالَ: بِالْآيَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ بِالْعَلَامَةِ أَنَّ

---

(۱) فتح الباری ۸/۹۳۸، کتاب التفسیر باب کلا لئن لم ینته

الشَّمْسَ تَطْلُعُ یَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا۔

حضرت زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب سے کہا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جو شخص سال بھر قیام کرے گا یعنی جاگ کر رات کو عبادت کرے گا تو وہ شب قدر کو پالے گا، ابی نے کہا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن کو بخشے (یہ عبداللہ بن مسعود کی کنیت ہے) وہ یقیناً جانتے تھے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے میں ہے، اور یہ کہ یہ ستائیسویں رات ہے، لیکن انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں پھر ابی بن کعب نے پختہ قسم کھائی اور اس میں استثناء نہیں کیا یعنی ان شاء اللہ نہیں کہا کہ ستائیسویں رات ہی شب قدر ہے، زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب سے عرض کیا: اے ابوالمنذر (ابی بن کعب) کس وجہ سے تم یہ کہہ رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا: اس نشانی یا فرمایا: اس علامت کی وجہ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی کہ اس دن سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی۔

بنوامیہ کی ایک ہزار ماہ تک حکومت ہوگی

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس پر ان کی جماعت کا ایک بندہ کہنے لگا کہ آپ نے اہل ایمان کا منہ کالا کر دیا ہے، ان کے ہاتھ پر کیوں بیعت کر لی،

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ دکھایا گیا کہ بنوامیہ کی ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال حکومت ہوگی، لہذا امیر اان کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور ایک ہزار ماہ تک بنوامیہ کی حکومت گویا ایک طے شدہ امر ہے، اس لئے مجھے اس پر ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو، آپ کو یہ برا لگا کہ یہ لوگ احکام شریعت کا مکمل لحاظ نہیں کریں گے، اس پر سورہ کوثر اور سورہ لیلۃ القدر نازل ہوئی،

اس میں آپ کو بتایا گیا کہ جس طرح شب قدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے، اسی طرح بنوامیہ اتنا ہی عرصہ برسر اقتدار آئیں گے، قاسم راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی حکومت کے دن شمار کئے تو پورے ایک ہزار ماہ تھے،

بنوامیہ کی حکومت سن چالیس ہجری کے آخر میں شروع ہوئی اور ایک سو بتیس ہجری میں ختم ہوئی، یہ بانوے سال بنتے ہیں، پھر اس سے حضرت عبداللہ بن زبیر کا زمانہ خلافت آٹھ سال اور آٹھ ماہ نکالے جائیں تو ۸۳ سال اور چار ماہ باقی بچ جاتے ہیں اور یہ ایک ہزار ماہ ہی بنتے ہیں (۱)۔

۲۔ شب قدر کی رات کونسی ہے؟ اس کی تعیین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، جمہور علماء کے نزدیک رمضان کے آخری

(۱) الکوکب الدری ۴/۳۲۳

عشرے کی طاق راتوں میں کوئی سی رات ہے، اور بعض کے نزدیک ستائیسویں رات ہی شب قدر ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۔ حضرت یوسف بن سعد کی مذکورہ روایت کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے (۱)۔

۴۔ ''ابوعبدالرحمن'' حضرت عبداللہ بن مسعود کی کنیت ہے اور ابوالمنذر حضرت ابی بن کعب کی کنیت ہے۔

بَابٌ: وَمِنْ سُورَةِ لَمْ يَكُنْ

یہ باب سورہ بینہ کے بارے میں ہے

عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ، قَالَ: ذَلِكَ إِبْرَاهِيمُ (۲).

حضرت مختار بن فلفل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے پکارا: "یاخیر البریة" (اے تمام مخلوق سے بہتر انسان) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مخلوق سے بہتر انسان تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔

حضرت مختار بن فلفل رحمہ اللہ

حضرت مختار بن فلفل رحمہ اللہ اہل کوفہ میں سے ہیں اور تابعی ہیں، حدیث بیان کرتے وقت خوف وخشیت کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے، اکثر حضرات نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے کہ یہ بہت غلطی کرتے تھے تاہم بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔ (۳)

خیر البریۃ سے کون مراد ہیں

سورہ لم یکن میں لفظ ''خیر البریۃ'' ہے، ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لفظ سے پکارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مخلوق سے بہتر انسان تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں،

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم خیر البریہ ہیں، حالانکہ یہ مقام تو یقینی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ تمام مخلوق سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

---

(۱) تحفة الأحوذی ۲۶۲/۹،

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب من فضائل ابراہیم، سنن ابو داؤد، کتاب السنة باب من التخییر بین الانبیاء

(۳) تکملة فتح الملهم ۸/۵، کتاب الفضائل باب فضائل ابراہیم علیہ السلام

۱۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتایا گیا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے بہتر ہیں، اس لئے آپ نے فرمایا: ذلک ابراہیم۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تواضع اور عاجزی کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں، کیونکہ آپ کو طبعاً یہ اچھا نہ لگا کہ خیر البریہ کی نسبت اپنے جدامجد حضرت ابرہیم علیہ السلام کی طرف کرنے کے بجائے اپنی طرف کریں(۱)۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ

یہ باب سورہ زلزال کے بارے میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الآيَةَ: [يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا] [الزلزلة:4] قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا، تَقُولُ: عَمِلَ يَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا، فَهٰذِهِ أَخْبَارُهَا۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "یومئذ تحدث اخبارھا" (اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو کہ اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہوں گی کہ وہ (قیامت کے دن) ہر مرد اور عورت کے متعلق گواہی دے گی کہ اس نے روئے زمین پر کیا کیا اعمال کئے ہیں، وہ کہے گی: اس نے اس اس طرح اور ایسا ایسا کیا ہے، بس یہ اس کی خبریں ہوں گی۔

اس حدیث سے متعلق تشریح ابواب صفۃ القیامۃ، باب ما جاء فی الصور سے پہلے باب منہ میں گذر چکی ہے، اس کے لئے معارف ترمذی جلد دوم دیکھ لیجئے۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ

یہ باب سورہ تکاثر کے بارے میں ہے

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ: أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ قَالَ: يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي مَالِي، وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ، أَوْ أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ؟۔

حضرت عبداللہ بن شخیر فرماتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے یعنی حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ تکاثر

(۱) شرح مسلم النووی، کتاب الفضائل، باب فضائل ابراہیم علیہ السلام

پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، یہ میرا مال ہے، حالانکہ (اے ابن آدم) تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو صدقہ کر دے اور (آخرت کے لئے) جاری کر دے (یعنی ذخیرہ کر دے) یا جسے تو کھا لے اور ختم کر دے یا جو تو پہن لے اور اسے بوسیدہ کر دے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: مَا زِلْنَا نَشُكُّ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ حَتَّى نَزَلَتْ: أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی تھے یہاں تک کہ سورہ تکاثر نازل ہوئی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: {ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ} [التكاثر: 8] قَالَ الزُّبَيْرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَأَيُّ النَّعِيمِ نُسْأَلُ عَنْهُ، وَإِنَّمَا هُمَا الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ؟ قَالَ: أَمَا إِنَّهُ سَيَكُونُ(۱).

حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم" (پھر تم سے اس دن ضرور نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا) زبیر نے عرض کیا: یارسول اللہ: کونسی نعمتوں کے متعلق ہم سے پوچھا جائے گا، ہمارے پاس تو دو سیاہ نعمتیں ہیں کھجور اور پانی (کیا ان کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی؟) آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نعمتیں عنقریب (تمہیں) ملیں گی یا ان موجودہ نعمتوں سے متعلق تم سے سوال ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: {ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ} [التكاثر: 8] قَالَ النَّاسُ: يَا رَسُولَ اللهِ، عَنْ أَيِّ النَّعِيمِ نُسْأَلُ؟ فَإِنَّمَا هُمَا الْأَسْوَدَانِ وَالْعَدُوُّ حَاضِرٌ، وَسُيُوفُنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا؟ قَالَ: إِنَّ ذَلِكَ سَيَكُونُ.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم"، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ: ہم سے کونسی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، ہمارے پاس تو دو ہی سیاہ چیزیں یعنی کھجور اور پانی ہیں، دشمن سامنے ہے، اور ہماری تلواریں ہمارے کندھوں پر ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ضرور ہوگا (یعنی تمہیں مزید نعمتیں ملیں گی یا موجودہ نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - يَعْنِي الْعَبْدَ مِنَ النَّعِيمِ - أَنْ يُقَالَ لَهُ: أَلَمْ نُصِحَّ لَكَ جِسْمَكَ، وَنُرْوِيَكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا، یہ ہے کہ اسے یوں کہا جائے گا: کیا ہم نے تجھے جسم کی صحت عطا نہیں کی اور ہم نے تمہیں ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا۔

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد باب معیشۃ أصحاب النبی ﷺ۔

قیامت کے دن ہر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا

مذکورہ تمام روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان سے ہر نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے اسے کیسے استعمال کیا خواہ وہ مال و دولت ہو، صحت و تندرستی ہو اور ٹھنڈے پانی کی نعمت ہو، اور خواہ وہ بظاہر ایک معمولی چیز ہو اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا، اسی کا ذکر ہے اس آیت میں: "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم"، حضرت زبیر بن عوام نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ہمارے پاس تو دو کالی چیزیں یعنی کھجور اور پانی ہے، اس کے علاوہ اور تو کچھ ہے ہی نہیں، تو کیا ہم سے ان کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی، کھجور اور پانی کو "اسودان" سے تعبیر کیا، مدینہ کی کھجور چونکہ عموماً سیاہ ہوتی ہے اس لئے اسے "اسود" کہا جاتا ہے، پھر بطور محاورے کے پانی کو کھجور کے تابع کر کے "اسودان" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا: "اما انہ سیکون" یا فرمایا: "ان ذلک سیکون"، اب تو ضرور ایسا ہوگا۔

"اما انہ سیکون" کے کیا معنی ہیں؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ عنقریب یہ نعمتیں دنیا میں تم لوگوں کو ملیں گی، پھر ان کے بارے میں قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا۔

۲۔ جو نعمتیں اس وقت تمہارے پاس موجود ہیں خواہ وہ تمہاری نظر میں معمولی ہی کیوں نہ ہوں، یعنی کھجوریں اور پانی، قیامت کے دن ان کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں عطا فرما رکھی ہیں وہ اتنی تعداد میں ہیں کہ کوئی انسان ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، ان کی قدر کی جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرنے سے اجتناب کیا جائے (۱)۔

قبر کا عذاب و ثواب قرآن و حدیث سے ثابت ہے

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی ستر متواتر احادیث میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ ہم عذاب قبر کے ثبوت کے بارے میں شک میں ہی تھے کہ سورہ تکاثر نازل ہوئی، اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ واقعی قبر کا عذاب یا ثواب برحق ہے، کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں سنی تھی، بس صرف اہل کتاب سے سنا کرتے تھے، جن کی بات پر انسان اعتماد نہیں

(۱) حاشیہ جامع ترمذی ۲/۱۷۳، تحفۃ الاحوذی ۹/۲۶۸

کرسکتا کیونکہ وہ دین میں تحریف کرتے تھے (۱)۔

قرآن مجید کی چند آیات درج ذیل ہیں جن میں قبر اور عالم برزخ کا ذکر ہے:

۱۔ سورہ تکاثر کی یہ آیت: "حتی زرتم المقابر" (یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا)۔

۲۔ سورہ مومن کی آیت نمبر ۴۶: "النار یعرضون علیها غدوا و عشیا" (وہ لوگ برزخ میں صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں)، اس آیت میں عذاب قبر کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

۳۔ سورہ ابراہیم آیت نمبر: ۲۷، "یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الاخرة" (اللہ تعالی ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا میں اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے)، اس آیت میں جمہور صحابہ کرام کے نزدیک "آخرت" سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے (۲)۔

۴۔ سورہ انعام کی آیت نمبر: ۹۳: "ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملئکة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم، الیوم تجزون عذاب الهون" (اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تم کو بدلے میں ذلت کا عذاب ملے گا)، ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ "عذاب الہون" موت کے وقت ہوگا۔

۵۔ سورہ توبہ آیت نمبر: ۱۰۱: "سنعذبهم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم" (ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف) اس میں پہلے عذاب سے منافقین کی دنیا میں رسوائی اور دوسرے عذاب سے عذاب قبر مراد ہے۔

۶۔ سورہ طہ کی آیت نمبر: ۱۲۴: "ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیامة اعمی" (اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا کر کے لائیں گے) ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ آیت میں "معیشة ضنکا" سے عذاب قبر مراد ہے۔

۷۔ سورہ نحل کی آیت نمبر: ۳۲: "الذین تتوفهم الملئکة طیبین یقولون سلم علیکم، ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون" (جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں، اور وہ فرشتے کہتے جاتے ہیں السلام علیکم، تم (قبض روح کے بعد) جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب) فرشتوں کا یہ سلام ایمان والوں کو موت کے وقت قبر میں یعنی عالم برزخ میں ہوگا، اور کفار ومشرکین کو دھتکارا جاتا ہے اور ان کے لئے وہ قبر جہنم کا ایک گڑھا بن جاتی ہے۔

۸۔ سورہ محمد کی آیت نمبر: ۲۷: "فکیف اذا توفتهم الملئکة یضربون وجوههم وادبارهم" (سو ان کا کیا حال ہو

---

(۱) الکوکب الدری ۳۲۴/۴

(۲) معارف القرآن ۲۴۸/۵، سورہ ابراہیم، تحفة الاحوذی ۲۶۶/۹

گا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے)۔اس آیت سے بھی عذاب قبر کا ثبوت ہوتا ہے۔

۹۔ سورہ مؤمن آیت نمبر:۱۱: "ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین" (اے ہمارے رب تو ہم کو دوبار موت دے چکا، اور دوبار زندگی دے چکا) یعنی پہلے مٹی تھے یا نطفہ تھے، یوں مردہ تھے، پھر پیدا ہوگئے تو زندہ ہوگئے، پھر طبعی موت مر گئے، پھر قبر سے زندہ کر کے اٹھائے گئے، یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں، اب قبر میں آکر دیکھ لیا کہ وہ تمام امور جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے وہ سب برحق ہیں، اس میں عذاب قبر بھی داخل ہے۔

۱۰۔ سورہ مومنون آیت نمبر:۱۰۰: "و من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" (اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں) اس برزخ سے قبر کی زندگی مراد ہے،

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بہت سی آیات سے عذاب قبر کا اور برزخی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے(۱)۔

اور تفسیر ابن کثیر میں سورہ ابراہیم کی آیت نمبر:۲۷ کے تحت وہ ستر احادیث ذکر کردی ہیں جن سے قبر کا عذاب یا ثواب صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

بَاب وَمِنْ سُورَةِ الكَوْثَرِ

یہ باب سورہ کوثر کے بارے میں ہے

عَنْ أَنَسٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: {إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الكَوْثَرَ} [الكوثر:1]: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هُوَ نَهْرٌ فِي الجَنَّةِ قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ نَهْرًا فِي الجَنَّةِ حَافَّتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ. قُلْتُ: مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَذَا الكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَهُ اللهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سورہ کوثر کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کوثر جنت کی ایک نہر ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی، جس کی دونوں جانب موتیوں کے گنبد یا خیمے تھے، میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ نہر کوثر ہے، جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ فِي الجَنَّةِ، إِذْ عُرِضَ لِي نَهْرٌ حَافَّتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ، قُلْتُ لِلْمَلَكِ: مَا هَذَا؟ قَالَ: هَذَا الكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَهُ اللهُ، قَالَ: ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدِهِ إِلَى طِينَةٍ فَاسْتَخْرَجَ مِسْكًا، ثُمَّ رُفِعَتْ لِي سِدْرَةُ المُنْتَهَى فَرَأَيْتُ عِنْدَهَا نُورًا عَظِيمًا۔

---

(۱) اس بحث کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: احکام القرآن مفتی محمد شفیع صاحب، ۷۷/۴ ثبوت عذاب القبر بالکتاب والسنۃ ط: ادارۃ القرآن کراچی

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جنت میں چل رہا تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک نہر آئی جس کے دونوں طرف موتیوں کی گنبد یا خیمے تھے، میں نے فرشتے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ وہ نہر کوثر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کی مٹی میں ڈالا تو مشک نکالی پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہی کو پیش کیا گیا تو میں نے اس کے پاس ایک بڑا نور دیکھا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الكَوْثَرُ نَهْرٌ فِي الجَنَّةِ، حَافَّتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَاليَاقُوتِ، تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ مِنَ المِسْكِ، وَمَاؤُهُ أَحْلَى مِنَ العَسَلِ، وَأَبْيَضُ مِنَ الثَّلْجِ(۱).

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے، جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اس کا پانی موتی اور یاقوت پر بہتا ہے، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ حافتاہ: اس کے دونوں کنارے۔ قباب: (قاف کے نیچے زیر) قبة کی جمع ہے، گنبد، خیمے۔ فاستخرج: تو اس نے نکالا۔ رفعت لی: (صیغہ مجہول) اس کی ضمیر سدرۃ المنتہی کی طرف لوٹ رہی ہے، میرے سامنے پیش کی گئی۔ مجراہ: اس کے پانی کے بہنے کی جگہ۔ أطیب: زیادہ خوشبودار۔ احلی: زیادہ شیریں اور میٹھا۔

کوثر سے کیا مراد ہے؟

ترمذی کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر آپ کو دکھلائی اور وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے،

ابن عباس سے منقول ہے کہ کوثر سے "خیر کثیر" مراد ہے، دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ نہر جنت بھی خیر کثیر میں داخل ہے، اس خیر کثیر میں وہ حوض کوثر بھی داخل ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کرے گی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے اور حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی، اس میں دو پرنالوں کے ذریعے نہر کوثر کا پانی ڈالا جائے گا(۲)۔

بینما انا اسیر فی الجنة، جنت میں یہ چلنا سفر معراج کے موقع پر ہوا۔

حافتاہ من ذھب: اس نہر کے دونوں کنارے سونے کے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ وہ کنارے سونے کے بنے ہوں گے اور پھر ان کناروں پر موتیوں کے گنبد یا خیمے بنے ہوں گے، اس لئے "حافتاہ من ذھب اور حافتاہ قباب اللؤلؤ" میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب الزھد باب صفة الجنة

(۲) تفسیر عثمانی سورہ کوثر، معارف القرآن ۸۲۹/۸

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الْفَتْحِ

یہ باب سورہ فتح کے بارے میں ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ يَسْأَلُنِي مَعَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ: أَتَسْأَلُهُ وَلَنَا بَنُونَ مِثْلُهُ؟ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ، فَسَأَلَهُ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ: {إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ} [النصر: 1] فَقُلْتُ: إِنَّمَا هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمَهُ إِيَّاهُ، وَقَرَأَ السُّورَةَ إِلَى آخِرِهَا، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: وَاللهِ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی موجودگی میں مجھ سے مسائل پوچھا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت عمر سے کہنے لگے: آپ ابن عباس سے پوچھتے ہیں؟ حالانکہ ابن عباس کی طرح ہماری اولاد ہے، حضرت عمر نے ان سے فرمایا: یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ وہ عالم ہیں، آپ ﷺ نے انہیں دعا دی ہے) پھر حضرت عمر نے ابن عباس سے "اذا جاء نصر الله" کی تفسیر پوچھی (ابن عباس کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خبر دی ہے، پھر ابن عباس نے پوری سورت پڑھی، حضرت عمر نے ابن عباس سے فرمایا: میں بھی اس سورت کے بارے میں وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو۔

ابن عباس کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس کو دعا دی: "اللهم فقهه في الدين و علمه التاويل" (اے اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور انہیں علم تفسیر سکھا دے) اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے علم کا بہت بڑا حصہ انہیں عطا فرمایا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام حضرت ابن عباس سے قرآن کی تفسیر اور مسائل پوچھتے تھے، جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں حضرت عمر کا ایک واقعہ مذکور ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ تحدیث بالنعمت کے طور پر اگر کبھی انسان اپنی کوئی خوبی اور خاص بات بتادے تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ریاکاری اور فخر وغرور کے طور پر نہ ہو(۲)۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة من الاسلام
(۲) تحفة الاحوذی ۹/۲۷۴

بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ تَبَّتْ

یہ باب سورہ لہب کے بارے میں ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَعِدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الصَّفَا فَنَادَى: يَا صَبَاحَاهُ، فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ، فَقَالَ: إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ، أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنِّي أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُمَسِّيكُمْ أَوْ مُصَبِّحُكُمْ أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا؟ تَبًّا لَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ: {تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ}(۱).

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر چڑھے اور پکارنے لگے: "یا صباحاہ" اس کی وجہ سے قریش آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، دیکھو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ دشمن تم لوگوں پر شام یا صبح کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ ابولہب کہنے لگا: کیا تم نے ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے؟ تیرے لئے ہلاکت ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے تبت یدا ابی لھب و تب نازل فرمائی (یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔یا صباحاہ: عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی خطرناک خبر دینی ہوتی اور فریادرسی مقصود ہوتی تو اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر یہ جملہ کہا جاتا جس سے سب لوگ وہاں جمع ہو جاتے۔ **ممسیکم**: شام کے وقت دشمن تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ **مصبحکم**: صبح کو حملہ آور ہونے والا ہے۔ **تبالک**: تیرے لئے ہلاکت اور بربادی ہو۔

سورہ لہب کا شان نزول

ابولہب کا اصل نام عبدالعزی تھا، یہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہے، سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب مشہور تھی، قرآن کریم نے اس کا اصلی نام اس لئے چھوڑا کہ وہ نام بھی مشرکانہ تھا، اور ابولہب کنیت میں، جہنم سے ایک مناسبت بھی تھی، یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا بے حد دشمن، اسلام کا شدید مخالف اور آپ کو سخت ایذائیں دینے والا تھا، جب آپ ﷺ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے تو یہ ساتھ لگ جاتا اور آپ کی تکذیب کرتا جاتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی: "وانذر عشیر تک الاقربین" تو آپ ﷺ نے لوگوں کو کوہ صفا پر جمع کیا اور انہیں اسلام اور توحید کی دعوت دی، جس پر ابولہب نے کہا: "تبالک ـــ" اس پر یہ سورت نازل ہوئی(۲)۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب وانذر عشیر تک، صحیح مسلم، کتاب الایمان باب وانذر عشیر تک

(۲) معارف القرآن ۸/۸۳۹، تحفۃ الاحوذی ۹/۲۷۵

بَاب وَمِنْ سُورَةِ الإِخْلَاصِ

یہ باب سورہ اخلاص کے بارے میں ہے

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْسُبْ لَنَا رَبَّكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ} [الإخلاص: 1] فَالصَّمَدُ: الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُولَدُ إِلَّا سَيَمُوتُ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يَمُوتُ إِلَّا سَيُورَثُ، وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمُوتُ وَلَا يُورَثُ: {وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ} [الإخلاص: 4] قَالَ: لَمْ يَكُنْ لَهُ شَبِيهٌ وَلَا عِدْلٌ وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ(1)۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: آپ ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کریں، اس پر اللہ تعالیٰ نے "قل ھو اللہ" کو نازل فرمایا (یعنی آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ کوئی اس کے برابر ہے) صمد وہ ہے جو نہ کسی سے پیدا ہو اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، اس لئے کہ ہر پیدا ہونے والی چیز یقیناً مرے گی، اور جو مرے گا اس کا وارث بھی ہوگا، لیکن اللہ جل شانہ نہیں مریں گے اور نہ ان کا کوئی وارث ہوگا، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ یعنی اللہ کے نہ تو کوئی مشابہ ہے اور نہ کوئی برابر، اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ آلِهَتَهُمْ فَقَالُوا: انْسُبْ لَنَا رَبَّكَ. قَالَ: فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ بِهَذِهِ السُّورَةِ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ.

حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے معبودوں کا ذکر کیا، تو مشرکین کہنے لگے: آپ اپنے رب کا نسب بیان کریں، راوی کہتے ہیں: چنانچہ جبرائیل امین سورہ اخلاص لے کر آ گئے، پھر ابو العالیہ نے حدیث مذکور کی طرح حدیث ذکر کی اور اس میں ابی بن کعب کا ذکر نہیں کیا۔

سورہ اخلاص کا شان نزول

ترمذی کی مذکورہ روایات میں سورہ اخلاص کا شان نزول بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔

(۱) مسند احمد ۱۳۳/۵

بَاب وَمِنْ سُورَةِ المُعَوِّذَتَيْنِ

یہ باب سورہ فلق اور ناس کے بارے میں ہے

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ إِلَى القَمَرِ، فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ اسْتَعِيذِي بِاللهِ مِنْ شَرِّ هَذَا، فَإِنَّ هَذَا هُوَ الغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ(۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا: عائشہ! اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگا کرو، کیونکہ یہی اندھیرا کرنے والا ہے جب وہ تاریک ہو جائے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَدْ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ آيَاتٍ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ} [الناس:1] إِلَى آخِرِ السُّورَةِ، وَ{قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ} [الفلق:1] إِلَى آخِرِ السُّورَةِ۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر چند ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کے مثل نہیں دیکھی گئیں یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس۔

چاند کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم

مذکورہ احادیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سورہ فلق اور ناس بہت عظمت اور فضیلت والی سورتیں ہیں، ان کے مثل اور کوئی آیت نہیں، اس لئے صبح و شام انہیں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم چاند کے شر سے پناہ مانگا کرو، کیونکہ یہی غاسق ہے جب وہ چھپ جائے۔

اس حدیث میں غاسق اذا وقب سے کیا مراد ہے؟ اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں:

۱۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ غاسق سے رات مراد ہے کہ جب رات کی تاریکی چھا جائے، اس وقت موذی جانور اور جنات پھیلتے ہیں، ان کے شر سے پناہ مانگی جائے۔

۲۔ اس سے چاند مراد ہے کہ جب وہ چھپ جائے خواہ گہن لگنے سے تاریک ہو جائے یا غروب ہو جائے۔

۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ غاسق میں عموم ہے، اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اندھیرا کرنے والی ہو خواہ رات ہو یا چاند گہن ہو یا چاند اپنے وقت پر غائب ہو یا مہینے کے آخر میں غائب ہو، اور ستارہ جب غائب ہو جائے، ان تمام کے شرور سے پناہ

(۱) مسند احمد ۶/۶۱

مانگنے کا حکم ہے(۱)۔

دوسری حدیث میں سورہ فلق اور ناس کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کی مزید تفصیل ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فی المعوذتین میں گذر چکی ہے۔

بَابٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ فَقَالَ: الحَمْدُ لِلّٰهِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ بِإِذْنِهِ، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ: رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا آدَمُ، اذْهَبْ إِلَى أُولَئِكَ المَلَائِكَةِ، إِلَى مَلَإٍ مِنْهُمْ جُلُوسٍ، فَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، قَالُوا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ بَنِيكَ بَيْنَهُمْ، فَقَالَ اللّٰهُ لَهُ وَيَدَاهُ مَقْبُوضَتَانِ: اخْتَرْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، قَالَ: اخْتَرْتُ يَمِينَ رَبِّي وَكِلْتَا يَدَيْ رَبِّي يَمِينٌ مُبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَإِذَا فِيهَا آدَمُ وَذُرِّيَّتُهُ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، مَا هَؤُلَاءِ؟ فَقَالَ: هَؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ، فَإِذَا كُلُّ إِنْسَانٍ مَكْتُوبٌ عُمْرُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَإِذَا فِيهِمْ رَجُلٌ أَضْوَؤُهُمْ - أَوْ مِنْ أَضْوَئِهِمْ - قَالَ: يَا رَبِّ مَنْ هَذَا؟ قَالَ: هَذَا ابْنُكَ دَاوُدُ قَدْ كَتَبْتُ لَهُ عُمْرَ أَرْبَعِينَ سَنَةً. قَالَ: يَا رَبِّ زِدْهُ فِي عُمْرِهِ. قَالَ: ذَاكَ الَّذِي كُتِبَ لَهُ. قَالَ: أَيْ رَبِّ، فَإِنِّي قَدْ جَعَلْتُ لَهُ مِنْ عُمْرِي سِتِّينَ سَنَةً. قَالَ: أَنْتَ وَذَاكَ. قَالَ: ثُمَّ أُسْكِنَ الجَنَّةَ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أُهْبِطَ مِنْهَا، فَكَانَ آدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهِ، قَالَ: فَأَتَاهُ مَلَكُ المَوْتِ، فَقَالَ لَهُ آدَمُ: قَدْ عَجِلْتَ، قَدْ كُتِبَ لِي أَلْفُ سَنَةٍ. قَالَ: بَلَى وَلَكِنَّكَ جَعَلْتَ لِابْنِكَ دَاوُدَ سِتِّينَ سَنَةً، فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ. قَالَ: فَمِنْ يَوْمِئِذٍ أُمِرَ بِالكِتَابِ وَالشُّهُودِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی، آدم نے چھینک ماری تو انہوں نے الحمد للہ کہنے کا ارادہ کیا چنانچہ انہوں نے اللہ کے حکم سے الحمد للہ کہا، تو ان کے رب نے ان کو یہ دعا دی: "یرحمک اللہ" اللہ تم پر رحم کرے، اے آدم! ان فرشتوں کے پاس جاؤ جو بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کو کہو "السلام علیکم" (تم پر سلام ہو) انہوں نے جواب دیا: "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ" پھر آدم اپنے رب کی طرف لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی کلمات آپ کا اور آپ کی اولاد کا آپس میں سلام اور دعا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا: جبکہ اللہ کے دونوں ہاتھ بند تھے: ان میں سے جسے چاہو اختیار کرلو، انہوں نے عرض کیا: میں نے اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کیا، اور میرے رب کے دونوں ہاتھ ہی داہنے اور برکت والے ہیں،

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دایاں ہاتھ کھولا تو اس میں آدم اور ان کی اولاد تھی، آدم پوچھنے لگے: اے میرے پروردگار یہ کون

(۱) الکوکب الدری ۳۲۷/۴، تحفۃ الاحوذی ۲۸۰/۹

لوگ ہیں؟ اللہ نے فرمایا: یہ سب تمہاری اولاد ہے، اور ان سب کی پیشانیوں پر ان کی عمریں لکھی ہوئی تھیں، ان میں ایک شخص ایسا تھا جو ان میں سب سے زیادہ روشن تھا، پوچھا یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا: یہ تمہارے بیٹے داؤد ہیں، میں نے ان کی عمر چالیس سال لکھی ہے، آدم نے عرض کیا: اے میرے پروردگار ان کی عمر زیادہ کر دیجئے۔ اللہ نے فرمایا: بس اتنی عمر ہی ان کے لیے لکھی جا چکی ہے، آدم نے عرض کیا: اے میرے پروردگار میں نے اپنی عمر سے ساٹھ سال اسے دے دیئے، اللہ نے فرمایا: تم جانو اور تمہارا کام جانے یعنی اس معاملے میں تمہیں اختیار ہے، پھر انہیں جنت میں رہنے دیا گیا جب تک اللہ نے چاہا، پھر وہاں سے اتارے گئے، چنانچہ حضرت آدم اپنی عمر کے سال گنتے رہتے تھے، کہتے ہیں: پھر ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو آدم اس سے کہنے لگے: تم جلدی آ گئے ہو، میری عمر تو ہزار برس طے شدہ ہے، اس نے کہا: ہاں کیوں نہیں (ایسا ہی ہے جیسے آپ کہہ رہے ہیں) لیکن آپ نے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دے دیئے تھے، آدم نے اس کا انکار کر دیا، اس وجہ سے ان کی اولاد بھی انکار کرنے لگی، اور وہ بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھولنے لگی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بس اس دن سے معاملات کے لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کا لوگوں کو حکم دیا گیا۔

سلام کی ابتداء حضرت آدم سے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ چھینکنے والا جب الحمدللہ کہے تو اسے ''یرحمک اللہ'' کی دعا دینی چاہیے۔

۲۔ سلام کی ابتداء حضرت آدم سے ہوئی۔

۳۔ ''میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ داہنے اور بابرکت ہیں'' یہ جملہ کس نے کہا؟ اس میں دو احتمال ہیں یا تو حضرت آدم نے فرمایا تھا جس کو نبی کریم ﷺ نے نقل کیا یا نبی کریم ﷺ کا اپنا کلام ہے، بہر صورت اللہ تعالیٰ کی طرف داہنے ہاتھ کی نسبت کرنا متشابہات میں سے ہے، اس کی صحیح حقیقت کا اللہ جل شانہ کو ہی علم ہے، البتہ ہمارا اس کے معنی حقیقی پر ایمان ہے، گو اس کی کیفیت ہمیں اس وقت معلوم نہیں۔

۴۔ ''فاذا فیھا آدم و ذریتہ'' اس مٹھی میں آدم اور اس کی اولاد تھی، یعنی حضرت آدم نے عالم غیب میں اپنی اور اپنی تمام اولاد کی صورتیں دیکھیں۔

۵۔ فاذا فیھم رجل أضوؤھم، اس موقع پر صرف حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ یہ ان کی جزوی فضیلت ہے (۱)، اور پھر عمر سے متعلق جو مکالمہ ہوا ہے، اس کی تفصیل سورہ اعراف کی تفسیر میں ''عہد الست کی تفصیل'' کے تحت گذر چکی ہے، اسے وہاں

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۴۸۳، کتاب الآداب، باب السلام الفصل الثالث

دیکھ لیا جائے۔

بَابٌ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الأَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيدُ، فَخَلَقَ الجِبَالَ، فَقَالَ: بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ، فَعَجِبَتِ المَلَائِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الجِبَالِ. قَالُوا: يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الجِبَالِ؟ قَالَ: نَعَمْ الحَدِيدُ. قَالُوا: يَا رَبِّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الحَدِيدِ؟ قَالَ: نَعَمْ، النَّارُ. فَقَالُوا: يَا رَبِّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: نَعَمْ المَاءُ. قَالُوا: يَا رَبِّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ المَاءِ؟ قَالَ: نَعَمْ الرِّيحُ. قَالُوا: يَا رَبِّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الرِّيحِ؟ قَالَ: نَعَمْ ابْنُ آدَمَ، تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ بِيَمِينِهِ يُخْفِيهَا مِنْ شِمَالِهِ(۱)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو وہ ہلنے لگی، پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور انہیں حکم دیا کہ زمین پر ثابت ہو جاؤ چنانچہ وہ پہاڑ زمین پر ثابت اور قائم ہو گئے (یا زمین ثابت اور ٹھہر گئی) فرشتوں کو پہاڑوں کی شدت و سختی پر تعجب ہوا، وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، لوہا ہے (کہ وہ پتھر کو بھی توڑ دیتا ہے) پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے؟ اللہ نے فرمایا: ہاں آگ ہے (کہ وہ لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے) پھر انہوں نے پوچھا اے ہمارے رب: کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے؟ اللہ نے فرمایا: ہاں، پانی ہے (کہ وہ آگ کو بھی بجھا دیتا ہے) پھر انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار: کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے؟ اللہ نے فرمایا: ہاں، ہوا ہے (کہ وہ پانی کو بھی خشک کر دیتی ہے) پھر انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار: کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے؟ اللہ نے فرمایا: ہاں، وہ انسان ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرے کہ اس کو اپنے بائیں ہاتھ سے بھی مخفی رکھے۔

پوشیدہ صدقہ دینا پہاڑ اور لوہے وغیرہ سے بھی زیادہ سخت ہے

اللہ تعالیٰ نے جب کعبہ کی زمین کو پیدا کیا اور پھر اسے پھیلایا گیا تو وہ ڈگمگانے لگی، ہلنے لگی، اس کو ایک جگہ ٹھہرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کیا، سب سے پہلے جبل ابوقبیس کو پیدا کیا اور انہیں حکم دیا کہ تم زمین پر جم جاؤ، ثابت ہو جاؤ، تا کہ

(۱) مسند احمد ۱۲۴/۳

زمین حرکت نہ کرے اور اپنی جگہ سے نہ ہٹے، چنانچہ ایسا ہی ہوگیا کہ پہاڑ زمین پر ثابت ہوگئے جس سے زمین اپنی جگہ پر ٹھہر گئی،

یہ منظر فرشتوں کے لئے بڑا باعث حیرت تھا اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے چند سوال کئے کہ کیا پہاڑوں سے زیادہ سخت بھی کوئی چیز ہے؟ اللہ نے فرمایا: ہاں لوہا ان سے سخت ہے کہ وہ پتھر کو توڑ دیتا ہے، لوہے سے سخت آگ ہے کہ وہ لوہے کو پگھلا دیتی ہے، آگ سے سخت پانی ہے کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے، پانی سے سخت ہوا ہے کہ وہ پانی کو خشک کر دیتی ہے، اور ان تمام چیزوں سے سخت چیز یہ ہے کہ انسان پوشیدہ طور پر صدقہ کرے کہ اسے اپنے بائیں ہاتھ سے بھی مخفی رکھے۔

ابن آدم کے صدقے کو سب سے سخت کس وجہ سے فرمایا ہے؟ اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ جب انسان پوشیدہ طریقے سے صدقہ کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کی مخالفت، طبیعت پر جبر اور شیطان کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ فطری طور پر ہر انسان کا دل یہ چاہتا ہے کہ جب میں کسی کو مال و دولت دوں تو سارے لوگ دیکھیں، میری جود و سخاء کا چرچا ہو اور لوگ میری تعریف کریں، یوں میں دوسروں سے نمایاں اور ممتاز ہو جاؤں لیکن جب اس نے عام نظروں سے چھپا کر اپنا مال کسی کو صدقہ کیا تو اس نے گویا اپنے نفس کے تقاضوں کے خلاف کیا اور شیطان کے مکر و فریب سے بھی محفوظ رہا۔

۲۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ سخت اس لئے ہے کہ صدقہ سے اللہ کی ناراضگی دور ہوتی ہے اور اس کی رضا حاصل ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

فاستقرت: اس کی ضمیر پہاڑ اور زمین دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے، پہاڑ کی طرف لوٹے تو مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑ زمین پر ثابت اور قائم ہوگئے اور زمین کی طرف ضمیر کا مرجع ہو تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ زمین پر سکون ہوگئی اور ٹھہر گئی، جب اس کے اوپر پہاڑوں کو گاڑ دیا گیا(۱)۔

امام ترمذی نے آخری دو حدیثوں کو یہاں کیوں ذکر کیا

امام ترمذی نے آخری دو بابوں میں دو احادیث یہاں کیوں ذکر کی ہیں، کیونکہ بظاہر ان کو یہاں ذکر کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، شارحین حدیث نے اس کی دو وجہیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ وجہ ذکر کی ہے کہ سورہ ناس کے آخر میں ''ناس'' کا ذکر آیا تو اس مناسبت سے امام ترمذی نے یہ دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی حدیث میں انسان کی پیدائش وغیرہ کا اور دوسری حدیث میں انسان کی صفات کا ذکر ہے کہ وہ خفیہ طور پر صدقہ کرنے میں کائنات کی تمام مخلوقات سے سخت ہے(۲)۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام ترمذی نے ابواب التفسیر کے آخر میں ''احادیث شتیٰ'' (چند متفرق احادیث) کے طور پر

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳۶۲/۴، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ

(۲) الکوکب الدری ۳۲۸/۴

یہ دو حدیثیں یہاں ذکر کی ہیں جس طرح کہ عموماً مولفین کا اسلوب ہوتا ہے کہ کتاب کے آخر میں "مسائل شتی" کے عنوان سے متفرق مسائل ذکر کرتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی نے ابواب الدعوات کے آخر میں بھی "احادیث شتی" کے طور پر چند احادیث ذکر کی ہیں،

ان دو احادیث میں سے پہلی حدیث کا تعلق سورہ طٰہٰ کی اس آیت سے ہے: "ولقد عهدنا الى ادم من قبل فنسي و لم نجد له عزما"، اور دوسری حدیث کا تعلق سورہ نحل کی اس آیت سے ہے: "و ألقى في الارض رواسي ان تميد بكم"، گویا یہ دو حدیثیں ان دو آیتوں کی تفسیر میں امام ترمذی نے ذکر کی ہیں(۱)۔

الحمدللہ آج ۸ رمضان ۱۴۳۳ھ ۲۸ جولائی ۲۰۱۲ء کو معارف ترمذی جلد سوم پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرمائیں، اسے میرے لئے، میرے اساتذہ اور والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، اور اپنی رضا کے ساتھ اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین وصلی اللہ علی النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

(۱) تحفۃ الاحوذی ۹/۲۸۵

مصادر ومراجع

معارف ترمذی جلد سوم

قرآن مجید		
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر	قدیمی کتب خانہ کراچی
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب	ادارۃ المعارف کراچی
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ترمذی	ابوعیسیٰ ترمذی	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن ابی داؤد	سلیمان بن الاشعث	قدیمی کتب خانہ کراچی
شرح معانی الآثار	امام احمد بن طحاوی	ایچ ایم سعید کراچی
المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ الحاکم	بیروت
عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین عینی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
عارضۃ الاحوذی	ابن العربی مالکی	داراحیاء التراث بیروت
تحفۃ الاحوذی	عبدالرحمن مبارکپوری	بیروت اور قدیمی کراچی
شرح الطیبی	حسین بن محمد طیبی	ادارۃ القرآن کراچی
مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری	رشیدیہ کوئٹہ، حقانیہ پشاور
العرف الشذی علی جامع الترمذی	مولانا انور شاہ کشمیری	ایچ۔ ایم سعید کراچی
بذل المجہود	خلیل احمد سہارنپوری	بیروت
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان	مکتبہ فاروقیہ کراچی
فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
اطلس القرآن	دکتور شوقی ابو خلیل	بیروت
درس ترمذی	محمد تقی العثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	حافظ ابن حجر عسقلانی	بیروت
فتح القدیر	علامہ ابن الھمام	رشیدیہ کوئٹہ
الکامل	لابن اثیر	بیروت

تفسیر خازن		پشاور
دعوۃ الرسل	محمد احمد	بیروت
حاشیہ الجمل علی الجلالین		قدیمی کراچی
سیر الصحابہ		ادارہ اسلامیات لاہور
دلائل النبوۃ	بیہقی	بیروت
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر	بیروت
احکام القرآن	مفتی محمد شفیع	ادارۃ القرآن کراچی
بدائع الصنائع	علامہ کاسانی	رشیدیہ کوئٹہ
انعام الباری	محمد تقی عثمانی	مکتبہ الحراء، کراچی
مجمع بحار الانوار		بیروت
القاموس الوحید	وحید الزمان قاسمی	ادارہ اسلامیات لاہور
احکام القرآن	جصاص	بیروت
شرح معانی الاثار	طحاوی	بیروت
شرح مسلم	امام نووی	قدیمی کراچی
المبسوط	سرخسی	بیروت
مظاہر حق	نواب محمد قطب الدین دہلوی	دار الاشاعت کراچی
ارشاد الساری	ابن حجر	بیروت
نفحات التنقیح	سلیم اللہ	فاروقیہ کراچی
فیض الباری	مولانا محمد انور شاہ کشمیری	رشیدیہ کوئٹہ
اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	ادارہ تالیفات، ملتان
تفسیر عثمانی	شبیر احمد عثمانی	
بیان القرآن	اشرف علی تھانوی	ملتان
فتاوی عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن کراچی
حاشیہ جامع ترمذی	احمد علی سہارنپوری	ایچ ایم سعید کراچی
تفسیر طبری		بیروت
تفسیر کبیر		بیروت
تقلید کی شرعی حیثیت	محمد تقی	مکتبہ دار العلوم کراچی
السیرۃ الحلبیۃ	ابن کثیر	بیروت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعهم باسحان الی یوم الدین۔

برادر عزیز ومکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی واستاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں ''معارف ترمذی'' کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں۔ بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند مآخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح دلنشین انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دارانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور مآخذ، مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اوّل ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کمی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 172 اسلام آباد